شہادتِ عظمیٰ

مُصنفہٗ

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

قیمت پانچ روپیہ

شیعہ بچوں کی مذہبی تعلیم

بچوں کی ابتدائی تعلیم مذہبی کے لیے دفتر اصلاح نے مستقل سلسلہ دینیات کا مرتب کر کے شائع کیا ہے پانچ حصے ہیں اور ہر حصہ درجہ بدرجہ بچوں کی استعداد ذہنی صلاحیت، ادریجی نشو و نما، ترقی پذیر لیاقت و اہلیت پیش نظر رکھ کر نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھا گیا ہے کہ معمولی سمجھ کا بچہ بھی آسانی سے سمجھ جائے

قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۵ر حصہ سوم ۸ر حصہ چہارم ۸ر حصہ پنجم ۱۴

شیعہ بچوں کی مذہبی تعلیم کے متعلق ملک کے موقر جرائد کے تبصرے

مدیر محترم ماہنامہ "نور" مراد آباد کا تبصرہ

اس وقت ہمارے سامنے شیعہ بچوں کی مذہبی تعلیم کا وہ بے نظیر سلسلہ ہے جس کو جناب مولوی سید محمد باقر صاحب قبلہ مولوی فاضل صدر الافاضل ابن جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دام ظلہ مدیر اصلاح نے تحریر فرمایا ہے۔ فاضل مصنف نے اس سلسلے کو پانچ حصوں میں قرار دیا ہے اور نہایت خوبی کے ساتھ بچوں کے فطری مذاق کا لحاظ رکھتے ہوئے دینی مسائل کو دلچسپ و سادہ عبارت میں سمجھایا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا نہایت بے نظیر سلسلہ ہے۔ بیان کی خوبی اور مضامین کی جامعیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرات مومنین کو چاہیے کہ اس سلسلے کی پانچوں کتابیں منگا کر اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دلائیں۔

(رسالہ نور ماہ مئی [illegible])

جناب خواجہ اسد مدیر "سرفراز" لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں

ہمارے پیش نظر اس وقت شیعہ بچوں کی مذہبی تعلیم کا ایک مکمل نصاب ہے جو پانچ حصوں میں ہے اس کے مرتب جناب مولانا سید محمد باقر صاحب مولوی فاضل صدر الافاضل خلف جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر اصلاح کھجوا ہیں۔ ہماری نظر سے اردو زبان میں بچوں کیلئے لکھی ہوئی دینیات کی جتنی کتابیں گزری ہیں ہم بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ یہ نصاب سب سے بہتر ہے۔ عبارت بیحد سلیس، زبان آسان، اسلوب بیان دلکش و دلنشین طرز ادا بیحد پیارا ہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بچوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر حصے میں ضروری مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ ان پانچ حصوں کو اچھی طرح پڑھ لینے کے بعد مذہبی واقفیت اچھی خاصی ہو جاتی ہے۔ ہم ناظرین سرفراز سے پر زور سفارش کرتے ہیں کہ وہ یہ کتابیں منگا کر اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دلائیں۔

قیمت مکمل سٹ ۲ہ

(سرفراز محرم نمبر [illegible])

بلاغت الحسینؑ

یوں تو حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کے متعلق عربی، فارسی، اردو میں ہزاروں کتابیں شائع ہوئی ہوں گی، مگر وہ زیادہ تر واقعۂ کربلا اور حضرت امام مظلوم کی جانگداز و روح فرسا واقعات شہادت سے تعلق رکھتی ہیں۔ بلاغت الحسینؑ اپنی نوعیت کی پہلی اور نادر ترین کتاب ہے جس میں نہج البلاغہ (کلام امیر المومنینؑ) کے طرز پر امام مظلومؑ کی فصیح و بلیغ تقریریں، خطوط اور مختصر حکیمانہ فقرے جمع کر دیے گئے ہیں۔ دفتر اصلاح کھجوا نے اس کتاب کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ ایک صفحہ پر اصل عربی عبارت دوسرے صفحہ پر بیحد سلیس و عام فہم ترجمہ۔ شروع میں ملک کے تین نامور ارباب قلم کے انتہائی مفید و بیش قیمت مقدمات بھی شریک ہیں جنھوں نے اس کتاب کی افادیت کو دوچند کر دیا ہے حجم تقریباً ۳۰۰ صفحے۔ کتابت و طباعت نہایت دیدہ زیب و دلاویز۔۔۔۔۔ قیمت مجلد۔۔۔۔۔ ساڑھے تین روپیہ

پیام اسلام لکھنؤ کا تبصرہ: "بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ اب تک جتنی دینیات کے نصاب کے لیے کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان میں سب سے بہتر ہے۔"

(پیام اسلام ۷ر ستمبر [illegible])

محترم مدیر رسالہ "الواعظ" مدرسۃ الواعظین لکھنؤ فرماتے ہیں ابتدائی تعلیم میں اب تک جتنی کتابیں ہمارے سامنے آئی ہیں ان سب سے اسلوب تحریر اچھا ہے اور تالیف میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو اطفال کے دلنشین ہو سکتا ہے ہر حصے میں بچوں کی معلومات کو تدریجی طور پر بڑھایا ہے۔"

(رسالہ الواعظ لکھنؤ اپریل [illegible])

دفتر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

پاکستان میں دفتر اصلاح کی مطبوعات ملنے کا پتہ:۔ سید محمد حسین صاحب بی۔ اے ۲۸۷ جی۔ آر۔ ڈبلیو لارنس روڈ کراچی

دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ	شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
حقا کہ بنا لا الٰہ است حسینؑ	سر داد و نہ داد دست در دست یزید

رسالۂ

شہادتِ عُظمیٰ

مشہور کانگریسی لیڈر اور نامور عالم اہل سنت جناب مولوی ابو الکلام آزاد صاحب دہلوی کے حیرت انگیز رسالہ "شہید اعظم" ہے جس کو ایسے طرز سے لکھا ہے کہ ثابت ہوتا ہے یزید جائز ، برحق اور تسلیم شدہ خلیفہ رسول تھا۔ امام حسینؑ نے بغیر کسی حق اور صحیح عذر کے محض بادشاہت کے لالچ میں اس سے بغاوت کی جس پر خود آپ کے مخصوص عزیزوں نے بھی آپ کو بہت سمجھایا مگر آپ پر حکومت اور دنیا پرستی کی طمع کا نشہ اس درجہ سوار تھا کہ کسی کی ایک نہیں سنی اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ آخر یزید کے گورنر ابن زیاد نے آپ کو فتنہ و فساد سے باز رکھنے کی پوری جدوجہد کر لینے اور ہر تدبیر سے مایوس ہو جانے کے بعد انتہائی مجبوری کے عالم میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے قتل کرا دیا۔ مگر اس دھبہ سے یزید کا دامن بالکل پاک تھا ابن زیاد نے صرف اپنے ذاتی فیصلے سے حضرت کی سرکشی کی سزا میں آپ کا خون بہایا جس میں اس کی نیت بھی درست تھی اور اس کا یہ انتظام بھی صحیح تھا) جامع ، تحقیقی اور منصفانہ تبصرہ (اور شہید اعظم کی عبارت پنچے شہادت عظمیٰ کی) اور واقعہ کربلا کے مفصل اسباب ، اس جہاد کی اصلی غرض و غایت ، امام مظلوم کی مجبوریاں اس قربانی کے حقیقی وجوہ و اسرار ، حضرت کے خوشی سے جام شہادت نوش فرمانے کا راز۔ اس سخت ترین اسلامی حادثہ کے پورے حقیقی حالات اور تمام مستند تاریخی بیانات کا مرتب مجموعہ (جس میں لفضلہ تعالیٰ شہدائے کربلا اور حضرات اہل بیت کے مصائب کے کل واقعات تفصیل سے کمال ترتیب کے ساتھ صاف اور سہل عبارت میں لکھے گئے ہیں۔ آخر میں فرقہ اہل قرآن کی فرمائش کے مطابق کربلا کی شہادت پر قرآنی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنفہ

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ مبارکہ اصلاح دام فیضہ

مطبع اصلاح کھجوا صوبہ بہار میں چھپ کر شائع ہوا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا ابی القاسم
محمد و آلہ الطاہرین

حضرت رسول خدا کے چھوٹے نواسے جناب امام حسینؑ آنحضرت کی زندگی ہی (سنہ ۴ھ) میں پیدا ہوئے آنحضرت کی گود میں پرورش پائی۔ برابر حضرت کے پاس رہے۔ حضرت آپ پر اس طرح جان دیتے جس طرح باپ اپنے صلبی اکلوتے فرزند پر قربان ہونا پسند کرتا ہے۔ مسلمانوں کو برابر اپنی محبت اور فریفتگی سے باخبر کرتے رہے، اپنا پدری برتاؤ دکھاتے رہے۔ اپنی زندگی بھر اہل اسلام کو آپ کی پیروی، آپ سے دوستی آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرماتے رہے اور حضرت کی وفات سنہ ۱۱ھ سے آپ کی شہادت سنہ ۶۱ھ تک ہر مسلمان آپ کے اسلامی حقوق آپ کے ایمانی تعلقات، آپ کی دینی عظمت و جلالت آپ کے تقرب الی اللہ کی خصوصیات اور آپ کی انسانی شان و شوکت سے آگاہ ہوتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ حضرت کی مخالفت خود خدا کی دشمنی ہے آپ کی ناراضگی حضرت رسول خدا کی عداوت اور دونوں کا انجام یقیناً دائمی عذاب جہنم ہے۔

باوجود خدا اور رسول کے اس درجہ اہتمام کے کیوں آپ شہید ہو گئے؟ مسلمانوں کو کس طرح اس کی جرأت ہوئی؟ امام مظلوم کیونکر اس قربانی کے خوشی سے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے؟ کن وجوہ و اسباب کی بنا پر یہ مصائب نازل ہوئے؟ کیا اس کی علت کوئی وقتی بات تھی یا حضرت رسول کی وفات ہی سے اس کا گہرا تعلق ہے؟ اور عوام و خواص میں جو مشہور ہے کہ "کشتہ شد حسین اندر سقیفہ" (امام حسین تو در حقیقت سقیفۂ بنی ساعدہ ہی میں جو حضرت رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام سے روشناس ہوا قتل کر دیئے گئے) اس کی حقیقی توضیح و توجیہ کیا ہے؟ ان تمام امور پر سے غفلت کے پردے ہٹانے اور ان اسرار کے چہروں پر سے بے خبری کی نقاب الٹنے کی ضرورت مدت دراز سے محسوس ہو رہی تھی۔ اور بہت سے علم دوست دل و دماغ میں ان امور کی تحقیق کی بے چینی رہتی تھی جس پر مختلف حضرات نے اپنے مفید علمی اور دینی مضامین و رسائل میں روشنی بھی ڈالی۔ مگر ان اغراض کے لئے اب بھی کسی جامع اور مبسوط تصنیف کی احتیاج تھی۔ اتفاقاً سال گذشتہ مشہور کانگریسی لیڈر اور معزز عالم اہل سنت جناب مولوی ابوالکلام آزاد صاحب دہلوی کا رسالہ "شہید اعظم" نظر سے گزرا جس کو پڑھ کر نہایت حیرت ہوئی اور سخت افسوس بھی ہوا کہ ایسے باکمال سے کیونکر ایسی لغزشیں ہو گئیں۔ حضرات اہل بیت کے استحقاق خلافت پر

اشارۃً کنایۃً چوٹ کرنا تو چلا ہی آتا ہے۔ اس کی شکایت ہی عبث ہے، حیرت تو یہ ہے کہ شہادت حسینی کے علل و اسباب کے بارے میں آپ کس طرح ان غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے اور حادثہ کربلا کے واقعات سے آپ کیسے عالم بے خبری میں پڑے ہیں۔ ناظرین کتاب کو اگر ہمارے بیان پر تعجب ہو تو رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کریں، ہم ان کی پوری عبارت نقل کریں گے، ایک حرف اور ایک لفظ بھی نہیں چھوڑیں گے البتہ اسکے نیچے خط کھینچ کر اپنا تبصرہ لکھیں گے۔ خود ملاحظہ فرمالیں کہ واقعہ کربلا کے متعلق ممدوح نے اپنے علمی تبحر کے کیسے نمونے پیش کئے ہیں۔ مثلاً یہاں صرف ایک امر دیکھتے چلیں پھر اختیار ہے اس تحقیق کی داد دیں۔ یا حیرت کریں کہ آپ ایسے اسلامی علوم سے واقف نے کس طرح ایسی باتیں تحریر کیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "مولود تازہ کی بشارت۔ حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اُس وقت آپکے یہاں لڑکا پیدا ہوا وہ آپکے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا، بچہ کی روح اسی وقت پرواز کر گئی" (شہید اعظم صـ ۲۴۲) کسی نے بھی آج تک سنا ہے کہ جناب علی اصغر عین اسی وقت پیدا ہوئے تھے اور حضرت ان کے کان میں اذان دینے لگے تو تیر لگ گیا (اس پر تبصرہ آگے آئے گا)۔

مولوی صاحب کا یہ رسالہ پڑھنے سے ایک منصف مزاج اور تحقیق پسند شخص کے ذہن میں حسب ذیل سوالات بھی پیدا ہو سکتے (۱) کن وجوہ سے مسلمانوں نے حضرت کو قتل کیا اور کس طرح ان کو اسکی جرأت ہوئی؟ (۲) حضرت نے کن مجبوریوں سے تنگ آ کر اپنی اور اپنے اصحاب اعزا و اولاد کی قربانیاں گوارا کیں؟ (۳) کشتہ شد حسین اندر سقیفہ کی توجیہ (۴) کیا امام حسین دنیا، دولت اور بادشاہت کے لالچ میں قتل کئے گئے؟ (۵) کیا امام حسین ناعاقبت اندیش اور ضدی تھے؟ کیا آپ میں خود رائی، خود بینی، خود پسندی اور نفس پرستی کا عیب تھا؟ (۶) کیوں جناب امیر نے خلفائے ثلاثہ سے جہاد نہیں کیا اور کیوں امام حسین نے یزید سے مقابلہ کیا؟ (۷) کیا امام حسن عیش پرست تھے آپ بیویوں کو طلاق کیوں دیتے تھے؟ آپ نے معاویہ سے صلح کیوں کی؟ پھر امام حسین نے بھی یزید کو اس قابل کیوں نہیں سمجھا (۸) امام حسین مدینہ سے تنہا کیوں نہیں گئے اور اہلبیت کی آوارگی و اسیری کے باعث کیوں ہوئے؟ (۹) کیا امام حسین نے حکم خدا "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کی مخالفت کی؟ کیا آپکے دامن پر آپکے ساتھی ۷۲ اور لشکر یزیدی کے بے حساب اہل اسلام مقتولین کے خون اور انکی عورتوں کے بیوہ اور بچوں کے یتیم کر ڈالنے کا دھبہ قیامت تک رہے گا (۱۰) حضرت نے تقیہ کیوں نہیں کر لیا کہ خود بھی بچ جاتے اور اتنے مسلمانوں کی ہلاکت بھی ہوتی؟ اس لئے شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ اس رسالہ پر مفصل تبصرہ بھی کیا جائے اور مذکورہ بالا سوالات کی تحقیق بھی کی جائے۔ اگرچہ ہماری کتاب "تصویر عزا" میں اکثر سوالات کے جوابات ہو چکے ہیں پھر بھی یہ سب اس قابل ہیں کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں مکرر حل کئے جائیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے ۔۔۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد[۱]

شہید اعظم

تاریخ جنگ کربلا

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے مکمل واقعات وحوادث اور تمام مستند تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ جس میں اہلبیت کے مصائب کے جملہ واقعات نہایت مرتب سلسلہ بیان کے ساتھ نہایت فصیح و بلیغ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اس قدر عالمانہ اور بصیرت افروز مستند تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے گا[۲]

مولفہ حضرت مولانا ابو الکلام آزاد ۔

---

[۱] یہ شعر مشہور خلافتی لیڈر مسٹر محمد علی صاحب بی اے کا ہے مگر آج تک اس کا مطلب نہیں کھلا کہ کون مضمون پیدا کیا ہے۔ پہلا مصرع بھی معمّا اور دوسرا بھی چیتاں بن کر رہ گیا ہو۔ اور دوسرے کو سابق مصرع سے کیا ربط ہے۔ اسکا حل کرنا بہت دشوار ہے۔ امام حسین کا قتل اصل میں مرگ یزید کیوں اور کس فلسفہ کے مطابق ہے؟ کیا حضرت قتل نہ ہوتے تو یزید بھی حضرت عیسیٰ کی طرح آج تک زندہ رہتا؟ معاویہ نے حضرت کو تو قتل نہیں کیا، کیا وہ مرگ کے اب تک بچے ہوئے ہیں؟ حضرت عمر نے حضرت کا خون بہانے کیلئے فوج نہیں بھیجی تو کیا ملک الموت نے انکو چھوڑ دیا؟ حضرت ابو بکر نے امام مظلوم کا سر بھیجنے کو نہیں لکھا تو کیا وہ موت کے پنجہ سے محفوظ ہیں؟ دوسرا مصرع بھی پوری بھول بھلیاں ہے۔ ہر کربلا سے کیا مطلب؟ اور "کے بعد" سے کیا مقصود؟ اور ہر کربلا کے بعد اسلام زندہ ہونے کی شرح؟ مسٹر محمد علی صاحب اگر ایسا بے معنی بے مطلب۔ بے جوڑ شعر کہہ گئے تو زیادہ تعجب نہیں لیکن سخت حیرت تو مولوی آزاد صاحب سے ہے کہ ایسے شعر کو اپنے رسالہ کا سرنامہ یا تاج بنلوایا۔ اگر اس طرح کہتے تو پھر بھی کچھ معنی ظاہر ہوتے قتل حسین اصل میں دین کی حیوٰۃ ہے۔ اسلام زندہ ہوگیا۔ اس حادثہ کے بعد ہا یا ۔ ذبح عظیم اصل میں دین کی حیوٰۃ ہے۔ اسلام زندہ ہوتا ہے اس تذکرہ کے بعد[۲]

[۲] اس سے بہت زیادہ عالمانہ اور بصیرت افروز مستند تاریخی مجموعہ اردو کی دوسری بہ کثرت کتابوں میں موجود ہے مثلاً جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری کی کتابیں غم حسین و شہادت حسین۔ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار پریانواں کی تاریخ احمدی۔ یا مولانا سید محمد ہارون صاحب مرحوم کی شہید اسلام یا مرزا حسن علی صاحب تبلیغنا رسی مرحوم کی شہید اعظم۔ یا خان بہادر سید اولاد حیدر صاحب مرحوم کو اتھہ کی ذبح عظیم یا مولوی غضنفر علی صاحب مرحوم کی اصلاح الشاقین وغیرہ تعجب ہے آپ کو ان کتابوں کی خبر نہیں ہوئی جو سو سو صفحوں سے بھی زیادہ ضخامت کی ہیں[۱۲]

دیباچہ

دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکا ہے عجیب بات یہ ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پر پہونچ جاتی ہیں دنیا عموماً تاریخ و حقیقت سے زیادہ افسانہ و تخیل کے اندر انہیں ڈھونڈھنا چاہتی ہے اسی لیے فلسفہ تاریخ کے بانی ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنا دینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا اتنی ہی زیادہ افسانہ سرائی اُسے اپنے حصار تخیل میں لے لیگی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بن جائے [1] تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین علیہ وعلی آبائہ واجداد الصلواۃ والسلام کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے محتاج بیان نہیں خلفاء راشدین کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی سیاسی اور اجتماعی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے وہ ان کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے بغیر کسی مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہونگے جس قدر اس حادثہ پر بہہ چکے ہیں۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو محرم گزر چکے اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا امام حسین کے جسم خوں چکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا اس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشکہائے ماتم والم کا ایک سیلاب بہا چکی ہے۔

افسوس یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے [2] اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور

---

[1] اگر یہ بات بطور کلیہ تسلیم کرلی جائے تو دنیا کا کوئی مشہور واقعہ قابل اعتبار نہیں رہ سکتا۔ آریوں کا ہندوستان میں آنا۔ سکندر کا بہت بڑا فاتح ہونا۔ ایک مدت دراز کے بعد امریکہ کا پتہ لگنا۔ فرعون ونمرود وہامان کا دعوئے خدائی کرنا فرعون کا لشکر سمیت دریا میں غرق ہونا۔ مسیلمہ کذاب کا مدعی نبوت تھا۔ نپولین ایسے فاتح کا شکست کھانا وغیرہ دنیا کے مشہور واقعات ہیں تو کیا یہ سب افسانے ہی ہیں؟۔

[2] اگر اسی طرح کوئی مخالف اسلام کہے کہ دنیا کا عدم سے وجود میں آنا۔ خدا کے لفظ کن کہنے سے ہوجانا حضرت آدم وحوا کی پیدائش دونوں، بزرگوں کا بہشت سے نکل کر دنیا میں آنا حضرت نوح کا طوفان۔ حضرت ابراہیم کا آگ میں ڈالا جانا حضرت اسمٰعیل کے ذبح پر آمادہ ہونا۔ مکہ معظمہ کو آباد کرنا حضرت یوسف کے کل واقعات حضرت موسیٰ کا دریائے نیل سے عبور کرجانا حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہو مصلوب ہونا حضرت رسول خدا کا دعویٰ نبوت کرنا معراج پانا اور مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا دنیا کے مقبول ومشہور واقعات ہیں جو تاریخ نے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کرچکے ہیں تو کیا آپ تسلیم کرلیں گے۔

تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے تو اکثر صورتوں میں اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔[1] اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے وہ زیادہ تر نوحہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دیتی ہے[2] نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں وہ بھی در اصل تاریخ نہیں ہیں روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی ہے[3] اگر آج جستجو کی جائے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے جو حادثہ کی "تاریخ" ہو تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں[4] اس مضمون میں ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت

---

[1] بالکل یہی تقریر کیا حضرت رسول کی ولادت اور نبوت کے متعلق بھی نہیں کی جا سکتی؟ کیونکہ جن مفصل کتب تاریخ میں آنحضرت کی پیدائش اور پیغمبری کے واقعات ہیں ان سب میں واقعہ کربلا کا ذکر بھی ہے۔ اب اگر آخر الذکر کے متعلق تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر مطالعہ کرنے والوں کو مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا تو حضرت رسول خدا کے حالات کے متعلق کیوں یہ افسوسناک حالت نہیں ہوگی۔

[2] پہلے صفحہ پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کتاب کے مضامین "نہایت فصیح و بلیغ پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں" شاید اسی کا نمونہ یہاں پیش کیا گیا ہے کہ لفظ "مقصد" کی خبر "پیدا کر دیتی ہے" لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ ۱۲

[3] پھر مولود خوانی اور جلسہ میلاد کے مواد کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ کیا وہ بھی زیادہ تر عقیدت مندی سے تعلق رکھتے ہیں جن کا مقصد زیادہ سے زیادہ درود خوانی اور قیام و سلام پیدا کر دینا ہے نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات؟ یہ بھی فرمائیں کہ یہ رائے صرف ان کتابوں کے بارے میں ہے جو شیعوں نے لکھی ہیں یا ان کے متعلق بھی جو بڑے معتبر محدثین و مفسرین و مورخین اہلسنت اور یوروپین محققین کی تحریر کی ہوئی ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز ہے ۱۲

[4] اگر آپ کو فرصت مل سکے تو پٹنہ یا لکھنؤ یا ریاست حیدر آباد دو چار روز کے لئے تشریف لے جائیں۔ وہاں کے مشہور کتب خانوں ہر زبان و عربی و فارسی و اردو اور انگریزی کی ایک دو نہیں ہزاروں کتابیں دوسری صدی سے چودھویں صدی تک کی تصنیف شدہ مل جائینگی اگر آپکو وقت نہ ملے کہ بڑی کتابوں کو دیکھ سکیں تو اپنے محترم صوفی بزرگ جناب شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری کے مختصر رسالے شہادت حسین و غم حسین ہی کو ملاحظہ فرما لیجئے جس سے واضح ہو جائے گا کہ کتنے جلیل القدر علماء و محدثین اسلام کی کتابیں ان تاریخی واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ان باتوں کو ابھی چھوڑیے۔ عربی ہی میں مقتل ابی مخنف۔ مقتل ابی اسحاق اسفرائنی، تاریخ طبری، کامل، یعقوبی، مروج الذہب، خمیس، حیوٰۃ الحیوان، اخبار الطوال۔ المختصر، سیاحت، روضۃ المناظر، ابو الفدا، تاریخ دمشق، اسد الغابہ، استیعاب، اصابہ، تہذیب التہذیب، نور الابصار، فصول مہمہ، صواعق محرقہ، ینابیع المودۃ وغیرہ۔ فارسی کی روضۃ الصفا، حبیب السیر، روضۃ الاحباب، ناسخ التواریخ۔ انگریزی کی ہسٹری آف سیرسینز، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ہسٹورینز ہسٹری، اسلام اور اسلامیان از ڈاکٹر جوزف وغیرہ کے دیکھنے میں عمر صرف ہو جائے گی ۱۲

کے واردات وحوادث درج کرتے ہیں، یہ حادثہ کربلا کی تاریخ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے[1] کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس حادثہ کے واقعات یہ ہیں۔ یاد رہے کہ اس سلسلے سے مقصود تاریخی بحث و نظر نہیں ہے بلکہ مجرد واقعات و خبات کا اس طرح یکجا کر دینا ہے کہ اس سے ایک مرتب سلسلۂ بیان پیدا ہو جائے۔ البتہ واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی ہے شاید اس قدر کاوش اور جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے (مولانا آزاد) مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء[2]

---

[1] آپ نے یہ کتاب لکھی ہے ہر اس شخص کے لئے جو اردو جانتا یا سمجھتا ہو خواہ علم و فہم کے لحاظ سے وہ کسی لیاقت کا ہو۔ اس وجہ سے مناسب تھا، اپنے اس جملہ کا مطلب بھی واضح کر دیتے "یہ حادثہ کربلا کی تاریخ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔" اور یہ بھی ارشاد فرما دیتے کہ کن صفات کی وجہ سے کوئی کتاب کسی حادثہ کی صرف "تاریخ" کہلاتی ہے اور "تاریخی واقعات کا مجموعہ" اس کو نہیں کہہ سکتے۔ اور کن خوبیوں کے سبب سے کسی کتاب کو کسی حادثہ کے تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ کہا جاتا ہے اور اس کو اس حادثہ کی "تاریخ" کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسی تعریف کے مطابق وہ دوسری کتابوں کو بھی جانچنے کی کوشش کرتا ۱۲

[2] جب آپ کی تحقیق کے مطابق کسی زبان میں بھی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جو حادثہ کربلا کی تاریخ ہو تو آپ خود ایسی کتاب کیونکر لکھ سکتے ہیں جو اسی واقعہ کی تاریخ ہو؟ یہ واقعہ ہوا تو سنہ ۶۱ ہجری میں۔ اور آپ نے یہ کتاب لکھی سنہ ۱۳۴۶ ہجری میں (واقعہ سے ۱۲۸۵ سال کے بعد) ظاہر ہے کہ اس وقت آپ موجود نہیں تھے اور نہ اس وقت کوئی شخص اس زمانہ کا موجود ہے جس سے سن کر دریافت کر کے آپ نے اپنی کتاب لکھی ہو۔ اب اگر اس زمانہ کی ایسی کوئی کتاب موجود ہی نہیں ہے تو اس زمانہ میں وہ واقعہ کیونکر لکھا جا سکتا ہے؟ تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ بھی تو آپ بغیر کسی مرتب کتاب کے نہیں لکھ سکتے۔ ترتیب کی بھی آپ کو خود کیونکر اور کیا خبر ہو سکتی ہے کہ کون واقعہ کب اور کس وقت ہوا۔ کس واقعہ کا تقدم کا درجہ حاصل ہوا اور کس کو تاخر کا۔ اگر آپ زبان اردو کی قید کر دیتے تو پھر بھی کچھ گنجائش ہوتی مگر ہزاروں عربی ماخذ کے ہوتے نہ معلوم کیونکر آپ نے ایسا دعویٰ کرنا پسند کیا!!! تو پھر اسلام کا کوئی واقعہ بھی درجہ اعتماد پر نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ جس تفصیل اور کثرت سے علماء نے اس واقعہ کو لکھا۔ اس شان سے اور کتنے واقعات لکھے گئے ہیں؟ ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید | اہل بیت سے

۱۔ خلیفہ صرف خدا مقرر کرتا ہے

جس طرح حضرت رسول خدا اپنے تئیں نبی اور رسول برحق سمجھتے تھے کیونکہ جس طرح حضرت واقعاً خدا کے نبی اور رسول تھے اسی طرح حضرات اہلبیت بھی واقعاً اور صحیح خلفاء رسول تھے اس لیے کہ جس طرح خدا نے حضرت رسول کو پیغمبر بنایا تھا بالکل اسی طرح خدا ہی نے اہل بیت کو بھی آنحضرت ص کا خلیفہ اور لوگوں کا امام و مقتدا بنانے مقرر کیا تھا اور اس کی وجہ واضح ہے کہ جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے یا بنانے یا انتخاب یا بیعت یا اجماع یا شوریٰ سے کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا بعینہ اسی طرح لوگوں کے چن لینے یا رائے کر لینے یا ہاتھ پر ہاتھ مار دینے یا نامزد کر دینے سے کوئی شخص حضرت رسول کا خلیفہ اور لوگوں کا امام و مقتدا نہیں ہو سکتا۔ جس کو خدا نے صاف فرما دیا ہے وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون ۔ "تمہارا رب ہی لوگوں کو پیدا کرتا اور وہی کسی کو لوگوں کی رہبری کے لئے چن لیتا ہے آدمیوں کو اس کا اختیار بالکل نہیں ہے اور جس کو یہ لوگ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اس سے خدا پاک اور کہیں برتر ہے (پارہ ۲۰ ع ۱۰) اسی سبب سے شروع سے آج تک جس طرح خدا ہی ہر نبی مقرر کیا اور کسی نبی کا تقرر آدمیوں کی تجویز یا اجماع سے نہیں ہوتے ویسا ہر خلیفہ کو بھی خدا ہی نے مقرر کیا۔ فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفہ "یقیناً میں ہی زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا (پارہ ۱ ع ۴) یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض "اے داؤد یقینی بات ہے کہ تم کو زمین میں خلیفہ ہم ہی نے بنایا ہے (پارہ ۲۳ ع ۱۱) انی جاعلک للناس اماما "اے ابراہیم یقیناً تم کو آدمیوں کا امام بنانے والا میں ہی ہوں (پارہ ۱ ع ۱۵)" تاریخ کی ہر کتاب سے بھی ثابت ہے کہ ہر نبی کے خلیفہ اور وصی خدا ہی کے مقرر کرنے سے ہوتے رہے اور وہ نبی ہی اس کا اعلان بھی اپنی زندگی ہی میں کر دیتے تھے حضرت آدم نے خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ حضرت شیث کو مقرر کیا (طبری ج ۱ ص ۸۰) حضرت شیث نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ (انوش) کو مقرر کیا (طبری ج ۱ ص ۸۰) حضرت ادریس نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ اپنے فرزند متوشلخ کو مقرر کیا (کامل ج ۱ ص ۱۲۷) حضرت ابراہیم نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی حضرت اسحٰق کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (روضۃ الصفا ج ۱ ص ۴۹) حضرت یعقوب نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی حضرت یوسف کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (طبری ج ۱ ص ۱۷۲) حضرت موسیٰ خدا کی طرف گئے تو خدا کے حکم سے خود ہی حضرت ہارون کو خلیفہ مقرر کر گئے تھے (طبری ج ۱ ص ۲۱۹) اور چونکہ جناب ہارون حضرت موسیٰ کی زندگی میں انتقال کر گئے حضرت موسیٰ نے بھی خدا کے حکم سے جناب یوشع کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (روضۃ الصفا ج ۱ ص ۹۲) حضرت داؤد نے بھی خدا کے حکم

شروع

اپنے فرزند حضرت سلیمان کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (تاریخ کامل جلد ا صفحہ) جب حضرت داؤد نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمان جناب داؤد کی سلطنت اور علم و نبوت کے وارث ہوئے۔ جناب داؤد کے ۱۹ فرزند تھے مگر حضرت داؤد نے خود ہی اپنا وارث صرف حضرت سلیمان کو کیا اور باقی فرزند علم و نبوت میں حضرت داؤد کے وارث نہیں ہوئے (تاریخ کامل جلد ا صفحہ) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت انبیا خود بھی اپنے والدین کے وارث ہوتے تھے اور دوسروں کو اپنا وارث کرتے تھے۔ ایسی صورت میں مشہور حدیث نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ (ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا شخص ہم لوگوں کا وارث ہوتا ہے بلکہ ہم لوگ جو چیزیں چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہیں) کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے؟ عبارت مذکورہ کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ گروہ انبیاء خود بھی دوسروں کے وارث ہوتے ہیں اور دوسروں کو وارث کرتے بھی ہیں۔ حضرت داؤد پیغمبر تھے اور اُن کے وارث حضرت سلیمان ہوئے جو خود بھی پیغمبر تھے۔ اور اس پر ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہیئے کہ حضرت رسول خدا صلعم کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اور آپ کے دہن مبارک سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکل سکتا تھا۔ قرآن مجید سے بھی انبیاء کا وارث ہونا اور وارث کرنا واضح ہے۔ غرض یہ کل باتیں اس بات کی یقینی دلیلیں ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حدیث نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ہرگز ارشاد نہیں فرمائی اور نہ حضرت ایسا فرما سکتے تھے۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی مقرر فرمایا تھا اور اپنی زندگی ہی میں اس مسئلہ کو طے کر گئے تھے۔ اپنی امت پر نہیں چھوڑ دیا چنانچہ حضرت کی وصیتوں سے ایک وصیت یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کر دوں اور حضرت کے حواریوں نے ان کی خلافت قبول بھی کر لی۔ (روضۃ الصفا جلد ا صفحہ ۱۲) غرض حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ ؑ تک جس قدر انبیاء و مرسلین گزرے کسی کے متعلق بھی کسی کتاب سے نہیں ثابت ہوتا کہ انھوں نے اپنی امت کو یوں ہی چھوڑ دیا اور بغیر اپنا خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے چلے گئے ہوں۔ نہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ ؑ تک کسی رسول یا نبی کے متعلق یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات پر اُنکی امت نے اپنی پنچائت یا اجماع یا شوریٰ یا دھینگا مشتی یا زور کھسوٹ سے کسی کو اپنے وفات یافتہ رسول یا نبی کا خلیفہ یا وصی اور اپنا امام و پیشوا دینی سردار مذہبی رہبر مقرر کر لیا ہو۔ اگر دنیا میں کوئی شخص بھی آدمیوں کے انتخاب، یا تجویز یا صرف

سے

بیعت کر لینے سے کسی نبی کا خلیفہ ہو سکتا تو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک کہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ انبیاء و مرسلین گزرے ہیں کسی ایک ہی پیغمبر کے متعلق یہ ثابت ہو جاتا کہ اُن کی اُمّت نے اپنے انتخاب سے ان کا خلیفہ مقرر کیا تھا مگر جب ایسا نہیں اور قطعاً نہیں ہے کیونکہ لاکھوں کتب حدیث و تفسیر و تاریخ وغیرہ کسی ایک سے بھی اس کا ثبوت ملنا ایسا ہی محال ہے جیسا آفتاب کا اُتر سے طلوع اور دکھن میں غروب کرنا۔ ایسی حالت میں خاص حضرت رسول خدا صلعم کے متعلق یہ اصول کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اگر سابق انبیاء کا اپنے خلفاء کو مقرر کرنا خدا کا فعل مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ اُن سب کو خدا نے مقرر کیا اور اُن پیغمبروں نے اپنے خلفاء کی خلافت و وصایت کا صرف اعلان کر دیا تھا (جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے) تو اِس صورت میں خدا پر الزام آتا ہے کہ جب اُس نے کل انبیا و مرسلین کے خلفاء کو خود مقرر کیا تھا تو حضرت رسول خدا کے بارے میں اُس نے اپنے اِس اصول کے خلاف کیوں کیا۔ اُسی نے آنحضرتؐ کا خلیفہ بھی خود ہی کیوں نہیں مقرر کیا؟ اور حضرت رسول خدا سے اس کا اعلان کیوں نہیں کرایا؟ حالانکہ خدا کے اصول بدلتے نہیں رہتے ہیں۔ اس نے صاف طور سے فرمایا ہے سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ خدا کا یہی اصول اُن لوگوں کے بارے میں بھی رہا ہے جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں اور تم کو خدا کے اصول میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں مل سکتا (سورہ احزاب رکوع ۸) دوسری جگہ فرماتا ہے فھل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ یعنی یہ لوگ کیا اگلوں کے دستور اور طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو (یاد رکھو) تمھیں خدا کے دستور اور طریقہ میں کبھی کوئی تغیر نہیں مل سکتا اور نہ اُس کے دستور و طریقہ کو تم کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے (سورہ فاطر رکوع ۵)۔ اور فرماتا ہے سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ یہ خدا کا وہ طریقہ اور دستور ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور تم کبھی خدا کے دستور و طریقہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پا سکتے (سورۃ الفتح رکوع ۳)۔ جب ان آیات سے ہم پر یہ امر اچھی طرح محقق ہو گیا کہ خدا کے اصول میں اختلاف نہیں ہوتا۔ خدا کی تدبیروں میں تغیر نہیں ہوتا۔ خدا کے دستور اور طریقہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور سابق تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت کے بارے میں شروع سے آخر تک یہی دستور رہا ہے کہ ہر رسول اور ہر نبی کے خلیفہ کا انتظام خدا ہی اُن رسول یا نبی کی زندگی میں کر دیتا اور اُن انبیا و مرسلین سے اُن حضرات کے

سامنے ہی اس کا اعلان کرا دیا ہے یہاں تک کہ انصاف پسند شاعر نے کہہ دیا ہے قبل تعیین وصی و وزیر
هل ترى خات نبی و جبو (کیا تم نے کسی نبی یا رسول کو بھی دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنا خلیفہ اور وصی و وزیر مقرر
کرنے کے پہلے انتقال کیا یا دنیا کو چھوڑا ہو)۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے بارے میں خدا کا یہ دستور
کس طرح ٹوٹ سکتا تھا؟ اور خاص اپنے حبیب اور خاتم المرسلین کے خلیفہ کے بارے میں خدا اپنا
یہ طریقہ کیوں چھوڑ دیتا؟ کیا اس کی وجہ سے وہ جھوٹا نہیں ثابت ہوگا کہ کہتا تو یہ ہے کہ اس کے
دستور میں تغیر نہیں ہوتا حالانکہ سب رسولوں کے سردار ہی خلیفہ کے متعلق اس کا دستور بدل گیا۔
اور کیا اس کی وجہ سے خدا پر لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو خود
نہیں کرتے) کا الزام نہیں قائم ہوگا؟ وہ کہتا تو یہ ہے کہ اس کے دستور بدلا نہیں کرتے اور کرتا یہ ہے
کہ سید المرسلین کے بارے میں اس نے خود ہی اپنا دستور بدل دیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سابق
انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خدا نے نہیں مقرر کیا نہ اس نے اپنے پیغمبروں سے انکا اعلان کرایا بلکہ خود
ان انبیاء و مرسلین ہی نے اپنا خلیفہ خود تجویز کر کے اپنی زندگی میں مقرر کر دیا اور اس کا اعلان
کر دیا تو پھر حضرت رسول خدا پر الزام عائد ہوتا ہے کہ آپ نے اس ضروری فریضہ کو کیوں ترک کر دیا۔ اور
جس دینی خدمت کو سابق انبیاء و مرسلین سے کسی نے بھی نہیں چھوڑا تھا اس سے حضرت ایسے اشرف
انبیاء نے کیوں روگردانی کی۔ حالانکہ خدا نے آپ کو صاف طور پر حکم دے رکھا تھا کہ اولٰئک
الذین ھدی اللّٰہ فبھدٰھم اقتدہ یعنی گزشتہ انبیاء و مرسلین وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت
کر دی تھی۔ اب اے پیغمبر اُن ہی کے طریقہ کی تم بھی پیروی کرو (پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۰) ان
تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسول صلعم کی خلافت کو بھی خدا یا رسول نے مسلمانوں پر نہیں چھوڑا
کہ وہ اجماع یا کثرت رائے سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا لیں۔ اور نہ آں حضرت کے خلیفہ کا اعلان
کرانے سے قبل اپنے حبیب کو دنیا سے اٹھایا اور نہ آنحضرت صلعم نے اپنا خلیفہ مقرر کرنے
کے پہلے دنیا سے انتقال کیا۔ بلکہ سابق انبیاء و مرسلین کی طرح خدا نے آپ کے خلیفہ کو بھی آپ کی
زندگی ہی میں تجویز کر کے آپ سے اس کا اعلان کرا دیا۔ اس کے بعد اپنے رسول کو اپنی درگاہ میں
بلایا۔ چنانچہ کل معتبر کتب تاریخ و تفسیر و حدیث یہی ثابت کرتی ہیں مثلاً علامہ طبری نے جو اسلام کے
نہایت معتبر قدیم اور مشہور مورخ ہیں لکھا ہے کہ جب ۳ بعثت میں خدا کا حکم آں حضرت صلعم پر نازل

تبلیغ

نازل ہوا کہ وانذر عشیرتک الاقربین۔ ولے رسول تم اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ (پارہ ۱۹ سورہ شعراء رکوع ۱۱)، آنحضرت رسول خدا صلعم نے دعوت کا سامان کیا اور لوگوں کو جمع کر کے پہلے کھانا کھلایا اور دودھ پلوایا پھر سب سے خطاب کر کے فرمایا "اے لوگو! خدا کی قسم میں عرب میں کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ امر لایا ہو جو میں لائے ہوئے (دین اسلام) سے افضل ہو۔ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی (قائم مقام) اور میرا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کی اس تقریر کا کسی نے کچھ جواب نہیں دیا مگر حضرت علیؑ نے جو باوجودے کہ سن میں سب لوگوں سے چھوٹے تھے عرض کی اے رسول خداؐ اس خدمت کے لیے یہ غلام حاضر ہے۔ میں حضور کا پورا پورا بوجھ اٹھا لوں گا۔ اس پر حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کی گردن پکڑ کر اور پوری قوم کو دکھا کر فرمایا کہ یاد رکھو یہی علیؑ میرے بھائی، میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب ان کا حکم ماننے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ یہ بات سن کر سب لوگ قہقہہ لگاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب ابوطالب سے کہتے گئے کہ لو تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے فرزند علی کی باتیں سنا کرو اور انکی اطاعت کرتے رہو (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۶)

یہی مضمون بے حساب کتابوں مثلاً تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲ تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صفحہ ۱۲ تاریخ گبن جلد ۳ صفحہ ۲۹۹۔ تاریخ اوکلی صفحہ ۱۵۔ تاریخ مسٹر کارلائل صفحہ ۶۱ تاریخ ارونگ صفحہ ۶۶ تاریخ گلمن صفحہ ۳۲۔ تاریخ ڈیون پورٹ صفحہ ۸ وغیرہ میں موجود ہے۔ اور کتب تفسیر سے تفسیر طبری جلد ۱۹ صفحہ ۱۲۱ تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۶۶۳ سورہ شعراء۔ تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۳۷۲۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مرقوم ہے اور کتب حدیث سے مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ و خصائص نسائی و مختارہ ضیاء مقدسی و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۲ وغیرہ میں موجود ہے۔ اور احادیث کے بڑے ذخیرہ کتاب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲ و ۳۹۶، ۳۹۷ وغیرہ میں بھی مندرج ہے۔ سیرہ حلبیہ میں بھی یہ روایت ہے جس میں یہ زیادتی بھی ہے فانت اخی و وزیری و وصیی من بعدی۔ حضرت علیؑ کی اس آمادگی پر حضرت رسول خدا نے آپ سے فرمایا اچھا اب تم ہی میرے بھائی، میرے وزیر، میرے وصی، میرے وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ مقرر کئے

خلافت

گئے (سیرۃ حلبیہ جلد۱ صفحہ ۲۸۶)

بارہ امام کی امامت بھی منصوص من اللہ ہے

خدا نے صرف حضرت علی ہی کو حضرت رسول خدا صلعم کا خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ آپ کے بعد گیارہ اماموں کو مقرر کر کے اپنے رسول سے بار بار اعلان کرا دیا تھا یہ مضمون مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے مگر مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ مثلاً فرمایا لایزال ھذا الدین منیعا الی اثنا عشر خلیفۃ۔ جب تک اس دین اسلام میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے یہ دین غالب اور مستحکم ہی رہے گا۔ یملک ھذہ الامۃ اثنا عشر خلیفۃ کعدۃ نقباء بنی اسرائیل۔ اس امت کے سردار بارہ خلیفہ ہوں گے جس طرح بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ ہوئے تھے۔ یکون لھذہ الامۃ اثنا عشر خلیفۃ لا یضرھم من خذلھم کلھم من قریش۔ اس امت کے بارہ خلیفہ سردار اور رہبر ہوتے رہیں گے، جو شخص ان کا ساتھ چھوڑے گا وہ اپنا ہی کرے گا۔ ان لوگوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ وہ بارہ خلیفہ سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔ یکون بعدی من الخلفاء عدۃ نقباء موسیٰ۔ میرے بعد خلفاء اسی عدد کے مطابق (۱۲) ہوں گے جو حضرت موسیٰ کے نقیبوں کا عدد تھا۔ لن یزال ھذا الدین قائما الی اثنا عشر خلیفۃ من قریش فاذا ھلکوا ماجت الارض باھلھا۔ ہمیشہ دین اسلام قائم ہی رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ کا سلسلہ قائم رہے گا جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔ جب سب ہلاک ہو جائیں گے تو زمین میں زلزلہ پیدا ہو جائے گا یعنی قیامت آ جائے گی۔ یہ سب حدیثیں کتاب کنز العمال طبع حیدر آباد جلد ۶ صفحہ ۲۰۱ میں موجود ہیں عن جابر بن سمرہ قال سمعت رسول اللہ یقول لایزال الاسلام عزیزا الی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش وفی روایۃ لایزال الدین قائما حتی یقوم الساعۃ او یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش متفق علیہ۔ جابر بن سمرہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ جب تک اس دین اسلام میں بارہ خلیفہ کا سلسلہ قائم رہے گا اس وقت تک یہ مضبوط اور مستحکم ہی رہے گا۔ اور بارہ خلیفہ سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔ اور ایک روایۃ میں ہے کہ ہمیشہ لوگوں کا یہ امر (دین اسلام) چلتا رہے گا اور یہ مذہب قائم رہے گا جب تک ان کے پیشوا اور سردار کا سلسلہ بارہ رہے گا، جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہمیشہ یہ

کا

دین قائم رہے گا جب تک قیامت نہ آجائے یا جب تک اس میں بارہ خلیفہ نہ گزر جائیں جو سب کے سب قریش ہی سے۔ اس حدیث پر سب کا اتفاق ہے (مشکوٰۃ شریف طبع لاہور جلد ۸ صفحہ ۹) اور امام ابو داؤد نے لکھا ہے رسول اللہ ؐ یقول لایزال ھذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ جب حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ جب تک تم لوگوں کے اوپر بارہ خلیفہ کی امامت کا سلسلہ قائم رہے گا اس وقت تک یہ دین زندہ اور مستحکم ہی رہے گا (سنن ابو داؤد صفحہ ۵) ۔ اور امام ترمذی نے لکھا ہے ۔ قال رسول اللہ ؐ یکون من بعدی اثنا عشر امیر کلھم من قریش حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ سردار اور پیشوا ہوں گے وہ سب قریش ہی سے ہوں جامع ترمذی صفحہ ۲۰۰)۔ اور امام مسلم نے لکھا ہے ۔ عن جابر بن سمرۃ قال دخلت مع ابی علی النبیؐ فسمعتہ یقول ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔ جابر بن سمرۃ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سنا کہ حضرتؐ فرماتے تھے کہ دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ کا سلسلہ جاری رہے گا اس وقت تک یہ مٹ نہیں سکتا ہے۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (صحیح مسلم طبع دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)۔ اس کتاب میں اس مضمون کی سات حدیثیں لکھی ہوئی ہیں مگر سب نقل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور امام بخاری لکھتے ہیں:۔ جابر بن سمرۃ قال سمعت النبیؐ یقول یکون اثنا عشر امیرا فقال کلمۃ لم اسمعھا فقال ابی انہ قال کلھم من قریش۔ حضرت محمدؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اسلام کے بارہ سردار اور حاکم ہوں اور سب قریش ہی سے ہوں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن باب الاستخلاف پارہ ۲۹ صفحہ ۶۲۹) اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔ لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلا۔ جب تک ان مسلمانوں کے مولا اور پیشوا بارہ رہیں گے اس وقت تک ان لوگوں کا ایمان قائم رہے گا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۹ صفحہ ۶۹) اور علامہ عینی لکھتے ہیں۔ یکون اثنا عشر مھدیا ثم ینزل روح اللہ فیقتل الدجال وقیل المراد وجود اثنا عشر خلیفۃ فی جمیع مدۃ الاسلام الی یوم القیامۃ یعملون بالحق وان تتوالی ایامھم یوئید ھذا ما اخرجہ مسدد فی مسندہ الکبیر من طریق الجبران ابا الجلد حدثہ انہ لا یھلک ھذا الامر حتی یکون منھا اثنا عشر خلیفۃ کلھم یعمل

زیادہ

بالهدیٰ ودین الحق۔ مسلمانوں کے امام بارہ بزرگ ہیں جو سب کے سب ہدایت یافتہ ہوں گے۔ پھر (قیامت کے قریب) روح اللہ نازل ہوں گے تو دجال قتل کیا جائے گا۔ اور بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی پوری مدت میں قیامت تک بارہ خلیفہ ہوں گے جو حق مطابق عمل کریں گے۔ اگرچہ اُن کے زمانے یکے بعد دیگرے آتے رہیں۔ اور اس مطلب کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو مسدد نے اپنی مسند کبیر میں ابو بکر کے طریقہ سے درج کی ہے۔ وہ یہ ابو الجلد نے اُن سے حدیث بیان کی کہ جب تک امت اسلام میں بارہ خلیفہ کا سلسلہ رہے گا جو سب ہدایت اور دین حق کے مطابق عمل کریں گے اُس وقت تک یہ امت ہلاک نہیں ہو سکتی (عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۲۲۴) اور مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت رسُول خدا جو فرماتے تھے حق ہوتا تھا کیونکہ خدائی ارشاد ہو ما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ میرا رسُول اپنے دل، اپنی خواہش، یا اپنی ذاتی رائے سے کوئی بات کرتا ہی نہیں بلکہ جو کچھ کہتا ہے وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اُس پر نازل کی جاتی ہے اور وہ اسی کو لوگوں تک پہونچا دیتا ہے (پارہ ۲۷ ع ۵)۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ حضرت کے خلفاء آپ کے بعد واقعاً بارہ ہی ہوں۔ اور درحقیقت یہ بارہ خلفاء کی تعداد بھی حضرت رسولخدا صلعم نے نہیں معین فرمائی بلکہ جس خدا نے دین اسلام کو بھیجا، جس نے حضرت رسول خدا کو اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا اُسی خدا نے حضرتؐ کے خلفاء کی تعداد بھی بارہ مقرر کی۔ پس اگر خدا سچا ہے اور اگر حضرت رسولخدا صلعم بھی ہمیشہ صحیح بات ہی بولتے تھے تو ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت کے خلفاء کی تعداد پوری بارہ ہوگی۔ یعنی نہ ایک کم ہوگا، نہ ایک زیادہ۔ نہ چار ہوں گے۔ نہ دس، نہ بیس، نہ پچاس بلکہ تا قیامت حضرتؐ کے خلفاء بہر صورت صرف بارہ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور جو لوگ حضرت رسُول کے بعد بارہ ہی خلیفہ کو مانتے ہیں وہی خدا کے قول کے سچے پیرو اور حضرت رسول خدا کی اصلی اُمت ہیں۔ اور جو لوگ حضرت رسول کے بعد بارہ سے کم یا زیادہ مانتے ہیں وہ درحقیقت خدا و رسُول کو جھوٹا جانتے ہیں کہ وہاں تو ارشاد ہے کہ حضرت رسُول کے خلفاء بارہ ہی ہوں گے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں نہیں حضرتؐ کے خلفاء اس کثرت سے ہوئے کہ سلطان ترکی پر اب جا کر خاتمہ ہوا۔ رہا یہ امر کہ آں حضرتؐ کے بارہ خلیفہ ہیں کون؟ تو حضرت رسولؐ نے کسی معتبر حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ اُن میں سے کچھ راشدین ہوں گے اور کچھ غیر راشدین۔ کچھ بنی امیہ سے ہوں گے۔ کچھ بنی عباس سے۔ کچھ قریش سے اور کچھ سلاطین ترکی سے۔ اب اسلام میں جو لوگ اہل

حق

حضرات کو جن کی تعداد کسی طرح پوری بارہ نہیں ہوتی خلفاء رسول مانتے ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ وہ خلفائے برحق کے ماننے والے نہیں ہوسکتے کیونکہ خدا نے تو خلفاء کی تعداد کو بارہ ہی میں منحصر کرکے صراط مستقیم کی راہ بالکل روشن کردی اور حق پسند طبقہ کے لیے آسان کردیا کہ وہ انھیں حضرات کو جو پورے بارہ ہوئے خلفاء رسول مان کر سیدھے مذہب پر چلے چلیں اور کج راہ سے اپنے کو محفوظ رکھیں۔ غالباً خدا نے اسی سبب سے یہ غیبی انتظام بھی کیا کہ ان بارہ اماموں کے مقابلہ میں جو دوسرے حضرات مسلمانوں میں خلیفہ مانے گئے اُن کو کسی سلسلہ میں بارہ نہیں ہونے دیا تاکہ حق و باطل دونوں ایک تعداد میں ہوکر مشتبہ نہ ہوجائیں۔

خلافۃ کا پہلا سلسلہ | مسلمانوں میں جو لوگ بارہ خلفاء کے پیرو (یعنی اثنا عشری) نہیں ہیں انکے خلفاء کا پہلا سلسلہ "خلفاء راشدین" کہا جاتا ہے جس کچھ لوگ حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کو۔ اور کچھ لوگ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور معاویہ کو خلیفہ مانتے ہیں۔ یہ سلسلہ چار سے بڑھنے نہیں پایا جس سے حق پسند لوگ سمجھ جائیں کہ یہ حقیقت میں خلفاء رسولؐ نہیں ہیں ورنہ انکی تعداد بارہ سے کم نہیں ہوتی۔

دوسرا سلسلہ | خلفاء بنی امیہ کا کہا جاتا ہے وہ بھی بارہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہوگیا تاکہ دل سے ایمان کی تلاش کرنے والے سمجھ لیں کہ یہ بھی درحقیقت خلفاء رسولؐ نہیں ہیں، ورنہ ان کی تعداد بارہؐ سے زیادہ نہیں ہوتی جیساکہ وہ زیادہ ہوئے، (اس طرح معاویہؓ۔ یزید۔ معاویہؓ بن یزید۔ مروانؓ۔ عبدالملک۔ ولیدؓ۔ سلیمانؓ۔ عمرؓ بن عبدالعزیز۔ یزیدؓ بن عبدالملک۔ ہشامؓ۔ ولید بن یزید۔ یزیدؓ بن ولید۔ ابراہیم بن ولید۔ مروانؓ حمار) اب اگر خلفاء راشدین اور خلفاء بنی امیہ کو جوڑ لیا جائے تو انکی تعداد ملکر بھی بارہ نہیں ہوسکتی بلکہ ۱۸ ہوتی ہے۔ اور شام کے خلفاء بنی امیہ کے ساتھ اندلس کے خلفاء بنی امیہ ملا دیئے جائیں جن کی تعداد بھی ۱۶ ہے تو کل خلفاء بنی امیہ کی تعداد ۳۰ ہوجاتی ہے۔

تیسرا سلسلہ | خلفاء بنی عباس کا سمجھا جاتا ہے۔ ان کی تعداد بھی ۱۲ نہیں بلکہ ۳۷ ہوئی۔ اول خلیفہ سفاح سے آخر خلیفہ مستعصم تک ۳۷ خلیفہ ہوئے۔ اس طرح یہ حضرات بھی آنحضرتؐ کے حقیقی خلفاء نہیں مانے جاسکتے۔ اب اگر تینوں سلسلوں کو ملا دیا جائے تو خلفاء راشدین و بنی امیہ و بنی عباس ۵۵ ہوجاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ بھی حدیث رسولؐ کے خلاف ہی ہوا۔

دا ہ

چوتھا سلسلہ مصر کے خلفاء بنی عباس کا ہوا کہ جب ۶۵۶ھ ہجری مطابق ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے بغداد کے خلفاء بنی عباس کا خاتمہ کر دیا تو مصر کے بادشاہوں نے خاندان بنی عباس کے ایک شہزادے کو خلیفہ بنا لیا۔ مگر ان کی تعداد بھی بارہ سے زیادہ ہوئی تو وہ بھی آنحضرتؐ کے حقیقی خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

پانچواں سلسلہ پھر ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم بادشاہ ٹرکی نے مصر کو فتح کر کے خاندان مملوک کا خاتمہ کر دیا تو خاندان بنی عباس کے آخری خلیفہ نے لقب خلافت اور تبرکات نبویؐ جو ان کے قبضہ میں چلے آتے تھے سلطان ٹرکی کے حوالے کر دیے جس ذریعہ سے ٹرکی کے سلاطین بھی خلیفۃ المسلمین لکھے اور کہے جانے لگے۔ اس کے بھی ۳۰ سے زیادہ خلیفہ ہوئے۔ اس سبب سے یہ بھی حقیقی خلفاء رسولؐ نہیں ہو سکتے۔ اور اب تو مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کے سلسلہ کو دنیا ہی سے ختم کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی بھی خلیفۃ المسلمین نہیں ہے نہ یہ لقب کسی کو لکھا جائے۔ غرض دین اسلام موجود ہے مگر ان سلسلوں کا کوئی خلیفہ بھی دنیا میں کسی جگہ اس وقت باقی نہیں ہے۔ نہ بغداد میں نہ دمشق میں نہ مصر میں نہ ٹرکی میں نہ حجاز میں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

غرض یہ خدائی قدرت ہدایت و ارشاد کا عجیب کرشمہ ہے کہ حقیقی خلفاء رسولؐ کے مقابلہ میں جس قدر خلفاء بنائے گئے ان کا کوئی سلسلہ بارہ کے مطابق نہیں ہے۔ کوئی کم ہے تو کوئی زیادہ جو اہل بصیرت کے لئے فرمان الٰہی ہے کہ مسلمانو! میرے رسولؐ نے بار بار تم لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ ان کے خلفاء بارہ ہی ہوں گے۔ نہ ۱۲ سے کم ہوں گے نہ زیادہ۔ اب جس طرف تم گروہ خلفاء ملیں جو بارہ نہ ہوں ان کو تسلیم نہ کرنا بلکہ اس جماعت کی تلاش کرنا جس کے خلفاء رسولؐ حضرت رسولؐ کی وفات سے قیامت تک پورے پورے بارہ ہوں گے۔ خدا کا انتظام بھی کس درجہ متقن و مستحکم ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں جو تدبیر بھی اختیار کی جاتی ہے غور و تدبر اور انصاف و تحقیق کی نظر کرنے سے اس کی کمزوری نمایاں ہو جاتی ہے۔ ایک طرف خلفاء کے پانچ سلسلے ہوئے مگر حضرت رسولؐ نے کسی حدیث میں کسی سلسلہ کے خلفاء کی تعداد نہیں بیان فرمائی نہ کسی حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ میرے خلیفہ چار ہوں گے جس سے خلفاء راشدین کی طرف اشارہ ہو سکتا۔ نہ کسی خبر میں یہ فرمایا کہ میرے خلیفہ چودہ ہوں گے جس سے شام کے خلفاء بنی امیہ مراد ہو سکتے، نہ کسی قول میں یہ فرمایا کہ میرے خلیفہ ۳۷ ہوں گے جن سے بغداد کے خلفاء

بنی عباس مقصود ہو سکتے۔ نہ کسی کلام میں یہ فرمایا کہ میرے خلیفہ ۱۸ ہوں گے جس کے مصداق معم کے خلفاء بنی عباس ہو سکتے۔ نہ کسی ارشاد میں یہ فرمایا کہ میرے خلفاء تیس سے زیادہ ہوں گے جس سے سلاطین ترکی مصداق قرار پاتے۔ غرض کسی سلسلے کو پیشین گوئی رسولؐ کا شرف نہیں حاصل ہو سکا۔ آدمیوں کی بنائی خلافت جیسی ہونی چاہیے ہو کر رہ گئی۔

بارہ خلیفہ کے ناموں کی تصریح اور دوسری جانب خلفاء رسولؐ کا ایک ایسا نورانی سلسلہ ہوا جس میں بارہ خلیفہ ہوئے۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ اس بارہ کے لئے حضرت رسولؐ کی حدیثیں اس کثرت سے ہیں جو مسلمانوں کے کل فرقوں کی معتبر ترین کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔ تو کیا اب بھی کسی کو حضرت رسولؐ کے حقیقی خلفاء کی شناخت میں کوئی شک و شبہہ باقی رہ سکتا ہے؟ آنحضرتؐ نے ان بارہ خلفاء کے نام بھی صاف صاف مختلف طریقوں سے بتا دیے تھے۔ جیسے علامہ سید علی ہمدانی نے لکھا ہے عن سلمان قال دخلت علی النبیؐ فاذا الحسین علی فخذیہ وھو یقبل علیہ و یقبل فاہ و یقول انت سید ابن سید۔ وانت امام بن امام۔ وانت حجۃ بن حجۃ ابو حجج تسعۃ تاسعھم قائمھم۔ یعنی جناب سلمان فارسی حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ آنحضرتؐ کی گود میں ہیں۔ حضرتؐ ان کی طرف بڑھ بڑھ کر ان کا منہ چومتے ہیں۔ اور ان سے فرماتے ہیں کہ تم سردار ہو۔ تمہارے باپ بھی سردار ہیں۔ اور تم امام ہو۔ تمہارے باپ بھی امام ہیں۔ تم حجۃ خدا (ہمارے خلیفہ اور مسلمانوں کے پیشوا) ہو اور تمہارے باپ بھی حجۃ خدا ہیں اور تمہاری اولاد سے نو حجۃ خدا ہوں گے جن کے نویں بزرگ قائم ہوں گے (مودۃ القربیٰ طبع بمبئی صفحہ ۲۰۳ و ارجح المطالب طبع لاہور ص ۲۰۳)

حضرت امام حسینؑ کی خلافت مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی ہی میں امام حسینؑ کو مسلمانوں کا دینی سردار، امام اور اپنا خلیفہ مقرر کر کے لوگوں کو واقف بھی کر دیا تھا جس کی دلیلیں اس وقت تک ہزاروں کتابوں میں موجود ہیں اور پھر آنحضرتؐ نے اس امامۃ و خلافۃ سے امام حسینؑ کو کبھی معزول نہیں کیا اس وجہ سے اپنے زمانہ میں امام حسین علیہ السلام ہی تمام اہل اسلام کے سردار، امام اور رسولؐ کے خلیفہ تھے۔ کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا تھا۔ اور تمام مسلمانوں پر واجب تھا کہ وہ سب حضرتؑ کی بیعۃ کرتے اور حضرتؑ کو جانشین رسولؐ سمجھتے۔ اور کسی کو یہ جائز نہیں تھا کہ حضرت

تھے

کے مقابلہ میں مسلمانوں کا امام رہادی وپیشوا وجانشین رسولؐ ہونے کا دعوے کرتا۔ جو ایسا کرتا وہ غاصب اور باغی قرار پاتا۔ اور حضرت امام حسینؑ کے لئے جائز نہیں تھا کہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور اس کو خلیفہ رسول مانتے۔ خواہ وہ شخص خلیفہ اول ہوتے یا خلیفہ دوم یا خلیفہ سوم یا معویہ یا یزید مختصر یہ کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم اپنے زمانہ میں کسی اور شخص کو خدا کا رسول یا نبی نہیں مان سکتے تھے اور نہ ایسا ماننا حضرتؐ کو جائز ہوتا بالکل اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اپنے زمانہ میں کسی اور شخص کو خلیفہ رسول یا امام امت نہیں مان سکتے تھے نہ اسکی بیعت کر سکتے تھے جس طرح حضرت رسو لخدا نبی برحق اور مسیلمہ کذاب و اسود عنسی باطل مدعی نبوت تھے۔ بالکل اسی طرح حضرت علیؑ کے زمانہ میں اور صاحبان اور امام حسنؑ کے زمانہ میں معویہ اور امام حسینؑ کے زمانہ میں یزید باطل مدعی خلافت تھے (اگر کسی کو یہ شک ہو کہ پھر امام حسنؑ نے معویہ کو حکومت کیوں دیدی تھی تو یہاں مختصر یہ سمجھ لیں کہ امام حسنؑ نے معویہ کو خلافۃ یا امامۃ یا مذہبی سرداری نہیں دی تھی بلکہ دنیوی حکومت حوالہ کردی تھی۔ جس طرح اس زمانہ میں بہت سے مسلمان زمیندار اپنی رعایا سے کسی سرکش شخص کو اپنی جائداد ٹھیکہ وغیرہ پر دے دیتے ہیں۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بھی خون ریزی اور مسلمانوں کی جان و مال بچانے کے لئے صرف سلطنت کا انتظام معویہ کے حوالہ وہ بھی محض اسکی زندگی بھر کے لئے کردیا تھا۔ اسکی تفصیل بعد کو اپنی جگہ پر آئے گی انشاء) علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے لکھا ہے قال رسول اللہ ؐ انا سید النبیین وعلی سید الوصیین وان اوصیائی بعدی اثنا عشر اولھم علیؑ وآخرھم القائم المھدی یعنی حضرت رسو لخدا صلعم نے فرمایا کہ میں کل نبیوں کا سردار ہوں اور علیؑ کل وصیوں کے سردار ہیں اور میرے بعد میرے کل وصی بارہ ہوں گے جن کے پہلے حضرت علیؑ اور جن کے آخر قائم مہدی ہوں گے (ینابیع المودۃ طبع اسلامبول ص۴۴۵) ۔ ان بارہ اماموں میں بھی تیسرے امام حسینؑ ہی تھے لہذا آپکی خلافۃ وامامۃ ووصایت پر مکرر تاکید ہوگئی۔ جب خدا اور رسولؐ ہی نے آپ کو اپنے زمانہ کا خلیفہ وامام بنادیا تھا تو حضرت کسی دوسرے کو اُس زمانہ میں خلیفہ رسولؐ یا امام امت کیسے تسلیم کر سکتے تھے ؟ اور علامہ محدث جلال الدین لکھتے ہیں واز جابر بن یزید الجعفی مروی است کہ گفت شنیدم از جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ می گفت کہ

امیر

چوں ایزد تعالیٰ نازل گردانید بر پیغمبر خود ایں آیہ را کہ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم گفتم یا رسول اللہ می شناسم خدا و رسول اورا پس کیستند اصحاب امر کہ خدائے تعالیٰ اطاعت ایشاں را فرض ساختہ است بطاعت تو پس گفت رسول اللہ ہم خلفائی من بعدی اولھم علی بن ابی طالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعروف فی التوراۃ بالباقر و ستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقرأہ منی السلام ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسیٰ بن جعفر ثم علی بن موسیٰ ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم الحسن ابن علی ثم حجۃ اللّٰہ فی ارضہ و بقیتہ فی عبادہ محمد بن الحسن بن علی ذلک الذی یفتح اللّٰہ عزوجل علی یدیہ مشارق الارض ومغاربھا ذلک الذی یغیب عن شیعتہ اولیاءہ غیبۃ لایثبت فیھا علی القول بامامتہ الا من امتحن اللّٰہ قلبہ للایمان۔ جابر گوید گفتم یا رسول اللہ آیا در غیبت امام شیعہ انتفاع یابند۔ فقال ای والذی بعثنی بالنبوۃ انھم یستضیئون بنورہ و ینتفعون بولایتہ فی غیبتہ کانتفاع الناس بالشمس وان علاھا سحاب۔ اے جابر ایں اسرار مکنونہ الٰہی است پس پنہاں دار آں را مگر از کسے کہ اہل نہ باشد۔ یعنی جابر بن یزید جعفی بیان کرتے تھے کہ جابر بن عبداللہ انصاری سے میں نے سنا کہ وہ کہتے تھے جب خدا نے اپنے پیغمبرؐ پر یہ آیۃ "اے ایمان والو تم سب اللہ اور اس کے رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو" نازل کی تو میں نے عرض کی اے رسولخدا ہم لوگ خدا و رسولؐ کو تو پہچانتے ہیں۔ البتہ یہ اولی الامر کون ہیں جنکی اطاعت کو خدائے تعالیٰ نے آپکی اطاعت کے ساتھ ہم لوگوں پر واجب کیا ہے۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا وہ اولی الامر میرے بعد میرے خلفاء (جانشین) ہیں۔ اُن میں سے پہلے خلیفہ علیؑ ابن ابیطالب پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) پھر محمد بن علی ہیں جو توریت میں محمدؐ باقرؑ مشہور ہیں۔ اے جابر قریب وہ زمانہ آئے گا کہ تم ان (محمد باقرؑ) سے ملوگے۔ جب تم سے ان کی ملاقات ہو تو اُن سے میرا اسلام کہنا۔ پھر (میرے چھٹے) خلیفہ انہیں محمد باقرؑ کے بیٹے جعفر صادقؑ پھر ان کے بیٹے موسیٰ کاظمؑ پھر ان کے بیٹے علی (رضاؑ) پھر اُن کے بیٹے محمد (تقیؑ) پھر اُن کے بیٹے علی (نقیؑ)۔ پھر اُن کے بیٹے حسن (عسکریؑ) پھر ان کے بیٹے محمد (مہدیؑ) ہوں گے

معویہ

جو خدا کی زمین پر اس کی حجت رہیں گے ۔ یہ وہ محمد ہوں گے جن کے ہاتھوں پر اللہ غالب و بزرگ زمین کے مغارب و مشارق کو فتح کر دے گا ۔ اور یہ محمد وہ ہیں کہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے ایسی غیبت اختیار کریں گے کہ اُن کی غیبت میں اُن کی امامت کے اعتقاد پر صرف وہ شخص قائم رہے گا جس کے قلب کی آزمائش اللہ نے ایمان کے ساتھ کرلی ہو گی ۔ جابر کہتے تھے کہ میں نے اس پر دریافت کیا اے رسو لخدا کیا (بارھویں) امام کی غیبت کے زمانہ میں لوگ حضرت کے وجود سے کوئی فائدہ اوٹھائیں گے ؟ حضرت رسولؐ نے فرمایا ہاں ۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے یقیناً اُس زمانہ میں شیعہ امام غائب کے نور سے نور حاصل کریں گے اور امام غائب کی ولایت سے مومنین پورا فائدہ حاصل کریں گے ۔ اِس کی مثال آفتاب کی ہے کہ جس طرح آفتاب پر بدلی آجاتی ہے اسی طرح بارہویں امام پر غیبت کا پردہ پڑ جائے گا اور جس طرح ابر رہتے ہوئے بھی لوگ آفتاب کی روشنی سے فائدہ اوٹھاتے ہیں اوسی طرح غیبت میں رہنے پر بھی تمام مومنین امام کے وجود سے نفع اوٹھاتے رہیں گے (تاریخ روضۃ الاحباب جلد ۳ صـ۲۷)

امام حسینؑ کی خلافت کو دنیا خوب دیکھ لے

مذکورہ بالا روایۃ میں بھی حضرت رسو لخداؐ صلعم نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ حضرتؐ کے پہلے خلیفہ حضرت علیؑ، دوسرے امام حسنؑ تیسرے امام حسینؑ ہوں گے ۔ پس جس طرح حضرت رسول خداؐ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص سچا نبی نہیں ہوسکتا تھا بالکل اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص سچا اور برحق خلیفہ رسول نہیں ہوسکتا تھا ۔ حضرت امام حسنؑ معویہ کے زہر دلوانے سے ۲۸ صفر ۵۰ھ کو شہید ہوگئے ۔ اور اُسی تاریخ سے حضرت امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کے امام اور حضرت رسو لخدا صلعم کے تیسرے جائز و برحق خلیفہ ہوگئے اور ۱۰ محرم ۶۱ھ تک اسی طرح خلیفہ رہے جس طرح حضرت رسو لخدا صلعم ۱۳ سال تک مکہ معظمہ میں رسول رہے ۔ جس طرح کفار مکہ کے تسلیم نہ کرنے اور اپنے کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے حضرت رسولؐ کی رسالت میں کوئی ڈھبہ نہیں نہیں لگا ۔ اسی طرح غیر شیعہ مسلمانوں کے نہ ماننے اور دوسرے لوگوں کی پیروی پر قائم رہنے کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ کی خلافت میں بھی کوئی نقص نہیں ہوا ۔

ا۔ن

روضۃ الاحباب کی عظمت یہ کتاب روضۃ الاحباب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے جس کی نسبت کچھ تردد کیا جائے کیونکہ اس کے مولف میر جمال الدین محدث مشائخ اجازہ شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی سے ہیں۔ سب نے ان سے سند لی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ان کو مشائخ کبار سے لکھا ہے اور چند مقام پر ان کی عبارتوں سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح ملا یعقوب لاہوری نے خیر جاری شرح صحیح بخاری میں اور حسین بن محمد بن حسن دیار بکری مولف تاریخ خمیس نے اپنی تاریخ میں اور محقق دہلوی شیخ عبد الحق نے مدارج النبوۃ اور رجال مشکوٰۃ میں اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں چند مقام پر اس کتاب کی سند دی ہے۔ پھر حضرات اہلسنت سے کوئی شخص کیونکر اس روایۃ خلافۃ ائمہ اثنا عشر کے متعلق کچھ بول سکتا ہے؟

خلافۃ امام حسینؑ کی ایک اور زبردست دلیل حضرت امام حسینؑ کے اپنے نانا کے تیسرے جائز و برحق خلیفہ ہونے کی جو دلیلیں لکھی گئیں وہ خود کافی ہیں لیکن اور بھی سن لیجئے۔ علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے جو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام اپنے زمانہ میں علماء اہلسنت کے زبردست پیشوا اور بہت بڑے محقق و انصاف پسند مصنف تھے جناب ابن عباس ایسے جلیل القدر صحابی کی روایۃ سے لکھا ہے کہ ایک یہودی حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا مجھے چند باتیں بتایئے تو میں اسلام قبول کرلوں۔ حضرت جواب دینے لگے۔ آخر میں اُس نے کہا صدقت فاخبرنی عن وصیک من ھو فما من نبی الا ولہ وصی۔ وان نبینا موسے بن عمران اوصے یوشع بن نون۔ فقال ان وصیی علی ابن ابیطالب و بعدہ سبطای الحسن والحسین تتلوہ تسعۃ ائمۃ من صلب الحسین۔ قال یا محمد فسمھم لی۔ قال اذا مضے الحسین فابنہ علی، فاذا مضے علی فابنہ محمد۔ فاذا مضے محمد فابنہ جعفر، فاذا مضے جعفر فابنہ موسے۔ فاذا مضے موسے فابنہ علی، فاذا مضے علی فابنہ محمد، فاذا مضے محمد فابنہ علی فاذا مضے علی فابنہ الحسن فاذا مضے الحسن فابنہ الحجۃ محمد المھدی، فھولاء اثنا عشر قال اخبرنی عن کیفیۃ موت علی والحسن والحسین۔ قال صلعم یقتل علی بضربۃ علے قرنہ والحسن یقتل بالسم۔ والحسین بالذبح

ابی

قال فاین مکانهم - قال فی الجنة فی درجتی - قال اشهد ان لا الٰه الا الله و انک رسول الله و اشهد انهم الاوصیاء بعدک - ولقد وجدت فی کتب الانبیاء المتقدمة و فی ما عهد الینا موسیٰ بن عمران علیه السلام انه اذا کان اٰخر الزمان یخرج نبی یقال له احمد و محمد، هو خاتم الانبیاء لا نبی بعده فیکون اوصیائه بعده اثنا عشر اولهم ابن عمه و ختنه والثانی والثالث کانا اخوین من ولده - و تقتل امة النبی الاول بالسیف والثانی بالسم والثالث مع جماعة من اهل بیته بالسیف و بالعطش فی موضع الغربة فهو کولد الغنم یذبح و یصبر علی القتل لرفع درجاته و درجات اهل بیته و ذریته و لاخراج محبیه و اتباعه من النار و تسعة الاوصیاء منهم من اولاد الثالث - فهؤلاء الاثنا عشر عدد الاسباط لیعنی

یہودی - اے محمدؐ! آپ نے سب باتوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دے دیا - اب یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ آپ کا وصی کون ہوگا؟ کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنا وصی خود ہی کسی کو نہ مقرر کیا ہو - ہمارے پیغمبر حضرت موسےٰ بن عمران نے بھی خود ہی اپنا وصی جناب یوشع بن نون کو مقرر کیا تھا -

حضرت رسولخداؐ - میرے وصی علی ابن ابی طالب ہوں گے اور اُن کے بعد میرے دونوں نواسے حسنؑ و حسینؑ اور اُن کے بعد نو امام انھیں حسینؑ کی نسل سے ہوں گے -

یہودی - اے محمدؐ! آپ مجھے اُن نو وصیوں کا نام بھی بتا دیں جو امام حسینؑ کے بعد ہوں گے -

حضرت رسولخداؐ - جب حسینؑ گذر جائیں گے تو اُن کے بیٹے علی (زین العابدینؑ) میرے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام) ہوں گے اُن کے بعد اُن کے فرزند محمد (باقرؑ) ہوں گے - اُن کے بعد ان کے صاحبزادے جعفر (صادقؑ) ہوں گے - جب اُن کا زمانہ بھی ختم ہو جائے گا تو اُن کے بیٹے موسےٰ (کاظمؑ) ہوں گے - اُن کے بعد اُن کے فرزند علی (رضاؑ) ہوں گے - اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے محمد (تقیؑ) ہوں گے - جب وہ اُٹھ جائیں گے تو اُن کے فرزند علی (نقیؑ) ہوں گے - جب وہ گزر جائیں گے تو اُن کے فرزند حسن (عسکریؑ) ہوں گے - اور اُن کے بعد اُن کے فرزند محمد مہدیؑ ہوں گے جو حجۃ خدا رہیں گے - پس یہی بارہ امام میرے اوصیاء رہیں -

سفیان

یہودی۔ اب یہ بھی فرمائیے کہ علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کس طرح دنیا سے انتقال کریں گے۔
حضرت رسولخدا۔ علیؑ کے سر پر تلوار کا ایک وار پڑے گا جس سے وہ قتل ہو جائیں گے اور حسنؑ زہر دے کر شہید کئے جائیں گے اور حسینؑ ذبح کئے جائیں گے۔
یہودی۔ یہ لوگ دنیا سے انتقال کرنے کے بعد کہاں رہیں گے؟
حضرت رسولخدا۔ بہشت میں اور وہاں بھی خاص میرے درجہ میں۔
یہودی۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوائے کوئی خدا نہیں ہے اور یہ کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور یہ بھی کہ یہی (بارہ) حضرات جن کے آپ نے نام بتائے آپکے بعد آپ کے اوصیاء ہوں گے۔ ہم نے سابق کی کتابوں میں اور جن باتوں کا عہد ہم سے حضرت موسےٰ نے کیا تھا اُن میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ جب آخر زمانہ ہوگا تو ایک نبی مبعوث ہوں گے جن کا نام احمدؐ اور محمدؐ ہوگا۔ وہ خاتم الانبیاء رہوں گے کہ اُن کے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اُن پیغمبر کے اوصیاء اُن کے بعد واقعاً بارہ ہی ہوں گے۔ اُن کے اول تو اُس نبی کے چچازاد بھائی اور داماد ہوں گے۔

سابق کتابوں میں امام حسینؑ کی خلافت کی پیشین گوئی

اور دوسرے اور تیسرے وصی انھیں امام اول کے فرزند ہوں گے جو دونوں آپس میں بھائی ہوں گے اور اُس نبی کی امت ہی اُس پہلے وصی کو تلوار سے اور دوسرے کو زہر سے اور تیسرے کو اُن کے اہلبیت کے ساتھ تلوار اور پیاس کی مصیبت سے عالم غربت میں قتل کریگی۔ وہ (امام حسینؑ) اس طرح ذبح کئے جائیں گے جس طرح بھیڑ بکری کے بچے ذبح کئے جاتے ہیں۔ اور وہ بزرگ اس مصیبت قتل پر صبر کریں گے جس سے اُن کے اور اُن کے اہل بیت اور اُن کی ذریت کے درجے بلند ہوں گے۔ اور اس ذریعہ سے وہ اپنے دوستوں اور پیروؤں کو جہنم سے بچالیں گے۔ اور اُس نبیؐ کے باقی نو اوصیاء اُسی تیسرے وصی کی اولاد سے ہوں گے۔ تو یہ بارہ وصی بھی اسباط کی طرح ہوں گے جو بارہ تھے (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۹)

پھر یہی علامہ قندوزی لکھتے ہیں قال بعض المحققین ان الاحادیث الدالۃ علے کون الخلفاء بعدہ صلعم اثنا عشر قد اشتھرت من طرق کثیرۃ فبشرح الزمان وتعریف الکون والمکان علم ان

ی

من اراد رسول اللہؐ من حدیثہ ھذہ الائمۃ الاثنا عشر من اھل بیتہ وعترتہ اذ لا یمکن ان یحمل ھذا الحدیث علی الخلفاء بعدہ من اصحابہ لقلتھم من اثنا عشر ولا یمکن ان یحمل علی الملوک الامویۃ لزیادتھم علی اثنا عشر ولظلمھم الفاحش الا عمر بن عبد العزیز ولکونھم غیر بنی ھاشم لان النبیؐ قال کلھم من بنی ھاشم فی روایۃ عبدالملک عن جابر - واخفاء صوتہؐ فی ھذا القول یرجح ھذہ الروایۃ لانھم لا یحسنون خلافۃ بنی ھاشم ولا یمکن ان یحملہ علی الملوک العباسیۃ لزیادتھم علی العدد المذکور ولقلۃ رعایتھم الایۃ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ وحدیث الکساء - فلا بد من ان یحمل ھذا الحدیث علی الائمۃ الاثنا عشر من اھل بیتہ وعترتہ لانھم کانوا اعلم اھل زمانھم واجلھم واورعھم واتقاھم واعلاھم نسبا وافضلھم حسبا واکرمھم عند اللہ وکان علومھم عن آبائھم متصلا بجدھم وبالوراثۃ واللدنیۃ کذا عرفھم اھل العلم والتحقیق واھل الکشف والتوفیق

یعنی بعض محققین کی تحقیق ہے کہ یہ حدیثیں جو بتاتی ہیں کہ آں حضرتؐ کے بعد آپ کے خلفاء بارہ ہوں گے بہت سے طریقوں سے مشہور ہو چکی ہیں (کچھ چھپی ہوئی نہیں ہیں) - اور زمانہ کے سمجھانے اور عالم کے بتانے سے معلوم ہو گیا کہ حضرت رسول خدا صلعم کا مقصود ان حدیثوں سے وہی بارہ امام ہیں جو حضرتؐ کے اہل بیت اور ذریت سے ہوئے - اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ ان حدیثوں سے وہ خلفاء سمجھے جائیں جو حضرت کے صحابہ سے آپ کے بعد ہوئے (یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان) کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے بہت کم تھی - اور یہ بھی ممکن نہیں کہ ان حدیثوں سے خلفاء بنی امیہ مراد ہوں اس لئے کہ وہ بارہ سے زیادہ تھے اور سوائے عمر بن العزیز کے کل خلفاء بنی امیہ حد درجہ کے ظالم بھی تھے اور پھر وہ بنی ہاشم سے بھی نہ تھے حالانکہ آنحضرت صلعم نے فرمادیا تھا کہ میرے وہ بارہ خلیفہ سب کے سب خاندان بنی ہاشم ہی سے ہوں گے - اور اس قول کو آنحضرتؐ نے آہستہ سے فرمایا، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے یہی فرمایا تھا کہ میرے وہ بارہ خلیفہ سب کے سب بنی ہاشم ہی سے ہوں گے - اور آنحضرتؐ نے اس کو آہستہ اس وجہ سے فرمایا کہ اس زمانہ کے مسلمان

وفات

بنی ہاشم کی خلافت کو پسند نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان حدیثوں سے خلفاء بنی عباس مراد ہوں کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے بہت زیادہ تھی۔ اور ان لوگوں نے حکم خدا قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (اے رسول! ان مسلمانوں سے کہہ دو کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر اس کے سوائے کوئی اجر نہیں چاہتا کہ تم لوگ میرے اہل بیت سے محبت اختیار کرو) اور حدیث کساء کا بہت کم خیال اور پروا کی۔ تو اب اس کے سوائے چارہ نہیں کہ اس حدیث سے مقصود وہی بارہ امام ہوں جو حضرتؐ کے اہل بیت اور عترت سے تھے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہی حضرات (بارہ امام) اپنے اپنے زمانہ میں خلق کے نزدیک سب سے زیادہ علم، جلالت، قدر، ورع، تقویٰ، اعلےٰ نسب، افضل حسب اور شرف و کرم والے تھے۔ اور ان حضراتؑ کو ان کے علوم و کمالات ان کے جد بزرگوار حضرت رسولخداؐ سے میراث میں اور خدا کی طرف سے خاص فیضان کے طور پر پہنچے تھے جن کو علم لدنی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صاحبان علم و تحقیق اور ارباب کشف و توفیق نے ان حضراتؑ کی تعریف کی ہے (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۷۳)

مذکورہ بالا بیانات کا نتیجہ امور مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ خدا نے حضرات اہلبیتؑ یعنی ائمہ اثنا عشر ہی کو حضرت رسولخداؐ کی زندگی ہی میں حضرتؐ کا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور حضرت رسولؐ نے اپنی حیات ہی میں ان باتوں کا اچھی طرح اعلان بھی کر دیا تھا۔ ایسا واضح اعلان کہ آج تک علماء اہلسنت و پیشوایان سواد اعظم اس پر قادر نہ ہو سکے کہ ان حدیثوں پر پردہ ڈال سکیں یا ان حدیثوں کا کوئی دوسرا مطلب معین کر سکیں یا ائمہ اثنا عشر کی امامت سے ایک منٹ کو بھی انکار کر سکیں یا صحاح احادیث کی کتابوں سے ان کو نکال سکیں۔

مولوی ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنی کتاب کے اس پہلے ہی جملہ "اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے" میں اتنا زہر بھر دیا جسکی تفصیل کی جائے تو کئی صفحے سیاہ ہو جائیں۔ اس کا در پردہ یہی مطلب تو ہوا کہ اہلبیت واقعاً خلافت کے حق دار نہیں تھے نہ ان کو اس کا نام لینا چاہیے تھا۔ نہ اس کا خیال کرنا تھا، نہ اپنے کو حق دار سمجھنا چاہیے تھا، نہ وہ واقعاً زیادہ حقدار تھے نہ خدا نے ان کو اس کا کوئی حق دیا تھا، نہ رسولؐ نے

۷

ان کو اس کا مستحق جتایا تھا نہ اپنے دینی و دنیوی اوصاف کی وجہ سے وہ اس قابل تھے، نہ شرائط خلافت اُن میں پائے جاتے تھے۔ باوجود ان سب کے وہ حضرات سمجھتے تھے کہ خلافت کے حق دار زیادہ تر وہی ہیں۔ اسی وجہ سے امام حسینؑ نے بھی خلافت حاصل کرنے کے لئے یزید سے بغاوت کی اور اُس کی زبردست طاقت سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا سر ٹکرا کر اپنے خاندان اور اپنی جماعت کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ گویا جائز خلیفہ یزید سے بغاوت کی سزا پا گئے (معاذ اللہ)

ہمارے مکرم اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ جس طرح انبیاء کرام اپنے کو نبوت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے اور جس طرح مرسلین عظام اپنے کو رسالت کا زیادہ حق دار جانتے تھے۔ بالکل اسی طرح اہلبیت کرام بھی اپنے کو خلافت کا حق دار ہی نہیں بلکہ واقعاً خلیفہ جائز، خلیفۂ رسول، برحق ہادیان امت، صحیح ائمہ دین سمجھتے تھے اور یہ سمجھنا اُن کا فرض تھا۔ جس طرح نمرود نے حضرت ابراہیمؑ پیغمبر کو خدا کا نبی یا رسول نہیں مانا اور حضرتؑ پر مختلف قسم کے ظلم و عدوان روا رکھا لیکن حضرت ممدوح تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے اور اُس کے کل مظالم پر صبر و استقلال کے جوہر دکھاتے ہوئے اپنے کو نبی برحق اور جائز رسول سمجھتے رہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت حضرت کو ایسا سمجھنے سے نہ روک سکی۔ بالکل اُسی طرح اہل بیت کرام پر بھی حضرت رسول خداؐ کے بعد قوت و طاقت والے مہربان ظلم و عدوان کے پہاڑ ڈھاتے رہے، غصب و تغلب کے آسمان گراتے رہے، زہر اور تلوار کے مہلک اسلحے استعمال کرتے رہے، بھوک اور پیاس کی آگ لگاتے رہے۔ قتل و غارت کے سیلاب بہاتے رہے اور فساد و بربادی کے طوفان اٹھاتے رہے مگر اُن حضرات نے وہی کیا جو برحق انبیاء و مرسلین کرتے رہے کہ باطل کے آگے کبھی سر نہیں جھکایا۔ شیطان کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ جان و مال کے خوف سے حق کو نہیں چھوڑا۔ اور جس طرح فرعون نے حضرت موسےٰ سے پیغمبر کو رسول یا نبی نہیں مانا بلکہ ہمیشہ آپ کے مٹانے ہی کی تدبیریں کرتا رہا لیکن حضرت ممدوح اپنے کو نبی برحق اور جائز رسول ہی سمجھتے رہے اور اُس کی ہر دنیوی طاقت، اُس کی ہر مادی قوت، اُس کی ہر شاہی ہیبت، اس کی ہر بالا نوتی عظمت کو صبر و استقلال کے ہتھیاروں سے پاش پاش کرتے رہے اور سخت سے سخت تر ظلم کے مقابلے میں بھی اپنے اس یقین کو نہیں بدلا

بقیہ

کہ آپ واقعاً خدا کے بھیجے ہوئے رسول اور زمانہ کے ہادی اور پیشوا ہیں۔ بالکل اسی طرح اہلبیت کرام بھی اپنے زمانہ کے عنایت فرما حضرات کے ہر برتاؤ کو برداشت کرتے، ہر زیادتی کو جھیلتے، ہر سختی کو اٹھاتے، ہر دشمنی کو گوارا کرتے، ہر نقصان کو سہتے اور ہر تباہی و بربادی کا سامنا کرتے رہے مگر خدا نے رسول ؐ کی خلافت کا جو فریضہ اُن حضرات کے ذمہ کر دیا تھا اُس کو کسی طاقت کے خوف سے کبھی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اور جس طرح حضرت رسولخدا ؐ کو کفار قریش نے ساحر، کاذب، کاہن، مجنون کہا، آپ کو اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ حضرت ؐ بار بار فرماتے رہے ما اوذی نبی کما اوذیت (جیسی اذیت مجھے پہنچائی گئی ویسی اذیت کسی دوسرے نبی یا رسول کو نہیں دی گئی) حضرت ؐ کو شعب ابی طالب میں بند کر کے کئی سال تک کل ارضی و سماوی آسائشوں سے محروم کر دیا اور جب اس پر بھی حضرت ؐ اپنی تبلیغ سے باز نہیں آئے تو مکہ معظمہ کے کل قبیلوں نے مل کر حضرت ؐ کے قتل کر ڈالنے کی ناکامیاب کوشش بھی کی، بالکل اسی طرح آپ کے اہل بیت کرام بھی اسلام کی حفاظت و اشاعت کی خدمت اپنے ذمہ منجانب اللہ فرض جانتے اور کسی مصیبت کی وجہ سے اس خدمت کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ غرض جس طرح انبیاء کرام اپنے کو خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر سمجھتے تھے بالکل اسی طرح اہلبیت کرام ؑ بھی اپنے کو خدا کے مقرر کئے ہوئے خلفاء رسول ؐ جانتے تھے۔ اور جس طرح مرسلین طاہرین اپنے کو خدا کے مبعوث ہادیان عالم جانتے تھے بالکل اسی طرح اہلبیت طاہرین بھی اپنے کو منصوص ائمہ اسلام اور خلافت کا سب سے زیادہ حق دار بلکہ تنہا حق دار سمجھتے تھے۔ اُن حضرات کو جس طرح اس کا اعتقاد تھا کہ خدا ایک ہے دو نہیں ہو سکتا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم رسول ہیں، معمولی انسان نہیں ہو سکتے۔ بالکل اسی طرح اس کا بھی یقین تھا کہ صرف یہی حضرات خلفاء رسول ہیں دوسرا کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ اجماع سے بنایا جائے یا شوریٰ سے یا استخلاف سے یا لاٹھی کے زور سے۔ کیونکہ خلافت خدا کا عہدہ ہے جس کو وہ دیتا ہے وہی اس عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ جس کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں بار بار فرمادیا ہے۔ مثلاً انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ یقیناً زمین میں خلیفہ بنانے والا میں ہوں (پارہ ۱ رکوع ۴) یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا (پارہ ۱۳ رکوع ۱۱) اور قرآن مجید میں کسی جگہ بھی خدا نے

تحت ۵ھ

یہ نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کے اجماع یا شورے یا استخلاف یا تغلب سے کوئی شخص خلیفہ ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے خدا کے مقرر کئے ہوئے بارہ خلفاء کے مقابلہ میں جو لوگ بھی خلیفہ بن بیٹھے وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ اور جب خدا اور رسولؐ نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا تو اہل بیت کرام بھی ان کو کبھی خلیفہ نہیں مان سکتے تھے۔ خواہ قتل ہوتے، پامال کئے جاتے۔ اور اُن کا خاندان مٹا دیا جاتا۔

اہلبیتؑ کی نزاع کا فیصلہ مصنف کتاب "شہید اعظم" کے بیان سے واضح ہو گیا کہ آپ نے "اہل بیت" کی مشہور نزاع کا فیصلہ بھی کر دیا کہ اس سے مراد ازواج رسولؐ نہیں بلکہ ائمہ طاہرینؑ علوی ہیں۔ کیونکہ رسولؐ کی بی بیاں اپنے کو خلافت کا حق دار کبھی بھی نہیں سمجھتی تھیں۔ ائمہ طاہرینؑ ہی اپنے کو ایسا سمجھتے تھے۔ اور انھیں کے بارے میں آپ نے لکھا کہ "اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے"۔ سچ ہے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

۵ھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے اسباب کی ابتدا معویہ کی وفات سے نہیں ہوئی۔ آپ ۵۲ سال آگے بڑھ آئے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی شہادت کا سامان صحابہ رسولؐ کی جانب سے عہد رسولؐ ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ یہ حادثہ ایک بہت بڑی عمارت ہے جس میں مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص رکھی گئیں۔ ابتدائی اینٹوں کا ذکر نہ کرنا اور صرف دیوار کے اوپر کے حصوں کو دیکھنا مورخ کی شان سے بعید ہے۔

قتل امام حسین علیہ السلام کی پہلی اینٹ واقعہ عقبہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی عمارتِ شہادۃ کی پہلی اینٹ ۹ھ ہجری میں رکھی گئی۔ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی بنوت کے چھ تھے سال حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بحکم خدا مقرر کر کے عام اعلان فرما دیا تھا۔ یہ آپکی خلافت کا پہلا قولی اعلان تھا اور شبِ ہجرت آپ کو اپنی جگہ مکہ میں چھوڑ کر خود مدینہ تشریف لے گئے تو یہ آپ کی خلافت کا پہلا عملی اعلان تھا۔ مگر منافقوں کو اس کی امید کب ہو سکتی تھی کہ مدینہ میں اسلام اس قدر پھیلے گا اور حضرت رسولخدا صلعم اس درجہ کامیاب ہوں گے۔ اس وجہ سے اُس موقع پہ منافقوں نے حضرت رسولخدا صلعم کے قتل کی زبردست اور اجتماعی کوشش نہیں کی۔ جب آنحضرت صلعم مدینہ میں ۹ سال تک ترقی کرتے ہی گئے اور اسلام کا دینی و دنیوی عروج بڑھتا ہی گیا تو اب منافقوں کو فکر ہوئی کہ یا حضرت رسولؐ کو قتل کر دو یا ایسی کوشش کرو کہ اسلام کی کل

خلافت

دنیوی شان و شوکت ان لوگوں ہی کے قبضہ میں آجائے۔ ۹ھ ہجری میں آنحضرت غزوہ تبوک کے لئے مدینہ سے جانے لگے تو حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔ ان رسول اللہ خرج الی تبوک فاستخلف علیا (صحیح بخاری کتاب المغازی پ۱۸ ص۹۹)۔ یہ حضرت کی خلافت کا زبردست اور کھلا عملی اعلان تھا۔ پس منافقین کو یقین ہو گیا کہ رسولؐ دنیا سے جاتے وقت بھی ضرور علیؑ ہی کو اپنی جگہ پر بٹھا کر جائیں گے اور ہم لوگوں کو ہمیشہ اہل بیت کی رعایا اور محکوم ہو کر رہنا پڑے گا۔ اس وجہ سے ابھی سے اس کی روک تھام شروع کر دینا چاہیے۔ جب آپ وہاں سے مدینہ واپس آنے لگے اور عقبہ ذی فتق پر پہنچے تو رات کا وقت تھا خوب اندھیری چھائی ہوئی تھی۔ اسی وقت ۱۲ یا ۱۴ سوار آنحضرتؐ کی سواری کی طرف بڑھے اور چاہا کہ حضرتؐ پر حملہ کر کے آپ کو ہلاک کر دیں۔ یہ سب حملہ کرنے والے منافقین صحابہ سے تھے۔ مگر خدا نے جناب جبرئیل کو بھیج کر آنحضرت صلعم کو ان دشمنوں کے ارادہ سے مطلع کر دیا اور حضرت صلعم ان کے شر سے محفوظ رہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۱۴۱ وغیرہ) حضرت رسولؐ نے ان منافقین کے نام اپنے صحابی حذیفہ کو بتا کر تاکید کر دی تھی کہ ان کو پوشیدہ رکھنا مگر حضرت عمر کو خوف ہوا کہ رسولؐ نے آپ کو بھی انہیں لوگوں میں سمجھا جو حضرت کو ہلاک کرنا چاہتے تھے اور آپ نے خدا کی قسم کھا کر اقرار کر لیا کہ آپ بھی منافقین سے ہیں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے: من سداتیہ قول عمر یا حذیفہ باللہ انا من المنافقین۔ حضرت عمر نے خود فرمایا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال جلد ۱ ص۳۲۶)

دوسری اینٹ ۹ھ ہجری کے آخر میں حضرت رسولؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو سورہ براءۃ لیکر مکہ والوں کی طرف بھیجا مگر فوراً اس شرف سے دونوں بزرگوں کو معزول کر کے یہ خدمت حضرت علیؑ کے ذمہ کر دی جس پر دونوں بزرگوں کو نہایت صدمہ ہوا (قرۃ العینین ص۲۳۴ و صحیح بخاری پ۲ ص۳۸ و کنز العمال جلد ۱ ص۲۴۶) مگر رسولؐ کی زندگی میں کر ہی کیا سکتے تھے؟ بس شکایت خوب کی۔

تیسری اینٹ حدیث غدیر کی مخالفت میں عن عمر بن الخطاب قال نصب رسول اللہ صلعم علیا فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ اللھم انت شھیدی علیھم قال وکان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح فقال لی یا عمر لقد عقد رسول اللہ عقدا لا یحلہ الا منافق

خالی

فاحفظوا ان عقلہ قال عمر فقلت یا رسول اللہ انک حیث قلت لی علیؑ کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح قال نعم یا عمر انہ لیس من ولد آدم لکنہ جبرئیل اراد ان یؤکد علیکم ما قلتہ فی علی۔ حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو بطور امام و پیشوا مقرر کرکے آخر وقت میں بھی اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا تھا اب اُسکے مولا علیؑ ہیں۔ تو اس وقت میرے بغل میں ایک خوبصورت اور خوش بودار جوان تھا اُسنے مجھ سے کہا اے عمر حضرت رسولؐ نے ایک ایسی گرہ باندھ دی ہے جس کو وہی شخص کھول دے گا جو منافق ہوگا۔ تم ڈرو کہ کہیں تم ہی اس خلافت کی گرہ کھولنے کا بوجھ نہ اٹھا لو۔ حضرت عمر کہتے تھے یہ سُن کر میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے رسولؐ جب آپ علیؑ کے بارے میں وہ اعلان کرتے تھے میرے بغل میں ایک جوان خوبصورت عمدہ خوشبو والا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اے عمر (مجھے بھی معلوم ہے) لیکن وہ آدمی نہیں بلکہ جناب جبرئیل تھے۔ انھوں نے چاہا کہ میں نے علیؑ کی خلافۃ کے بارے میں جو اعلان کیا ہے اُس کے متعلق تم لوگوں پر خود بھی تاکید کر دیں (مودۃ القربےٰ سید علی ہمدانی صفحہ ۱۶)

جو تھی اینٹ لشکر اسامہ سے تخلف کے وقت

حضرت رسولخدا صلعم کو بھی اپنے مخصوص اصحاب کی مخفی کارروائیوں کا پتا چلتا جاتا تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے انتقال کے وقت کوشش کی کہ اُن سب کو مدینہ سے باہر کسی دور دراز مقام پر بھیج دیں کہ اس حادثہ کے وقت نہ وہ لوگ مدینہ میں رہیں گے نہ خلافۃ کا کوئی جھگڑا کھڑا ہوگا۔ صفر سنہ ۱۱ھ میں اپنے انتقال سے چند روز قبل اُن صحابہ کو یہ حکم دیا کہ اسامہ کے ماتحت ہو کر اہل روم سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ سے چلے جائیں۔ حضرت علیؑ کو تو اپنے پاس روک لیا اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ کو روم کی طرف روانہ ہو جانے کی تاکید شدید کردی۔ جب صحابہ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوگئی تو فرمایا جہزوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو۔ جو لوگ اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلوتہی کریں خدا ان پر لعنت کرے (ملل ونحل جلد ۱ صفحہ ۲۰ و شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۱ وغیرہ) مگر اس دھمکی میں بھی صحابہ کبار نہیں آئے اور مدینہ ہی میں جمے ہوئے وفات رسولؐ

ہوا

کا انتظار کرنے لگے تاکہ اہل بیت کو خلافت رسولؐ کی مسند پر کسی طرح بیٹھنے نہ دیں۔

پانچویں اینٹ حدیث قرطاس کے موقع پر آخر وقت میں حضرت رسول اللہ نے چاہا کہ ایک وصیت نامہ لکھوا دیں تاکہ آپ کے بعد اہل اسلام گمراہ نہ ہونے پائیں۔ اس پر حضرت عمر نے کہا ان الرجل لیھجر۔ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ حضرت ابن عباس اس دن کو یاد کر کے اس قدر روتے تھے کہ اُن کے پاس کے سنگ ریزے تر ہو جاتے تھے اور کہتے تھے ہائے وہ کیسا دن تھا کہ لوگوں نے رسول اللہؐ کو وصیت نہیں لکھنے دی۔ یہ کیسی سخت مصیبت ہے اور کل مصائب کی جڑ یہی ہے (صحیح بخاری پ ا صـ۱۰۶، مشکوۃ جلد ۲ صـ۲۵۳، طبری جلد ۳ صـ۱۹۳ وغیرہ) اگر حضرت رسولخداصلعم اپنی وصیت لکھنے میں کامیاب ہو جاتے اور مسلمانوں کو وہ ہدایت نامہ مل جاتا تو وہ آنحضرتؐ کے انتقال کرتے ہی گمراہی میں نہ پڑتے اور جب سیدھی راہ پر رہتے تو پھر کسی مسلمان کو اس کی جرأت ہی نہ ہوتی کہ امام حسینؑ کو قتل کرے۔ کیونکہ اس وصیت نامہ کی تحریر کے بعد نہ خلیفہ اول کا دور ہوتا۔ نہ خلیفہ ثانی کا نہ ثالث کا نہ معویہ کا نہ یزید کا بلکہ جس طرح حضرت رسولخداصلعم سردار و پیشوا اور سب مسلمان حضرتؐ کے محکوم تھے بالکل اُسی طرح حضرتؐ کی جگہ پہلے حضرت علیؑ۔ آپ کے بعد امام حسنؑ اور آپ کے بعد امام حسینؑ سب کے سردار و پیشوا اور کل مسلمان ان حضراتؑ کے محکوم ہوتے۔ یزید کا کہیں پتہ بھی ملتا؟ حضرات اہل حدیث کے پیشوائے اعظم جناب مولوی وحیدالزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے خوب لکھا ہے "ان ہی کی جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سوّر چراتا پھرتا، اونٹ کا دودھ اور موت اور گوڑ پھوڑ کا گوشت کھاتا رہتا۔ اس محسن کشی اور کورنگی کا کہیں ٹھکانا ہے" (انوار اللغۃ پ ۹ صـ۱۷)۔ غرض حضرت رسولخداصلعم کی زندگی ہی میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے اسباب کی کم از کم پانچ اینٹیں رکھی جا چکی تھیں۔ آج دنیا والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ حضرت رسولخداصلعم ہی کی امت حضرتؐ ہی کے نواسے کو صرف پچاس سال کے بعد قتل کر ڈالنے پر کیونکر آمادہ ہو گئی؟ اُن کو اس کا خیال کیسے ہوا؟ ان کے ذہن میں یہ بات آئی کیوں؟ لیکن اگر وہ اس سلسلہ کی ہر کڑی کو دیکھیں تو آسانی سے فیصلہ کر لیں کہ ایسا ہونا ہی بہت ضروری تھا۔ جب مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ

یزید

صحابہ کرام نے اپنے ذاتی اغراض کے لئے غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت شب میں خود حضرت رسو محمد اصلعم کو قتل کر دینے کی کوشش کی تو انھیں طمع دنیا میں حضرتؐ کے نواسے کے قتل سے کیوں امام نع ہو سکتا تھا؟ اور جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر نے سورۂ برا‌ءت کی تبلیغ سے معزولی پر حضرت سے بطور مقابلہ سوال و جواب کیا کہ آپ نے ہم کو اس شرف سے کیوں محروم کیا۔ تو انہیں حضرتؐ کے نواسے کی تعظیم و [illegible] ہوتا؟ اور جب مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری اعلان غدیر خم میں کیا تو خود جناب جبریل نے حضرت عمر سے کہا کہ کہیں تم اس گرہ کو کھول نہ دینا مگر انھوں نے وہ گرہ کھول ہی دی کیونکہ اُس گرہ کے بعد وفات رسولؐ پر حضرت علیؑ کے خلیفہ ماننے اور آپ کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا تو انھیں حضرت امام حسینؑ کے تیسرے امام ماننے سے انکار کر دینے کی جرءت کیوں نہیں ہوتی؟ اور جب مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ حضرت رسو محمد اصلعم حضرت ابوبکر و عمر کو اسامہ کے ماتحت ہو کر مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دے رہے تھے تاکہ وفات رسولؐ کے وقت وہ دونوں صاحبان اُس جگہ موجود ہی نہ رہیں لیکن وہ لوگ کسی طرح نہ گئے نہ حکم رسولؐ پر عمل کیا۔ نہ مدینہ چھوڑا۔ نہ قول رسولؐ لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ کی پروا کی تو انھیں امام حسینؑ کی اطاعت کرنے اور آپ کا ساتھ دینے کی پروا کیوں ہوتی؟ گر ایک طرف رسولؐ امام حسینؑ کے بارے میں فرماتے تھے ان ابنی ھذا الحسین یقتل بارض کربلا فمن شھد ذلک منکم فلینصرہ۔ میرا یہ فرزند حسینؑ زمین کربلا پر قتل کیا جائیگا تم میں سے جو شخص اُس وقت موجود ہو وہ اُن کی مدد ضرور کرے (ما ثبت بالسنۃ صلا) تو دوسری طرف انہیں رسولؐ کے اس حکم تاکیدی کی مخالفت کی جا رہی تھی جو آپ لشکر اسامہ کے ساتھ چلے جانے کا دے رہے تھے۔ جب رسول زندہ تھے اور اپنے سامنے اپنی علالت میں اُن مخصوص اصحاب سے فرما رہے تھے کہ تم سب جلد از جلد روم کی طرف نکل جاؤ مگر وہ صحابہ کرام کسی طرح حضرتؐ کی فرمائش پوری نہیں کرتے تھے تو جب رسولؐ انتقال کر گئے اور آپ کی وفات کو پچاس سال بھی گزر گئے۔ بعد کے مسلمان امام حسینؑ کے بارے میں فرمائش رسولؐ کو کیوں نہ ٹھکرا دیتے؟ اور جب رسول خداؐ اپنی زبان مبارک سے جان نثاری کا

بین

دعوےٰ کرنے والے اصحاب سے فرماتے رہے کہ مجھے کاغذ اور دوات دو کہ میں ایسا نوشتہ تحریر کرا دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو لیکن اُن لوگوں نے رسولؐ کی ایک نہ سُنی بلکہ آپ کو آپ کے منہ پر ہذیان بکنے والا کہہ دیا اور دوسرے اصحاب کیا ان باتوں کو خوشی سے سنتے ہوں گے تو وہ امام حسینؑ کی محبت و مودت اختیار کرنے کا حکم کیوں قبول کرتے اور آپ کو امام ہادی ماننے کی تاکید کس کان سے سنتے؟

اس جگہ زمانۂ حال کے نامور مصنف شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کا بیان بھی پڑھ لو جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ لکھتے ہیں "سب سے پہلے واقعۂ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے ہونکا ذلوں کی کھچڑی خلافت کے لئے پک رہی تھی۔۔ بات پھر بھی گول مول ہی رہی۔۔۔ پیغمبر صاحب نے بھی وصیت کی جس کے لئے کاغذ منگواتے تھے۔ کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے دھینگا مشتی سے منصوبہ ہی کو چٹکیوں میں اُڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضرور نہیں۔ خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے" (امہات الامہ صہ ۹۲)

مختصر یہ کہ "ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کردند۔" امام حسینؑ پر رونے والے صرف اس بات پر نوحہ و ماتم نہیں کرتے کہ حضرتؑ قتل کر دیئے گئے اور آپ کے بچے بھوکے پیاسے ذبح کر ڈالے گئے بلکہ اُن کا پہلا گریہ و بکا اس پر ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے جد بزرگوار خدا کے آخری رسولؐ اور مسلمانوں کے پیشوا و سردار کو خود صحابہ کبار نے اتنی اذیت دی کہ وہ فرماتے تھے ما اوذی نبی کما اوذیت۔ آپ کو اتنا ستایا کہ آپ مجمع عام میں اپنی مخالفت کرنے والوں پر لعنت کرتے رہے۔ آپ پر اس درجہ مخالفت و سرکشی کے مظالم کئے اور نافرمانی و تذلیل کے پہاڑ ڈھائے کہ خدا کو قرآن مجید میں اعلان کرنا پڑا ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ و اعد لہم عذاباً مہینا۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اُن پر خدا نے دنیا و آخرت دونوں میں لعنت کی ہے۔ اور اُن کے لئے رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے (پ ۲۲ ع ۴) تمرد و سرکشی سے آپ کے

دل کو اس درجہ زخمی کیا کہ جو رسول خلق عظیم پر فائز تھا اس کو عاجز آ کر انہیں صحابہ کرام سے کہہ دینا پڑا قوموا عنی۔ میرے پاس سے دور ہو (صحیح بخاری پ ۳ ص ۱۰۰ وغیرہ)۔ ان مخصوص صحابہ نے حضرت رسول خدا صلعم کی عداوت و مخالفت کی اتنی ادھم مچادی کہ مجبور ہو کر خدا کو ان صحابہ کے انجام آخرت کی تصویر دنیا ہی میں دکھا دینی پڑی۔ عن النبیؐ قال انا علی حوضی انتظر من یرد علی فیؤخذ بناس من دونی فاقول امتی فیقال لا تدری مشوا علی القہقری۔ حضرت رسولؐ فرماتے تھے کہ بروز قیامت میں حوض کوثر پر بیٹھ کر انتظار کروں گا کہ کون میرے پاس آتا ہے تو میرے سامنے سے کچھ لوگ گرفتار کر کے لے جائے جائیں گے۔ یہ دیکھ کر میں کہوں گا یہ تو میری ہی امت والے ہیں۔ اس کا جواب مجھ کو دیا جائیگا کہ تم نہیں جانتے یہ لوگ پچھلے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ رہے تھے (صحیح بخاری کتاب الفتن پ ۲۹ ص ۵۲۱)

محمد بن ابی بکر و معویہ کی خط و کتابت

جو لوگ حضرت علیؑ کی دشمنی کا الزام صرف معویہ پر اور امام حسینؑ کے قتل کا الزام صرف یزید یا اس کے ماتحتوں پر رکھتے ہیں وہ اس خط و کتابت کو ضرور پڑھ لیں جو حضرت ابوبکر کے صاحب زادے محمد۔ اور یزید کے ابا جان معویہ میں ہوئی تھی۔ ہم صرف خلاصہ ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ محمد نے معویہ کو لکھا "تو ان (علیؑ) کا مقابلہ کرتا ہے؟ حالانکہ تو تو ہی ہے اور وہ وہ ہی ہیں! ... وائے ہو تجھ پر تو اپنے کو حضرت علیؑ کے برابر کیسے کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہ رسولؐ کے وارث، وصی اور جانشین ہیں اور تو خود بھی حضرت رسولؐ کا دشمن ہے اور تیرا باپ بھی دشمن ہی تھا جس قدر تجھ سے ہو سکے باطل کی پیروی کر کے اس دنیا کا مزا اٹھا لے"۔ اس کے جواب میں معویہ نے محمد بن ابی بکر کو لکھا۔ "ہم لوگ جن میں تیرے باپ (ابوبکر) بھی شامل تھے علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بھی ہم سب کو معلوم تھا کہ (خلافت کے بارے میں) ان کا حق ہم پر لازم اور ہمارے لئے ضروری ہے مگر تیرے باپ اور ان کے (دوست) فاروق ہی اول وہ لوگ تھے جنہوں نے علیؑ کا حق چھین لیا اور ان کی خلافت کے متعلق ان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اسی بات کو دونوں نے اپنے اتفاق سے طے کیا اور اسی کو کر دکھایا۔ پھر ان دونوں نے علیؑ

کو بلایا کہ ان دونوں کی بیعت کریں مگر علیؑ نے دونوں سے کنارہ کشی کی۔ اس پر دونوں نے ان کو مختلف قسم کے ہم وغم میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا اور بڑے بڑے آفات میں ڈالنے کی کوشش کی ... اگر تیرے باپ اس کے قبل ایسا برتاؤ نہیں کیے ہوتے تو ہم بھی علیؑ کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ خلافت اُن کے حوالہ کر دیتے مگر ہم نے دیکھا کہ تیرے باپ ہی نے ہم سے پہلے ایسا کیا۔ تو انھیں کے مثل ہم نے بھی کیا۔ ... تجھ کو جو عیب لگا نا ہو اپنے باپ (حضرت ابو بکر) ہی میں لگا (تاریخ مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۹ طبع مصر)

قتل امام حسینؑ کی چھٹی اینٹ اُس وقت رکھی گئی جب رسول صلعم دنیا سے انتقال کرتے اور مسلمانوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت تمام مسلمان نہیں تو کم از کم کل صحابۂ مدینہ منورہ کو اپنے سب کاروبار بند کر کے حضرتؐ کے درِ دولت پر حاضر ہونا اور حضرتؐ کے غسل و تکفین و دفن کا شرف حاصل کرنا چاہیے تھا۔ ایک معمولی مسلمان مرجاتا ہے تو اُس کے جاننے والے اپنے ضروری کاموں کو روک کر اُس کے ہاں جانا، اُس کے جنازہ کو اُٹھانا، اس کو غسل دینا اور دفن کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر سید المرسلینؐ دنیا سے انتقال کرتے ہیں تو آپ کی جان نثاری کا دعوےٰ کرنے والے مسلمان حضرتؐ کی لاش چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ نہ کسی کو آپ [illegible] اور نہ کفن پہنانے کی۔ نہ جنازہ اٹھانے کی اور نہ دفن کرنے کی۔ غیر حاضری بھی [illegible] نہیں بلکہ مسلسل تین دن کی۔ علامہ طبری ایسے قدیم اور معتبر مورخ نے لکھا ہے۔ لما قبض النبیؐ کان ابو بکر غائبا فجاء بعد ثلاث ولم یجتری احد ان یکشف عن وجهه وقبل بین عینیه۔ جب حضرت رسولؐ کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابو بکر وہاں سے غائب تھے اور تین دن کے بعد آئے۔ اس درمیان میں کسی شخص کو اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ حضرتؐ کا منہ کھول سکے یہاں تک کہ حضرتؐ کے شکم مبارک کی حالت خراب ہو گئی (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۸)۔ مورخین و محدثین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کا جنازہ تین دن تک اس طرح کہ دوشنبہ کا باقی دن۔ پھر شب سہ شنبہ۔ پھر سہ شنبہ دن بھر پھر شب چہار شنبہ کے کچھ حصہ تک بے دفن پڑا رہا اور اس میں تاخیر اس سبب سے ہوئی کہ لوگ حضرت ابو بکر کی بیعت میں مشغول تھے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۳۶۶) ثم دفن بعد ثلاثة

سے

بثلاثۃ ایام۔ آنحضرت صلعم کا جنازہ تین دن تک پڑا رہا۔ اس کے بعد دفن کیا گیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴) ۔ اللہ اکبر ایک مسلمان مرد یا عورت مرے تو اسی روز دفن کر دیا جائے لیکن مسلمانوں کے سردار انتقال کریں تو تین روز تک بے غسل و دفن پڑے رہیں!

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعوٰے ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلعم سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم اُن پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرت صلعم کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔ ... یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (و ابوبکر وغیرہ) آں حضرت صلعم کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ میں پہنچکر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے۔ گویا اُن پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا" (الفاروق صفحہ ۶۶) ۔ جب آسمان اسلام کے مہر و ماہ خود رسول صلعم سے ایسا برتاؤ کریں جو ایک معمولی انسان سے بھی نہیں کیا جاتا تو سانحہ کے مسلمان اسی دنیوی بادشاہت کے لئے امام حسینؑ کا خون کیوں نہیں بہاتے؟ امام حسینؑ ابن نفس رسول صلعم کے نواسے تھے۔ جب نانا کو نہیں چھوڑا گیا تو نواسا کیوں کر بچتا؟ اور سید المرسلین ہی کے تو تیسرے برحق جانشین تھے۔ جب سردار ہی کے ساتھ وہ سب کیا گیا تو اُس کے جانشین کے ساتھ یہ سب ہونا تقریباً اسی کی پیروی تھی۔ اس برتاؤ میں آپ رسول صلعم سے الگ کیونکر رہتے؟

ساتویں اینٹ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت رسولؐ نے بار بار حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

دلی

کر دیا تھا۔ پھر بھی رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی صحابہ کرامؓ نے اُن تمام اعلانوں اور کل اہتماموں کو پس پشت ڈال دیا۔ حضرت علیؑ کو جنازہ رسولؐ کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے اور سقیفہ میں پہنچ کر خود خلافۃ پر قابض ہو گئے۔ جس کے بعد حضرت علیؑ سے بھی بیعۃ کا اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا "تم سب سے استحق خلافۃ میں ہوں، میں تمہاری بیعۃ نہیں کر سکتا بلکہ تم لوگوں ہی کو میری بیعۃ کرنی چاہئے"۔ اس قول میں حضرت ابوبکر و عمر سے صاف فرما دیا تاخذونہ منا اهل البیت غصبا۔ تم لوگ اس خلافۃ کو ہم اہل بیت رسولؐ سے غصب کر کے اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہو؟ (الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۹ طبع مصر)۔ پس یزید نے بھی امام حسینؑ کے ساتھ سقیفہ والی ہی کارروائی کی کہ رسولؐ نے جس خلافۃ کے بارے میں بار بار اعلان کر دیا تھا کہ علیؑ و حسنؑ کے بعد وہ صرف حسینؑ کا حق ہے، اُس خلافۃ کو حضرت ابوبکر و عمر کی طرح زبردستی امام حسینؑ سے غصب کر لینا چاہا اور اسی لئے امام حسینؑ کو قتل کرا دیا۔ اگر حضرت ابوبکر و عمر خلافۃ کو حضرت علیؑ سے نہ نکال لیتے تو یزید کو اس کا وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔ قیل لرجل من بنی هاشم متیٰ قتل الحسینؑ بن علیؑ فقال یوم سقیفۃ بنی ساعدہ۔ ایک ہاشمی سے لوگوں نے پوچھا امام حسینؑ کب قتل کئے گئے؟ تو جواب دیا وہ تو درحقیقت سقیفہ بنی ساعدہ ہی کے دن ذبح کر دیئے گئے۔ (کتاب الالفاظ الکتابیہ طبع بیروت صفحہ ۱۴۳)۔ جناب مولوی صدر الدین احمد صاحب بوہاری بھی لکھتے ہیں: و بعد از وفات پیغمبرؐ واقعات بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک و سقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ حضرت زہراؑ اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہراؑ پیش انصار طولے دارد۔ ذکرش ناکردن اولیٰ تر است و وصیت نمودن حضرت زہراؑ کہ ہیچ کس بر جنازہ او حاضر نہ شود دلیل صریح است برآں کہ حضرت زہراؑ آزردہ و ملول از دنیا رفت۔ اکنوں تاویل ہر چہ خواہند بکنند۔ الغرض ما از مشاجرات صحابہ عنان قلم منعطف نمودیم۔۔ حضرت زہراؑ پس از وفات پدر خانہ در جنۃ البقیع گرفتہ آں را بیت الحزن مقرر نمودہ اکثر ایام در آنجا بسری بردہ مرثیہ ہائے پیغمبرؐ انشا نمودہ۔ یک بیت از اول آں قصیدہ این است ؎ صبت علی مصائب لو انها۔ صبت علی الایام صرن لیالیا۔ رسولؐ کی وفات کے بعد بڑے بڑے حادثے گزرے جیسے معاملہ فدک۔ یا جناب سیدہؑ کے حمل کا ساقط

عہد

کیا جانا اور عمر خطاب کا بنی ہاشم کو جو حضرت سیدہؑ کے گھر میں جمع ہوئے تھے دھمکی دینا اور انصار کے پاس جناب سیدہ کا جاکر نالہ و شیون کرنا۔ ان سب کے بیان میں بہت طول ہوگا۔ ان باتوں کا ظاہر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ جناب سیدہ کا وصیت کرنا کہ ان لوگوں سے کوئی شخص بھی ان کے جنازے پر آنے نہ پائے اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جناب سیدہ دنیا سے انتقال کرتے وقت ان لوگوں سے یقیناً ناراض اور رنجیدہ تھیں۔ اب جو چاہیں لوگ تاویل کرتے رہیں (مگر تاویل سے واقعات تو نہیں مٹ سکتے)۔ لیکن ہم صحابہ کے جھگڑوں سے اپنے قلم کی روانی کو روک لیتے ہیں ... حضرت سیدہ نے اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد جنۃ البقیع میں ایک گھر بنوایا جس کو بیت الحزن قرار دیا کہ اُسی میں برابر رویا کرتیں اور حضرت رسولؐ کی جدائی کے بعد جو مصیبتیں آپ پر پڑیں ان کے بیان میں ایک مرثیہ بھی کہا جس کی ابتداء کا ایک شعر یہ ہے ؎ رسولؐ کے بعد مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں جو اگر دنوں پر پڑ جاتیں تو سب دن اس اندھیرے رات ہو جاتے (روائح المصطفےٰ صـ ٣٧)۔ زمانہ حال کے شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے "سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبوی کو پیغمبرؐ صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا ادب و لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اُس میں ضعف آگیا اور رفتہ رفتہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے" (رویائے صادقہ صـ)۔ امام غزالی نے ان واقعات کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے صرف اردو ترجمہ کا خلاصہ لکھا جاتا ہے "جمہور علماء و محققین اسلام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے خطبہ یوم غدیر میں حدیث غدیر کو خود ارشاد فرمایا اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں مولا تھا اُس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے فوراً کہا اے ابوالحسن! آپ کو مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ آج آپ میرے اور ہر ایمان والے مرد اور عورت کے مولا ہو گئے۔ (امام غزالی فرماتے ہیں) حضرت عمر کا یہ کہنا درحقیقت حضرت علیؑ کی خلافت و حکومت کو مان لینا اور اُس پر راضی ہو جانا تھا مگر اس کے بعد بادشاہت (اسلام) پر قبضہ کرنے، خلافت کے نشان اُٹھانے جھنڈوں کے پھریرے ہلانے، علموں کی کھڑکھڑاہٹ میں ہوا کے جھونکے مارنے، فوج میں

متفرق

گھوڑوں کے اژدہام اور ریلا کرنے اور شہروں کے فتح کرنے کی آرزو و تمنا کی وجہ سے ان لوگوں پر خواہش نفسانی غالب آگئی جس نے ان کو نفس پرستی کے جام سے سیراب کر دیا۔ اس کی وجہ سے یہ لوگ خلاف اول کی طرف (یعنی اپنی اس حالت کی جانب جو اسلام کے قبل بھی) پلٹ گئے۔ غرض اس دین اسلام کو ان لوگوں نے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس قابل قدر مذہب کو بیچ کر اس کی بہت ہی کم قیمت لے لی۔ افسوس کیا ہی بری چیز (دنیا) ان لوگوں نے خریدی۔ اور جب حضرت رسولخداؐ انتقال کرنے لگے تو اس سے پہلے ارشاد فرمایا تم لوگ میرے پاس دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لیے خلافۃ کی مشکل حل کر دوں اور تم لوگوں کو یاد دلا دوں کہ میرے بعد خلافۃ کا مستحق کون ہے۔ مگر اس پر حضرت عمر بول پڑے کہ اس شخص کو چھوڑ دو یہ تو ہذیان بک رہا ہے۔ بہکی باتیں کر رہا ہے۔ پس اے برادران اسلام جتنی ابوبکر کی خلافۃ کے متعلق تم قرآن یا حدیث کی جو جو تاویلیں کر کے ان کو ان کی خلافۃ پر بطور نص پیش کر سکتے تھے جب وہ سب باطل ہو گئیں اور اس سے تمہارا کوئی تعلق باقی نہیں رہ سکا تو تم لوگوں نے اجماع کی آڑ میں پناہ لی (کہ کہتے ہو حضرت خلیفہ اول صاحب کی خلافۃ پر مسلمانوں نے اجماع کیا)۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ حضرت عباس اور اُن کی کل اولاد نیز حضرت علیؑ، ان کی بیوی اور ان کی اولاد سے کوئی بھی ممدوح کے حلقہ بیعۃ میں حاضر نہیں ہوا۔ اور سقیفہ کے اصحاب نے بھی تمہاری مخالفت ہی کی۔ پھر تم اجماع کا نام کس منہ سے لے سکتے ہو؟ (کتاب سر العالمین طبع بمبئی ص۹)۔ امام غزالی صاحب نے جو تفصیل بیان کی اس کو حضرت رسول خدا صلعم نے ایک ہی جملہ میں کمال فصاحت و معرفت سے پہلے ہی بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا۔ حضرت علیؑ سے آخر وقت میں وصیت کی یوں بہ بینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔ اے علیؑ جب دیکھنا کہ یہ لوگ دنیا اختیار کرتے ہیں تو چاہیے کہ تم آخرت ہی کو اختیار کئے رہو (تم دین کو نہ چھوڑنا۔ دوسرے چھوڑیں تو چھوڑنے دو) (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۵۱۱)۔ اس سے زیادہ حضرتؐ کے اقوال کنز العمال، مشکوٰۃ، صحیح بخاری، فتح الباری وغیرہ میں بھرے ہوئے ہیں۔

آٹھویں منیٹ جناب امیرؑ کی گرفتاری

جناب امیرؑ نے سب سختیوں کے بعد بھی حضرت ابوبکر

ہو چکا

کی بیعت نہیں کی تو حضرت عمر کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں گئے اور ستاتے ہوئے حضرت علیؑ کو گرفتار کر لائے اور بیعت کی پوری زبردستی کی (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۹)۔ بالکل اسی طرح یزید نے بھی امام حسینؑ سے زبردستی بیعت لینی چاہی اور اپنے حاکم مدینہ کو تاکیدی فرمان بھیجا کہ خذ حسینا بالبیعة اخذا شدیدا لیس فیه رخصة حتی یبایع۔ حسینؑ کو بیعت کے لئے خوب سختی سے گرفتار کرو اور انھیں ہرگز نہ چھوڑو جب تک وہ میری بیعت نہ کرلیں (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۸۹)۔ اگر حضرت عمر اقوال رسولؐ سے بالکل چشم پوشی کر کے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و کمالات و نصوص خلافت و اذکار مولائیت و امامت کو نظر انداز کر کے حضرت امیر المومنینؑ کی اس درجہ توہین، تذلیل و تحقیر نہ کرتے تو پھر کس مسلمان کو اسکی جرأت ہوتی کہ حضرت امام حسینؑ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے اور حضرتؑ کے حقوق کو اس طرح پایمال کرے؟ مگر جب اس غیر الٰہی خلافہ کا سلسلہ ابتدا ہی سے اس اصول پر رہا کر رسولؐ کے دین اسلام کو دنیوی بادشاہت و سلطنت سے بدل دو۔ اور حضرتؐ کے مقرر کئے ہوئے جانشینوں کو الگ کر کے خود سب چیز پر قبضہ کرلو۔ تو یزید بھی اسی سلسلہ کا تھا۔ وہی کیا جو اول و دوم و سوم اور اس کے باپ نے کیا تھا۔ اور جس کے لئے خود سابق حضرات ہی اس کو تیار کرتے رہے تھے۔

نویں اینٹ جناب امیرؑ کو جلا ڈالنے کی دھمکی جب حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کیا تو حضرت عمر کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں گئے اور کہا خدا کی قسم میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب لوگوں کو اسمیں پھونک دوں گا ورنہ تم سب چل کر ابوبکر کی بیعت کرو (طبری جلد ۳ ص ۱۹۸)۔ خلافت ہی کے لئے حضرت علیؑ کو حضرت عمر نے جلا ڈالنے کی دھمکی دی۔ اور خلافۃ ہی کے لئے یزید نے بھی امام حسینؑ کے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اگر سنہ ۶۱ ہجری کے مسلمان یہ نہ دیکھے اور سُنے ہوتے کہ حضرت عمر نے حکومت دنیا کے لئے رسولؐ کے برحق خلیفہ کو جلا ڈالنے کا ارادہ کیا تو انھیں کبھی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ اپنے زمانہ میں اسی دنیوی حکومت کے لئے امام حسینؑ کو قتل کر دیں۔

دسویں اینٹ جناب سیدہؑ کو میراث سے محروم کر دینا ہر باپ کی میراث بیٹے اور بیٹی کو ملتی ہے۔ قرآن مجید میں خدا نے کہیں انبیاء مرسلین کو اس عام حکم سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ اسی وجہ سے جناب رسولؐ کے انتقال پر جب جناب سیدہ نے دیکھا کہ خلافت کے ساتھ میراث رسولؐ پر بھی قبضہ کر لیا گیا تو حضرت ابوبکر کے پاس کہلایا کہ خدا نے حضرت رسولؐ کو مدینہ میں جو جائیداد بلا حرب و ضرب بطور

تھا

خالصہ عنایت فرمائی تھی اس سے اور فدک اور خمس خیبر سے میری میراث مجھ کو دے دو۔ حضرت ابو بکر نے کہا رسولؐ نے فرمایا تھا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں۔ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ (وقف) ہے۔ غرض حضرت ابو بکر نے بالکل انکار کر دیا اور جناب سیدہؑ کو رتی برابر بھی کوئی چیز نہیں دی۔ اس سے جناب سیدہ حضرت ابو بکر پر غضبناک ہو گئیں اور مرتے مرتے ان سے نہیں بولیں (صحیح بخاری صـ۴۵۳ و صحیح مسلم صـ۹۱)۔ جناب سیدہؑ حضرت ابو بکر و عمر سے رنجیدہ رہیں اور اسی حالت میں دنیا سے انتقال کیا۔ اور وصیت کر گئیں کہ وہ دونوں آپ کے جنازے پر بھی نہ آنے پائیں (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صـ۲) دوسرے روز حضرت ابو بکر و عمر نے حضرت علیؑ سے شکایت کی کہ ہم کو کیوں خبر نہیں کی کہ سیدہ پر نماز جنازہ میں شریک ہوتے۔ فرمایا میں نے سیدہ کی وصیت کے مطابق عمل کیا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۴۴۲)۔ علامہ رازی نے لکھا ہے کہ فاطمہ زہرا کے مطالبہ میراث پر جب ابو بکر نے وہ حدیث بیان کی تو جناب سیدہ نے قرآن مجید کی آیۃ للذکر مثل حظ الانثیین کے عموم سے استدلال کیا کہ قرآن کا عام حکم ایک شخص کی روایت کی ہوئی حدیث سے بدل نہیں سکتا (تفسیر کبیر جلد ۳ صـ۱۵۰)۔ خود خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وورث سلیمان داؤد۔ حضرت سلیمان جناب داؤد کے وارث ہوئے (سپارہ ۱۹ ع ۱۷)۔ حضرت داؤد بھی نبی تھے اور جناب سلیمان بھی نبی تھے۔ غرض خود وارث بھی ہوئے اور دوسرے کو وارث کیا بھی۔ اس سے حضرت ابو بکر کی بیان کی ہوئی حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث کا باطل ہونا مثل آفتاب نیمروز ہو گیا۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "کل قضیوں سے زیادہ سخت قضیہ جناب فاطمہ زہراؑ کا ہے اسلئے کہ اگر وہ اس حدیث سے جس کو حضرت ابو بکر نے بیان کیا ناواقف تھیں تو یہ خلاف عقل ہے کہ آپ اس سے بالکل بے خبر رہتیں۔ اور اگر مان لیں کہ شاید رسولؐ سے فاطمہؑ کو اس حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا ہو تو اور زیادہ مشکل پڑتی ہے کہ جب آپ نے اس حدیث کو سن لیا پھر کیوں نہ اسکو صحیح جانا اور کیوں ابو بکر سے غضبناک ہو گئیں۔ اور اگر آپ کا غصہ حدیث مذکور کے سننے سے پہلے ہوا تھا تو سننے کے بعد کیوں غصہ کو ترک نہیں کیا جس نے اس قدر طول کھینچا کہ جب تک موصوفہ زندہ رہیں ابو بکر سے بول چال۔ سلام کا جواب سب ترک ہی رکھا (اشعۃ اللمعات جلد ۳ صـ۴۲۶)۔ صرف جناب سیدہ ہی نہیں اُس وقت کے انصاف پسند مسلمانوں نے بھی حضرت ابو بکر کے اس برتاؤ پر تعجب کیا ایک شخص کہتے تھے ؎ اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا۔ فیال عباد اللہ ما لابی بکر

اس

ایورثنا بکر ا اذ مات بعدہ - وتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظہر۔ جب تک رسولؐ ہم میں موجود تھے ہم نے حضرتؐ کی اطاعت کی مگر اے خدا کے بندو! ابوبکر کو ہم کیا جانیں اور ان کو کیوں مانیں؟ کیا وہ اپنی موت پر اپنی اولاد کو یہ دین اسلام بطور میراث حوالہ کر دینا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ سازشیں تو حق کی کمر توڑ دینے والی ہیں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۳)۔ عجیب لطیفہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے تو قول رسولؐ یہ بتایا کہ "ہم انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں نہ وارث کرتے ہیں"۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت رسولؐ بھی وارث ہوئے ہیں۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ حضرت رسولؐ کے والد جناب عبداللہ نے پانچ اونٹ اور کچھ دنبیاں چھوڑیں اور رسولؐ نے وہ سب چیزیں اپنے والد کی میراث میں پائیں (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۵۶) اور علامہ ابن القیم نے لکھا ہے ماثور وہ پہلی تلوار ہے جو رسولؐ نے اپنے باپ سے میراث میں پائی تھی (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۳) آنحضرتؐ کے پاس ایک اور تلوار تھی جو آپ نے اپنے باپ سے میراث میں پائی تھی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۸۹) غرض حضرت رسولؐ کو اتنی چیزیں میراث میں ملیں مگر حضرت ابوبکر حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبیوں اور رسولوں کو کوئی چیز میراث میں نہیں ملتی!!! - اب دنیا بتائے کس کو سچا اور کس کو جھوٹا مانا جائے؟ علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے میں نے علی بن الفارقی سے جو بغداد کے مدرسہ عربیہ میں مدرس تھے پوچھا کہ کیا جناب فاطمہ زہراؑ اپنے دعوے میراث رسولؐ میں سچی تھیں؟ انھوں نے کہا ہاں فاطمہؑ کا دعوے صحیح تھا ان کو رسولؐ کی میراث ضرور ملنی چاہئے تھی۔ میں نے کہا پھر کیوں حضرت ابوبکر نے ان کو فدک نہیں دے دیا؟ حالانکہ وہ بھی جانتے تھے کہ سیدہ صحیح دعویٰ کر رہی ہیں۔ اس پر وہ استاد (علی بن الفارقی) مسکرائے اور باوجود اس کے کہ وہ کم مزاح کے آدمی اور عزت و حرمت و شان و وقار کے بزرگ تھے ایک لطیف اور دلچسپ بات کہی کہ "اگر آج حضرت ابوبکر جناب سیدہ کے دعوے پر فدک اُن کو واپس کر دیتے تو کل پھر وہ پہنچتیں اور اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعوے کرتیں اور ابوبکر کو اُن کے تخت حکومت سے ہٹا دیتیں اُس وقت تو ابوبکر نہ کوئی عذر کر سکتے۔ نہ اُن کی بات مان سکتے کیونکہ انھوں نے خود اپنے خلاف اس بات پر مہر کر دی ہوتی کہ فاطمہؑ جو دعوے بھی کریں اس میں وہ صحیح ہیں جس پر نہ کسی گواہ کی ضرورت ہے نہ دلیل کی" (علی ابن فارقی کا) یہ کلام بالکل صحیح ہے۔ اگرچہ بطور مزاح ہی کہہ گئے ہیں (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۵ طبع مصر)، ہم نے اس کتاب کے شروع (صفحہ ۳ میں) لکھا ہے کہ "مولوی (ابوالکلام آزاد صاحب) کا یہ رسالہ پڑھے ہے، ایک منصف مزاج اور تحقیق پسند شخص کے ذہن میں

نے

حسب ذیل سوالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں (۱) کن وجوہ سے مسلمانوں نے حضرتؑ کو قتل کیا اور کس طرح اُن کو اس کی جرأت ہوئی؟ اس کا جواب تو اب واضح ہو گیا کہ شروع ہی سے مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی جو خدا اور رسولؐ کے ان انتظامات کو جو خلافتِ رسولؐ کے متعلق کئے جاتے تھے درہم و برہم کرتی رہی۔ چونکہ اہلبیتِ رسولؐ اسلام کو بالکل اُسی دائرہ کے اندر رکھتے جس میں خدا اور رسولؐ نے اس کو محدود کر دیا تھا اور وہ جماعت اس کو پسند نہیں کر سکتی تھی اس سبب سے قدم قدم پر اہلبیت رسولؐ کی عزت، وجاہت، شان، وقار، آسودگی، اطمینان سب کے مٹانے میں زور لگائے رہتی تھی جنابِ سیدہ کی میراث بھی اسی وجہ سے نہیں دی کہ اگر ان لوگوں کو آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی ہے گا تو یہ اسلام کی وہی خدمت کرتے رہیں گے جو رسولؐ کرتے تھے اور لوگ اُن کے پاس بھی آتے جاتے رہیں گے۔

غرض جب حضرت فاطمہؑ پر جو رسولؐ کی پارۂ جگر تھیں یہ سب مظالم روا رکھے گئے اور کسی کو نہ رسولؐ کی روح سے شرم آئی نہ دنیا کے ہنسنے کی پروا ہوئی، نہ خدا کے عذاب کا خوف ہوا، نہ رسولؐ کی وصیتوں اور تاکیدوں کا لحاظ ہوا (کیونکہ ایسا کرنے سے اپنے دنیوی مقاصد پامال ہوتے تھے) تو حضرت امام حسینؑ انھیں جنابِ سیدہؑ کے لال تھے۔ حصول دنیا میں جب وہ بڑی رکاوٹ تھے تو ان کو کیوں چھوڑ دیا جاتا؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یزید نے معاذ اللہ وہی کیا جو اس کو کرنا چاہیے تھا بلکہ یہ کہ یزید نے وہی کیا جو اُس کے بزرگوں نے کر کے دکھا دیا تھا۔ جس کا نمونہ قائم کر گئے تھے اور جس کی عملی تعلیم دے دی تھی۔

سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۶۰ھ تک اسلام پر جن حکمرانوں کی بادشاہت تھی ان کی روش کو اس نے بھی دیکھا اور لوگوں سے سنا اور اس سلسلہ کے استادوں نے یکے بعد دیگرے اہل بیت رسولؐ سے جس قسم کے برتاؤ کی خصوصیت پیدا کر دی تھی اسی کو اُس نے بھی سیکھا تھا اور اُسی پر خوب متعدی سے عمل کیا۔ اگر کوئی پوچھے کہ رسولؐ نے اپنے صحابہ کبار کو جو تعلیم دی تھی اُس کو حضرتؐ کے شاگردوں نے کیوں ترک کر دیا اور ان صحابہ کرام کی باطل تعلیم پر یزید نے کیوں عمل کیا؟ تو عرض کیا جائے گا کہ رسولؐ نے جو تعلیم دی تھی وہ دین درست کرنے کے لئے۔ اور صحابہ کرام نے جو سکھایا وہ دنیا حاصل کرنے کے لئے۔ اور دونوں میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ خدا نے ہمیشہ لوگوں کو سیدھی راہ چلنے کی تاکید کی اور شیطان نے اس کے خلاف کی تعلیم دی تبائیے ہر زمانہ میں کس کی بات ماننے والے زیادہ ہوئے اور کس کے کم۔ آج بھی خدا اور رسولؐ کے احکام بتانے والے علماء و واعظین مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ مسجدوں کو آباد کرو۔ نمازیں پڑھو مگر مسجدوں میں

اپنی

کتنے مسلمان جاتے ہیں؟ اور شیطان کہتا ہے کہ طوائف کے ہاں جاؤ۔ تھیٹر کا تماشہ دیکھو۔ سینما بینی کا لطف حاصل کرو تو ہر جگہ دیکھ لیجئے کتنی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اگر مسجد میں دس مسلمان بہ مشکل ملیں گے تو سینما میں ہزاروں کا اژدہام ہوگا۔ اسی طرح رسولؐ مسلمانوں کو سمجھاتے رہے کہ دین کی پابندی کرو۔ دنیا کے لئے آخرت کو تباہ نہ کرو مگر جن لوگوں نے مانا اُن کو شمار کر لیجئے۔ اور اہل دنیا کا رِ دنیا ساختند کا لقب پانے والوں نے حکومت دنیا کے لئے اہل بیت رسولؐ کے ساتھ جو برتاؤ کئے انکی پیروی کرنے والوں کی تعداد کون بتا سکتا ہے؟ ہم اس کتاب میں ایک حرف بھی اپنی طرف سے نہیں لکھتے بس معتبر ترین کتب تفسیر وحدیث و تاریخ و سیرت میں جو باتیں موجود ہیں اُنھیں سب کو پیش کر رہے ہیں نتیجہ نکالنا پڑھنے والوں کا کام ہے۔ ہر شخص فیصلہ کرے کہ امور مذکورہ کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا امام حسینؑ کی شہادت کا تعلق صرف یزید سے باقی رہتا ہے یا اُن بزرگوں کا گہرا ہاتھ بھی صاف دکھائی دیتا ہے جو رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام اور مسلمانوں کے کرتا دھرتا بن گئے تھے۔ آپ زبان چاہیں کچھ نہ بولیں مگر واقعات کو مٹا نہیں سکتے۔ اور انھیں واقعات سے آپ کے ذہن۔ آپ کے دماغ۔ آپ کی عقل اور آپ کے دل میں جو نتیجے مرتب ہوتے ہیں انکی پیداوار کو بھی روک نہیں سکتے۔ اسی وجہ سے سواد اعظم کے بزرگوں نے ہمیشہ لوگوں کو تاکید کر دی کہ خبردار امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات نہ بیان کیا کرو۔ مسلمانوں کو اس کا موقع ہی نہ دو کہ وہ امام حسینؑ کی شہادۃ کے اصلی سلسلوں کی طرف اپنے دماغوں کو متوجہ کر سکیں

علماء و واعظین کے لئے امام حسین علیہ السلام کا ذکر کیوں حرام کیا گیا؟

بلکہ اس کو حرام تک کر دیا گیا کہ کوئی شخص ان واقعات کو زبان پر بھی نہ لائے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے "واقعات کربلا کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم (دہلوی) فرماتے ہیں کہ واقعات کربلا کا ذکر واعظ کو بلا میں ڈال دیتا ہے از قول اجمیل لیکن اس احتیاط پر بھی بعض واقعات و امور جن سے اسلام میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے بیان میں آگئے" (اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۳۲۹ ہجری) اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے "قال الغزالی وغیرہ ویحرم علے الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایاتہ وما جرے بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علے بغض الصحابۃ والطعن فیھم۔ امام غزالی وغیرہ نے کہا ہے کہ علماء و واعظین پر حرام ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی شہادت اور اُن کے واقعات کو بیان کریں اور صحابہ کے درمیان

جو لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے ان سب کا ذکر کرنا بھی حرام ہے کیونکہ ان واقعات کے ذکر سے صحابہ کی دشمنی آدمیوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور ان پر اعتراضات کی بوچھار ہونے لگتی ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۳) ۔ یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی شہادت کو صحابہ کے جھگڑوں سے کیا ربط ہے؟ ان کا بیان اور تذکرہ حرام کیوں ہو گیا؟ کیا خدا نے اس کو حرام کیا؟ قرآن مجید کی کون آیۃ اس کو بتاتی ہے؟ بلکہ اس ذکر کو تو خدا خود ہی کرتا رہا اسی وجہ سے وہ ملائکہ کو رسولؐ کے پاس بھیجتا اور اس حادثہ سے مطلع کرتا رہا ۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے ذکر مقتل سیدنا الامام الشہید السعید سبط رسول اللہ الامام ابی عبد اللہ الحسین سلام اللہ علیہ وعلے آبائہ الکرام ۔ ہمارے سردار امام شہید سعید ، نواسہ رسول خداؐ ۔ امام ابو عبد اللہ الحسینؑ کی شہادت کا بیان ۔ اللہ حضرت پر اور حضرتؑ کے بزرگوں پر سلام نازل کرتا رہے ۔ قال رسول اللہؐ اخبرنی جبرئیل ان حسینا یقتل بشاطی الفرات ۔ حضرت رسول خداؐ صلعم نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل نے بیان کیا کہ حسینؑ فرات کے کنارے شہید کئے جائیں گے (ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱) اس قسم کی حدیثوں سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں ۔ غرض اس واقعہ کے ذکر کو نہ خدا نے حرام کیا نہ رسولؐ نے ۔ وہ حضرات تو برابر بیان کرتے ہی رہے ۔ البتہ امام غزالی صاحب وغیرہ علماء و مقتدایان اہلسنت نے اس کے حرام ہونے کا فتوے دیا ہے ۔ لیکن وہ بھی کیوں؟ اس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرما دی فانہ یھیج علے بغض الصحابۃ والطعن فیھم ۔ اس لئے کہ شہادت امام حسینؑ کے بیان اور تذکرے سے صحابہ کی دشمنی دل میں پیدا ہوتی اور (کم از کم) ان پر اعتراضات کی بوچھار ہوتی ہے مگر یہ کیوں؟ واقعہ کربلا کے بیان سے صحابہ کا بغض کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اصلی سلسلہ کا پتا لگ گیا کہ چونکہ صحابہ ہی نے خلافۃ کو خاندان رسولؐ سے نکالا ۔ انھیں نے خلافۃ رسولؐ پر قبضہ کیا ۔ انھیں نے اہل بیت رسولؐ کو اس سے علیحدہ کیا ۔ انھیں نے جناب رسولؐ کا جنازہ چھوڑ کر اسلام کی حکومت لے لی ۔ انھیں نے جناب سیدہ کو آپ کے حق سے محروم کر دیا ۔ انھیں نے جناب سیدہؑ کے مکان پر آگ لکڑی جمع کر کے اس کے پھونک دینے کی دھمکی دی ۔ انھیں نے خاندان رسولؐ کے دشمنوں کو حکومت کی لگام دیدی انھیں نے یزید ابن ابی سفیان کو شام کا گورنر بنایا ۔ اور اس کے مرنے پر اس کے بھائی معویہ کو

کا

وہاں کی حکومت دے دی جس نے اپنی جگہ پر یزید کو بادشاہ بنا کر امام حسینؑ کے قتل کا سامان کر دیا۔ اس وجہ سے درحقیقت امام حسینؑ کے قاتل صرف یزید۔ ابن زیاد۔ شمر وغیرہ نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے تو حضرتؑ پر صرف چھری پھیر دی۔ حضرتؑ کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر گرانے والے یہ لوگ نہیں تھے بلکہ وہ تھے جو عہد رسولؐ ہی سے اسکی تدبیریں کر رہے تھے یعنی وہی ۱۱ھ ہجری کے صحابہ !!! - اور اسی سبب سے واقعات شہادت کا ذکر کرنا حرام کیا گیا کہ لوگوں کو اس سے صحابہ کی تدبیروں کا پتہ مل جائیگا۔ اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس سلسلے کی کل کڑیاں سامنے آجائینگی اور جو بغض یزید و ابن زیاد و شمر سے دل میں پیدا ہوتا ہے وہی بغض ان لوگوں سے پیدا ہو جائیگا جو رسولؐ کا جنازہ چھوڑ کر خلافت پر قبضہ کر لینے اور امام حسینؑ کے باپ۔ اُن کے بھائی اور خود حضرتؑ کو اس سے محروم کرتے رہنے کی گہری سازش کئے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کچھ لوگوں کو امام غزالی کے اس فتوے پر تعجب اور افسوس ہوتا ہو مگر ہم تو اُن کے اس فتوے کو دنیائے ایمان پر احسان عظیم سمجھتے ہیں۔ علماء حق کی ہزاروں کتابیں ایک طرف اور امام غزالی کا صرف یہ فتوے' دوسری طرف باطل کا پردہ چاک کر دینے، حق کا جلوہ نمایاں کر دینے، سازشوں کا بھانڈا پھوڑ دینے، انقلاب دین و ایمان کو مثل آئینہ واضح کر دینے اور صحابہ کرام کی باطنی اسلامیت کا نقشہ کھینچ دینے کے لئے کافی ہے۔ امام غزالی کے فتوے کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو کسی نے کہہ دیا ہے کشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ۔ کہ امام حسینؑ کو صرف شہید کربلا۔ ذبیح کربلا۔ قتیل کربلا۔ مظلوم کربلا نہ کہو بلکہ پہلے شہید سقیفہ پکارو تب دوسرے مقام کا ذبیح بھی کہو۔ قتیل سقیفہ کہنے کے بعد قتیل کربلا کہنا مناسب ہے اور مظلوم سقیفہ کا لقب دے لو اس کے بعد مظلوم کربلا کہو تو بات مربوط اور صحیح ہو گی۔

گیارہویں اینٹ جناب سیدہ کے دعوے ہبہ فدک کو رد کر دینا

جناب سیدہؑ نے فدک پر صرف میراث ہی کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ فرمایا اس کو حضرت رسولخدا صلعم اپنی زندگی ہی میں مجھے ہبہ کر گئے تھے اور یہ میرے قبضہ میں تھا۔ مگر حضرت ابوبکر نے جناب سیدہؑ کے اس دعوے کو بھی خارج کر دیا۔ علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب آیۃ وآت ذاالقربےٰ حقہ (قرابت دار کا حق اس کو دے دو) نازل ہوئی تو رسولؐ نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک اُن کو ہبہ کر دیا (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ و تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۵) حضرت ابوبکر کو یقین تھا کہ واقعاً رسولؐ نے فدک فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا تھا اس سبب سے جناب سیدہؑ کے

اعلان

دعوے پر انہوں نے حضرت فاطمہؑ کے لیے فدک کا وثیقہ لکھ دیا۔ اتنے میں حضرت عمر وہاں پہنچ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا حضرت رسول خداؐ کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اس کے بارے میں یہ وثیقہ ان کو لکھ دیا ہے۔ حضرت عمر بولے پھر کس چیز سے مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے؟ حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ یہ کہکر آپ نے وہ وثیقہ چھین لیا اور اُسے چاک کر ڈالا (سیرۃ حلبیہ طبع مصر جلد ۳ صـ۳۶۲)۔ جب اُس زمانہ کے مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر نے جناب سیدہ کی خاص جائداد جو رسولؐ نے آپ کو دی تھی سب کے سامنے چھین لی اور اُس کے بارے میں رسول صلعم کے ہبہ کی بھی کوئی پروا نہیں کی تو ان کی نظر میں جناب سیدہ کی بے بسی، بیچارگی اور کمزوری کا اثر کس حد تک ہوا ہوگا۔ حالانکہ رسولؐ نے اس کے لیے ایک دستاویز بھی جناب سیدہ کو لکھ دی تھی۔ یہی وہ وثیقہ تھا جس کو حضرت رسولؐ کے بعد جناب سیدہ حضرت ابوبکر کے پاس لائیں اور کہا کہ یہ رسول خداؐ کی وہ تحریر ہے جس کو حضرتؐ نے میرے اور حسنینؑ کے لیے لکھا تھا (معارج النبوۃ رکن ۴ صـ۲۲۱ و روضۃ الصفا جلد ۲ صـ۳۷۷)۔ مختصر یہ کہ سنہ ۱۱ ہجری سے سنہ ۶۱ ہجری تک مسلمان مسلسل دیکھتے رہے کہ دنیا کے لیے حضرت علیؑ، جناب سیدہ اور امام حسنؑ و حسینؑ پر رسولؐ کے معزز صحابہ ہر قسم کی سختی جائز رکھ رہے ہیں۔ اس لئے انکی بھی جرأتیں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ جناب امیرؑ مسجد میں شہید کر دیئے گئے اور امام حسنؑ زہر سے اور امام حسینؑ تین دن کے بھوکے پیاسے کربلا میں ذبح کر دیئے گئے۔

بارہویں اینٹ جناب سیدہؑ کے دروازے پر آگ اور لکڑی

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی بارہویں اینٹ اُس وقت رکھی گئی جب حضرت ابوبکر کی بیعت سے حضرت علیؑ اور آپ کے طرفداروں نے انکار کیا تو حضرت عمر آگ لکڑی لیکر جناب سیدہ کے دروازے پر گئے کہ اس گھر کو اور اس کے رہنے والوں کو جلا ڈالیں۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا ... میں گھر میں آگ لگا دوں گا ... اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں" (الفاروق صـ۱۷۰) اور علامہ ابن قتیبہ کی کتاب الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ صـ۱۲، تاریخ طبری جلد ۳ صـ۱۹۸، عقد فرید جلد ۳ صـ۱۲۶، تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صـ۱۵۶، تاریخ روضۃ المناظر جلد ۱۱ صـ۱۱۳، مروج الذہب جلد ۹ صـ۱۵۹، ملل و نحل شہرستانی جلد ۱ صـ۲۵، ازالۃ الخفا صـ۲۲۶۔ کنز العمال جلد ۳

ص ۱۳۹، تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۱۹۵، استیعاب جلد ۱ صـ۳۴۵، تحفہ اثناعشریہ صـ۲۹۲ وغیرہ)
میں بھی یہ واقعہ پوری شرح وبسط سے مرقوم ہے۔ مورخین یورپ نے بھی اسلام کے اس شرمناک اور دل
ہلا دینے والے حادثہ کو خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے مثلاً مسٹر ڈیون پورٹ کے رسالہ خلافت کے اردو
ترجمہ مطبع مظاہر حق لکھنؤ صـ۱۳، گبن کی مشہور کتاب ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر جلد ۳
ص ۵۱۹، اوکلی کی ہسٹری آف دی سارسنز صـ۸۳۔ ابوالفرج ملطی نصرانی کی عربی تاریخ مختصر الدول
اور واشنگٹن ایروِنگ کی کتاب سکسسرز آف محمد صـ۴۴ میں تفصیل سے درج ہے۔ اللہ اکبر جس
رسول کا کلمہ پڑھیں جس کی پیغمبری کا اقرار کریں، جس کی نبوت کی گواہی پانچوں وقت اذان میں
دیں، جسکی وجہ سے ہدایت پانے کا دعوےٰ کریں، جسکی شفاعت پر جہنم سے بچنے کی امید رکھیں
اُسی رسولؐ کی اکلوتی بیٹی سیدہ نساء العالمین کے دروازہ پر آگ اور لکڑی اس غرض سے
جمع کریں کہ اُس رسول زادی کو اُسکے مکان میں جلاکر بھونک دیں، اُس کے گھر میں آگ لگا کر اس کو
زندہ جلا ڈالیں!!! کیا حضرت آدمؑ سے اِس وقت تک کسی رسول، کسی نبی، کسی وصی، کسی ولی،
کسی عالم، کسی مذہبی پیشوا کے لڑکے یا لڑکی کے ساتھ اس کے ماننے والوں نے یہ برتاؤ کیا ہے؟
دنیا کے ہر زمانہ اور ہر ملک کی تاریخ اٹھا کر پڑھ جاؤ اور دیکھو کسی نے بھی اپنے مذہبی رہبر کے
لڑکے یا لڑکی پر صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے یہ سختی کی؟ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو ضرور جلانا
چاہا مگر وہ تو کافر تھا ہی۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کی نبوت و رسالت کا علانیہ انکار کرتا تھا۔ یہاں
تو وہ لوگ اندھیر کر رہے تھے جو حضرت رسولؐ کے یار غار کہے جاتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ مثل آفتاب
یقینی نہ ہوتا تو کیا کوئی بھی سمجھدار شخص اس کو صحیح مانتا؟ سب قسمیں کھا کھا کر انکار کر دیتے اور کہتے
کہ معاذ اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس برتاؤ کا تو کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہونا چاہئے کہ ایسا
واقع ہوتا۔ مگر جس طرح حضرت رسولؐ کی رسالت بے شک و شبہ صحیح ہے اوسی طرح اول و دوم
صاحبان کا جناب سیدہؑ سے یہ سلوک بھی مثل آفتاب روشن ہے۔ اب جو لوگ واقعہ کربلا پر حیرت کرتے
ہیں کہ یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم کیونکر دیا؟ کیا وہ نہ جانتا تھا کہ یہ نواسہ رسولؐ ہیں؟ وہ
بتائیں کہ حضرت ابوبکر نے جناب سیدہؑ کے گھر پر آگ اور لکڑی لیجانے کی اجازت کیونکر دی؟ کیا وہ
نہیں جانتے تھے کہ یہ انھیں کے پیشوا رسولؐ کی پارہ جگر ہیں؟ اور جو لوگ تعجب کرتے ہیں کہ شمر نے

دیا

امام حسینؑ پر تلوار کیونکر اُٹھائی۔ کس طرح حضرتؑ کو ذبح کیا؟ وہ بتائیں کہ حضرت عمر بھی جناب سیدہؑ کے دروازہ پر آگ اور لکڑی کیونکر لے گئے؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ انھیں کے پیغمبرؐ کے جسم کا ٹکڑا ہے۔ کیا وہ اس حدیث سے غافل تھے کہ رسولؐ نے فرمادیا تھا فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ۔ بہشت کی کل عورتوں کی سردار فاطمہؑ ہیں فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا فقد اغضبنی فاطمہؑ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اُس کو غضبناک کرے گا اُس شخص سے یقیناً میں بھی غضبناک ہی رہوں گا (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۴۰۲) فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما اراب‌ھا ویؤذینی ما اذاھا۔ فاطمہؑ میرے ہی جسم کا حصہ ہے۔ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اس کو بُری لگتی ہے وہ مجھکو بھی بُری لگتی ہے۔ جس بات سے اس کو رنج اور قلق ہوتا ہے مجھ کو بھی رنج اور قلق ہوتا ہے اور جس بات سے اس کو اذیت ہوتی ہے اس سے مجھ کو بھی اذیت ہوتی ہے (صحیح بخاری جلد ۵ ص ۴۳ وغیرہ)۔ اب اس حدیث کی روشنی میں حضرت ابوبکر و عمر کی مذکورہ بالا کارروائیوں کو دیکھ کر نتیجہ خود نکالو کہ دونوں صاحبوں نے حضرت رسولؐ کو کس درجہ رنج، قلق دیا اور کتنی اذیت پہنچائی۔ یہ دونوں صاحب تو رسولؐ کو ہزاروں مرتبہ دیکھ چکے تھے۔ ہر وقت ساتھ رہتے سہتے تھے۔ فاطمہؑ کی عزت و محبت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے پھر بھی دنیا کی حکومت اور اسلام کی بادشاہت و سلطنت کے لئے سب چیزوں سے لاپرواہ ہو کر فاطمہؑ کو مارنے، کوڑا لگانے اُن پر دروازہ گرانے، اور مکان کے اندر آگ لگا کر اُن کو پھونک دینے پر آمادہ ہو گئے تو یزید کی شکایت کیا اُن سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے؟ اُس نے رسولؐ کو تو دیکھا بھی نہیں۔ نہ امام حسینؑ کے لاڈ پیار کا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ بھی اگر حضرت ابوبکر و عمر کی پیروی میں اسی دنیا کی حکومت اور اسلام کی بادشاہت و ریاست و سلطنت کے لئے سب چیزوں سے لاپرواہ ہو کر امام حسینؑ کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا تو عقل پوچھتی کہ اُس نے حضرت ابوبکر و عمر سے کیا زیادہ بُرا کام کیا؟ حضرت عمر نے جو جناب سیدہؑ کو جلا دینا چاہا اُس کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنوہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا" (الفاروق ص ۴۲)

اور

اب جو شخص مولوی شبلی صاحب کی طرح حضرت عمر ہی کے تیسرے یا چوتھے جانشین یزید کی سوانح عمری لکھنے کا شرف بھی حاصل کرے وہ حرف بحرف اپنے ہیرو کی حمایۃ بھی انھیں الفاظ میں اسطرح کر سکتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت یزید نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں (کہ امام حسینؑ کو تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کرادیا اور اہل بیت رسولؐ کو اسیر کرکے ترک و دیلم کی لونڈیوں کی طرح کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک بے پردہ پھرایا اور قیدی بنایا) اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعۃ اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔" زمانہ جب اور ترقی کر جائیگا تو کفار قریش کی سوانح عمریاں لکھنے کی عزت حاصل کرنے والے بھی مولوی شبلی صاحب کی طرح صنادید عرب کی حمایۃ میں اسی طرح لکھ دے سکتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت (رسولؐ کی بعثت۔ اسلام کے شیوع توحید کے رواج اور بت پرستی کے زوال کے زمانہ) میں حضرت ابوجہل، حضرت ابوسفیان، حضرت ابولہب، حضرت عقبہ بن ربیعہ، حضرت عقبہ بن ابی معیط وغیرہ سرداران مکہ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ (اسلام کے مٹا دینے کی) جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دینا چاہا۔ بنو ہاشم کی سازشیں (اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلعم بھی بنو ہاشم ہی سے تھے) اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعۃ عرب کا شیرازہ بکھر جاتا۔" واضح رہے کہ جس طرح جناب سیدہ و جناب امیرؑ بنی ہاشم سے تھے۔ امام حسینؑ بھی بنی ہاشم سے اور حضرت رسولؐ تو بنی ہاشم کے سردار ہی تھے۔ اور تینوں بزرگوں نے ایک ہی کام کرنا چاہا اسلام کی اشاعۃ، ایمان کی حفاظت، صراط مستقیم کی تبلیغ اور امر حق کی ترویج۔ اور تینوں حضرات کے مخالفین نے ان پر جو مہربانیاں کیں وہ بھی ایک ہی مقصد کے لیے کہ ان لوگوں کو دنیوی حکومت، عرب کی سلطنت و بادشاہت اور اُس زمانہ کی ریاست و شوکت و دبدبہ و حشمت حاصل ہو جو بغیر اہل بیت طاہرین کے زیر کئے ہوئے ممکن نہیں تھی۔ اسی طرح جب اور علوم و فنون کی ترقی ہوگی اور مولوی شبلی صاحب کے ایسے اور کوئی صاحب ایسے پیدا ہوں گے جن کو ملمع سازی میں کمال حاصل ہوگا اور وہ فرعون کی سوانح عمری لکھیں گے تو حضرت موسیٰ کے

حسین لہ

ساتھ اُس نے جو جو کیا اُن سب کی تاویل اسی طرح کر سکیں گے کہ "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت فرعون اعظم نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا جا ہا۔ اہل حق کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعۃ ملکی کا شیرازہ بکھر جاتا۔" اسی طرح جب کوئی صاحب نمرود کی سوانح عمری لکھنے کی عزت پیدا کریں گے تو بڑی خوبی سے اپنے ہیرو کی تائید میں تحریر فرماسکیں گے کہ "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت نمرود نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا جا ہا۔ اہل ایمان کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت وطنی کا شیرازہ بکھر جاتا۔" مختصر یہ کہ حق و باطل کی نزاع شروع سے چلی آرہی ہے اور جب بھی باطل کی طرف کوئی طاقت در جماعۃ رہی اُس نے اپنی پوری قوت سے حق کے مٹا دینے کے لئے ہر قسم کا ظلم و جور روا رکھا۔ اب ان باطل کی حمایۃ کرنے والوں کے لئے راہ کھل گئی، وہ ہر طاغوت کے مظالم کے بارے میں یہی تاویل پیش کردینگے کہ "وہ کیا کرتا؟ اپنے کو کیونکر کامیاب کرتا؟ حق کی پیروی میں وہ کسی طرح پوچھا نہیں جاسکتا تھا۔ تو باطل کی تائید سے وہ اپنے شیرازہ کی حفاظت کیوں نہ کرتا؟ کوئی بھی خوشی سے اپنے کو دوسروں کا محتاج اور تابع بنانا پسند کرتا ہے؟ اگر نمرود حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں نہ ڈالتا تو اسکی بادشاہت کیونکر بچتی؟ اگر فرعون حضرت موسیٰ کو شروع ہی سے ختم کر دینے کی تدبیریں نہ کرتا تو اس کے خیال میں اُس کی سلطنت کیونکر محفوظ رہتی؟ اگر ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب وغیرہ مکہ میں حضرت رسولخدا صلعم کو تبلیغ کرتے رہنے دیتے تو اس شہر میں ان لوگوں کا وقار اور عظمت کس طرح سالم رہتی؟ اگر حضرت علیؑ اور جناب سیدہ کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کیا جاتا تو عرب کی اتنی شاندار حکومت کا مزہ کیونکر حاصل ہوتا؟ اگر یزید امام حسینؑ کو قتل نہ کراتا تو اس کو کون پوچھتا؟ اگروہ اہلبیتؑ کو اسیر نہ کرتا تو اس کی ہیبت کیونکر قائم ہوتی؟

تیرھویں امینٹ۔ اسلام (ظاہری) میں بنوامیہ کو شریک کر لینا

جب سے اسلام ظاہر ہوا اس کے علانیہ دشمن سب سے زیادہ بنوامیہ رہے۔ ان کو اسلام سے دشمنی دو وجہوں سے ہوئی۔ ایک اس سبب سے کہ وہ بنوہاشم کے خاندانی حریف اور رقیب تھے۔ دوسری اس وجہ

بن

سے کہ وہ اپنے آبائی مذہب (کفر و بت پرستی) کی حفاظت اپنا حاصل زندگی سمجھتے تھے اور اس قدیم مذہب کفر کو چھوڑنا کسی قیمت پر بھی وہ منظور نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں بنو ہاشم و بنو امیہ کے خاندانی تعلق کو سمجھ لو۔ حضرت رسولخدا صلعم کے دادا تھے جناب عبدالمطلب۔ انھیں عبدالمطلب کے دادا تھے عبد مناف۔ ان کا شجرہ نسب غور سے دیکھ لو اور خوب یاد رکھو کہ آگے کام آئیگا۔

- قصی (انھیں کی نسل قریش کہلائی) (دیکھو سوانح حضرت ابوبکر جلد ا صفحہ ۱۷)
  - عبدالدار
  - عبد مناف
    - مطلب
    - ہاشم
      - عبدالمطلب
        - ابولہب
        - عباس
        - حمزہ
        - ابوطالب
          - حضرت علیؑ شوہر جناب سیدہؑ
            - امام حسنؑ
            - امام حسینؑ
            - جناب محسن
            - جناب زینب
            - جناب ام کلثوم
        - عبداللہ
          - حضرت رسولخدا صلعم
            - جناب سیدہؑ زوجہ جناب امیرؑ
      - اسد
        - فاطمہ مادر جناب امیرؑ
    - عبدالشمس
      - امیہ
        - حرب
          - ابوسفیان صخر
            - معویہ
              - یزید قاتل امام حسینؑ
            - یزید
            - عقبہ
        - ابوسفیان
        - ابوالعاص
          - عفان
            - حضرت عثمان خلیفہ سوم
  - عبدالعزیٰ
    - اسد
      - خویلد
        - خدیجہ زوجہ حضرت رسولخدا صلعم

اس شجرہ سے معلوم ہوا کہ جناب ہاشم کا حریف اور رقیب اُن کا بھائی عبدالشمس ہوا۔ جناب ہاشم کے فرزند عبدالمطلب کا حریف اور رقیب عبدالشمس کا قائم مقام امیہ قرار پایا۔ جناب عبدالمطلب کے صاحبزادے جناب عبداللہ کا حریف امیہ کا فرزند حرب ہوا۔ جناب عبداللہ کے صاحبزادے جناب رسولخدا صلعم کا حریف حرب کا بیٹا

علی

ابو سفیان ہوا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے قائم مقام حضرت علیؑ کا خاندانی رقیب معویہ ہوا۔ حضرت علیؑ کے فرزند امام حسینؑ کا خاندانی رقیب یزید ہوا۔ جناب عبد مناف پانچویں صدی عیسوی میں تھے۔ ان کے دونوں مشہور فرزند جناب ہاشم اور عبدشمس حقیقی بھائی تھے۔ دونوں جڑواں پیدا ہوئے۔ اس طرح کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبدشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا۔ مجبوراً کاٹ کر وہ پنجہ جدا کیا گیا۔ اس سے اتنا خون بہا کہ عبدشمس سر سے پاؤں تک خون میں نہا گیا۔ اس پر اُس زمانہ کے نجومیوں نے پیشین گوئی کی کہ اب دونوں کی اولاد میں اتنی خوں ریزی ہوگی جو تاریخ میں یادگار رہ جائیگی اور ایسا ہی ہوا بھی (تاریخ کامل جلد ۲ صـــ) ۔ جناب ہاشم اپنے زمانہ میں عزت، شرف، بزرگی شہرت، سخاوت، ریاست کے اعتبار سے بہت زیادہ ترقی کرتے اور آسمان جاہ و جلالت پر چڑھتے گئے۔ یہ بات اُن کے بھائی عبدالشمس اور اُس کے بیٹے امیہ کو نہایت شاق ہوتی تھی۔ حسد کی آگ دلوں میں بھڑکنے لگی اور ان وجوہ سے خاندان بنی امیہ میں خاندان بنی ہاشم سے بغض و عداوت بھی تیز ہونے لگی (ان امور کی تفصیل اور مکمل کیفیت ہماری کتاب تاریخ ائمہ میں مذکور ہو چکی ہے) ۔ جناب ہاشم نے (غالباً) سنہ ۵۱۰ء میں انتقال کیا۔ آپ کے قائم مقام آپ کے فرزند جناب عبدالمطلب ہوئے جن کو عزت و سرداری میں وہی درجہ ملا جو جناب ہاشم کو حاصل تھا۔ اُدھر آپ کے مقابلہ پر عبد مناف کا دوسرا پوتا امیہ ہوا۔ زمانہ جاہلیۃ میں اس خاندان بنی امیہ میں بھی فسق و فجور کا رواج بہت ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے صحیح طور پر یہ کہنا کہ کون کس کا بیٹا تھا بہت دشوار ہے۔ مولوی محمد شاہ عالم صاحب نے جن کے نام کے ساتھ "مصطفوی چشتی رضی اللہ عنہ" بھی چھپا ہے لکھا ہے "بعض مجہول النسب بوجہ رواج تبنیت دوسروں کے نسب سے مشہور ہو جایا کرتے تھے۔ جیسے ذکوان عرف امیہ، عبدالشمس کا بیٹا مشہور ہو گیا تھا حالانکہ ذکوان امیہ بن عبدالشمس کا غلام تھا۔ اصابہ جلد اول مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۱۵ ترجمہ ثوبان میں ہے کہ انہ حضر عند معویۃ فقال لہ من ادرکت من آبائی قال امیۃ بن عبد الشمس ادرکتہ دقلاعمی یقودہ عبدہ ذکوان فقال معویۃ مہ انما ھو ابنہ قال ھذا شئی قلتموہ انتم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ معویہ کے پاس گئے تو اُس نے پوچھا کہ آپ نے میرے بزرگوں میں سے کس کس کو دیکھا ہے؟ ثوبان نے کہا کہ امیہ بن عبدشمس کو دیکھا کہ وہ اندھے ہو گئے تھے۔ ان کا غلام ذکوان لیکر چلتا تھا

علیہ

معویہ نے کہا واہ ذکوان تو اُس کا بیٹا تھا۔ حضرت ثوبؓ نے فرمایا یہ وہ بات ہے جو تم لوگوں نے کہی ہے یعنی اور کوئی نہیں کہتا کہ ذکوان امیہ کا بیٹا تھا (تنزیہ الانساب طبع لکھنؤ ۱۳۳۲ھ جلد ۱ ص ۱۱۶) کتاب اصابہ میں یہ روایۃ ثور کے ترجمہ میں مذکور ہے مگر اس سے واقعاً یہ پتا نہیں چلتا کہ امیہ عبد الشمس کا بیٹا نہیں تھا۔ اردو کی ایک اور نئی کتاب میں حسب ذیل عبارت مرقوم ہے "کتاب روض الانف سہیلی میں ہے کہ ایک بار معویہ نے دغفل صحابی سے جو بہت کبیر السن تھے پوچھا کہ آپ نے حضرت عبد المطلب کو بھی دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا ہاں دیکھا تھا وہ شیخ جسیم و وسیم تھے۔ انکے دسوں بیٹے ستاروں کی طرح گھیرے رہتے تھے۔ پھر معویہ نے پوچھا کہ آپ نے امیہ کو بھی دیکھا تھا؟ کہا ہاں دیکھا تھا۔ وہ چندھا کنجا اور بدشکل عبد الشمس کا غلام تھا۔ معویہ نے کہا وہ عبد الشمس کا بیٹا تھا۔ کہا ہاں تم لوگ ایسا ہی کہتے ہو مگر حقیقت میں وہ ذکوان غلام عبد الشمس تھا اور اُسی کو امیہ کہتے تھے"۔ افسوس ہے کہ اردو کی جس کتاب میں یہ عبارت طبع ہوئی ہے اس میں کتاب روض الانف کی جلد اور صفحہ کا پتا نہیں دیا ہے۔ اس زمانہ میں ایسی تحریریں یا کتابیں لکھنے والے حضرات اس کا ضرور خیال رکھیں کہ دوسروں کی جن کتابوں کے مضامین نقل یا ترجمہ کریں یا ان کے کسی مضمون کے حوالے دیں انکی جلد اور صفحہ کا نشان بھی ضرور دے دیا کریں تاکہ اصل کتاب سے اس مضمون کی تصدیق آسانی سے ہو سکے۔ ہمارے کتب خانہ میں علامہ عبد الرحمن سہیلی کی کتاب الروض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۳۳۲ھ ہجری دو جلدوں میں ہے۔ اس کی جلد ۲ ص ۷۷ میں یہ گفتگو مرقوم ہے مگر وہ مطلب نہیں جو اوپر لکھا گیا۔ اُس عبارت کے اس جملہ یقولہ عبد ذکوان (امیہ کو اس کا غلام ذکوان ہاتھ پکڑ کر لئے پھرتا تھا) کا ترجمہ حذف ہو گیا جس سے مفہوم بدل گیا۔ دغفل نے امیہ کو عبد الشمس کا غلام نہیں بلکہ ذکوان کو امیہ کا غلام کہا جس پر معویہ نے کہا کہ نہیں ذکوان امیہ کا غلام نہیں بلکہ بیٹا تھا۔ دغفل نے معویہ سے کہا یہ بات تم لوگوں نے بعد میں بنائی ہے۔

غرض بنو امیہ تمام انسانی اوصاف میں شروع ہی سے بہت کمزور رہے اور خاندان بنی ہاشم سے انکی منزاعیں اور عداوتیں زمانہ جاہلیۃ میں اکثر میدان جنگ کو آباد رکھتی رہی ہیں۔ اگرچہ ان دونوں خاندانوں کا نام بنو ہاشم و بنو عبد الشمس مشہور ہونا چاہیے تھا کہ یہی دونوں بھائی تھے۔ لیکن چونکہ تجارت کی وجہ سے عبد الشمس مکہ میں بہت کم رہتا اور با اکثر اوقات شام کی طرف قیام کرتا تھا۔ اس کو جناب ہاشم سے مقابلہ کرنے کا موقع کم ملا۔ بنو ہاشم قریش میں بجیثیت وجاہت و آبرو و اقتدار و اثر کو

السلام

دیکھ کر امیہ اور اس کے طرفداروں کو رشک و حسد پیدا ہوا اور کوشش کرنے لگے کہ تمام اسباب و ذرائع ریاست اپنے ہی قبضہ میں کرلیں اور گویا مکہ کے رئیس بن جائیں مگران لوگوں کا بغض اور کینہ جناب عبدالمطلب کا کچھ بگاڑ نہ سکا۔ وہ اپنی خوش نیتی، نیک چلنی، ایمان داری، شرافت، انسانیت اور عزت کی وجہ سے تمام قریش میں بڑی قدر و منزلت کے مالک بنے رہے۔ جناب عبدالمطلب ہی کے زمانہ میں بادشاہ حبشہ کی طرف سے ابرہۃ الاشرم نے ایک بڑی فوج سے ملک حجاز پر حملہ کیا جس میں جناب عبدالمطلب کے یقین و توکل علے اللہ و معرفت قدرت باری کے بڑے بڑے جوہر کھلے اور ابرہہ کو شکست فاش ہوئی۔ ان کامیابیوں نے بنو امیہ کو اور زیادہ حاسد بنا دیا اور وہ برابر اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی طرح اپنے مقابل کے بنو ہاشم کو دنیا میں زیر، ذلیل اور کمزور کردیں مگر کسی طرح وہ اپنی تمناؤں میں کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہماری کتاب تاریخ ائمہ میں جناب ہاشم و جناب عبدالمطلب وغیرہ کے حالات بہت تفصیل سے مرقوم ہیں اُسی کتاب سے یہ عبارت بھی نقل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ کے اہل عرب خاندان بنی ہاشم اور خاندان بنی امیہ کو کن نظروں سے دیکھتے تھے۔ چونکہ ان خدمات کا اثر بلکہ گہرا اثر واقعہ کربلا پر بھی پڑا اس وجہ سے اس کا بہت مختصر ذکر یہاں بھی مناسب معلوم ہوا اگرچہ ان چیزوں کا لطف اُسی وقت بہت زیادہ ہوگا جب اس کتاب کے ناظرین کتاب تاریخ ائمہ کے صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۱۰۰ تک کو بھی پیش نظر رکھیں) "جناب عبدالمطلب کے فضائل و مآثر اس درجہ مشہور تھے کہ ان کے بعد ان کے خاندانی مخالفین کے سامنے بھی لوگ بیدھڑک بیان کردیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے بھی اس کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:- وذکر ان دغفلا النسابۃ دخل علے معویۃ۔ فقال لہ من رأیت من علیۃ قریش۔ فقال رأیت عبد المطلب بن ھاشم وامیۃ بن عبد شمس۔ فقال صفھما لی فقال کان عبد المطلب ابیض مدید القامۃ حسن الوجہ فی جبینہ نور النبوۃ وعز الملک۔ یطیف بہ عشرۃ من بنیہ کانھم اسد غاب۔ قال فصف لی امیۃ قال رأیتہ شیخا قصیرا۔ نحیف الجسم۔ ضریرا یقودہ عبدہ ذکوان فقال مہ ذاک ابنہ ابو عمرو فقال ھذا شئ قلتموہ بعد و احدثتموہ واما الذی عرفت فھو الذی اخبرتک بہ۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ علم نسب کا بڑا واقف کار شخص دغفل معویہ کے دربار میں حاضر

سے

ہوا تو دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں۔

معویہ ۔اے دغفل بتاؤ تو، تم نے بزرگان قریش سے کس کس کو دیکھا ہے؟

دغفل ۔میں نے عبدالمطلب بن ہاشم اور امیہ بن عبدشمس (بنو امیہ کے بزرگ، دونوں) کو دیکھا ہے۔

معویہ ۔ ذرہ مجھ سے دونوں کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل ۔جناب عبدالمطلب گورے، چمکتے رنگ، بلند قامت اور خوبصورت چہرے والے تھے۔ ان کی پیشانی میں نبوت کا نور اور بادشاہت کی عزت چمکتی رہتی تھی، ان کے دس جوان بیٹے ان کو اپنے حلقہ میں لئے رہتے اور وہ سب بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا شیر نیستاں ہیں۔

معویہ ۔اچھا اب امیہ کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل ۔وہ ایک ناٹے (پست قامت) دُبلے پتلے۔اندھے بڈھے تھے جن کو ان کا غلام ذکوان تمام کھینچتا پھرتا تھا۔

معویہ ۔کیا کہتے ہو؟ وہ (ذکوان) ان کا غلام نہیں بلکہ) بیٹا ابو عمرو تھا۔

دغفل ۔یہ بات تو اب تم لوگ کہنے لگے ہو اور بعد کو اس کی ایجاد کی گئی ہے۔میں جو کچھ اُس کی اصلیت جانتا ہوں وہی بیان کی ہے (اغانی جلد ا صفحہ منقول از تاریخ ائمہ صفحہ)۔اس ذکوان کو دغفل امیہ کا غلام اور معویہ وغیرہ اُسی ذکوان کو امیہ کا بیٹا کیوں کہتے تھے۔اس کو علامہ سہیلی نے بتا دیا ہے ابی عمرو واسمہ ذکوان بن امیہ یقال کان امیۃ قد ساع امۃ اوبغت امۃ لہ فحملت بابی عمرو فاستلحقہ بحکم الجاھلیۃ یعنی ابوعمرو ایک شخص کی کنیت تھی) جس کا اصلی نام ذکوان تھا اس کو لوگ امیہ کا بیٹا کہتے تھے۔امیہ نے اپنی ایک لونڈی سے حرام کاری کراکے خرچی کمائی یا یہ کہ اُس کی ایک لونڈی نے کسی سے زنا کرایا جس سے اُس کو حمل رہ گیا۔جب وہ بچہ پیدا ہوا تو اُس کی کنیت ابوعمرو اور نام ذکوان رکھا گیا۔زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق امیہ نے اپنی اُسی لونڈی کے زنا والے لڑکے کو اپنا لڑکا بنا لیا (روض الانف جلد ۲ صفحہ)۔یہاں لفظ ساعے کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے۔مولوی وحیدالزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "لامساعاۃ فی الاسلام ومن ساعے فی الجاھلیۃ فقد لحق لعصبتہ

بھی

اسلام کے دین میں مساعاۃ نہیں ہے یعنی لونڈیوں سے کسب کرانا اُن سے خرچی کموانا ۔ اور جس نے
جاہلیۃ کے زمانہ میں مساعاۃ کی ہو، دوسرے کی لونڈی سے زنا کی اس سے اولاد ہو تو وہ اپنے وارث
سے مل جائیگا ۔ نہ اُس لونڈی سے یا لونڈی کے مالک سے ۔ عرب لوگ کہتے ہیں ساعت الامۃ یعنی
لونڈی نے حرام کاری کی ساعاھا فلان ۔ فلاں شخص نے اس سے زنا کی ... اسی لئے انہوں نے
معویہ پر انکار کیا تھا جب معویہ نے زیاد کا نسب ابوسفیان سے لگا دیا تھا اپنی حکومت کے زمانے
میں کیونکہ ابوسفیان نے زیاد کی ماں سمیہ سے زنا کی تھی اور زیاد اُسی کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا تو
درحقیقت ولدالزنا تھا ۔ اور اُس کے بیٹے عبیداللہ نے اپنے باپ کے ولدالزنا ہونے کو ثابت کر
امام حسینؑ کو جو جناب رسالت مآبؐ کے جگر گوشہ تھے مع عیال و اطفال کس ظلم سے شہید کرایا" (انوار اللغۃ
پارہ ۱۲ صـ) پھر وہی علامہ سہیلی لکھتے ہیں قال المولف وھذا الطعن خاص بنسب عقبۃ
من بنی امیۃ وفی نسب امیۃ نفسہ مقالۃ اخریٰ تعم جمیع الفصیلۃ وھی ماروی عن
سفینۃ مولے ام سلمۃ حین قیل لہ ان بنی امیۃ یزعمون ان الخلافۃ فیھم ۔ فقال کذب
استاہ بنی الزرقاء بل ھم ملوک ومن شر الملوک فیقال ان الزرقاء ھذہ ھی امیۃ بن
عبد شمس واسمھا ارنب قالہ الاصبہانی فی کتاب الامثال قال وکانت فی الجاھلیۃ من
صواحب الرایات ۔ مولف کتاب (سہیلی) کہتا ہے کہ اوپر جو اعتراض لکھا گیا وہ خاص کر
امیہ کی اولاد کے متعلق ہے ۔ رہا خود امیہ تو اُس کے نسبی کچے چٹھے میں دوسری باتیں ایسی ہیں
جو پورے خاندان پر چھا گئی ہیں اور وہ باتیں اس روایۃ سے معلوم ہو سکتی ہیں جو ام سلمہ کے
مولا سفینہ نے بیان کی تھی ۔ جب اس سے کہا گیا کہ بنو امیہ کا گمان یہ ہے کہ خلافۃ انہیں لوگوں کا
حق ہے تو اُس نے کہا کہ بنو زرقا کے ... نے جھوٹا دعوے کیا ۔ وہ لوگ صرف بادشاہ اور بدترین
بادشاہ ہیں ۔ اس پر لوگوں نے بیان کیا کہ زرقا جس کا اس روایۃ میں ذکر ہے امیہ کی
اور اس کا اصلی نام ارنب تھا ۔ اس کی تحقیق علامہ اصفہانی نے کتاب الامثال میں کر دی ہے
یہ زرقا زمانہ جاہلیۃ میں جھنڈے والی عورتوں سے تھی یعنی اُن عورتوں سے جو اپنے مکان میں
زنا کاری کے اشتہار کا جھنڈا لگا دیتی تھیں تاکہ ان جھنڈوں کو دیکھ کر اوباش لوگ اس عورت
کے پاس جائیں اور زنا کریں (روض الانف جلد ۲ صـ) ۔ عجیب بات یہ ہے کہ چند سال پہلے

بیعت

لکھنؤ میں مدح صحابہ کا فساد قائم کرنے کے لئے بطور اشتہار ایک علامت تجویز کی گئی تو اس کے لئے بھی جھنڈا ہی قرار دیا گیا تا کہ لوگ سمجھ لیں جس طرح زمانہ جاہلیۃ میں صواحب الرایات (جھنڈے والی پیشہ ور عورتیں) ہوتی تھیں اسی طرح اس زمانہ میں یہ مدح صحابہ کی کارروائیاں بھی صواحب الرایات (جھنڈے والی برائیاں، خرابیاں، شرارتیں اور فتنہ پردازیاں) ہیں جس طرح اُس زمانہ کی تہذیب، انسانیت، اخلاق، شرافت اُن جھنڈے والی عورتوں کو ناپسند کرتی تھی اُسی طرح اس زمانہ کی عافیۃ، صلح، امن اور عزت کی زندگی ان (مدح صحابہ کے) جھنڈے والی حرکتوں کو باعثِ شر و فساد اور موجب جنگ جدال و سبب خونریزی و بربادی جانتی ہے۔

"علامہ سیوطی سفینہ غلام آزاد کردہ رسول اللہؐ سے جو صحابی جلیل القدر تھے روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جمہان نے اُن سے کہا بنو امیہ گمان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ہی مستحق خلافۃ ہیں۔ اس پر سفینہ نے کہا کہ بنو زرقاء جھوٹے ہیں، یہ سب بادشاہ ہیں اور بدترین سلاطین جن کا پہلا بادشاہ معویہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۳۵ و تصحیح تاریخ صـ۹۵) بنو زرقاء کی شرح یہ لکھی ہے کہ مروان کی دادی کا نام زرقا تھا، یہ عورت اُن عورتوں سے تھی جنھیں لوگ صاحب رایات کہتے تھے یعنی جو عورتیں فاحشہ و بدکار ہوتیں یا کسب کرنے والی ہوتیں تو وہ اپنے مکان پر ایک جھنڈا کھڑا کر دیتیں جس سے ہر شخص کو آزادی سے حرام کاری کا موقع ملتا اور ان عورتوں کو لوگ زن بازاری سمجھ کر اُن کے مکان میں چلے جاتے۔ اس قسم کی عورتیں بہت تھیں جن میں سے ایک یہ زرقا بھی تھی عبدالملک کی پردادی اسی وجہ سے بنو امیہ کا یہ پورا خاندان بنو زرقاء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے (روضۃ الصفا جلد ۳ صـ۹ از تصحیح تاریخ صـ۹۵)۔ اس قسم کی نسبی خرابیاں لکھی جائیں تو ایک ضخیم مجلد تیار ہو جائے۔ اور دوسری طرف جناب ہاشم اور اُنکی اولاد کی یہ عزت اور ترقی تھی کہ خود ہرقل بادشاہ روم نے جناب ہاشم کو بلایا کہ اپنی بیٹی سے آپ کی شادی کر دے اور آپ نے انکار کر دیا (تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۱۲۹) جناب عبدالمطلب کی بھی وہی شان و شوکت تھی۔ یمن کا حاکم ابرہہ خانہ کعبہ کے ڈھانے کو فوج لیکر مکہ میں آیا تو دریافت کیا کہ یہاں کا سردار کون ہے؟ سب نے کہا عبدالمطلب۔ اس پر وہ خود خاص طور سے آپ سے ملا، بڑے تپاک سے آپ کا استقبال کیا۔ تخت سے اُتر کر فرش پر آپ کے برابر بیٹھا۔ پھر کمال عزت و احترام سے باتیں کیں اور آپکی جلالت و عظمت کا ایسا سکہ اُس پر بیٹھا کہ خود کہا "آپ کی جلالت

کا

قدر اور عظمت وشان سے میری نظر میں آپ کی بڑی وقعت ہو گئی" (طبری جلد ۲ ص ۱۱۲)۔ ایسے معز
ہم جد کی ترقی بنو امیہ سے کیونکر دیکھی جاتی۔ انھوں نے انکو ہر طرح پریشان کرنے اور نیچا دکھا
کی ترکیبیں کیں۔ اور یہ حضرات جو بھی اچھے کام کرتے اس کی مخالفت پر کمر باندھ لیتے۔ مثلاً اس واقع
کو دیکھتے چلو۔ جناب عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینۃ تھا۔ وہ
تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اُس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو گئی تھی۔ یہ بات مع
کے دادا حرب بن امیہ کو بہت زیادہ ناگوار ہوتی۔ وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو ان
دولت کیوں ملتی جاتی ہے۔ اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ
کسی طرح اس یہودی کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص عامر اور حضرت ا
کے دادا صخر نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جناب عبدالمطلب نے قاتل کی تحقیق شروع
کی مگر ان کو کسی طرح پتہ نہیں چلا۔ پھر بھی وہ اس خیال سے مایوس نہیں ہوئے اور برابر
فکر اور جستجو میں لگے رہے یہاں تک کہ ان کو معلوم ہو گیا فلاں فلاں شخصوں نے اس کو قتل کیا
ہے۔ مگر معویہ کے دادا حرب نے ان دونوں کو کہیں چھپا دیا تھا۔ جناب عبدالمطلب نے حرب کو
بہت سمجھایا کہ قاتلوں کو حوالہ کر دو لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوا بلکہ جناب عبدالمطلب
لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو منافرۃ (ایک دوسرے پر فخر یا مقا
یا حاکم کے پاس جا کر فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں (جناب ہاشم کے فرزند عبدالمطلب او
امیہ کے بیٹے حرب) نے نفیل کو پنچ مقرر کیا۔ اس نے حرب سے کہا تم اس عظیم الشان بزرگ
اور سردار سے مقابلہ کرنے چلے ہو جو شان و شوکت، جلال و عزت، عظمت و وجاہت میں
تم سے افضل ہیں۔ جو شرافت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و دناءت میں تم
کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جنکی سخاوت و بخشش تم سے بہت
ہوئی ہے اور جو عدد و دہش اور اقتدار و اختیار و دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ
ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ (اے حرب!) تم نے اس شخص سے مقابلہ کرنا چاہا ہے جس
سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو۔ یہ سب سنکر حرب بن امیہ کو غصہ آگیا اور کہا یہ اس
کمبخت زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔ غرض فیصلہ

مطالبہ

مطابق حرب کو یہ جرمانہ ادا کرنا پڑا کہ اُس نے سو اشرفیاں جناب عبدالمطلب کو دیں۔ آپ نے وہ سب اُس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کر دیں اور اس یہودی کا کھویا ہوا اسباب مال بھی واپس مل گیا سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہو سکیں تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اُس یہودی کو ادا کر دیا جس سے اسکی کل کمی پوری ہو گئی (تاریخ کامل طبع مصر جلد ۲ صفحہ ٦) ۔ اس واقعہ سے حسب ذیل باتیں واضح ہوئیں :۔ (۱) بنو امیہ میں حسد کا مادہ بہت بھرا ہوا تھا۔ کسی کی ترقی، عزت، دولت، اقتدار، ہر دلعزیزی ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ حد ہو گئی کہ ایک یہودی کا مال لوٹنے پر آمادہ ہو گئے (۲) دوسروں کی دولت ان سے چھین لینے کے لئے یہ لوگ ہر طرح کا جرم کر ڈالتے تھے۔ اور ان دولتمندوں کو دنیا سے فنا کر دینا ہی ان کی تسکین قلب کا ذریعہ ہوتا تھا (۳) ڈاکہ زنی میں بھی ان لوگوں کو عذر نہیں ہوتا تھا جو ہر ملک اور زمانہ میں نہایت کمینہ لوگوں کی صفت سمجھی گئی (۴) حضرت ابوبکر کے بزرگ اور معویہ کے بزرگ میں شروع سے ایسا اتحاد تھا کہ اس یہودی کو ان دونوں نے مل کر قتل کر دیا تا کہ اس کی دولت پر قبضہ کر لیں (۵) جرم ظاہر ہونے کے بعد بھی بنو امیہ نادم نہیں ہوتے اور اپنا منہ نہیں چھپاتے تھے بلکہ سینہ زوری سے مقابلہ کرنے پر آمادہ رہتے تھے (٦) بنو امیہ کے مقابلہ میں بنو ہاشم دوسروں پر بڑے مہربان، رحمدل اور منصف ثابت ہوتے تھے (۷) مظلوموں کی حمایت بھی یہ لوگ اپنا فرض عین سمجھتے تھے (۸) عام انسانی ہمدردی کا مادہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کوئی شخص خواہ کسی مذہب و ملت کا ہوتا اس سے مکارم اخلاق برتنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کرتے تھے (۹) مظلوم کی حمایت میں اپنا مال بھی بے دریغ خرچ کر دیتے تھے اور اس کا ذرہ برابر نقصان بھی ان حضرات سے برداشت نہیں ہوتا تھا (۱۰) بنو ہاشم ہمیشہ خدا کی مرضی پر چلنے کی انتہائی کوشش کرتے اور بنو امیہ ہمیشہ نفس امارہ کی پیروی کو اپنا طرۂ امتیاز بناتے۔ مختصر یہ کہ انبیاء کرام و مرسلین عظام کی سچی تصویریں اگر نظر آتیں تو بنو ہاشم میں۔ اور ان خوبیوں کے عکس کا فوٹو اگر دکھائی دیتا تو بنو امیہ میں۔ دونوں خاندانوں کا یہی فرق آخر تک قائم رہا۔ حضرت رسولؐ اور ابوسفیان میں بھی۔ پھر حضرت علیؑ اور معویہ میں بھی۔ آخر میں حضرت امام حسینؑ اور یزید میں بھی۔ اور اسلام بلکہ ملک عرب کی تاریخ و ادب کی ہر بڑی اور چھوٹی کتاب اسکی تصدیق کرنے کو آمادہ ہے کہ بنو ہاشم کیطرف خدا سے جس قدر نزدیکی

کیا

بڑھتی جاتی تھی بنوامیہ میں اُسی درجہ خدا سے دوری ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بنوہاشم کے آفتاب نے طلوع کیا (غالباً) ۲۰ستمبر ۵۷۰ء کو حضرت رسولخدا صلعم دنیا میں تشریف لائے۔ بنوامیہ سے تو آپ کو کوئی غرض نہیں تھی۔ البتہ تمام دنیا کی ہدایت کی خدمت لیکر عالم ضلالت میں قدم رکھا تا کہ ظلمت کو مٹا کر دنیا کو صراط مستقیم سے نورانی کردیں۔ یہ بات بنوامیہ کو خاصکر کھلی۔ ایک مصیبت یہ تھی کہ وہ کسی اچھی خوبی کو دنیا میں ترقی پاتا دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اور پھر وہ خوبی بنوہاشم کی کسی ذات سے ظہور اس کو وہ کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی خوبیاں بچپن ہی سے مثل آفتاب چمکنے لگیں اور بنوامیہ کے ماتم کا سامان بڑھنے لگا۔ جب حضرتؐ کی عمر کا ۳۵واں سال شروع ہوا تو قریش نے خانہ کعبہ کو از سرنو بنوایا۔ جب وہ بن چکا اور حجراسود کے نصب کرنے کی نوبت آئی تو قریش کے درمیان نزاع ہوئی کہ اس کو اسکی جگہ پر نصب کون کرے۔ آخر طے ہوا کہ جو شخص پہلے حرم میں داخل ہو وہی حکم بنایا جائے۔ خدائی انتظام یہ ہوا کہ سب سے پہلے حضرت رسولخدا صلعم داخل ہوئے اور آپ نے چادر منگا کر اس میں حجراسود کو رکھا پھر ہر قبیلہ کے سردار سے وہ چادر اٹھوائی۔ جب وہ چادر دیوار کے قریب آئی تو حضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے حجراسود کو اس کے مقام پر نصب کردیا۔ اس فیصلہ سے ہر شخص راضی ہو گیا مگر حضرت رسولخداؐ کو یہ شرف بھی بے مثل ونظیر حاصل ہوا تو اس فخر کو بنوامیہ کیونکر گوارا کرتے؟ وہ دل ہی دل میں خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ کوئی موقع ملا ہی نہیں کہ بنوہاشم کو اس شرف سے محروم کر دیتے۔ اس کے پانچ سال بعد حضرتؐ نے نبوت کا دعوےٰ کردیا۔ تو بنی امیہ کے دل و دماغ میں گویا آگ لگ گئی۔ خاندان بھر میں تلاطم برپا ہوگیا۔ اتفاق کی بات حضرتؐ کے چچا ابولہب کی شادی ابوسفیان کی بہن ام جمیل سے ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ خاندان بنوہاشم کی بہو ہوگئی تھی مگر بت پرستی کی خاندانی محبت حق پرستی کی مخالفت اور باطل پروری کی نسلی خصوصیت سے اس نے خاندان بنوہاشم میں بھی پھوٹ ڈال دی۔ خود تو حضرتؐ کی دشمن ہو ہی گئی ابولہب کو بھی حضرت کا شدید مخالف بنا دیا۔ ابولہب کی مخالفت زیادہ تر اسکی زوجہ ہی کی مخالفت کے سبب سے تھی۔ مردوں میں ابوسفیان اور عورتوں میں اسکی بہن ام جمیل نے مکہ بھر میں حضرت رسولؐ کی ایذا و مخالفت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور یہ مخالفت روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ اسلام ترقی کرتا جاتا مسلمان زیادہ ہوتے جاتے اور بنوامیہ کے دل زیادہ پیچ و تاب کھاتے رہتے۔ اسی بنوامیہ خاندان کا سردار ابوسفیان

امیر

جو حضرتؐ کا جانی دشمن ہو رہا تھا (دو وجہ سے ایک یہ کہ حضرت رسولؐ جو بنی ہاشم کے سردار تھے دینی و دنیوی ترقی کرتے ہوئے مسلمانوں کے سردار بن گئے تھے دوسری اس سبب سے کہ آپ کفر کو توڑتے ضلالت کو مٹاتے اور ہدایت کو پھیلاتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے) اُس وقت کفار مکہ کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ عرب کی حقیقی سرداری تو صرف بنو ہاشم کو تھی مگر بنو ہاشم کے سردار حضرت رسول خدا صلعم تھے جو کفر و ضلالت مٹانے پر تلے ہوئے تھے اس وجہ سے کفر کے شیدا اہل مکہ نے اب ابوسفیان کو اپنا سردار بنا لیا تھا کہ وہی حضرتؐ کا مقابلہ کرے اس نے موقع غنیمت سمجھا، خیال کیا کہ ایک تیر سے دو شکار کرے گا۔ ایک خاندان بنی ہاشم کا مٹانا جو اس کا قدیم حریف تھا، دوسرا اسلام کے سردار کا فنا کرنا جو کفر کی دنیا کو برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ ۱۳ بعثت میں جب ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمان بڑھتے جاتے، کفار گھٹتے جاتے حضرت رسولؐ کی طاقت زیادہ ہوتی جاتی اور بت پرستوں کی قوت ختم ہوتی جاتی ہے تو سرداران قریش کو دار الندوہ میں جمع کر کے طے کیا کہ قریش کے مختلف قبیلوں میں سے ایک ایک شخص یکبارگی حملہ کر کے شب میں محمدؐ کو قتل کر ڈالیں۔ اُدھر خدا نے حضرت رسولؐ پر وحی نازل کی کہ آج رات علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ ۱ ربیع الاول ۱۳ بعثت میں آنحضرت صلعم مدینہ کو ہجرت کر گئے اور ابوسفیان وغیرہ کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ حضرت رسولؐ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے اور اس طرح مکہ کے دشمنوں سے باہر نکل کر اطمینان کی سانس لینے لگے۔ ابوسفیان وغیرہ اپنی بوٹیاں آپ نوچنے لگے۔ اب جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جنگ بدر، غزوہ سویق، غزوۂ احد، غزوہ خندق سب ابوسفیان ہی کی سرداری یا شرکت سے ہوئے۔ یہاں تک کہ ۸ ہجری میں حضرت رسولؐ نے مکہ فتح کیا تو آپ کے چچا جناب عباس ابوسفیان کو حضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ آنحضرتؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ وہ بولا اس امر میں مجھے کلام ہے۔ عباس بولے کمبخت جلدی گواہی دے کہ خدا ایک اور محمدؐ اُس کے رسولؐ ہیں ورنہ ابھی قتل ہو جائے گا۔ ابوسفیان نے یہ سنتے ہی تلوار کے خوف سے گھبرا کر کہہ دیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور مسلمانوں میں شامل ہو گیا مگر تمام مورخین نے اس کو اور اسکے بیٹے معویہ کو مولفۃ القلوب میں شمار کیا ہے کہ صرف جان بچانے اور زندہ رہنے کے لئے بظاہر مسلمان ہوئے تھے۔ پھر جناب عباس نے ابوسفیان کو اسلامی فوج دکھائی جسے دیکھ کر اُس کے حواس جاتے رہے اور عباس سے کہا لقد اصبح ملک ابن اخیک عظیما۔ اب تو تمہارے بھتیجے کی بڑی سلطنت ہو گئی۔ جناب عباس نے کہا کم بخت یہ

المومنین

رتبۂ نبوت ہے نہ درجۂ بادشاہت (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۹۳)۔ اس گفتگو سے صاف معلوم ہوا کہ ابو سفیان مسلمان نہیں ہوا، نہ حضرت رسولؐ کو رسول سمجھا بلکہ ایک کامیاب بادشاہ سمجھ کر صرف جان بچانے کے لئے کلمہ اسلام زبان پر جاری کر دیا۔ اسی پالیسی پر وہ بھی عمر بھر رہا۔ اس کا بیٹا معویہ بھی اور پوتا یزید بھی۔ ان تینوں نے دیکھ لیا کہ ظاہر بظاہر کفر پر اڑے رہنے سے جان کا بھی خطرہ ہے اور دنیا کی حکومت سے بھی محروم رہیں گے۔ اسلامی لباس پہن کر رسولؐ کے گھر اور ان کے دین کو مٹانے کی کوشش کرتے رہنا زیادہ عقلمندی کا کام ہے اس وقت (فتح مکہ) سے سنہ ۱۱ھ تک ابو سفیان نے حضرت رسولؐ اور اسلام کی علانیہ دشمنی ظاہر کرنے کا موقع نہیں پایا۔ جب رسولؐ انتقال فرما گئے اور حضرت علیؑ خلافت سے محروم کر دیئے گئے تو پھر ابو سفیان کو جوش آیا۔ چاہا کہ حضرت علیؑ کی حمایت کا بہانہ کر کے مسلمانوں میں خون کی ندیاں بہا دے۔ حضرت علیؑ سے کہا آپ بنو تیم میں سے ایک شخص کی حکومت پر راضی ہو گئے؟ اگر آپ چاہیں تو اس وادی کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا! اے ابو سفیان تو ہمیشہ اسلام کی دشمنی کرتا رہا، اب بھی چاہتا ہے کہ اسلام میں فتنہ برپا کرے۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابو سفیان نے حضرت علیؑ سے کہا قریش کے ذلیل ترین قبیلہ کو خلافت سے کیا واسطہ؟ اگر کہو تو پیادوں اور سواروں سے میدان کو بھر دوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ابو سفیان! تو مدت سے اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے مگر تیری دشمنی سے اسلام کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچے گا (تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۲۰۲) جب حضرت ابوبکر و عمر کو معلوم ہوا کہ ابو سفیان مخالفت کا سامان کر رہا ہے تو انہوں نے اس کے بیٹے یزید کو شام کی حکومت کا نوید دیا۔ ابو سفیان کو جب یہ معلوم ہوا تو منازعت و مخالفت ترک کر کے مطیع و منقاد ہو گیا۔ اس طرح حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور واقعہ کربلا کی عمارت کی تیرہویں اینٹ بھی حضرت ابوبکر و عمر ہی نے رکھی۔ اگر یہ دونوں صاحبان شام کے لشکر کی سرداری اور اس مقام کی گورنری ابو سفیان کے بیٹے یزید کو نہ دیتے تو پھر نہ معویہ وہاں کا گورنر ہوتا نہ وہ حضرت علیؑ سے لڑتا نہ یزید کو اپنے بعد بادشاہ بناتا نہ امام حسینؑ ذبح کئے جاتے۔ یزید بن ابی سفیان کو شام کی سرداری دے کر حضرت ابوبکر نے اس شان سے روانہ کیا کہ خود پیدل جا کر دور تک اس کو رخصت کیا (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۱۵۴) حضرت ابوبکر و عمر کا یہ وہ زبردست انتظام تھا جس نے خاندان رسولؐ کی تباہی کا مستقل سامان کر دیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خود خلیفہ ہو کر اور حضرت علیؑ کو محروم کر کے اہلبیتؑ کی عافیت کا ایک دروازہ بند کر دیا تو بنی امیہ کو شام

کی حکومت دے کر ان کے سانس لینے کا دوسرا دروازہ بھی مقفل کر دیا۔ مدینہ میں اہل بیت کی عزت شان، قوت سب ختم ہوتی گئی اور شام میں ان حضرات کی خوں ریزی، تباہی، بربادی کے قلعے رفتہ مستحکم ہوتے گئے۔ بس اب بنو امیہ رہیں اور اہلبیتؑ لیں۔ حضرت ابوبکر و عمر نے جناب سیدہ اور جناب امیرؑ پر جو عنایتیں کیں ان کو مختصر طور پر اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اسکے بعد جو کمی رہ گئی تھی وہ اس طرح پوری کی گئی کہ بنی امیہ ایسے دشمن خاندان بنی ہاشم کو شام پر مسلط کر دیا کہ اطمینان سے وہاں اپنی طاقت بڑھاتے رہیں اور جب وقت آئے تو وہ کر دکھائیں جس پر مسلمان قیامت تک روتے رہیں۔ مدینہ میں حضرت ابوبکر و عمر خود حاکم رہے اور جاتے وقت بنی امیہ ہی کے رکن حضرت عثمان کے حوالہ کر جانے کا انتظام کر دیا اور شام پہلے ہی سے انھیں بنی امیہ کے قبضہ میں دے دیا گیا تاکہ اسلام کے دونوں زبردست ناکے اہلبیتؑ کی مخالفت میں متحد رہیں۔ اگر کوئی صاحب کہیں کہ اسمیں حضرت ابوبکر و عمر کا کیا قصور ہے؟ انھوں نے تو صرف ملک کا معقول انتظام کرنے کے لئے یہ تدبیریں کیں۔ تو اُن سے عرض کیا جائے گا کہ اسی کا تو رونا ہے کہ رسولؐ کی زندگی کے آخر وقت ہی سے ملک کا انتظام ایسا ایسا سوچا گیا جس سے اہلبیتؑ پر مصائب کے پہاڑ گرتے رہیں اور وہ ہمیشہ زمانہ میں خوار ہی ہوتے رہیں۔ خدا نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو رسول بنا کر بھیجا اور اسلام کا بانی، موجد، سردار سب کچھ مقرر کر دیا۔ مگر حضرتؐ نے ملک اسلام کے جو جو انتظامات کئے وہ سب درہم و برہم کر دیئے گئے اور اپنے انتظام کے پہرے حجاز میں بھی بٹھا دیئے گئے اور شام میں بھی۔ اگر خدا نے یہ سب سامان کئے ہوتے تو کسی مسلمان کو شکایت نہ ہوتی۔ اگر رسولؐ نے ان سب کی ردائیوں کی اجازت دی ہوتی تو کسی اہل اسلام کو بولنے کا حق نہ تھا۔ بس صدمہ ہے تو اسی کا کہ خدا کو خدائی سے کیوں معزول کر دیا گیا؟ خدائی انتظام کیوں بدل دیئے گئے؟ رسولؐ کے ارشادات کیوں پس پشت ڈال دیئے گئے؟ کیا ان لوگوں کو خبر نہیں تھی کہ رسولؐ نے ان دونوں صاحبوں کو جیش اسامہ کے ماتحت ہو کر مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا تاکیدی حکم دیا تھا؟ پھر کیوں نہیں چلے گئے؟ اگر وفات رسولؐ کی وجہ سے رُک گئے تھے تو حضرتؐ کے انتقال کے بعد اسامہ کے لشکر میں دونوں مدینہ سے چلے گئے ہوتے۔ اگر یہ پوچھئے کہ پھر مدینہ کا انتظام کون کرتا؟

علیہم

تو کہا جائے گا وہی کرتا جو رسولؐ کی زندگی میں حضرتؐ مدینہ سے جانے پر کرتا تھا۔ ابھی غزوۂ
تبوک کو کتنے دن گذرے تھے؟ رجب ۹ہجری کا وہ واقعہ ہے اور صفر سنہ ۱۱ ہجری کا یہ حادثہ
صرف ڈیڑھ سال ہوئے تھے۔ کیا اُن دونوں صاحبوں نے دیکھا نہیں تھا کہ حضرت رسولؐ صلعم
مدینہ سے بہت دور قلب شام کی طرف تشریف لے جارہے ہیں تو مدینہ کو یونہیں نہیں چھوڑ دیتے
کہ مدینہ والے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر یا دھینگا مشتی سے یا پنچایت سے کسی کو مدینہ کا
عارضی سردار بنا لیں گے بلکہ پہلے مدینہ میں اپنا ایک قائم مقام وہاں کی سرداری کرنے کے لئے
مقرر کر دیتے ہیں تب مدینہ سے قدم باہر نکالتے ہیں۔ بس یہ دونوں صاحبان دیکھتے کہ وہ قائم
مقام اب بھی موجود ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو ایک بات بھی کہی جا سکتی تھی۔ وہ تو خدا کے
فضل سے مسلم موجود تھا اور خدا کے فضل و کرم سے صحیح تندرست موجود تھا پھر کیوں اس کو
ترک کیا گیا؟ اور مدینہ کی حفاظت سے بے فکر ہو کر لشکر اسامہ کے ساتھ کیوں تشریف نہیں لے گئے؟
اسی طرح یزید بن ابو سفیان کے امیر شام بنانے پر اعتراض ہے کہ کیا ان دونوں صاحبوں کو
خبر نہیں تھی کہ خاندان بنی امیہ اسلام کا شدید ترین دشمن ہے؟ کیا وہ جانتے نہیں تھے کہ اس
خاندان نے اسلام کو مٹا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا؟ کیا ان کو علم نہیں تھا کہ خاندان
بنوامیہ رسولؐ کی ذات اور حضرتؐ کے مذہب دونوں ہی کے خون کا پیاسا رہا اور اب بھی ہے؟
کیا وہ سمجھتے نہیں تھے کہ اس خاندان کا کوئی شخص بھی موقع ملنے پر اسلام کو نقصان پہنچانے
سے چوک نہیں سکتا؟ کیا وہ رسولؐ کی اُن مصیبتوں کو بھول گئے تھے جو انھیں بنی امیہ کے
ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو اٹھانی پڑی تھیں؟ کیا قرآن مجید کی یہ آیۃ الم تر کیف
ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء تم نے دیکھا
نہیں کہ خدا نے کیسی مثل بیان کی کہ کلمہ طیبہ مثل شجر طیبہ کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوطی سے قائم اور اس کی شاخ
آسمان میں پہنچ گئی) ان کے علم میں خاندان رسولؐ کی شان میں نازل نہیں ہوئی تھی؟ حالانکہ معویہ کے
پوتے معویہ بن یزید تک نے اپنے خطبہ میں اقرار کیا ہے کہ شجرہ طیبہ سے خاندان رسولؐ علیؑ
و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ مراد ہیں (حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۵۴) اور کیا ان کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اس کے
مقابل کی دوسری آیۃ و مثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ کلمہ خبیثہ مثل شجرہ خبیثہ کے ہے

السلام

خدا نے خاص بنو امیہ کے لیے نازل فرمائی والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ... لا خلاف بین احد انہ اراد بہا بنی امیہ۔ "وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ... اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ خدا کی مراد اس ملعون خاندان سے خاندان بنی امیہ ہیں۔" (پارہ رکوع ۹۲ تاریخ طبری حصہ ۳ جلد ۴ طبع لیڈن) کیا ان دونوں صاحبوں کو معلوم نہ تھا کہ حضرت رسولؐ نے ابو سفیان اور معویہ کو طلقاء سے فرمایا تھا جن کا خلافۃ میں کوئی حق ہو ہی نہیں سکتا تھا؟ مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "آنحضرت صلعم حنین کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جن کو آپ نے مکہ فتح ہوتے وقت آزاد کر دیا تھا ان کو قید کر کے لونڈی غلام نہیں بنایا تھا۔ ان لوگوں کو طلقاء کہتے تھے۔ ابو سفیان اور معویہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے، نہ وہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے۔ اب یہ بعض مولویوں کی صریح غلطی ہے کہ جو آیتیں یا حدیثیں مہاجرین و انصار کی فضیلت میں وارد ہیں ان سے ابو سفیان اور معویہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔ معویہ اور ابو سفیان نہ سابقین اولین میں سے ہیں نہ تابعین باحسان میں سے بلکہ ساعین الی البغی والعدوان (بغاوت اور سرکشی کی کوشش کرنے والوں) میں سے۔ امام نسائی نے فرمایا معویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی سوائے ایک حدیث کے کہ خدا اس کا پیٹ نہ بھرے۔ اور یہ دعا آپکی معویہ کے حق میں قبول ہوئی، انکے سامنے ستر طرح کے کھانے رکھے جاتے، وہ کھاتے کھاتے تھک جاتے، پر اُن کا پیٹ نہ بھرتا ... جب معویہ نے منبر پر بیان کیا کہ خلافۃ کا مستحق کوئی ہم سے زیادہ نہیں ہے تو عبد اللہ بن عمر نے اپنے جی میں کہا تجھ سے زیادہ خلافۃ کا مستحق وہ ہے جو تجھ سے اور تیرے باپ سے لڑتا رہا یعنی جس زمانہ میں تو اور تیرا باپ دونوں کافر تھے تو دوسرے لوگ جو تجھ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور تجھ پر جہاد کرتے تھے وہ تجھ سے زیادہ خلافۃ کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معویہ کی حکومت دھینگا مشتی سے تھی۔ نہ صلاح و مشورہ اور استحقاق سے تو اس کو خلافۃ نہیں کہہ سکتے جیسے اوپر کئی بار بیان ہو چکا۔" (انوار اللغۃ پ ۱۹ صفحہ ۳۷) ابھی ہم صرف ابو سفیان اور یزید برادر معویہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں کہ جب یہ تھا اور ابو سفیان کی علانیہ مخالفۃ خدا و رسولؐ اور عداوت اسلام و ایمان سے حضرت ابو بکر و عمر خوب واقف تھے۔ اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ لوگ دل میں اُسی سابق مذہب پر ہیں، صرف جان کی حفاظت یا دنیا کی ریاست کے لیے دائرہ اسلام میں آ گئے ہیں تو کیوں ان کو سر

نے

چڑھایا اور شام ایسے زرخیز، طاقتور، مفسد اور شر پرور صوبہ کی حکومت ان کے حوالہ کردی؟ اگر کوئی شخص دیکھے کہ ایک آدمی دوسرے کے خون کا پیاسا ہے مگر اس کے پاس تلوار نہیں ہے کہ اس کو مارے اور وہ شخص صرف تلوار، یا خنجر، یا بندوق لا کر اس آدمی کو دے دے لیکن زبان سے کچھ نہ کہے اور وہ آدمی اسی تلوار یا بندوق سے اپنے دشمن کو ہلاک کر دے، تو کیا اس مقتول کا قاتل صرف وہی آدمی قرار پائے گا جس نے اسکی گردن کاٹی؟ اور جس نے قاتل کو تلوار دی وہ اس الزام سے بچ جائیگا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جن لوگوں نے بنو امیہ کو شام میں حکومت کی مسند پر بٹھایا ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ امام حسینؑ کے خون میں ہاتھ لگانے سے بالکل علیحدہ سمجھے جائیں گے؟ کیا وہ حضرتؑ کے قاتلین میں شمار نہیں ہوں گے؟ جو حضرات جناب رسولخدا صلعم کے ساتھ مدۃ العمر رہے اور بنو امیہ کے متعلق حضرتؐ کے ارشادات سنا کئے انھوں نے آخر کس مصلحت سے بنو امیہ کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا؟ خود حضرت عمر کی روایۃ ہے عن عمر بن الخطاب فی قولہ تعالےٰ الم ترا الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا قال ھما الافجران من قریش بنو المغیرۃ و بنو امیۃ۔ قرآن مجید کی آیۃ "کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کی نعمت کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کر لیا" کے متعلق حضرت عمر فرماتے تھے کہ اس سے قریش کے دو نہایت بدمعاش خاندان مراد ہیں وہ بنو مغیرہ اور بنو امیہ ہیں (منتخب کنز العمال جلد ا صفحہ ۴۵۲) قالت بنت الحکم قلت لجدی الحکم ما رایت قوما کانوا اعجز ولا اسوأ رایا فی امر رسول اللہ منکم یا بنی امیہ۔ حکم کی بیٹی کہتی تھی کہ میں نے اپنے دادا حکم سے کہا رسولخدا کے بارے میں بنو امیہ سے زیادہ عاجز اور مخالف میں نے کسی قبیلہ کو نہیں پایا (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۸۸) عن ابن سعود قال ان لکل دین آفۃ و آفۃ ھذا الدین بنو امیہ۔ جناب ابن مسعود کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہر مذہب کے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور ہوتی ہے اور اس مذہب اسلام کی مصیبت بنو امیہ ہیں۔ عن سعید بن المسیب قال رای النبیؐ بنی امیہ فی منابرھم فساءذلک فاوحی اللہ الیہ انما ھی دنیا اعطوھا فقرت عینہ وھو قولہ تعالےٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔ سعید بن مسیب کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے خواب میں دیکھا کہ بنو امیہ منبروں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ حضرتؐ کو اس سے بڑا صدمہ ہوا تو خدا نے وحی

کوفہ

نازل کی کہ یہ صرف دنیا ہے جس پر ان لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے یا جوان لوگوں کو اول و دوم سے ملی ہے (وہ لوگ مذہب کے منبروں پر نہیں چڑھ سکتے) اس پر حضرت رسولؐ کی تسکین ہوگئی۔ اور وہ خدا کا یہ قول ہے کہ اے رسولؐ ہم نے تم کو جو خواب دکھایا وہ آدمیوں کے فتنہ و فساد کی تصویر کھینچنے کے لئے (منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۰) عن بجالة قال قلت لعمران بن حصين حدثني عن ابغض الناس الى رسول الله صلعم قال تكتم علىّ حتى اموت قلت نعم قال بنو امية وثقيف و بنو حنيفة. بجالہ کہتے تھے کہ میں نے عمران بن حصین سے کہا بتاؤ حضرت رسول خدا صلعم سب سے زیادہ کس کو بُرا سمجھتے اور سب سے زیادہ کس کو اپنا دشمن جانتے تھے۔ عمران نے جواب دیا اگر تم وعدہ کرو کہ میری زندگی بھر یہ بات کبھی سے نہیں کہو گے تو میں بتا دوں۔ میں نے کہا ہاں نہیں کہوں گا۔ عمران نے کہا وہ بنو امیہ و ثقیف و بنو حنیفہ ہیں (منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۴۲۳) لكل امة آفة و آفة هذه الامة بنو امية ہر قوم کی ایک آفت ہوتی ہے اور قوم اسلام کی آفت بنو امیہ ہیں (منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۴۵۵)۔ اب ذرا حالات صحابہ کی نہایت معتبر کتاب استیعاب سے بھی ان لوگوں کی حالت سنتے چلو کہ معلوم ہو ان کا اسلام کیسا تھا اور اسلام سے ان کا تعلق کیا سمجھا جاتا تھا۔ علامہ ابن البر لکھتے ہیں وطائفة ترى انه كان كهفا للمنافقين منذ اسلم وكان فى الجاهلية ينسب الى الزندقة ایک جماعت کی رائے ہے کہ ابوسفیان نے عجب سے اسلام ظاہر کیا وہ منافقین کا ملجا و ماویٰ بنا رہا اور جاہلیت میں تو

اسلام کوئی چیز نہیں مذہب کی کوئی حقیقت نہیں بس جو کچھ ہے دنیا

زندیق تھا ہی۔ ان ابا سفيان دخل على عثمان حين صارت الخلافة اليه۔ فقال قد صارت اليك بعد تيم وعدى فادرها كالكرة واجعل اوتادها بنى امية فانما هو الملك ولا ادرى ماجنة ولا نار ... وله اخبار من نحو هذا ردية ذكرها اهل الاخبار لم اذكرها و فى بعضها ما يدل على انه لم يكن اسلامه سالما حضرت عثمان خلیفہ ہوگئے تو ابوسفیان ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ خاندان تیم و عدی کے بعد یہ سلطنت اسلام تمہارے ہاتھ آئی ہے اسکو گیند کی طرح اچھالتے رہو اور اسکی میخیں بنی امیہ کو بناؤ (یعنی اس گیند سے چاہے کرکٹ کھیلو چاہے ہاکی کھیلو مگر اسٹک اور بیٹ بنی امیہ ہی کے ہاتھ میں رہے۔ دوسرا کوئی اس کھیل میں شریک نہ ہو) کیونکہ حقیقت میں یہ بادشاہت اور سلطنت ہے اور ہم نہیں جانتے کہ بہشت کیا چیز ہے اور دوزخ

گو

کس کا نام ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی باتیں اہل اخبار نے لکھی ہیں جو سب بہت ردی اور گھناؤنی ہیں
ہم ان سب کو نقل کرنا پسند نہیں کرتے۔ بعض باتیں اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ ابوسفیان کا اسلام
ہی ٹھیک نہیں تھا (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۱ طبع حیدرآباد دکن)۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام
کی کسی ضرورت، کسی مجبوری یا کسی فائدے کی امید میں ابوسفیان یا یزید بن ابوسفیان یا بنو امیہ
کی یہ خوشامدیں نہیں کی گئی تھیں بلکہ اپنی خلافت محفوظ کرنے، اپنی طاقت کو نفع پہنچانے اپنی
سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے یہ سب کیا گیا۔ اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ
حضرت ابوبکر و عمر نے یزید یا اس کے بعد معویہ کو شام کا گورنر بنا کر نہ بنو امیہ پر احسان کیا نہ
کی بہی خواہی کی نہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے یہ تدبیر یں تھیں بلکہ صرف سیاست کے مصالح
سے دشمن اسلام کو آسمان پر چڑھایا تاکہ اس کے ہاتھوں اسلام کا کچھ بھی حشر ہو۔ اہلبیتؑ کا یہ
نام بھی نہ لے وہ کس مپرسی ہی میں پڑے رہیں۔ البتہ شیخین کی سلطنت و بادشاہت میں کوئی حرف
نہ پڑے۔ ابوسفیان انکی حکومت میں کوئی فساد نہ پیا کرے۔ انکی مخالفت میں ایک اور زبردست
آواز نہ بلند ہو۔ وہ مکہ کا سردار ہو گیا تھا۔ مدت دراز تک کفار قریش اس کے قبضہ میں رہ چکے تھے
اب بھی منافقین اسکی مٹھی میں تھے۔ اگر وہ کھڑا ہو جاتا تو حضرت ابوبکر و عمر کی مصیبتوں کی کوئی انتہا
نہیں رہتی اس وجہ سے ڈپلومسی کے پورے سامان مہیا کر دیئے گئے۔ جسکی ابتدا یوں کی گئی کہ
حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے۔ اس وقت ابوسفیان کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ واپس آنے لگا تو راہ
میں کسی سے رسول خدا صلعم کی وفات کی خبر سُن لی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اب حضرت علیؑ محروم ہو
اور حضرت ابوبکر خلیفہ بنا لیئے گئے۔ اُس نے پوچھا علیؑ و عباس کیا کر رہے ہیں؟ خبر دینے والے
نے کہا وہ خاموش بیٹھ گئے ہیں۔ ابوسفیان بولا خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ضرور ان کی
پشت پناہی کروں گا۔ پھر کہا میں ایک غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خون کے سوائے کوئی چیز دبا نہیں
سکتی۔ پھر مدینہ پہنچکر تمام گلی کوچوں میں گشت لگاتا ہوا یہ اشعار پڑھتا پھرتا تھا۔ بنی هاشم لا
تطمع الناس فیکم۔ ولا سیما تیم بن مرۃ او عدی + فما الامر الا فیکم والیکم۔ ولیس لها
الا ابوحسن علی۔ اے بنی ہاشم تمہارے ہوتے کسی کو اس خلافت کی طمع نہیں کرنی چاہیے اور خاصکر
بنو تیم و بنی عدی کا تو کوئی بھی حق کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جب ان باتوں کی خبر حضرت ابوبکر کو

دار

کو ہوئی تو اُن کے پاؤں تلے کی زمین نکلنے لگی۔ بڑی کھلبلی پڑ گئی۔ آخر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا دیکھو یہ ابوسفیان یہاں پہنچ گیا۔ یہ بڑا فسادی اور شریر آدمی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کے پاس صدقہ کا جو کچھ مال ہے (اگرچہ وہ سب مسلمانوں کا حق ہے مگر تم وہ) اسی کو چھوڑ دو۔ حضرت ابوبکر نے ایسا ہی کیا۔ پھر کیا تھا ؎ اے زر تو خدا نئی ولیکن بخدا۔ ستار عیوب قاضی الحاجاتی ابوسفیان دونوں عنا جوں سے فوراً مل گیا اور جھٹ پٹ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ و روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

خاندان بنی عباس کے خلیفہ معتضد باللہ کا فرمان معائب بنی امیہ میں

خلیفہ معتضد باللہ نے جو ۲۷۹ ہجری سے ۲۸۹ھ تک خلیفہ رہا سنہ ۲۸۴ ہجری میں ایک عام فرمان لکھا جس میں تمام بنو امیہ کے عموماً اور معاویہ و یزید کے خصوصاً معائب و مثالب جمع کئے تھے۔ اس فرمان کا ذکر کل معتبر مورخین اہلسنت نے کیا ہے جیسے علامہ ابن الوردی نے اپنی تاریخ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ میں۔ علامہ ابن اثیر نے تاریخ کامل طبع مصر جلد ۷ صفحہ ۱۹۰ میں۔ علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۳۴۸ میں۔ علامہ ابوالفدا نے اپنی تاریخ طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۵۷ میں۔ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء طبع دہلی صفحہ ۳۵۵ میں اور علامہ طبری نے اپنی تاریخ طبع مصر میں۔ جس کا خلاصہ ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے جس سے واضح ہو گا کہ بنی امیہ کی کیا حالت تھی۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر قسم کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔۔۔ اور ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی تمام مخلوقات سے چُن کر حضرت محمد مصطفےٰ کو اپنا پیغمبر بنایا۔ خدا حضرتؐ پر اور حضرتؐ کی طیب و طاہر آل پر اپنی بہترین صلاۃ اور سب سے زیادہ مکمل اور سب سے زیادہ جلیل الشان، سب سے زیادہ عظیم المرتبہ، سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے زیادہ معطر درود نازل کرتا ہے۔۔۔ اس وقت کے خلیفہ (معتضد باللہ) کو وہ بات معلوم ہوئی جس پر عامہ مسلمین کی ایک جماعت ہے کہ ان کے اعتقادات کے بارے میں ایک خرابی ان میں پیدا ہو گئی ہے اور اس اعتقاد میں ان لوگوں نے ضلالت اور گمراہی کے سرداروں کی پیروی بغیر کسی دلیل اور حجت کے کر لی ہے۔۔۔۔ یہ سب کر کے یہ لوگ حق کی جماعت سے نکل گئے اور فتنہ و فساد کی طرف جلدی کی اور اختلاف کو اختیار کیا اور کلمۂ اسلام کو پراگندہ کیا اور ان لوگوں کی دوستی ظاہر کی جن سے کل تعلقات کو خود خدا نے

اختلافۃ

قطع کر دیا ہے جن کی حفاظت کو کاٹ دیا ہے اور جن کو ملت اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ جن پر لعنت بھیجنا واجب کر دیا ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے سنیوں نے ان لوگوں (بنوامیہ) کی تعظیم کرنی چاہی جن کے حق کو خود خدا نے حقیر اور جن کے امر کو ذلیل اور جن کے رکن کو ضعیف کر دیا ہے۔ وہ بنوامیہ ہیں جو شجرہ ملعونہ ہیں اور اُن لوگوں (سُنیوں) نے ایسا اس لئے کیا کہ اُن بزرگوں (اہل بیت) کی مخالفۃ کریں۔ جن کے ذریعہ سے خدا نے ان لوگوں کو گمراہی سے نکالا ہے اور جنکی وجہ سے ان لوگوں پر اپنی نعمت تمام کی ہے جو اہلبیتؑ صاحب برکت و رحمت ہیں۔ خدا نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے (پارہ ۱ رکوع ۱۳)...

اور حضرت رسولخداؐ کے اہل وطن اور قوم سے جن لوگوں نے حضرتؐ کی عداوت ظاہر اور حضرتؐ سے مخالفت کی اور آپ کو جھٹلایا اور آپ کو بُرا کہنے اور اذیت پہنچانے اور ڈرانے اور دھمکی دینے پر جو آمادہ رہتے تھے اور علانیہ آپ سے دشمنی کرتے اور آپ کے لئے میدان جنگ تیار رکھتے اور جو شخص حضرتؐ کی طرف جانا چاہتا تھا اس کو روکتے تھے اور جو حضرتؐ کی پیروی کرتا تھا اس کو انواع و اقسام کے عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔ اور ان میں سب سے زیادہ حضرتؐ کی عداوت اور سب سے سخت آپکی مخالفت جن لوگوں میں تھی اور جو حضرتؐ سے جنگ کے لئے سب کے آگے آگے رہتے تھے وہ بنوامیہ ہی تھے کہ اسلام سے لڑنے کے لئے کوئی جھنڈا نہیں اٹھایا گیا۔ مگر یہ کہ اس کے علم بردار یہی لوگ ہوتے تھے اور اس حق کے مٹانے کے لئے کوئی علم بلند نہیں کیا گیا۔ مگر یہ کہ اس کا سردار اور پیشوا اور لیڈر یہی خاندان تھا۔ خواہ وہ غزوۂ بدر ہو، خواہ غزوۂ احد، خواہ غزوۂ خندق، خواہ غزوۂ فتح مکہ۔ ان بنی امیہ کا بزرگ ابوسفیان بن حرب تھا اور اس کے اتباع، اس کے خاندان والے۔ یہ بنی امیہ خدا کی کتاب (قرآن) میں بھی ملعون کہے گئے ہیں۔ اور حضرت رسولخداؐ کی زبان پر بھی ملعون بنائے گئے ہیں۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد جگہوں اور بکثرت مقامات میں۔ کیونکہ ان لوگوں کا نفاق اور کفر پہلے ہی سے خدا کو معلوم تھا۔ پس جہاں تک ہو سکا ان لوگوں نے اسلام کو کمزور کرنا چاہا۔ حضرتؐ سے لڑتے رہے اور آپکی عداوت و مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ اسلام کی تلوار نے ان لوگوں کی قوت توڑ دی اور خدا کا دین بلند ہو کر رہا۔ جس سے ان لوگوں کے دلوں پر سانپ لوٹتا رہا لہٰذا مجبور ا

قرار

ابوسفیان نے بھی دبی زبان سے اسلام کا اقرار کر لیا۔ اگرچہ اُس کے دل میں ذرہ برابر بھی اسلام کا نام تک نہیں تھا۔ بلکہ وہ کفر کو چھپائے ہوئے تھا جس سے ایک سکنڈ کے لئے بھی جدا نہیں ہوا جس کی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اُس کے نفاق (پوشیدہ کفر) کو پہچان لیا تھا۔

بنو امیہ مؤلفۃ القلوب اور شجرہ ملعونہ ہیں

(اسی زبان میں یہ بھی ہے کہ) اسی وجہ سے حضرت رسولؐ خدا ان لوگوں (بنو امیہ) کو مؤلفۃ القلوب قرار دیا۔ اور باوجودیکہ حضرت کو ان کے دل کی حالت معلوم تھی مگر اسی تالیف قلب کی غرض سے ابوسفیان اور اُس کے لڑکوں کے ظاہری اقرار اسلام کو قبول کر لیا۔ اب جن الفاظ میں خدا نے ان بنو امیہ پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لعنت کرائی اور جس لعنت کو قرآن مجید میں بھی نازل کیا وہ خدا کا قول یہ ہے والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ونخوفہم فما یزیدہم الا طغیانا کبیرا یعنی اس درخت (بنو امیہ) کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ ہم ان لوگوں کو طرح طرح سے ڈراتے رہے مگر یہ لوگ برابر اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی گئے (پارہ ۱۵ رکوع ۶)۔ اور اس کے متعلق کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ خدا نے اس آیۃ میں شجرہ ملعونہ بنی امیہ ہی کو کہا ہے۔ اور انہیں باتوں سے حضرت رسولخداؐ کی وہ حدیث بھی ہے کہ جب حضرت نے دیکھا کہ ابوسفیان ایک گدھے پر سوار چلا آرہا تھا اور معویہ اُس کی لگام کھینچ رہا تھا اور اُس کا دوسرا بیٹا یزید پیچھے سے اُس گدھے کو ہنکاتا تھا تو حضرتؐ نے تینوں کے متعلق فرمایا لعن اللہ القائد والراکب والسائق یعنی خدا لعنت کرے اس کھینچنے والے (معویہ) اور اس سوار (ابوسفیان) اور اس ہنکانے والے (یزید بن ابی سفیان) پر۔

بنو امیہ کا جنت و نار سے انکار کرنا

(اسی زبان میں یہ بھی ہے کہ) اور انہیں باتوں سے ابوسفیان کا وہ قول بھی ہے جس کو محدثین نے روایۃ کیا ہے کہ اُس نے کہا یا بنی عبد مناف تلقفوھا تلقف الکرۃ فما ھناک جنۃ ولا نار یعنی اے بھائیو! اس حکومت کو گیند کی طرح گردش دیتے رہو اس لئے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیوی سلطنت ہے اور حقیقت میں نہ بہشت کوئی چیز ہے نہ جہنم ہے۔ ابوسفیان کا یہ قول صاف صاف کفر تھا جس کی وجہ سے اُس پر خدا کی لعنت اسی طرح

پڑے گی جس طرح حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰی ابن مریم کی زبان سے بنو اسرائیل کے اُن لوگوں پر پڑی جنھوں نے اپنے زمانہ کے انبیاء کو نہیں مانا اور کافر رہ گئے۔ اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ خدا کی نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے۔ اور ان باتوں سے یہ بھی ہے جس کی روایت محدثین کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان آخر عمر میں نابینا ہو گیا تو ایک دفعہ کوہ احد کی گھاٹی پر ٹھہر کر اس شخص سے جو اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا کہا کہ ھہنا ذببنا محمدا و اصحابہ یعنی اسی جگہ ہم نے محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو ڈھکیلا تھا۔

بنو امیہ کے متعلق آنحضرت صلعم کا خواب

(اسی فرقان میں ہے) اور ان باتوں سے وہ خواب بھی ہے جس کو حضرت رسول خدا صلعم نے دیکھا تھا جس کا آپ پر یہ اثر ہوا کہ بالکل خاموش ہو گئے اور پھر حضرت کو کسی نے کبھی ہنستے یا مسکراتے نہیں پایا۔ اسی سے خدا نے آنحضرت صلعم پر یہ آیت نازل فرمائی (وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس اے رسول جو خواب ہم نے تم کو دکھایا وہ لوگوں کے لیے ایک بڑا فتنہ ہے (پارہ ۱۵ رکوع ۶)۔ اس کا واقعہ مفسرین و محدثین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت نے خواب میں دیکھا کہ بنو امیہ کے کچھ لوگ حضرت کے منبر پر کودتے اور اچھلتے ہیں۔

حکم بن العاص کی جلاوطنی

(اسی فرقان میں ہے) اور اُن باتوں سے یہ بھی ہے کہ حضرت رسول خدا نے بنو امیہ کے دوسرے بڑے رکن حکم بن ابی العاص کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ حکم وہی شخص ہے (جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان کا چچا تھا) جس کو اس وجہ سے حضرت نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا کہ وہ حضرت کی چال وغیرہ کی نقل کیا کرتا تھا تو خدا نے اس کو آنحضرت صلعم کی بددعا اور ایک باقی رہنے والی نشانی بنا دی کیونکہ جب حضرت نے اُس کو دیکھا تھا کہ وہ اسی طرح حضرت کی نقل میں جھک کر اور ٹیڑھا ہو کر چل رہا ہے تو فرمایا تھا کہ تو واقعی ایسا ہی ہو جا۔ لہٰذا وہ ویسا ہی ہو گیا اور مدۃ العمر ویسا ہی رہ گیا یہاں تک کہ اُس کے بیٹے مروان نے اُس فساد کا دروازہ کھول دیا جو اسلام میں پہلا فتنہ تھا۔ جس فتنہ میں اور جس کے بعد بھی جو خونریزی کہ ہوئی اور جس قدر حرام لہو بہایا گیا اُن سب کا وبال اسی مروان کے سر ہو گا۔

حکومت بنی امیہ سے لیلۃ القدر بہتر ہے

(اسی فرقان میں ہے) اور اُن باتوں سے یہ بھی ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبر پر جو قرآن نازل کیا اُس کی سورہ قدر میں یہ آیۃ نازل فرمائی

تھا

لیلۃ القدر خیر من الف شھر یعنی ایک شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ان ہزار مہینوں سے انہیں بنو امیہ کی حکومت کا زمانہ مراد ہے۔

بد دعائے رسولؐ کہ معویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرے

(اسی فرمان میں ہے) اور ان باتوں سے یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسولؐ نے معویہ کو بلایا کہ اپنے سامنے اس سے کچھ لکھوائیں تو اس نے حضرت کا حکم ٹال دیا اور حیلہ کیا کہ قاصد سے کہا جا کر کہدینا کہ وہ (معویہ) کھا رہا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کے بارے میں بد دعا کی کہ لا اشبع اللہ بطنہ خدا کبھی اس کا پیٹ نہ بھرنے دے۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ معویہ زندگی بھر کھاتا جاتا تھا مگر کبھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ اور کھاتے کھاتے جب اس کا منہ دکھنے لگتا تھا تو کہتا تھا خدا کی قسم میں جو کھانا چھوڑ دیتا ہوں تو اس وجہ سے نہیں کہ میرا پیٹ بھر جاتا ہے بلکہ اس سبب کہ کھاتے کھاتے تھک جاتا ہوں۔

معویہ غیر ملت اسلام پر محشور ہوگا

(اسی معتضد باللہ کے فرمان میں ہے) اور ان باتوں سے یہ بھی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس راہ سے میری امت کا وہ شخص برآمد ہوگا جس کا حشر میری ملت پر نہیں بلکہ دوسری امت پر ہوگا۔ اس کے بعد فوراً ہی ادھر سے معویہ برآمد ہوا۔

معویہ کو قتل کردو

(اسی فرمان میں ہے) اور ان باتوں سے یہ بھی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم لوگ معویہ کو منبر پر دیکھو تو اس کو قتل کردینا۔

معویہ آگ کے تابوت میں

(اسی فرمان میں ہے) اور ان باتوں سے وہ مشہور و معروف حدیث بھی ہے کہ حضرت رسول محمدؐ نے ارشاد فرمایا ان معویۃ فی تابوت من نار فی اسفل درک منہا ینادی یا حنان یا منان الآن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین۔ یعنی یقیناً معویہ آگ کے ایک تابوت میں ڈالکر جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جھونکدیا جائیگا۔ وہاں وہ چیخا کریگا کہ اے حنان۔ اے منان اب میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔ حالانکہ اس سے پہلے تیری بڑی نافرمانی کی اور میں بڑے مفسدوں میں سے ہوں۔

حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل اور معویہ کی آپ سے مسلسل جنگ

(اسی فرمان میں ہے) اور ان باتوں سے یہ بھی ہے کہ معویہ اس بزرگ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوگیا جو اپنے مرتبہ کے اعتبار سے اسلام میں سب مسلمانوں سے افضل اور اعلان اسلام میں سب سے اول اور آگے تھے اور جن کا احسان اسلام پر سب سے بڑا اور جن کی خدمات اسلام میں سب سے زیادہ تھیں اور جن کا ذکر سب سے

بہتر تھا یعنی حضرت علی ابن ابیطالبؑ سے۔ اور اس جنگ کی غرض صرف یہ تھی کہ معویہ اپنی باطل تدبیروں سے حضرت کے حق کو چھین لے اور اپنے گمراہوں اور گمراہیوں کے ساتھ حضرت کے انصار سے لڑا کرے اور اس بات کی کوشش کرے جس امر کی کوشش وہ اور اس کا باپ (ابوسفیان) پہلے بھی (حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ میں) کرچکے تھے کہ نور خدا کو بجھا دیں اور خدا کے دین کو مٹا دیں ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ المشرکون حالانکہ خدا کو تو یہی منظور ہے کہ ہر طرح اپنے نور کی روشنی کو پوری کرکے رہے اگرچہ کافروں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے (پارہ ۱۰ رکوع ۱۱)۔ وہ اپنی مکاری اور فتنہ سازی سے ناوانوں کو حیران و پریشان کرتا رہتا اور جاہلوں کو دھوکا فریب دے کر اپنے سے ملاتا رہتا تھا۔ اس کی ان باتوں کی خبر حضرت رسول خدا صلعم نے پہلے ہی دے رکھی تھی

عمار کو فئتہ باغیہ قتل کرے گا (اُسی فرمان میں ہے) چنانچہ حضرت نے اپنے محترم صحابی جناب عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا یقتلک الفئۃ الباغیۃ تدعوھم الی الجنۃ ویدعونک الی النار۔ اے عمار تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ تم اس کو بہشت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تم کو جہنم کی طرف بلائے گی۔

معویہ کی دنیا پرستی اور مکروفریب (اُسی فرمان میں ہے) معویہ نے یہ سب اس لئے کیا کہ دنیا کی چندروزہ زندگی کو اس نے پسند کیا اور آخرت کی زندگی پر لات ماردی۔ اس وجہ سے وہ حلقۂ اسلام سے خارج ہوگیا اور جس خون کا بہانا حرام تھا اُس کو اُس نے حلال سمجھ لیا یہانتک کہ اُس نے اپنے اس فتنہ اور اپنی اس گمراہی کی راہ میں اسقدر لوگوں کا خون بہایا جن کے عدد کا شمار ہی نہیں ہوسکتا۔ اور جن کا خون بہایا وہ بہترین مسلمان تھے جو خدا کے دین سے باطل کو دفع کرتے اور اس کے حق کے مددگار تھے۔ معویہ خدا سے لڑتا تھا اور اس امر کی کوشش کرتا تھا کہ خدا کی نافرمانی کی جائے۔ اور کسی طرح اُس کی اطاعت نہ ہو۔ اور اُس کے کل احکام مٹا دیئے جائیں کہ کوئی بھی ان پر قائم نہ رہے۔ اور اس کے دین کی مخالفت کی جائے اور کوئی اس کا پابند نہ ہو۔ اور گمراہی کا کلمہ بلند اور باطل کی دعوت اونچی رہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہونیوالا ہے۔ اور اُسی کے مذہب کی مدد کی گئی اور اُسی کا حکم مانا گیا اور جاری ہے اور اُسی کا امر غالب رہے گا۔ اور جو شخص اُس سے مخالفت کرے گا

اسی کا مکر و فریب مغلوب اور پست ہوگا۔ غرض معویہ اُن تمام لڑائیوں اور اُن کے آثار و نتائج کا
خدا اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہے! اور جسقدر خونریزی اُس زمانہ میں اور پھر جو کچھ اس کے بعد ہوئی
اُن سب کا طوق اپنی گردن میں پہنے ہے۔ اور اُس فساد کی راہوں کو قائم کر دیا جس کا کل گناہ
بھی جو اس فساد کی راہوں پر قیامت تک عمل کرتے رہینگے سب اسی پر ہوگا۔ اور اس نے حرام
کاموں کو اُن لوگوں کے لئے جائز اور حلال کر دیا جو اُن کا ارتکاب کرتے رہے۔ اور حقداروں
کو اُن کے حقوق سے محروم کر دیا۔ وہ اس زعم باطل میں پڑا رہا کہ خدا نے اس کو ڈھیل دیدی
تھی اور اُس کی آنکھوں پر اس بات کا پردہ پڑا تھا کہ اللہ نے اس کو مہلت دے رکھی تھی (کہ
جہانتک دنیا میں ظلم و فساد کرنا ہے کرلے۔ جس طرح شیطان کو مہلت اور ڈھیل دیدی گئی ہے)۔
حالانکہ خدا اُس کے لئے تاک اور گھات میں لگا رہا۔

معویہ کا بہترین صحابہ کو قتل کرنا (اسی فرمان میں ہے) اور اُن باتوں سے جو بتاتی ہیں کہ خدا نے
معویہ پر لعنت کرنا واجب کیا ہے یہ بھی ہے کہ اُس نے بہترین صحابۂ رسول خدا صلعم اور تابعین اور
صاحبان فضل و دیانت کو گرفتار کرا کرا کے بقصور قتل کر دیا جیسے عمرو بن الحمق اور حجر بن
عدی وغیرہ۔ اُس نے اُن لوگوں کو اس خیال میں قتل کیا کہ اس طرح اس کو غلبۂ بادشاہت
اور تسلط حاصل ہو جائے گا حالانکہ حقیقی غلبۂ بادشاہت، تسلط اور قدرت تو اللہ ہی کے لئے ہے۔
اور اللہ عزوجل نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیھا و
غضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما یعنی جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل
کر ڈالے تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔
اور اُس پر خدا کی لعنت ہوتی رہے گی اور اللہ نے اُس کے لئے بڑا سخت عذاب طیار کر رکھا ہے
(پارہ ۵ رکوع ۱۰)

معویہ کا زیاد کو اپنا بھائی بنا لینا (اسی فرمان میں ہے) اور جن باتوں سے معویہ اللہ اور اُسکے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق ہوا اُن میں یہ بھی ہے کہ اس نے دعوٰے کیا کہ سمیہ (رنڈی)
کا لڑکا زیاد اُس کا بھائی ہے۔ اس کام سے اس نے اللہ کے مقابلہ میں بڑی جرأت کی۔ حالانکہ
خدا فرماتا ہے ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ۔ یعنی فرزندوں کو اُن کے حقیقی باپ کے نام

وبال

سے پکارو یہی بات اللہ کے نزدیک قرین انصاف ہے (پارہ ۲۱ رکوع ۱۷) ۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ملعون من ادعی الی غیر ابیہ وانتمی الی غیر موالیہ ۔ جو شخص اپنے باپ کے سوائے کسی اور کے ہونے کا دعویٰ کرے وہ ملعون ہے ۔ اور جو شخص اپنے سرپرستوں کے سوائے کسی اور طرف منسوب ہو وہ بھی ملعون ہے ۔ اور حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ الولد للفراش وللعاہر الحجر یعنی لڑکا شوہر ہی کا سمجھا جائے گا اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے ؎۱ تو معویہ نے اللہ کے حکم اور رسول خدا صلعم کے فرمان کی صاف صاف مخالفت کی اور اس حکم کو الٹ کر لڑکے کو اس شخص کا بنا دیا جو شوہر نہیں تھا ۔ اور یہ اصول مقرر کر دیا کہ زنا کرنے والے کو اس کے زنا کا نقصان نہیں ہوتا ۔ غرض معویہ نے اپنے اس دعوائے نسب سے ام حبیبہ زوجہ نبی صلعم اور دوسری عورتوں کو زیاد سے بے پردہ کرا کے اللہ اور اس کے رسول کے محارم میں اس بات کو داخل کر دیا جسکو خدا نے حرام کر دیا تھا ۔ اور اس دعوے سے ایسی قرابت ثابت کی جس کو خدا نے دور کر رکھا تھا اور اس جدید غلط رشتہ سے اُن امور کو مباح کر دیا جن کو خدا نے ناجائز کیا تھا ۔ یہ وہ ما ہیں کہ ان سے پہلے اسلام میں ایسا خلل نہیں ہوا تھا ۔ اور دین اسلام میں ایسا انقلا عظیم اس کے قبل نہیں پیدا ہوا تھا ۔

یزید کے خلیفہ بنانے کا فتنہ (اسی فرمان میں ہے) اُن باتوں سے یہ سمجھے کہ اس نے دین کو دنیا پر قربان کر دیا اور بندگان خدا کو اپنے بیٹے یزید کی بیعت کی طرف بلایا ۔ وہ یزید جو اول درجہ کا متکبر اور شراب خوار تھا اور مرغوں ، چیتوں اور بندروں کے کھیل کود میں لگا تھا ۔ معویہ نے نیکوکار مسلمانوں پر ظلم و قہر کر کے ، دباؤ ڈال کر ، دھمکا کر ، ڈرا کر اور جھوٹے وعدے کر کے

؎۱ حضرات اہلسنت کے پیشوائے دین مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے " الولد للفراش وللعاہر الحجر لڑکا خاوند ہی کا یا لونڈی کے مالک ہی کا سمجھا جائے گا اور زنا کرنے والے کے لیے پتھر ہے یعنی اس کو کچھ نہیں ملیگا ۔ یہ حدیث ایک صحابی نے معویہ سے بیان کی جب انہوں نے زیاد ولد الحرام کو اپنا بھائی بنایا ۔ تو معویہ نے حدیث پر کچھ توجہ نہ کی بلکہ ان صحابی کو برا بھلا کہا ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ " (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ صفحہ ۱۲۱)

اہل

اُن سے اسی یزید کی بیعت لینا شروع کی حالانکہ اس کو یزید کی حماقتوں کا پورا علم تھا اور وہ اُس کی خیانتوں اور دست درازیوں سے اچھی طرح واقف تھا اور اس کی شراب خواری اور فسق و فجور و کفر کے واقعات سب اُس کے پیش نظر تھے۔ غرض جب سامان کی معویہ نے اس کے لئے کوشش کی جب وہ یزید کو حاصل ہوگیا اور جس بات کے اہتمام میں وہ لگا ہوا تھا وہ یزید کو مل گئی جس کے انجام دینے میں اُس نے اللہ کی بھی نافرمانی کی اور رسول خدا صلعم کی بھی مخالفت کی تب یزید مسلمانوں سے مشرکین کا بدلہ لینے پر آمادہ ہوگیا۔ اور ان کی دشمنی کا جو ارادہ اُس کے دل میں تھا وہ سب پورا کرنے لگا۔ اسی وجہ سے حرہ والوں پر ایسا شرمناک ظلم کیا جس کا مثل اسلام میں نہیں ہوا تھا اور اس واقعہ میں صالحین کے ساتھ جو اندھیر اُس نے کیا ایسا فحش واقعہ بھی اسلام میں نہیں ہوا تھا اس کے دل میں اسلام سے انتقام لینے کا جو جوش تھا اُس کو اُس نے اس طرح پورا کر لیا اور اپنا پورا غصہ اس میں نکال لیا اور یہ گمان کر لیا کہ اُس نے اولیاء خدا سے عوض لے لیا اور دشمنان خدا کی عداوت کو حد درجہ پر پہونچا دیا چنانچہ اپنے کفر کا اعلان اور اپنے شرک کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے ؎ لیت اشیاخی ببدر شہدوا۔ جزع الخزرج من وقع الاسل + قد قتلنا القرم من ساداتکم ۔ وعدلناہ ببدر فاعتدل + فاہلوا واستہلوا فرحا۔ ثم قالوا یا یزید لا تشل + لست من خندف ان لم انتقم ۔ من بنی احمد ما کان فعل + لعبت ہاشم بالملک فلا۔ خبر جاء ولا وحی نزل ۔ یعنی کاش میرے وہ بزرگ جو غزوہ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے اور دیکھتے کہ میرے نیزوں اور تلواروں کی مار سے قبیلہ خزرج میں کس قدر شور نوحہ و ماتم بپا ہے۔ اے اسلام والو ہم تم لوگوں کے سرداروں کے امام اور بزرگ (حضرت حسینؑ) کو ہم نے قتل کر دیا اور غزوہ بدر کے جھکے ہوئے ترازو کے پلے کو میں نے برابر کرنا چاہا تو وہ اچھی طرح برابر ہوگیا۔ (اگر کفار مکہ سے میرے وہ بزرگ جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے زندہ ہوتے) تو اس وقت وہ خوشی سے پھڑک جاتے اور شاباش شاباش کہتے ہوئے میرا جواب دینے کو بڑھتے اور مجھے مبارکباد دے کر کہتے کہ اے یزید تو ہمیشہ زندہ اور آباد رہ تو نے بہت ہی بڑا کام کیا۔ محمد مصطفےٰ صلعم نے (اسلام لا کر اور کفر کو زیر کر کے ہم لوگوں کو جس قدر گرا دیا تھا اور اپنا دین پھیلانے میں) جو کچھ کیا تھا اگر میں اُن سب کا بدلہ اور انتقام اُن کی اولاد سے نہیں لیتا تو میں گویا بنی امیہ کے خاندان ہی سے نہیں ہوتا۔ بنو ہاشم تو (اسلام کا نام لے کر

بیعت

درحقیقت) حکومت اور بادشاہت کا کھیل کھیلنا چاہتے تھے (اسی لئے نبوت اور اسلام کا ڈھونگ کھڑا کر رکھا تھا) ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ محمد کے پاس نہ کبھی کوئی حکم خدا آیا نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔ یہ اشعار خود کہہ رہے ہیں کہ یزید دین اسلام سے خارج تھا اور یہ کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جو نہ اللہ کو مانتا تھا نہ اس کے دین کو۔ نہ اس کی کتاب کو۔ نہ اس کے رسول کو۔ نہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا نہ اُن چیزوں پر جو اُس کے ہاں سے نازل ہوئی تھیں۔

شہادت حضرت امام حسینؑ کا واقعہ (اسی فرمان میں ہے) پھر سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم اس نے یہ کیا کہ حضرت رسول خداؐ کے فرزند اور حضرت فاطمہؑ کے پارۂ جگر امام حسینؑ کو شہید کیا حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ حضرت امام حسینؑ کو حضرت رسولخداؐ سے کیا قرابت اور کیسی خصوصیت تھی۔ اور دین اسلام و ایمان میں حضرت کا کیا درجہ تھا اور حضرت کے کسقدر فضائل و مناقب تھے اور حضرت رسولخداؐ نے آپ کے اور آپ کے بڑے بھائی امام حسنؑ کے متعلق یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ یہ دونوں جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔ یہ سب اُس نے اس وجہ سے کیا تھا کہ خود خدا ہی کا مقابلہ کرنے پر وہ آمادہ ہو گیا اور اللہ ہی سے لڑنے کی جرأت اس میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُس نے دین اسلام سے علیحدہ رہ کر کفر ہی کو اختیار کر رکھا تھا اور حضرت رسولخداؐ اور آپ کے خاندان کی حرمت زائل و برباد کر ڈالنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ اس اطمینان کے ساتھ ان لوگوں (حضرات اہل بیت اور شہدائے کربلا) کے ساتھ لڑا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کافروں کو قتل کر رہا ہے کہ نہ تو ذرہ برابر وہ خدا کی سزا سے ڈرتا تھا اور نہ کچھ اللہ کی سطوت و جبروت کی پروا کرتا تھا۔ اس کے بعد خدا نے اُس کی زندگی ختم کر دی اس کی جڑ اور شاخ سب اکھاڑ پھینکا۔ جو کچھ اُس کے قبضہ میں تھا سب چھین لیا اور اُس کے لئے اپنی سزا و عذاب کا وہ ذخیرہ مہیا کر دیا جس کا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے مستحق ہو گیا تھا۔

بنو مروان کے مظالم (اسی فرمان میں ہے) یہاں تک کہ خاندان ابوسفیان کی سفاکی اور فرعونیت کے بعد بنی مروان کا نمبر پہنچا[۱]۔ انہوں نے بھی کتاب خدا کو بدل دیا۔ اس میں تحریف کر دی۔ اپنے

---

[۱] امیہ کے ایک بیٹے حرب کا پوتا معویہ تھا اور دوسرے بیٹے ابوالعاص کا پوتا مروان تھا۔ اسکے شجرہ سے یہ بات صاف معلوم ہے

امیہ
- حرب
  - ابوسفیان
    - امیر معویہ
- ابوالعاص
  - عفان
    - حضرت عثمان خلیفہ ثالث
  - حکم
    - مروان
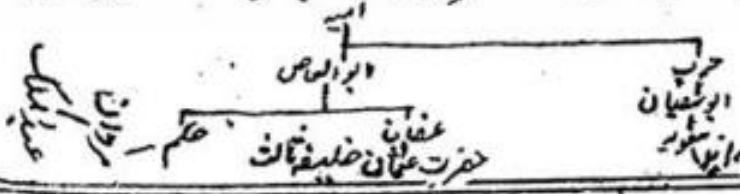
کرام

حکام کو معطل کر دیا، خدا کے مالوں کو اپنی خاص دولت سمجھ کر آپس میں مزہ اڑانے لگے، خانہ کعبہ کے ڈھا دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اس کے احترام اور عزت کو مٹانے اور اس کے حقوق سمجھانے کے لئے جن باتوں کو خدا نے حرام کر دیا تھا اُن سب کو ان لوگوں نے حلال کر دیا۔ اس کے اوپر منجنیقیں نصب کرا دیں۔ اُس اللہ کے گھر پر آگ برسائی، اُس کے جلا ڈالنے اور برباد کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس کی عزت و عظمت باقی رکھنے کے لئے خدا نے جن باتوں کو ناجائز کیا تھا اُن سب کو ان لوگوں نے خانہ کعبہ کی جلالت مٹا دینے کے لئے جائز اور مباح کر دیا۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے خدا نے اس کے قتل کرنے اور اس کو سزا دینے سے منع کیا ہے مگر بنی مروان نے اس حکم کو بھی اپنے پاؤں سے روند دیا۔ اور جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو خدا نے اُس کو اپنی امن میں لے لیا ہے کہ کوئی اس سے تعرض نہ کرے مگر بنو مروان نے اس حکم کو بھی چھوڑ دیا۔ اور خانہ کعبہ میں پناہ لینے والوں کو خوب ڈرایا اور وہاں سے نکال باہر کیا!

بنو عباس کا تسلط (عباسی خلیفہ معتضد باللہ ہی کے فرمان میں یہ بھی ہے) یہاں تک کہ جب بنی مروان بھی کلمۂ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ خدا سے اپنی پوری سزا پانے کا پروانہ حاصل کر لیا، زمین کو اپنے ظلم و جور سے اچھی طرح بھر دیا۔ بندگانِ خدا پر ان کی زبردستی اور بے رحمی عام طور سے چھا گئی اور وہ وقت آ گیا کہ ان لوگوں پر اپنے نبی کے خاندان بنو ہاشم اور حضرت کے اپنے اہل وراثت سے ان لوگوں کو مسلط کر دیا جن کو اس نے اپنی حکومت اور بادشاہت کے لئے چن لیا تھا۔ خدا نے یہ انتظام بھی ویسا ہی کیا جیسا اس سے بہت پہلے ہم ہی بنی ہاشم کے بزرگوں کو ان بنی امیہ کے کافر بزرگوں پر مسلط کر دیا تھا جنھوں نے غزوۂ بدر وغیرہ میں ان لوگوں سے خوب خوب جہاد کیا۔ تو خدا نے اِس زمانہ کے بنی ہاشم سے ان مرتد بنی امیہ کی خونریزی اُسی طرح کرائی جس طرح سابق زمانہ کے بنی ہاشم سے اُس وقت کے کافر اور مشرک بنی امیہ کا خون بہایا تھا۔ غرض خدا نے اس ظالم اور سفاک قوم کی جڑ ہی کاٹ دی جس پر اُس رب العالمین کی جو کچھ مدح و ثنا کی جائے کم ہے اور خدا نے اُن لوگوں کو جو کمزور سمجھ لئے گئے تھے غالب کرا دیا، اور قوت دے دی۔ اور جو لوگ اس کے مستحق تھے ان کو ان کا حق واپس کر دیا جیسا خدا نے فرمایا ہے کہ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین

کے

یعنی ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ اس ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے ان پر احسان کریں اور ان ہی کو دین کا سردار بنائیں اور ان ہی کو نبوت کا وارث ٹھہرائیں (پارہ ۲۰ رکوع ۴) سلہ اور لوگو! جان رکھو کہ خدا نے جو حکم دیا ہے ماننے کے لئے اور جو مثل بیان کی ہے نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے۔ اور جس بات کو فرمایا ہے قبول کرنے کے واسطے اور آنحضرت صلعم کی سنت اختیار کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ اس مطلب سے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اور صاحبان جہالت و حماقت سے اکثر وہ لوگ جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے اور دوسری طرف چلے گئے وہ تھے جنھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مذہبی پیشواؤں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا حالانکہ خدا نے فرمایا ہے کہ کفر کے پیشواؤں سے لڑتے رہو۔ غرض بھائیو! تم لوگ بھی اس اعتقاد سے بچو جس سے تم پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔ اور وہ راہ اختیار کرو جس سے وہ تم سے خوش رہے۔ اور خدا کی ہر اُس بات پر راضی رہو جس کو وہ تمھارے لئے اختیار کرے۔ اور جس کام کا وہ حکم دے اُس کی پابندی کرو اور جس چیز

سلہ یہاں خلیفہ معتضد باللہ اپنے خاندان بنی عباس کی خلافت کا حق ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے وارث یہی لوگ تھے حالانکہ دنیا کا کوئی بھی صاحب عقل شخص اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ جناب سیدہؑ اور جناب امیرؑ کے رہتے ہوئے بنی عباس کسی قاعدہ اور قانون سے آنحضرت کے وارث اور خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ کا خلیفہ اور وارث بنانا خدا نے بالکل اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اسی وجہ سے جب حضرت رسول خدا صلعم کو خدا نے حکم دیا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ تو اُسی وقت حضرت سے آپ کے خلیفہ اور وارث و جانشین کا اعلان کرا دیا۔ چنانچہ جب بعثت کے چوتھے سال خدا نے آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل فرمائی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی کے ذریعہ سے لوگوں کو جمع کرایا۔ ان میں حضرت کے چچا عباسؓ، ابولہب، حمزہ اور حضرت ابوطالب سب ہی تھے۔ ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کے بعد حضرت نے اُسی مجمع میں حضرت عباس کے سامنے ہی اعلان کر دیا کہ میرے بھائی، میرے وزیر، میرے وصی اور میرے خلیفہ یہ علی ہیں تم سب لوگ۔ ان کی بات سننے اور ان کا حکم مانتے رہنا" طبری جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲ وغیرہ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے ۱۲

طرف

سے وہ منع کرے اُس سے الگ رہو اور سیدھی راہ ' واضح اور کھلے ہوئے (دلیل) راستوں پر چلو۔ اور ان اہلبیت رحمت کی پیروی کرتے رہو جن کے ذریعہ سے خدا نے شروع میں بھی تمھاری ہدایت کی اور انھیں کی وجہ سے آخر میں بھی تم کو ظلم و جور سے بچائے گا اور انہیں کی حکومت و دولت سے تم کو آرام و آسائش اور عزت و امن عطا کرے گا۔ اور انھیں کے دور میں تمھارے دین اور دنیا کی بھلائی تمھارے شامل حال ہوگی۔

بنی امیہ پر پھر لعنت کرنے کا حکم (اُسی فرمان میں ہے) اور اُن لوگوں پر لعنت کرو جن پر خدا نے بھی لعنت کی اور رسول خدا نے بھی' اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جن کو جب تک چھوڑوگے نہیں خدا کی درگاہ میں تقرب نہیں حاصل کر سکتے۔ اے خدا تو لعنت کر بارہ ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معویہ اور اس کے پوتے یزید پر اور لعنت کر بارہ مروان اور اُس کی اولاد پر۔ اے خدا تو لعنت کر بارہ ان (بنی امیہ) پر جو کفر کے پیشوا گمراہی کے سردار اور دین خدا کے دشمن تھے اور رسول خدا صلعم سے لڑتے تیرے احکام کو متغیر کر دیتے تیری کتاب کو بدل کر اس میں تحریف کر ڈالتے اور جن لوگوں کا خون بہانا حرام تھا ان کا خون بہاتے رہتے تھے۔

معتضد باللہ کا تبرا (عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے اپنے اسی فرمان کے آخر میں یہ بھی لکھا اور اسی پر اُس کو ختم کیا ہے) اے خدا! ہم اُن لوگوں کی دوستی سے تبرا کرتے ہیں جو تیرے دشمن تھے۔ اور جو تیرے گنہگار تھے اُن کے گناہوں سے چشم پوشی کرنے سے بھی تبرا کرتے ہیں جیسا تو نے کہا ہے کہ اے پیغمبر جو لوگ اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں اُن کو تم نہ دیکھوگے کہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفوں کے ساتھ دوستی رکھیں (پارہ ۲۸ رکوع ۳) لوگو! حق کو پہچانو تو اس سے حق والوں کو بھی پہچاننے لگوگے۔ اور گمراہی کے راستوں کو سمجھو جس سے گمراہ کرنے والوں کی معرفت بھی ہو جائے گی کیونکہ بات یہ ہے کہ انسان کے اعمال ہی دیکھے جاتے اور ان کے باپ دادا ہی ان کو سچے یا غلط مذہب پر لگاتے ہیں۔ تو اللہ کے بارے میں کوئی ملامت کرنے والا تمھاری ملامت نہ کرنے پائے۔ اور جو لوگ تمھاری عقل زائل کرنا چاہتے ہیں اُن کی تدبیر اور جو تمھارے ساتھ مکر کرنا چاہتے ہیں اُن کا فریب اور جس کی اطاعت تمھیں خدا کی معصیت میں لگا دے اس کی فرماں برداری تمھیں دین خدا سے نہ موڑ دے

واردوں

... والسلام علیکم ۔ اس فرمان کو ابوالقاسم عبید اللہ بن سلمان نے ۲۸۴ھ میں نقل کیا (دیکھو تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۴ سطر ۱۹ تا صفحہ ۳۵۷ سطر ۲) ۔ اس تقریباً ساڑھے تین صفحوں کے فرمان میں جو اصل عربی میں ہے اور جس کے اردو ترجمہ کا خلاصہ اوپر لکھا گیا۔ عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے خاندان بنی امیہ کی جو مختصر حالت ذکر کی ہے اس سے اس خاندان کے کفر اور دشمن اسلام مذہب پر قائم رہنے میں کوئی بھی شبہ ہو سکتا ہے؟ اس کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ معتضد باللہ نے تنہا خاندان بنی امیہ کے معائب کا اعلان نہیں کیا بلکہ اس کے اس کے قبل خلیفہ مامون الرشید بھی ایسی کارروائیاں کر چکا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "مامون معجون مرکب تھا۔ قرآن کے حادث ہونے کا قائل تھا۔ عام منادی کرادی تھی کہ جو شخص امیر معویہ کو اچھا کہے وہ دائرہ اطاعت سے خارج ہے۔ حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتا تھا" (المامون ص ۲۳) اور علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ۲۱۱ھ میں مامون نے منادی کرادی کہ جو شخص معویہ کا ذکر خیر کرے گا۔ اس کی حفاظت سے سلطنت کو کوئی تعلق نہیں۔ اور حضرت رسول خدا کے بعد دنیا بھر کے لوگوں سے افضل حضرت علی ہی ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۲۱) اور علامہ شیخ حسین دیار بکری نے لکھا ہے کہ ۲۱۱ھ میں مامون نے حکم دیا کہ سب لوگ حضرت رسول خدا کے بعد حضرت علی کو افضل مخلوقات مانیں اور اس کی منادی کرادی کہ جو شخص معویہ کو بھلائی کے ساتھ ذکر کرے گا اس کی جان و مال سے حکومت بری الذمہ ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۷۵) ۔

اب بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ۱۱ھ میں انتقال کیا۔ اور بنی امیہ کے عیوب و فضائح میں جو جو باتیں قرآن و حدیث کے ذریعہ سے آج معلوم ہوتی ہیں وہ سب اس زمانے میں پھیل چکی تھیں۔ انہیں باتوں کو دو سو برس کے بعد خلیفہ مامون نے اور ۲۷۳ سال کے بعد خلیفہ معتضد باللہ نے فرمان کے ذریعہ سے تمام مشتہر کرائیں۔ ۱۱ھ کی جو باتیں ۲۸۴ھ میں لوگوں کو معلوم تھیں وہ ۱۱ھ کے رہنے والوں کو تو سب زیادہ معلوم ہونگی۔ بچہ بچہ ان سے واقف ہوا ہوگا۔ عالم جاہل اچھے برے سب ہی کو ان سے خبر ہوگی۔ اس وجہ سے حضرت ابو بکر و عمر کو خلیفہ مامون و خلیفہ معتضد باللہ سے بہت زیادہ ان برائیوں کی اطلاع ہوگی اور وہ بھی یقیناً سمجھتے تھے کہ خاندان بنو امیہ نے صرف لوگوں کے دکھانے کو اسلام کا اقرار کیا ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ اب بھی اسلام کے ویسے ہی مخالف ہیں جیسے غزوہ بدر و احد وغیرہ کے وقت

کی

تھے۔ صرف اپنی کمزوری سے اسلام کا زبانی دعوے کرتے ہیں کہ جب کبھی کوئی موقع مل جائیگا اسلام
کو تباہ و برباد کرنے اور خود رسولؐ کے ہلاک کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ باوجود اس کھلی ہوئی بات
اور ایسے پختہ یقین کے حضرت ابوبکر و عمر نے انہیں بنوامیہ کو کیوں اتنا سر چڑھایا؟ کیوں ان لوگوں
کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیا؟ کیوں ان کو رعایا کی جماعت سے نکال کر حکام کے زمرہ
میں جگہ دیدی؟ دونوں نے یزید بن ابی سفیان کو شام کی حکومت کیوں حوالہ کر دی؟ اور اس
کے مرنے پر پھر حضرت عمر نے اسی کے حقیقی بھائی معویہ کو بھی وہاں کا گورنر کیوں بنا دیا؟ اس کی وجہ سے
حضرت ابوبکر و عمر اسلام کے بہی خواہ سمجھے جائیں گے یا بدخواہ؟ اور اس انتظام سے دونوں صاحبان
مسلمانوں کے مہربان ہوئے یا ستمگار؟ کیا حضرت رسولخداؐ سے زیادہ کوئی شخص اس خاندان سے
واقف ہو سکتا تھا؟ اور حضرت سے زیادہ اسلام کا بہی خواہ ہمدرد اور دوست بھی کوئی ممکن تھا؟
پھر کیا آنحضرتؐ نے کبھی ابوسفیان کو بھی اس کے اسلام ظاہر کرنے کے بعد کسی مقبوضہ شہر یا دیہات
کا گورنر یا عامل مقرر فرمایا تھا؟ جب فتح مکہ کے وقت ابوسفیان نے اسلام ظاہر کیا تو آنحضرت
صلعم بہت زیادہ خوش ہو کر اس کو بھی کوئی بڑا عہدہ دے دیتے، یہ خیال کر کے کہ اتنا بڑا دشمن
اور ایسا سخت سرکش مخالف جس سے لڑنے میں کیا کیا پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں اور جسکی
وجہ ہی سے اسلام کی ترقی میں کتنی رکاوٹیں پڑتی رہیں آپ خدا کے فضل و کرم سے میرا طرفدار
ہو گیا اور بجائے مخالفت کے موافقت و اطاعت کا دم بھرنے لگا۔ اب اس کے اچھی طرح ملائے
رکھنے سے میری قوت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ میری ترقی میں چار چاند لگ جائیں گے اور
اسلام کی شان تو کہیں زیادہ رفیع ہو جائے گی۔ مگر فتح مکہ کے وقت سے رسولؐ کی وفات
تک کا ایک ایک سکنڈ دیکھ جاؤ اور تاریخ و سیر و حدیث کی ہر کتاب سے دریافت کرو کہ
حضرت رسولؐ نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ حضرت نے فتح مکہ کے بعد تھوڑے تھوڑے آدمی
اطراف مکہ میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجے مگر کیا ایسے نامی گرامی خاندانی
سردار ابوسفیان کو بھی کہیں بھیجا؟ اس کے ذمہ کوئی دینی خدمت کی؟ اس پر کسی وقت ذرہ
بھی اعتبار کیا؟ اس کو ایک منٹ کے لئے بھی قابل اطمینان سمجھا؟ فتح مکہ کے بعد فوراً
ہی غزوہ حنین اسی سال (شوال ۸ھ میں) پیش آیا۔ آنحضرتؐ بارہ ہزار مسلمانوں کی فوج

تعداد

لے کر اس طرف بڑھے جس میں کتنے ہی دستے! کتنے ہی علم بردار رہتے ہوں گے مگر کیا کسی گروہ کی سرداری کا شرف ابوسفیان کو بھی بخشا؟ کسی دستہ کی نگرانی بھی اس کے سپرد کی گئی؟ پھر جنگ اوطاس پیش آئی۔ کیا اس میں ابوسفیان کو کوئی عہدہ دیا گیا؟ پھر طائف کا محاصرہ پیش آیا کیا اس میں کچھ ابوسفیان سے کوئی کام لیا گیا؟ پھر رجب ۹ھ میں جنگ تبوک ہوئی۔ کیا اس میں خدا یا اسکے رسولؐ نے ابوسفیان ایسے ذی اثر شخص کو کوئی امتیاز عنایت فرمایا؟ کسی خدمت کے لائق اس کو بھی سمجھا؟ غرض ابوسفیان کے اسلام ظاہر کرنے کے بعد تقریباً ڈھائی سال تک خدا کے برحق رسولؐ زندہ رہے۔ جس میں اسلامی لڑائیاں بھی ہوتی رہیں۔ سرایا بھی بھیجے جاتے رہے۔ داعیان بھی روانہ ہوتے رہے۔ ملکی انتظامات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اشاعت اسلام کی کارروائیاں بھی انجام پاتی رہیں۔ دعوت اسلام کی کوشش بھی پورے شد و مد سے ہوتی رہی۔ اگر خدا پسند کرتا اور حضرت رسول صلعم چاہتے تو کوئی بڑی نہیں چھوٹی ہی امتیازی خدمت ابوسفیان کو بھی کر دی جاتی۔ مگر حدیث و تاریخ کے ایک ایک ورق کو پڑھ جاؤ سب کے سب خاموش نظر آتے

حضرت ابوبکر و عمر نے خاندان بنو امیہ کو جو اس قدر سر چڑھایا عقلاً اس کی دو ہی وجہیں ذہن میں آسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے ان کا مقصود اس خاندان والوں کو نفع پہونچانا اور خوش کرنا تھا۔ دوسری یہ کہ اس سے ان کی غرض اسلام کی بہبودی اور ترقی تھی۔ اب اگر واقعاً ان باتوں کے خیال سے ان کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مفید ہوتا تو حضرت ابوبکر و عمر سے کہیں زیادہ اس کی خواہش خود خدا اور اس کے رسولؐ کو ہوتی۔ فتح مکہ کے بعد خدا خود ہی اپنے حبیب کو حکم دیتا کہ اب ابوسفیان کو بھی کسی فوج کی سرداری یا کسی لشکر کی علم برداری یا کسی مقام کی حکومت یا کسی گاؤں کی ٹھیکہ داری ہی دے دو۔ یا کوئی خدمت اس کے ذمہ ایسی کر دو جس سے اس کو بھی اسلام میں کوئی نمودار بات حاصل ہو جائے۔ اور وہ اس خوشی کا مسلمانوں کو نفع پہونچانے کا موقع نکال سکے۔ ظاہر ہے کہ ابوسفیان اپنے معزز اور سر کش خاندان کا سردار اور اپنے دونوں بیٹوں سے بہت زیادہ تجربہ کار، باوقار، معزز اور ذی اثر تھا۔ اس کی خوشی سے اس کے دونوں بیٹے بھی اسی وقت سے بہت زیادہ مسرور رہتے۔ اور اس کے کسی عہدہ پر سرفراز ہو جانے سے اس کے دونوں فرزندوں کے تشکر و امتنان کی بھی کو

زیادہ

حد نہیں رہتی بلکہ اس کے کل خاندان والے حضرت رسولؐ کے بہت زیادہ مرہون احسانات دکھائی دینے لگتے مگر خدا تو بنوامیہ کے ظاہری اقرار اسلام کی حقیقت کو خوب پہچانتا تھا اور ابوسفیان کے قبول اسلام کی حالت سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اور حضرت رسول خدا صلعم کو بھی ان لوگوں کے خاموش ہو جانے سے ذرہ برابر ان کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔ وہ ایسا کیونکر کرتے پھر اسلام کی مصیبتوں کا کیا علاج ہو سکتا تھا؟ اور باطنی دشمن کے مسلط ہو جانے سے مسلمان کس درجہ پریشان ہو جاتے۔ اور ایسے بدخواہ دین و ایمان کے حوالہ ہو جانے سے اسلام کی کیا گت بنجاتی؟ ان وجوہ سے خدا نے اس کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کیا اور حضرت رسول خدا صلعم کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ ابوسفیان کو ذمہ داری کا کوئی کام دیں یا بنوامیہ کو اسلام میں کسی قسم کا اختیار سپرد کریں۔ اگر حضرت رسولؐ کے بعد آپ کے خلیفہ وہی بزرگ ہوتے جن کو خدا نے مقرر کیا اور حضرت رسولؐ نے اپنی وفات سے ۱۹ سال قبل مکہ میں ہی بتا دیا تھا تو وہ اسلام کا انتظام اسی طرح کرتے جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کو کرتے دیکھا تھا۔ اور وہی روش اختیار کرتے جس پر خاتم الانبیاء کو چلتے ملاحظہ فرمایا تھا۔

مولوی شبلی صاحب اور بنوامیہ زمانہ حال میں حضرت ابوبکر و عمر و خاندان بنوامیہ کے بہت زبردست حامی مداح اور پرستار مولوی شبلی صاحب گزرے ہیں۔ اب ذرہ آپ کے الفاظ میں بھی بنوامیہ کی حالت سنتے چلو۔ لکھتے ہیں "حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنھوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا۔ سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۹) "بنوامیہ نے دمشق میں پایۂ تخت قائم کیا۔ در شاہانہ شان و شوکت میں کسرے و قیصر کی ہمسری کی" (صفحہ ۱۲۵) "اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خاندان ہاشم اور بنوامیہ برابر کے حریف تھے۔ اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔ نا تربیت یافتہ اور تند خو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔ آج ہندوستان اسقدر

تھی ۔

مہذب ہوگیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہوجاتا ہے۔
اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس سرزمین پر بارہا خون کا بادل برس
چکا تھا۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔ قلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ
معبودوں سے مزین تھی جن میں ہبل خدائے اعظم تھا۔ یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔
پانی برساتے تھے۔ اولادیں دیتے تھے۔ معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔ خدا یا تو سرے
سے نہ تھا۔ یا تھا تو وجود معطل تھا۔ اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کردینا تھا،
لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اس لئے قریش
شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہونچنے کا اندیشہ
تھا اُسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔ قریش کا رئیس اعظم حرب ابن اُمیہ تھا۔۔۔ اس
کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا اس
لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی۔ ابوجہل اس کا بھتیجا تھا
اور وہ بھی قریش میں امتیاز رکھتا تھا۔ ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کرسکا
لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔۔۔ قریش کی عنان حکومت ان ہی رؤسا کے
ہاتھ میں تھی اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ قریش کے اور اکابر
انہیں لوگوں کے زیر اثر تھے اور اس وجہ سے اعدائے اسلام میں اُن کے نام ہر جگہ نمایاں
آتے ہیں۔۔۔ ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلے نہایت
ممتاز اور حریف یک دگر تھے۔ بنو ہاشم و بنو امیہ۔ عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے
بنو ہاشم کا پلہ بھاری کردیا تھا لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا
ہوا۔ ابوطالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدچلن تھا
اسی بنا پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے
(ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلعم کی مخالفت
کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس
لشکر رہا۔ عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلعم کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت

افسوس

میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈالی تھی ڈھوئی تھا... ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے... اس طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے آنحضرت ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متنزلزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے... مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا یہ تھا کہ جو معبود سیکڑوں برس سے عرب کی حاجت روائے عالم تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا اور ان کی شان میں کہتا تھا انتم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم "تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہونگے (سورۂ انبیاء) ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خون ریزیاں شروع ہو جائیں لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا... وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑینگے اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائیگا (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) غرض تمام قریش سے عام طور پر اور بنو امیہ سے خاص طور پر جس قدر ہو سکا حضرت رسول خدا صلعم کو ستانے اور پریشان کرنے میں کوشش کر لی لیکن حضرت کے استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہوا۔ اسی قوت اور صبر سے اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آخر خدا نے حضرت کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو جناب امیرؑ کو اپنے فرش پر سلا کر آنحضرتؐ مکہ سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے۔ اور مدینہ میں جا کر مستقل سکونت اختیار کر لی جو تقریباً ۳۰۰ میل مکہ سے اتر جانب ہے۔ اب تو چاہیئے تھا کہ بنو امیہ کی عداوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور مخالفت کی آگ دھیمی پڑ جاتی کیونکہ اصل سبب مکہ سے مدینہ میں منتقل ہو گیا تھا۔ لیکن کیا اب بھی بنو امیہ باز رہے؟ کیا انہوں نے حضرت کو خصوصاً اور بنو ہاشم

سے نے

کو عموماً ستانا ترک کر دیا؟ کیا انہوں نے اسلام کی دشمنی سے ہاتھ کھینچ لیا؟ افسوس تاریخ کے اوراق ان کل سوالوں کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ حضرتؐ کے مدینہ بجکر چلے آنے کی وجہ سے وہ اور زیادہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے جس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کا جو جو دن آگے بڑھتا تھا بنوامیہ کی دشمنی تیز ہی ہوتی چلی جاتی تھی۔ بلکہ اب بنوامیہ مدینہ والوں کے بھی دشمن ہو گئے اس بہانے سے کہ انھوں نے حضرت رسولؐ اور مسلمانوں کو پناہ کیوں دی۔ ان لوگوں نے رسولؐ کی حمایت کا بیڑا کیوں اٹھایا۔ ان لوگوں نے دین اسلام کو قبول کیوں کیا۔ غرض بنوامیہ کا جوش انتقام کسی طرح کم نہیں ہوتا بڑھتا ہی جاتا تھا۔ بلکہ اب یہ ان کے لئے اور زیادہ مصیبت ہو گئی کہ پہلے اسلام کا حلقہ زیادہ تر مکہ ہی تک پھیلا تھا۔ اب وہاں سے نکل کر دوسرے شہروں میں بھی اس کی اشاعت کا کافی سامان نظر آنے لگا۔ آخر مدینہ میں آکر یہ لوگ مسلمانوں سے لڑے اور پوری طاقت سے لڑے لیکن پہلے ہی غزوۂ بدر میں بری طرح شکست اٹھائی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ اس نے بدر سے واپس جا کر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہ لے گا نہ غسل جنابت کریگا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ پر بڑھا" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۶۶)۔ غور کرو اب رسول اللہ بنوامیہ کا کیا نقصان کر رہے ہیں؟ حضرت نے تو ان کا وطن بھی چھوڑ دیا۔ اور وہاں سے بہت دور نکل آئے۔ اب تو یہ لوگ آنحضرتؐ کو چھوڑ دیتے۔ حضرت ان کی کوئی دولت نہیں چھین رہے تھے۔ کوئی جائداد نہیں نکال رہے تھے۔ بلکہ خدا کے سچے مذہب کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اگر بنوامیہ کو یہ بات ناپسند تھی تو حضرت کو آپ کے حال پر چھوڑ دیتے۔ اسلام پھیلتا تو ان کا کچھ بھی نہیں لے لیتا اور رک جاتا تو ان کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔ لیکن بنوامیہ میں رسولؐ کی عداوت دو آتشہ تھی۔ ایک یہ کہ آپ مذہب اسلام کا نام ہی کیوں لیتے ہیں۔ لوگوں کے اخلاق کیوں درست کرتے ہیں۔ لوگوں کو سیدھے راستہ پر لگانے کی کوشش ہی کیوں کر رہے ہیں۔ دوسری یہ کہ سب باتیں بنوہاشم کے سردار محمد مصطفےٰ صلعم کے ذریعہ سے کیوں ہو رہی ہیں۔ لوگ آپ کو خدا کا

حضرت

رسول اور اللہ کا معزز پیغمبر کیوں مان رہے ہیں ۔ یہ عزت بنو امیہ ہی سے کسی شخص کو کیوں نہیں ملی ۔ یہی وہ خیالات تھے جو بنو امیہ کو اسلام، مسلمانوں اور حضرت رسولخدا صلعم کے خون کا پیاسا بنائے ہوئے تھے ۔ اب غزوۂ بدر کے انتقام کا خون کھولنے لگا ۔ ابوسفیان نے ۳ ھ میں پھر حملہ کر دیا ۔ اور احد کی مشہور لڑائی پیش آئی ۔ جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ابوسفیان کی خوشی کا حال کون بیان کر سکتا ہے ۔" ابوسفیان نے کہا ۔ اعل ھبل ۔ اے ہبل ! تو اونچا رہ ۔ صحابہ نے آنحضرتؐ کے حکم سے کہا اللہ اعلیٰ و اجل ۔ خدا اونچا اور بڑا ہے ۔ ابوسفیان نے کہا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم ۔ ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس نہیں ۔ صحابہ نے کہا اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم ۔ خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں ۔ ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے ۔ فوج کے لوگوں نے مردوں کے ناک، کان کاٹ لئے ہیں ۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا ۔ لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا ... خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا ۔ ان کے ناک، کان کاٹ لئے، ہند (امیر معویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا ۔ حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اتر نہ سکا ۔ اس لئے اگل دینا پڑا ۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بناپر لکھا جاتا ہے" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۸) ۔

ان واقعات کے ذکر کرنے سے مقصود غزوات رسولؐ کی تشریح نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے جو اسلام کے بڑے ہی خواہ، مسلمانوں کے اعلیٰ درجہ کے خیر خواہ کہے اور سمجھے جاتے ہیں ۔ مکہ معظمہ سے حضرت رسولخدا صلعم کے ہر وقت ساتھ ساتھ رہے ۔ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ جس نے جو جو کیا تھا ۔ وہ سب دیکھتے رہتے تھے ۔ بنو امیہ کی ان تمام عداوتوں کے دیکھنے کے بعد انہیں بنو امیہ کو اسلام پر مسلط کر دیا ۔ جس کے انجام میں امام حسینؑ شہید کئے گئے ۔ کیا سمجھ کر اس قدیم دشمن کے خاندان کو اسلام حوالہ کر دیا ۔ جس خاندان کے لوگوں کی شقاوت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے مردوں نے لاشوں کی ناک

حسینؑ

کان کاٹ لئے اور عورتوں نے ان ناک کان کا ہار بنایا اپنے گلے میں پہنا اور مُردوں کا پیٹ چاک کرکے ان کا کلیجہ نکالا اور چبایا ان کو اسلام میں ایسا اقتدار دے دینا کس غرض سے تھا؟ مشہور مثل ہے کہ دودھ کا جلا مٹھا پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر کو بنوامیہ کے حالات سے اس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی کہ اُن کو اُنہیں کے حال پر چھوڑ دینے کے سوائے اُن کی طرف ادنیٰ توجہ بھی مناسب نہیں تھی۔ کسی حالت میں اُن کا کام لینا بھی جائز نہیں تھا۔ اور جس طرح والدین اپنی اولاد کو ہر سانپ بچھو سے ہمیشہ بچائے رہتے ہیں حضرت ابوبکر و عمر اسلام اور مسلمانوں کو بھی بنوامیہ سے اسی طرح محفوظ رکھتے اور جس قدر ممکن ہوتا ان کو دور اور علیحدہ ہی رکھنے کی جدوجہد کرتے رہتے۔ لیکن ان سب کے عوض اُن دونوں صاحبوں نے بنوامیہ کو نہ صرف سر چڑھایا بلکہ اسلام کے سینے ہی پر اُن کو بٹھا دیا۔ اگر بنوامیہ کی عداوت اتفاقی بات ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ ایک غلطی کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے اسلام کے بدخواہ کیوں مان لئے جاتے۔ لیکن حضرت ابوبکر و عمر تو ابتدائے اسلام سے دیکھتے تھے کہ بنوامیہ ایک سکنڈ کو بھی اپنی عداوت سے باز نہیں آتے اور ان کی اگر غرض ہی اب یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اسلام اور مسلمانوں کو ستاتے رہیں۔ پھر حضرت ابوبکر و عمر نے ان کو اسلام کا سردار اور مالک بنا دیا تو ان دونوں صاحبوں کو اسلام کا کیا سمجھا جائے؟ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی۔ حضرت رسولؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہ تک شہید کر دیئے گئے تھے۔ بنوامیہ کے دل کو کچھ تسکین ہو جانا چاہیے تھی۔ اور اب حضرت رسولؐ کو چین سے بیٹھنے دینا تھا۔ لیکن روز بروز ان کی سختیاں بڑھتی ہی گئیں۔ ۵ھ میں ابوسفیان نے یہودیوں کو ملا کر اور تمام قبائل عرب سے لشکر گراں لے کر پھر مدینہ کا رخ کیا۔ کل فوجوں کا سردار یہی تھا۔ غزوۂ احزاب میں اسلام کی فوج کو کافروں کی جماعت نے ختم کر دینے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ۲۴ ہزار کفار ابوسفیان ہی کی سرداری میں اسلام کا نام و نشان مٹانے پہونچ گئے تھے۔ غرض "قریش" یہود اور قبائل عرب کی ۲۴ ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی

کو

زمین دہل گئی" اسی غزوہ میں حضرت علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا۔ اور اسلام کی فتح ہوئی۔ مگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ ابوسفیان اور اس کا خاندان اسلام کا ایسا خونخوار دشمن ہے۔ جو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اسلام کے خلاف ابھارتا اور اس کا دشمن بنا رہتا ہے۔ اس وجہ سے اُن دونوں صاحبوں کو اور زیادہ بنو امیہ کی (گویا) فطرت سے واقف رہنا چاہیئے تھا۔ اور وہ لوگ کتنی ہی خوشامدیں کرتے مگر کبھی ان کی قوت بڑھنے کا سامان ہونے دینا مناسب نہیں تھا۔ چہ جائیکہ خود اُن کو اتنا معزز عہدہ دینا اور ایسے اہم حصۂ عرب (شام) کی حکومت حوالہ کرنا۔ یہانتک کہ فتح مکہ میں بھی جب ابوسفیان نے صرف اپنی جان کے ڈر سے اسلام کا اقرار کر لیا اور موت کے پنجہ سے بچ گیا تو سب دیکھنے والوں نے یہی سمجھا اور یہ اعلان کر دیا کہ یہ تو برائے نام محض ظاہری طور پر اسلام کا دعویٰ کر رہا ہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس کو اچھی طرح جانتے تھے۔ مگر افسوس ایک طرف تو ان دونوں بزرگوں نے اسلام کے حقیقی بہی خواہوں (حضرات اہلبیت) کو اسلام کی حفاظت سے علیحدہ کر دیا۔ اور دوسری طرف اسلام کے حقیقی دشمنوں (بنی امیہ) کو اس کی لگام دیدی کہ اس کے ساتھ جو برتاؤ چاہیں کریں۔ ابوسفیان نے اگرچہ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت اسلام کا اقرار کر لیا۔ مگر اس کے اسلام کی حالت کی تفصیل اوپر ذکر کر دی گئی۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ ۱۳ھ میں جنگ یرموک ہوئی جس میں مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا۔ اس جنگ میں ابوسفیان کی یہ حالت تھی کہ دور سے کھڑا لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب اُس کو انداز ملتا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گی اور رومی غالب آجائیں گے تو خوشی سے بےچین ہو جاتا۔ اور بے اختیار کہہ اٹھتا تھا "ایہ بنی الاصفر۔ واہ واہ۔ رومیو! شاباش خوب لڑتے ہو۔ اب مار لیا ہے۔ اور جب اسلامی فوج تیزی سے حملہ کرتی اور رومیوں کے دبنے کا انداز ملتا تو اس کا منہ اتر جاتا اور رنجیدہ ہو کر یہ شعر پڑھنے لگتا ؎ و بنو الاصفر الملوک ملوک + الروم لم یبق منھم مذکور (یعنی روم والے بادشاہ بڑے عالی شان بادشاہ ہیں مگر ہائے افسوس اب تو اس سلطنت کے عظیم الشان بادشاہوں

خط

کا نام مٹا جاتا ہے۔ ابوسفیان کی ان حرکتوں کو عبد اللہ بن زبیر (حضرت ابوبکر کے نواسے) دیکھ رہے تھے۔ جب مسلمانوں کو اس جنگ میں پوری فتح حاصل ہوگئی اور لوگ اپنی اپنی جگہ واپس گئے تو عبد اللہ نے اس حکایت کو اپنے باپ (زبیر) سے بیان کیا۔ اس پر زبیر نے کہا۔ خدا اُس پر لعنت کرے۔ اُس کے دل میں نفاق کے سوائے کچھ نہیں۔ یہ کبھی اپنے نفاق (پوشیدہ کفر) سے باز نہیں آئے گا۔ کیا ہم لوگ (اہل اسلام) اس (ابوسفیان) کے لئے روم والے (عیسائیوں) سے بہتر نہیں ہیں؟ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۱۱)۔ قابل غور یہ حادثہ ہے کہ خود حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جنگ یرموک ہوئی اور اس میں ابوسفیان کے کفر کی ایسی واضح علامت نظر آئی جس کے بعد اس کی حالت کا کسی کو ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا تھا مگر بھی حضرت ابوبکر و عمر نے اس خاندان سے مسلمانوں کے محفوظ رکھنے کا خیال تک نہیں کیا۔ اور اچھی طرح سمجھ کر اس کو شام ایسے زرخیز ملک کی حکومت حوالہ کر دی گئی۔ اسلام کے باغیوں ہی کو اسلام پر مسلط کر دینے میں اس کے سوائے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ حضرت اول و دوم سے ذاتی طور پر خوش رہیں۔ خواہ اسلام اور اہل اسلام کا نقصان ہوتا رہے۔ اگر کوئی اور شخص خاندان بنوامیہ کے ان حالات کو دیکھ کر انہیں مسلمانوں پر مسلط کر دیتا تو دنیا اُس کو ایک سکنڈ کے لئے بھی اسلام کا ہمدرد اور خیر خواہ کہہ سکتی تھی؟ لیکن حضرت ابوبکر و عمر یہ انتظامات کرتے رہے تو کوئی کیا بول سکتا ہے؟۔

شہادت امام حسینؑ کی عمارت کی چودھویں اینٹ معویہ

یزید بن ابوسفیان نے ۱۸ھ یا ۱۹ھ میں وبائے طاعون سے شام ہی میں انتقال کیا تو حضرت عمر نے اس کے بھائی معویہ کو اس کی جگہ شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ یہاں معویہ کی پوری حالت دیکھ لینی چاہیئے۔ علامہ ابن عبد البر نے اس کے جو حالات لکھے ہیں ان کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ "معویہ کا باپ ابوسفیان اور ماں ہند تھی (جس نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا)۔ اس کی کنیت ابو عبد الرحمان تھی وہ اور اس کا بھائی (یزید) اور باپ (ابوسفیان) تینوں فتح مکہ کے وقت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ابو عمر کا قول ہے کہ معویہ اور اس کا باپ مؤلفۃ القلوب لوگوں میں سے ہیں۔ جب اس کے بھائی یزید کی موت شام میں واقع ہوگئی تو حضرت عمر نے معویہ ہی کو یزید کی جگہ شام کا گورنر

لکھا

مقرر کر دیا۔ ذی الحجہ ۱۹ھ میں یزید نے انتقال کیا۔ اور اپنی جگہ اپنے بھائی معویہ کو گورنر بنا دیا۔ جب حضرت عمر کو معلوم ہوا تو آپ نے معویہ کو شام کا مستقل گورنر مقرر کر دیا اور اس کا مشاہرہ ایک ہزار اشرفی ماہوار مقرر کیا۔ حضرت عمر کو یزید کے مرنے کی خبر ملی تو جزع فزع شدید ہوا۔ آپ کو نہایت صدمہ ہوا۔ پھر معویہ کو لکھ بھیجا کہ میں تم ہی کو اب شام کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔ اس طرح وہ چار سال تک اطمینان سے شام کی گورنری کرتا رہا۔ جس کے بعد حضرت عمر کی رحلت ہو گئی تو حضرت عثمان نے بھی اس کو اسی طرح وہاں کا حاکم رکھا۔ ان کے عہد میں بھی بارہ سال تک معویہ ہی شام کا گورنر رہا۔ حضرت عثمان کے بعد اسلام میں فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے اور معویہ پانچ سال تک حضرت علی سے لڑتا رہا۔ دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ جب یزید کے موت کی خبر قاصد شام سے حضرت عمر کے پاس لایا اس وقت ابو سفیان وہیں موجود تھا جب حضرت عمر یزید کے مرنے کا خط پڑھ چکے تو ابو سفیان سے کہا کہ خدا تم کو یزید کی موت پر اچھا صبر عطا کرے اور اس پر اپنی رحمت نازل کرے۔ یہ سُن کر ابو سفیان اپنے بیٹے یزید پر نہ رویا، نہ چیخا، نہ آہ کی، نہ افسوس کیا بلکہ، فوراً حضرت عمر سے پوچھنے لگا کہ اے سرکار! پھر اس کی جگہ آپ نے شام کا گورنر کس کو مقرر کیا؟ حضرت عمر بولے اس کے بھائی معویہ کو۔ ابو سفیان یہ سنکر خوش ہو گیا۔ اور کہا آپ نے قرابت کا اچھا پاس و لحاظ کیا۔ معویہ کو شام کا گورنر مقرر کرنے کے بعد جب حضرت عمر خود ملک شام گئے اور معویہ کی دنیا پرستی دیکھی تو اس سے یا دوسرے لوگوں سے اس کے بارے میں کہنے لگے کہ ھذا کسریٰ العرب۔ یہ تو ملک عرب کا کسریٰ بن گیا!!! جب حضرت عمر بڑھتے بڑھتے معویہ کے قریب پہنچ گئے تو دونوں صاحبوں میں اس طرح باتیں ہونے لگیں

حضرت عمر۔ کیوں معویہ! یہ شان و شوکت کی سواری تمہاری ہی اور یہ شاہانہ جلوس تمہارا ہی ہے؟۔

معویہ۔ ہاں سرکار۔ یہ سب اہتمام اور جاہ و جلال میرے ہی جلوس کا ہے۔

حضرت عمر۔ ہم کو برابر معلوم ہوتا رہتا ہے کہ تم ہمیشہ بادشاہی دربار لگاتے رہتے ہو اور تمہارے دروازے پر صاحبان حاجت و ارباب ضرورت کی بھیڑ لگی رہتی ہے جس طرح دنیادار بادشاہوں کے ہاں اژدہام ہوتا ہے۔ ان سب کے ساتھ اب اپنی آنکھوں سے تمہارے اس شاہانہ جلوس

کہ

کو بھی دیکھ رہا ہوں۔

معاویہ۔ حضور! ہاں جو کچھ آپ نے سنا ہے وہ سب درست ہے اور ان سب کے ساتھ میرا یہ شاہانہ جلوس بھی ہے۔ مجھے ان سب باتوں کا اقرار ہے۔

حضرت عمر۔ پھر اس قدر دنیا پرستی کا سبب کیا ہے؟۔

معاویہ۔ سرکار عالی! ہم لوگ ایسے ملک میں ہیں۔ جہاں دشمنوں کے جاسوس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم لوگوں پر واجب ہے کہ بادشاہت کی شان وشوکت اس درجہ ظاہر کرتے رہیں جس سے دشمنوں پر ہم لوگوں کا رعب داب اور خوف وہیبت قائم رہے۔ اب اگر حضور عالی اجازت دیں تو میں یہی شان وشوکت باقی رکھوں۔ اور اگر اس سے منع کریں تو سب موقوف کر دوں۔

حضرت عمر۔ ما اسالک عن شیئ الا ترکتنی فی مثل رواجب الضرس میں جب تم سے کوئی بات دریافت کرتا ہوں تو تم مجھ کو گویا ایسی حالت میں کر دیتے ہو جس میں انسان اپنے دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹنے لگتا ہے (غالباً مقصود یہ ہے کہ میں حیرت اور تردد کے عالم میں پڑ جاتا ہوں کہ کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ کیا سمجھوں اور کیا نہیں۔ تمھاری باتوں کو درست مانوں یا غلط خیال کروں، یہ سمجھوں کہ تم مجھ سے جعل و فریب اور مکر و زور کر رہے ہو۔ اور اس طرح اپنے عیوب پر پردہ ڈال کر اور اپنی دنیا داریوں کا بہانہ کر کے سزا سے بچنا چاہتے ہو یا واقعتاً عذر معقول ہے۔ رواجب کے متعلق فرقہ اہلحدیث کے پیشوائے اعظم مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "انگلیوں کی گرہیں اندر کی طرف اور براجم اوپر کی طرف کی گرہیں۔ یہ راجبہ یا رجبہ کی جمع ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱ ص ۳۳)۔ اور ضرس کے متعلق لکھتے ہیں" ضرس ڈاڑھ یا دانت حضرت عمر کا قول ہے کان تلعابۃ فاذا فزع فزع الی ضرس حدید یا الی ضرس حدید حضرت علی جو شیر خدا بڑے ظریف اور زندہ دل آدمی تھے۔ ہر ایک سے نرمی اور ملائمت اور ظرافت اور خوش طبعی کے ساتھ پیش آتے جیسے جواں مردوں اور بہادروں کا شیوہ ہے مگر جب کوئی ان کی پناہ لیتا دشمن سے ڈر کر آپ کی پناہ میں آتا تو اس نے ایک لوہے کی طرح سخت شخص سے پناہ لی۔

آپ

یا ایک سخت ٹیلے کی آڑ تلی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ خوش خلق۔ ہنس مکھ نرم مزاج سردار تھے۔ لیکن جنگ میں ایسے سخت اور قوی تھے کہ خدا کی پناہ۔ بہادروں کا یہی دستور ہے اور جو لوگ تھان کے تڑے ہوتے ہیں وہ جنگ کے وقت محض بزدل اور نامرد نکلتے ہیں۔ میں نے کئی بار اس کو آزمایا ہے آپ کی بہادری کا کیا کہنا۔ جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ بڑے بڑے پہلوانوں کو ایک وار میں نیچا دکھایا۔ ایک بار جنگ صفین میں معویہ کے غلام نے آپ کے غلام کو مار ڈالا۔ آپ فرط غیظ و غضب سے اس غلام کے مقابلہ میں خود چلے گئے۔ لوگوں نے منع بھی کیا کہ امیر المومنین ایک غلام سے مقابلہ کرنا آپ کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ فرمایا قتلنی اللہ ان لم اقتلہ اگر میں اس کو نہ ماروں تو اللہ مجھ کو مار ڈالے۔ یہ فرما کر نکلے اور اس غلام مردود کا ایک وار میں کام تمام کیا۔ معاویہ کو آواز دی کہ خلق خدا کی خونریزی کیوں کراتے ہو۔ آؤ ہم تم لڑلیں۔ جس کو اللہ حکومت دے وہ حکومت کرے۔ عمرو عاص نے جو معاویہ کے وزیر اور مشیر خاص تھے معاویہ سے کہا علی سچ تو کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہائے تیری خرابی! بھلا علیؑ سے کوئی میدان میں غالب ہو سکتا ہے؟ اگر تم ایسے ہی بہادر ہو تو تم ہی جاؤ۔ اور عمرو کو بہت غیرت دلائی۔ آخر عمرو دل ناخواستہ جنگ کے لئے نکلے۔ حضرت علیؑ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ارے نابغہ کے بیٹے آ۔ نابغہ عمرو کی ماں تھی۔ اور شیر ژیاں کی طرح اُن پر حملہ کیا۔ وہ لوگ دم جان بچا کر بھاگے۔ آپ نے اُن کا تعاقب کیا۔ انھوں نے جان بچانے کے لئے اپنا ستر آپ کے سامنے کھول دیا۔ آپ لا حول پڑھ کر لوٹ آئے۔ ابن ملجم ملعون کی کیا مجال تھی کہ حضرت حیدری کے مقابل ایک منٹ بھی ٹھہرتا مگر نامردوں کی طرح رات کے وقت اندھیرے میں جب آپ نماز کے لئے جا رہے تھے اور بالکل غافل تھے سر مبارک پر زہر آلود تلوار کا وار کیا لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ۔ کان ماشاء من ضرس قاطع۔ جیسے ہم چاہتے تھے حضرت علیؑ ویسے ہی تھے۔ اپنے ارادوں کو پورا کرنے والے یعنی صاحب عزم اور ہمت، قوت فیصلہ رکھنے والے۔ امام حسین علیہ السلام اپنے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰ کی طبیعت پر تھے بہادر اور شجاع، جان جائے پر بات نہ جائے۔ اور اسی لئے اپنا مرنا اور اپنے سب یاروں اور

تشریف

عزیزوں کا مارا جانا منظور کیا مگر ابن زیاد بدنہاد کے حکم پر اُترنا منظور نہ کیا۔ اور ہمارے بڑے شہزادے جناب امام حسن علیہ السلام آنحضرتؐ کی طبیعت پر تھے، نہایت دانشمند اور انجام بین وقت اور موقع اور محل کو دیکھ کر کام کرنے والے جیسے آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں کافروں سے دب کر مصلحۃً صلح کر لی تھی ویسے ہی حضرت امام نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا اعتبار نہیں۔ اُن کے دلوں میں خیانت بھری ہوئی ہے۔ اُدھر معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے، اسلام تباہ ہوا جاتا ہے، تو ناچار آپ نے دفع الوقتی کر کے معاویہ سے صلح کر لی۔ اب جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے بخوشی معویہ کو خلافت دیدی اور معاویہ کی خلافت صحیح اور شرعی ہو گئی انہوں نے حالات اور وقائع پر غور نہیں کیا۔ اصل یہ ہے کہ امامؑ اُس وقت کے حالات کے اوپر نظر کر کے مجبور ہو گئے اور آپ نے ایک ضرر عظیم سے بچنے کے لئے ضرر خفیف کو گوارا کیا۔ پس درحقیقت یہ صلح امامؑ کی طرف سے صحیح اور جائز تھی لیکن معاویہ کی طرف سے ناجائز اور محض ظلمی اور جبری تھی۔ جیسے صلح حدیبیہ آنحضرتؐ کی طرف سے جائز اور صحیح تھی لیکن مشرکوں کی طرف سے ظلمی اور جبری تھی۔ اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ اس میں بڑے بڑے علماء کو دھوکا ہو گیا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۵ صفحہ ۲۷) جس طرح بڑے بڑے علماء کو دھوکا ہو گیا ہے مولوی وحید الزمان خاں صاحب کو بھی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے متعلق فرق کرنے میں ذرہ دھوکا ہو گیا۔ جس طرح امام حسنؑ نہایت دانشمند، انجام بین، وقت اور موقع اور محل کو دیکھ کر کام کرنے والے تھے بالکل اسی طرح امام حسینؑ بھی نہایت دانشمند، انجام بین، وقت اور محل و موقع کو دیکھ کر کام کرنے والے تھے۔ البتہ دونوں بزرگ خدا اور رسولؐ کے احکام کے پابند تھے۔ امام حسنؑ کو حضرت رسول خدا صلعم کا حکم تھا کہ صلح کر لینا اس وجہ سے حضرت نے معویہ سے صلح کر لی۔ اور امام حسینؑ کو حضرت رسولؐ کا حکم تھا کہ جام شہادت پی لو تاکہ تمہارے خون سے مردہ اسلام سیراب ہو کر زندہ ہو جائے اس وجہ سے امام حسینؑ نے خوشی سے شہادت کا درجہ حاصل کر لیا۔ (واجب الضرس غالباً کوئی عربی مثل ہے۔ عربی لغت سے جو کچھ معلوم ہو سکا اوپر لکھا گیا۔ حضرت عمر کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ معویہ سے انہوں نے کہا تم بڑے چالاک

لائیے

ورمکار ہو۔ میں جب تم سے کوئی بات پوچھتا ہوں تو اپنے مطلب کے مطابق اُس میں کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لیتے، کوئی نہ کوئی عذر پیدا ہی کر لیتے اور کوئی نہ کوئی حیلہ تراش ہی لیتے ہو جس کے بعد میں "انگشت بدندان" رہ جاتا ہوں کہ تمھاری تاویل کا کیا جواب دوں۔ تمھارے حیلہ کی کیا رد کروں اور تمھاری چالاکیوں اور مکاریوں کا کس طرح علاج کروں؟ ۔ خیر اس وقت تم نے جو بات بنائی اگر وہ حق ہے تو یقیناً ایک عقلمند اور ہوشیار آدمی کی رائے ہے۔ اور اگر وہ باطل ہے تو یقیناً ایک زباندان کا دھوکا اور فریب ہے۔

معویہ ۔ اچھا سرکار۔ اب آپ جو مناسب سمجھیں مجھے حکم دیں کہ اُسی پر عمل کروں گا۔

حضرت عمر ۔ نہیں نہیں۔ میں تم کو نہ کسی امر کا حکم دونگا، نہ کسی بات سے منع کرونگا۔

عمرو بن العاص (حضرت عمر سے) اے سرکار! حضور نے معویہ کی گرفت کر کے جس بڑی مصیبت میں ان کو ڈالنا چاہا تھا اُس سے یہ کس خوبصورتی سے باہر نکل آئے۔

حضرت عمر ۔ معویہ کی انہیں خوبیوں کی وجہ سے کہ جس کام کو کرتے ہیں بڑی خوبی سے کرتے ہیں اور جس مصیبت سے نکلنا چاہتے ہیں بڑی چالاکیوں سے نکل آتے ہیں ہم لوگوں نے ان کے ذمہ یہ سب کام کئے ہیں جو ان کے ہاتھ میں نظر آرہے ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت عمر کے سامنے معویہ کو برا کہا اور اس کی مذمت کی تو حضرت عمر نے کہا دیکھو قریش کے اس جوان کی برائی سے ہم لوگوں کو معاف کرو جو غضب کی حالت میں بھی ہنستا ہی رہتا ہے۔ اور جو چیزیں اُس کے پاس ہوتی ہیں وہ بغیر اُس کی خوشی کے کسی کو مل نہیں سکتیں اور جو چیزیں اُس کے سر کے اوپر ہوں گی وہ بھی اس کے دونوں پاؤں کے نیچے ہی سے نکالی جا سکتی ہیں۔ ... وہ ۲۶ رجب سنہ ۶۰ھ کو مر گیا۔ وہ پہلا وہ شخص ہے جس نے اپنے بیٹے کو ولی عہد اور اپنے بعد اپنا خلیفہ حالت صحت میں مقرر کیا تھا۔ اور زہری کہتے تھے کہ معویہ پہلا وہ شخص ہے جس نے مُہر کا دیوان ایجاد کیا۔ اور نوروز و مہرجان کے تحفوں کا حکم دیا۔ اور مسجدوں میں حجرے بنوائے (عربی عبارت اتخذ المقاصیر ہے۔ اس کے بارے میں مولوی وحید الزمان خان صاحب نے لکھا ہے "ھذہ المقاصیر انما احدثها الجبارون"۔ ان حجروں یا محلوں کو تو ظالم بادشاہوں

ہم

نے نکالا ہے۔ جو کوئی اُن کے باہر رہ کر اُس شخص کی اقتدا کرے جو اُن کے اندر ہو تو اُس کی نماز درست نہ ہو گی" (انوار اللغہ۔ پارہ ۲۱ ص ۹۳)۔" ابوسفیان حضرت سلمان فارسی کے سامنے سے گزرا تو انھوں نے کہا اس کی گردن میں مسلمانوں کی تلواریں پڑنے کی جگہیں تھیں۔ یعنی یہ واجب القتل تھا کیونکہ پیغمبر صاحب اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ شاید حضرت سلمان نے یہ اُس وقت فرمایا ہوگا جب ابوسفیان مسلمان نہیں ہوا تھا۔ بعضوں نے کہا اسلام لانے کے بعد فرمایا۔ گو ابوسفیان مسلمان ہو گیا تھا لیکن ڈر کے مارے، جان کے خوف سے۔ اُس کے دل میں آنحضرت اور آپ کے اہلبیت کی اور مسلمانوں کی سچی محبت نہ تھی۔ اور جو کینہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں اسلام سے پہلے چلا آتا تھا وہ اُس کے دل سے نہیں نکلا تھا۔ جنگ حنین میں مسلمانوں کے فرار اور شکست پر خوش ہوا۔ وہ کہنے لگا اب یہ ساحل سمندر تک ٹھہرنے والے نہیں ہیں۔ آخر اسی کینہ کا اثر تھا کہ اُس کے بیٹے معاویہ نے خلیفۂ برحق سے مخالفت کی اور اسلام میں وہ رخنہ ڈال دیا جو آج تک بند نہ ہوا۔ پھر اُس کے پوتے یزید نے تو معاذ اللہ وہ ظلم اور الحاد اور کفر کی باتیں کیں جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ جب حجاج پر آسمان اور زمین والے سب لعنت کرتے ہیں تو یزید پلید پر کیونکر نہ لعنت کرتے ہوں گے۔ وہ تو حجاج سے بھی بڑھ کر خبیث تھا" (انوار اللغہ پارہ ۲۱ ص ۹۱)
اور وہ معاویہ پہلا وہ شخص ہے جس نے مسلمانوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کیا۔ جیسے حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کو۔ [عربی جملہ یہ ہے اول من قتل مسلما صبرا۔ اس صبر کے معنے مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے "کسی جانور کو باندھ کر پھر اُس کو پتھروں یا تیروں یا گولیوں سے مارنا۔ اس سے منع فرمایا۔۔۔ معاویہ نے حجر بن عدی کو قتل کیا اور معاویہ بن خدیج اور عمرو بن عاص نے محمد بن ابی بکر کو اور حجاج ظالم نے ہزارہا مسلمانوں کو۔ یہ صبرًا مقتول ہوئے اور ان کے خون کا وبال معاویہ اور عمرو بن عاص اور حجاج کی گردنوں پر ہے۔۔۔ حجاج ظالم نے ایک لاکھ بیس ہزار شخصوں کو صبرًا قتل کیا۔ اور یہ لوگ جو اُس کے ہاتھوں ناحق قتل ہوئے بڑے بڑے اکابر تابعین اور اولیاء اللہ تھے۔ اور کس جرم میں قتل ہوئے؟ اس جرم میں کہ حضرت علیؑ اور آنحضرتؐ کے اہل بیت کرام سے محبت رکھتے تھے۔۔۔

آپ

اور جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن عاص کو صحابیت کی وجہ سے واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انہوں نے غلطی کی۔ نفس صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا جیسے بی بی ام سلمہ نے آنحضرتؐ سے روایت کی آپ نے فرمایا بعضے اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمر کو ڈر ہوا اور بی بی صاحبہ سے پوچھا میں تو ان اصحاب میں نہیں ہوں؟ آپ جو آیتیں یا حدیثیں صحابہ کی فضیلت میں وارد ہیں اُن سے مراد وہی صحابہ ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ کے حقوق صحبت کو ادا کیا آپ کے اقربہ اور اہل بیت سے محبت رکھی۔ اُن کی حمایت اور امداد کی ... برخلاف معاویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے۔ اور حضرت علیؑ کو گالیاں دینے کے لئے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولیٹکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا۔ حالانکہ امام حسین علیہ السلام کے موجود ہوتے ہوئے یزید اُن کے پاخانہ کا لوٹا اُٹھانے کے بھی لائق نہ تھا اور اوپر گزر چکا کہ حضرت علیؑ نے معاویہ کو شیطان رویہ فرمایا اور حق بھی یہی ہے کہ جو کوئی معاویہ کے اعمال و افعال میں غور کرے اُس کو آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ معاویہ کی نیت محض دنیا طلبی اور تحصیل حکومت اور سلطنت تھی۔ اور قاتلین عثمان سے قصاص لینا ایک بہانہ تھا۔ بھلا اگر قاتلین عثمانؓ سے اُن کو قصاص لینا مقصود تھا تو جب امام حسن علیہ السلام خلافت سے دست بردار ہو گئے اور معاویہ کی حکومت جم گئی اُس وقت کیوں ان قاتلین کو گرفتار نہیں کیا اور اُن سے قصاص کیوں نہیں لیا بلکہ علی الرغم یہ منقول ہے کہ جب تک حضرت عثمان محصور اور زندہ رہے معاویہ نے مدد بھیجنے میں تاخیر کی اور جب آپ شہید ہو گئے اُس وقت اُن کے خون کے مدعی بن گئے۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے معاویہ کو لکھا کہ جب عثمان کی مدد کا وقت تھا اُس وقت تو تو نے اُن کو چھوڑ دیا اور جب تجھ کو فائدہ حاصل ہونیکا وقت ہے اُس وقت اُن کی حمایت اور امداد کا دم بھرتا ہے؟" (انوار اللغۃ پارہ ۴ ص ۱۰) وہی آنحضرتؐ کا صحابی ہے جو آپ سے اور آپ کے اہلبیت کرام سے سچی محبت اور الفت رکھتا

کا

ہو ورنہ صرف نام کی صحبت کافی نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے چند غلام ہوں جو
بادشاہ کی محبت کی وجہ سے آپس میں بھی ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں پھر ایک غلام اُن
میں سے اپنے بادشاہ سے باغی ہو جائے اُس کی آل اولاد عزیز واقربہ دوستوں کو قتل کر ڈالے
اُن کا دشمن بن جائے تو کیا اس کے بعد بھی اُس غلام سے محبت رکھیں گے۔ صرف اس وجہ سے
کہ وہ اُس بادشاہ کا غلام تھا؟" (انوار اللغۃ پارہ ۱۴ صفحہ ۱۲۰}

اور معویہ پہلا وہ شخص ہے جس نے اپنے سر پر نگہبانوں کو مقرر کیا کہ ہر وقت اس کی حفاظت
کرتے رہیں۔ اور وہ پہلا وہ شخص ہے جس کے ساتھ کوتل جانور کھینچے جاتے تھے۔ اور پہلا وہ شخص
ہے جس نے اسلام میں خصی لوگوں کی ایجاد کی {"خصار خصیے نکال لینا۔ اخصار خصی کرنا،
لواذن لہ۔ لاختصینا اگر آپ اس کی اجازت دیتے تو ہم خصی بن جاتے... لیس منا من
خصے۔ جو شخص خصی بنے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مسلمانوں کے طریق پر نہیں ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۷
غرض حضرت رسولخدا صلعم نے آدمیوں کے خصیے نکال کر ان کو خصی بنانے سے نہایت شدت سے
منع کیا مگر معویہ نے اُن تمام احکام کی مخالفت کر کے آدمیوں کو خصی بنوایا۔ اور اسلام میں اس ظلم
عظیم کی ایجاد کا سہرا بھی اُسی کے سر پر ہے}۔ اور معویہ ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے منبر کے زینوں
کو اتنا بڑھایا کہ پندرہ عدد تک پہونچا دیا اور کہا کرتا تھا کہ انا اول الملوک میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں
اس سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے کو خلیفہ رسول نہیں سمجھتا تھا۔ کیونکہ خلیفہ رسول سمجھنے کے لئے اپنے کو
مسلمان سمجھنا اور دل سے اس مذہب کا پابند ہونا ضروری ہے۔ وہ اپنے کو دنیا کے بادشاہوں
کی طرح ایک بادشاہ سمجھتا تھا خواہ کسی مذہب کا ہو) ابو عبد ربہ کہتا تھا کہ معویہ اپنی ڈاڑھی پر
ایسا چمکتا زرد خضاب یا رنگ لگاتا تھا جس سے وہ ڈاڑھی بالکل سونے کی معلوم ہوتی تھی۔ معویہ
کہتا تھا میں سفید بالوں کو اس طرح توجہ دیتا ہوں اور اسی طرح سنت ہے... جناب ابن
عباس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ایک دفعہ معویہ کے پاس کسی کو بھیجا کہ وہ جا کر حضرت
کے پاس کوئی چیز لکھ دے۔ وہ شخص معویہ کے پاس آیا۔ تو اُس کو خبر دی گئی کہ معویہ اس وقت
کھانا کھا رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت ؐ نے معویہ کے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا تو پھر بھی یہ جواب

ساتھ

ملا کر وہ کھا رہا ہے۔ یہ سنکر حضرت رسولؐ نے فرمایا لا اشبع اللہ بطنہ۔ اللہ اس کے پیٹ کو کبھی
بھرے۔ [بہت بڑے پیشوائے اہلسنت جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدرآبادی
نے لکھا ہے لا اشبع اللہ بطنہ یا بطنک آنحضرتؐ نے معویہ بن ابی سفیان کے حق میں فرمایا
اللہ اُس کا پیٹ نہ بھرے یا اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے۔ بس یہی ایک حدیث معاویہ کے باب میں
وارد ہے خواہ اس کو مذمت سمجھو یا منقبت۔ امام نسائی نے جب حضرت علیؑ کے فضائل بیان
کرنا شروع کئے تو ایک شخص نے اُن سے کہا تم نے معاویہ کی فضیلت میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟
انہوں نے کہا معاویہ کی فضیلت کہاں سے آئی! یا اُن کی فضیلت میں تو کوئی حدیث صحیح نہیں
ہوئی۔ ایسا ہی دوسرے حدیث کے امام سے بھی منقول ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی
حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ البتہ ایک حدیث تو ہے لا اشبع اللہ بطنہ۔ اس میں خارجی
اور ناصبی مردودوں نے آپ کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اُسی صدمہ سے شہید ہوئے۔
رضی اللہ عنہ۔ ہمارے زمانہ میں بھی اہل بیت علیہم السلام کی ایک کرامت ظاہر ہوئی جیسے اولیاء اللہ
سے بعد وفات بھی ایسی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ ایک سید محب اہل بیت نے معاویہ
کے حالات منقصت آیات میں ایک کتاب لکھی۔ یہ امر جھوٹے سنیوں کو جو درحقیقت خارجی
اور ناصبی ہیں ناگوار ہوا اور معاویہ کی طرفداری میں اُس بیچارے سید کو اخراج اور ملک بدر
کرانا چاہا۔ اللہ کی قدرت۔ چند ہی روز میں اُن طرفداران معاویہ پر عتاب شاہی نازل
ہوا اور وہ سب اخراج کئے گئے۔ شہر دہلی میں ایک خارجی صاحب نے امام حسین علیہ السلام
کی شہادت کا انکار کیا اور معاذ اللہ آپ کو بزدل قرار دے کر یہ بہتان جوڑا کہ آپ میدان
بلا سے بال بچوں اور عزیز و اقربا اور دوستوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔
اللہ تعالےٰ نے اپنا غضب اُس پر اُتارا۔ سر راہ اُس کی مرمت کی گئی اور تجارت اور سوداگری
برباد ہو کر تجویز حبس قرار پائی۔ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا
والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔ اللہ اور رسولؐ کو ایذا دینے والے بموجب نص قرآنی
ملعون ہیں اُن کے لئے ذلت کا عذاب طیار ہے۔ فرمائیے ہم کو معاویہ اور عمرو عاص اور سمرہ

دین

بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ کی حمایت کی ضرورت ہی کیا آن پڑی ہے۔ البتہ ہم اُن بزرگواروں کی ضرور حمایت کریں گے جنھوں نے مرتے دم تک اللہ و رسول ص کی محبت نہ چھوڑی۔ ... مگر معاویہ کا باپ تو آنحضرت ص سے عمر بھر لڑتا رہا، پھر اُس کا بیٹا حضرت علیؑ سے لڑتا رہا، اور خلیفۂ برحق سے باغی بن بیٹھا، ہزاروں مسلمانوں کا خون کر دیا۔ پھر اُس کے بیٹے نے تو معاذ اللہ سارے خاندانِ رسالت کو تباہ و تاراج کرا دیا۔ ایسے لوگوں کی حمایت درحقیقت اللہ اور رسول ص سے دشمنی کرنا ہے ہم اہلِ سنت کا یہ مشرب نہیں ہے کہ کسی پر لعنت کرنا یا کسی کو برا کہنا جزوِ ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے مگر ہم کو یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ اگر کوئی ان بدکاران دشمنانِ اہلِ بیت کی برائی کرے تو ہم اُن کی مدح و ثنا کریں بلکہ ہر حال میں سکوت اولیٰ ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ صـ۱۰) - ایک راوی بیان کرتا تھا کہ جب معاویہ مدینہ میں آیا تو اس سے ابو قتادہ انصاری کی اتفاقی ملاقات ہو گئی اور دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں —

معاویہ — اے ابو قتادہ! میں (شام سے) مدینہ میں آیا تو یہاں کے سب لوگ تو میری ملاقات کو آئے مگر تم گروہ انصار سے کوئی بھی نہیں آیا۔ اس کی کیا وجہ ہے —

ابو قتادہ۔ ہمارے پاس سواری کے جانور ہی نہیں ہیں تو ہم لوگ آئیں کیونکر؟ —

معاویہ۔ اگر سواری کے جانور نہیں ہیں تو پانی لانے والے اونٹ سب کیا ہوئے؟ —

{ مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے "قال للانصار وھذا قعد واعن تلقیہ لما حج ما فعلت نواضحکم۔ جب معاویہ حج کو آئے اور انصار اُن کے ساتھ مدینہ سے نہیں گئے تو معاویہ کہنے لگے تمھارے پانی لانے والے اونٹ کیسے ہیں؟ گویا معاویہ نے انصار پر طعنہ کیا کیونکہ وہ کھیتی باڑی والے لوگ تھے۔ اجی حضرت معاویہ! آپ کو کیا میسر تھا؟ فلکہ پاس نہ تھا۔ مفلس۔ قلاح۔ یہ ساری دولت اور عظمت جن لوگوں کے طفیل سے ملی اُن ہی کی تحقیر کرنے لگے اور جس خاندان کی جوتیوں کے صدقہ سے حکومت اور بادشاہت پائی اُسی کے دشمن بن گئے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ صـ) }—

گئے

ابوقتادہ ۔ جب تم اور تمہارا باپ (ابوسفیان) غزوہ بدر میں حضرت رسولؐ سے لڑتے تھے تو ہم لوگوں نے اسی دن تمہارے اور تمہارے باپ کی تلاش میں اُن سب اونٹوں کو پے کر ڈالا تھا۔

معٰویہ ۔ ہاں اے ابوقتادہ۔

ابوقتادہ ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے ہم لوگوں سے فرما دیا تھا کہ حضرت کے بعد ہم لوگوں کو بڑی بڑی حق تلفی کا سامنا ہوگا۔ {اثرۃ ۔ حق تلفی اور بلا استحقاق دوسرے کسی شخص کو عہدہ یا منصب یا عطا میں فضیلت دینا۔ یہ لفظ انصار کی حدیث میں ہے انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا ۔ تم میرے بعد دیکھو گے دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی تو صبر کئے رہنا۔ یعنی حاکم وقت سے بغاوت نہ کرنا" (انوار اللغۃ پارہ ۱ صـ ۹}۔

معٰویہ ۔ پھر حضرت نے اُس وقت تم لوگوں کو کیا کرنے کو کہا تھا؟

ابوقتادہ ۔ حضرت نے ہم لوگوں کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا۔

معٰویہ ۔ تو صبر کئے رہو۔ جب تک (قیامت میں) حضرت سے ملاقات کرو۔

جب عبدالرحمان کو معلوم ہوا کہ معٰویہ نے انصار کے بارے میں ایسے طعن آمیز کلام کئے ہیں تو یہ دو شعر اُس کے بارے میں نظم کر دیئے ہے الا ابلغ معویۃ بن صخر ۔ امیر المومنین عنی کلامی فانا صابرون و منظروکم ۔ الی یوم التغابن والخصام ۔ بے کوئی جو ابوسفیان کے بیٹے معٰویہ کو جو مسلمانوں کا بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ میرا کلام پہنچا دے کہ البتہ ہم لوگ (انصار) صبر کئے ہوئے بیٹھے اور تم لوگوں کو مہلت دیئے ہوئے ہیں اُس روز تک جو قیامت اور جھگڑوں کے فیصلہ کا ہوگا۔ مسور بن مخرمہ بیان کرتا تھا کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ معٰویہ کے ہاں گیا۔ جب وہاں پہنچا تو معٰویہ کو سلام کیا (مگر) اُس نے (سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ) کہا اے مسور تم جو چنتواؤں پر طعن اور اعتراض کرتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مسور نے کہا ان باتوں کو چھوڑ دو اور جس غرض کے لئے ہم لوگ تمہارے پاس آئے ہیں اس کے بارے میں کچھ مہربانی کرو (استیعاب چھاپہ حیدرآباد جلد اول صـ ۲۶۰ نامہ ۲۶۰)

ناظرین کتاب! معٰویہ کے زیادہ حالات سے آپ حضرات گھبرائیں نہیں ۔ ہم کو بھی معلوم

آپ

ہے کہ یہ کتاب معویہ کی سوانح عمری نہیں بلکہ "شہادۃ عظمیٰ" ہے۔ جس میں شہادت امام حسینؑ کے اسباب و علل سے بحث کی جا رہی ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اس شہادت کا سبب کم لگاؤ یزید سے اور بہت زیادہ تعلق حضرت ابوبکر و عمر کے برتاؤ اور معویہ کے مکمل حالات سے ہے۔ اس وجہ سے معویہ کے حالات میں اختصار کرنے سے اصل مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے بھی معویہ کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے

"معویہ بن ابی سفیان۔ ان کی والدہ ہند بنت عتبہ ہیں۔۔۔ یہ اور ان کے والد مؤلفۃ القلوب میں تھے۔۔۔ جب حضرت عمر شام میں تشریف لائے اور معویہ کو شان و شوکت سرداری میں دیکھا تو فرمایا یہ عرب کا کسریٰ ہے۔۔۔ ابن عباس کہتے تھے کہ رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا معاویہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ میں ان کے پاس جا کر واپس آیا اور کہا وہ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر فرمایا جاؤ اُن کو بلا لاؤ۔ میں دوبارہ اُن کے پاس گیا۔ اُن کو کھانا کھاتے دیکھ کر واپس آیا اور عرض کیا کہ وہ ابھی کھا رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا خدا کرے معاویہ کا پیٹ نہ بھرے۔۔۔ حضرت علیؑ سے بیعت نہیں کی اور دعوے قصاص حضرت عثمان کا کر کے حضرت علیؑ سے مقابلہ کیا ان کی اور حضرت علیؑ کے مابین جنگ صفین واقع ہوئی۔۔۔ سنہ ۴۱ھ میں امام حسنؑ نے ان کو خلافت دیدی۔۔۔ ماہ رجب سنہ ۶۰ھ میں انتقال کیا" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۸۵)۔ ہزاروں مورخین و محدثین اسلام نے اس واقعہ کو لکھا ہے کہ حضرت عمر نے شام میں آ کر معاویہ کی دنیا پرستی دیکھی تو اُن کو عرب کا کسریٰ کہا۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسریٰ ہونا اسلام کے لئے اگر اچھی بات تھی تو خدا نے حضرت رسولؐ کو اس سے کیوں محروم رکھا۔ جو فرمایا کرتے تھے۔ الفقر فخری (فقر تو میرے لئے باعث فخر ہے) اور اگر بُری صفت تھی تو حضرت عمر نے معویہ میں اس صفت کے دیکھنے کے بعد اس کی کیا اصلاح کی۔ اس کو شام کی حکومت پر کیوں باقی رکھا۔ اس کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو جو اسلامی مکارم اخلاق کا نمونہ ہوتا کیوں حاکم مقرر نہیں کیا؟ خود حضرت عمر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ بڑے زاہد، سادہ مزاج اور فقیر منش تھے۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو آپ نے اپنے صدا در

سے

علی معویہ کو کیوں شام کا گورنر باقی رکھا؟ ۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "امیر معاویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے ۔ شام کے سفر میں حضرت عمر نے اُن کے خدم وحشم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسرہ و العرب یعنی یہ نوشیروانی جاہ وجلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے ساتھ رہتا ہے اور اُن کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب وداب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمر نے پھر تعرض نہیں کیا... حضرت عمر کے زمانہ میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا۔ تاہم... امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچہزار روپیہ تھی" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۳۳) اتنی ہی عبارت سے بکثرت قابل عبرت باتیں نمایاں ہو جاتی ہیں ۔ حضرت عمر اسلام کے پیشوا بنے تھے یا دنیا کے بادشاہ؟ اگر اسلام کے پیشوا ہونے کا دعوٰی تھا تو معاویہ کو دنیوی بادشاہ کیوں بننے دیا؟ کیا حضرت رسول خدا صلعم نے بھی سلطنت کا رعب وداب قائم رکھنے کے لئے نوشیروانی جاہ وجلال کو پسند کیا تھا؟ حضرت عمر ومعویہ جب حضرت رسول کی جانشینی کے مدعی تھے تو بہر صورت اُن لوگوں کو رسول کی پوری نہیں تو کچھ پیروی ضروری تھی ۔ اب دیکھو رسول کی کیا نشان تھی ۔ یہی مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ناز ونعمت تکلف وعیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے... فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے ایک بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے ۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھا حضرت عائشہ رہ گئیں، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے ۔ اُسی وقت پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لئے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں... ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے... حضرت عمر کے پاس بھیجدی ۔ حضرت عمر... آئے اور عرض کی کہ آپنے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کے لئے بھیجی ۔ چنانچہ حضرت عمر نے فروخت کیا تو دو ہزار درام اُٹھے... حضرت عائشہ نے... دیوار پر پردہ لٹکا دیا تھا ۔ آپ گھر کے اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہ نے سلام کیا

اپنے

آپ نے جواب نہ دیا اور چہرہ مبارک سے ناراضی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کے بعد آپ پردے کی طرف بڑھے اور اس کو چاک کر کے فرمایا کہ خدا نے ہم کو اینٹ اور پتھر کے منڈھنے کے لئے رزق نہیں دیا ہے ۔۔۔۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر چاندی کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا ۔۔۔ ایک راستہ میں ایک ریشمی کپڑا ایک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ کپڑا حضور خرید لیں اور ۔۔۔ ملبوس فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔۔۔ حضرت عمر جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرور عالم کے بیت قدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے۔ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے، ایک کھری چارپائی بچھی ہے، سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں، ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی یا رسول اللہؐ! میں کیوں نہ روؤں، چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے، قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں، اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت" (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۵)۔ اس قسم کی باتوں سے پچاسوں صفحے بھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ کل باتیں حضرت رسولؐ، حضرت عائشہ اور حضرت عمر ہی کے متعلق ہیں۔ کیا ان باتوں سے حضرت عمر کو یقین نہیں تھا کہ دنیا کے عیش و راحت سے حضرت رسولؐ کو کتنی نفرت تھی اور خصوصاً حضرت دینے اور اپنے مخصوصین کے لئے اس کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے۔ پھر آپ نے معاویہ کا شام کا کسریٰ ہونا کیوں پسند کیا؟ اس کے جواب میں کیوں نہیں کہا کہ تم رسولؐ کی روش کے بالکل خلاف چلتے ہو۔ کسی مقام کی حکومت کے لائق

تبصرے

نہیں ہو۔ میں تم کو معزول کرتا ہوں اور تمھاری جگہ دوسرے کو گورنر مقرر کرتا ہوں۔ کیوں ایسے دنیا پرست اور شاہانہ مزاج و مذاق رکھنے والے شخص کو شام کی حکومت پر باقی رکھا؟ کیا ان کو یہ خیال نہیں ہوا ہوگا کہ معاویہ کی اس روش سے حضرت رسولؐ کی روح کو ضرور صدمہ ہوتا ہوگا؟ پھر انھوں نے اس کی پرواہ کیوں نہیں کی؟ اس پر لطف یہ کہ خود بھی اس کا پانچ ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر کر دیا۔ اس زمانہ میں ہر چیز اس قدر ارزاں تھی کہ جو کام آج سو روپیہ میں انجام پاتا ہے وہ اس وقت ایک روپیہ میں انجام پاتا تھا۔ اب حساب کیجئے کہ اس زمانہ کے مطابق معویہ کا مشاہرہ جو حضرت عمرؓ نے مقرر کر دیا تھا وہ کیا پانچ لاکھ روپیہ ماہوار سے کم تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے وائسرائے کا مشاہرہ تو ۲۲ ہزار روپیہ ماہوار ہو مگر حضرت رسولؐ کے قائم مقام حضرت عمرؓ اپنے وائسرائے (معاویہ) کا مشاہرہ اس قدر مقرر کریں جو اس زمانہ کے حساب سے پانچ لاکھ روپیہ ماہوار ہو۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اب غور فرمائیے یہ مال آتا کہاں سے تھا؟ غریب مسلمانوں کی گاڑھی کمائی کا تو تھا؟ انہیں کے جیب ٹٹول کر تو جمع کیا جاتا تھا؟ انہیں کے بال بچوں کے رزق سے تو وصول کیا جاتا تھا؟ آج ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ نے چند قسم کے ٹیکس مقرر کر رکھے ہیں تو بعض مخالفین گورنمنٹ کی شکایتیں چیخ چیخ کر بیان کرتے ہیں کہ یہ ٹیکس کیوں مقرر کیا۔ اور فلاں چیز پر یہ محصول کیوں عائد کر دیا۔ ایک پیسہ کا پوسٹ کارڈ تین پیسہ کا کیوں کر دیا۔ دو پیسہ کا لفافہ چھ پیسہ کو کیوں کر دیا۔ مگر حضرت عمرؓ اپنی غریب رعایا پر اتنے مہربان تھے کہ ان کے صرف شام کے گورنر یا وائسرائے کا مشاہرہ پانچ لاکھ روپیہ ماہوار تھا اور پھر سواد اعظم حضرت عمر کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا جملہ استعمال کرتا اور ان کے فضائل و مناقب سے اپنی کتابوں کو بھرتا ہے۔ کیا عدل و انصاف کا مقتضیٰ یہی ہے کہ غیر جو کام کریں اس کی شکایت تو اس طرح کی جائے کہ ہزاروں کے مجمعوں میں دھواں دھار تقریریں کر کے لوگوں کے دلوں کو غم و غصہ کے جذبات سے بھر دیا جائے اور حضرت عمرؓ وہی کام اس کے پچاس گنا کریں تو کوئی بھی زبان نہ ہلائے۔ اسلام تو اسکا

بھائی

نام نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے بھی شام میں معویہ کو اپنی طرف سے گورنر مقرر کر دیا
ہوتا تو وہ حضرت کا مقابلہ نہیں کرتا۔ مگر یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر حضرت رسول صلعم کے
زمانہ میں شام فتح ہو گیا ہوتا اور معویہ وہاں کا گورنر ہوتا تو کیا آنحضرت صلعم ایک سکنڈ کے لئے
بھی اُس کو وہاں رکھتے؟ کیا حضرت رسول صلعم اپنے کسی گورنر کو کسروانی شان سے زندگی
بسر کرنا پسند فرماتے؟ کیا آنحضرت سے یہ گوارا ہوتا کہ آپ کا کوئی عامل دنیوی بادشاہوں کی
پیروی کرے؟ کیا حضرت کو یہ اچھا معلوم ہوتا کہ آپ کا مقرر کیا ہوا کوئی شخص لوگوں پر ویسی
شاندار حکومت کرے جیسی دنیا کے بہت سے خود سر اور عیش پرست بادشاہ کرتے ہیں؟ اگر نہیں
اور یقیناً نہیں تو پھر حضرت عمر نے کیوں ان باتوں کو جائز رکھا؟ کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا
کہ جو بات حضرت رسولخدا صلعم کو ناگوار ہوتی وہ حضرت عمر کو گوارا ہوتی۔ جو امر حضرت رسولؐ
کے صدمہ کا باعث ہوتا وہ حضرت عمر کے خوشی کا موجب ہوتا۔ جو کام حضرت رسولؐ کی لوث
بناتا وہی حضرت عمر کی لذت واضح کرتا۔ جس چیز سے رسولؐ کو دکھ ہوتا اس سے حضرت عمر کو
لطف ملتا۔ اگر حضرت رسولؐ دنیا پرستی کو مذموم سمجھتے تو حضرت عمر اس کو ممدوح جانتے
اگر حضرت رسولؐ قیصر و کسریٰ کی زندگی اپنی شان کے خلاف سمجھتے تو حضرت عمر اُس کو اپنے
گورنروں کے لئے موجب فخر و مباہات جانتے۔ البتہ حضرت علیؑ ہر اُس امر کو پسند کرتے جس کو
حضرت رسول خدا پسند کرتے۔ ہر اُس بات سے خوش ہوتے جس سے رسولؐ خوش ہوتے۔ ہر
اُس صفت کو ممدوح سمجھتے جس کو رسولؐ باعث مدح جانتے۔ اس مقام پر دنیا اچھی طرح سمجھ لے
کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمر میں کیا فرق تھا۔ حضرت عمر کو دیکھ لیا کہ جن لوگوں کو رسولؐ نے نیچا
سمجھا اُن کو آپ نے اونچا کیا مگر حضرت رسولخدا صلعم نے بنوامیہ پر کبھی اعتبار نہیں کیا تو حضرت علیؑ نے
بھی اُن پر کبھی بھروسا نہیں کیا۔ حضرت رسولخداؐ نے ان کے اسلام کو کبھی صحیح نہیں سمجھا۔ حضرت
علیؑ نے بھی ان کو ویسا ہی جانا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے کبھی بنی امیہ کے کسی شخص کو اسلام کی کوئی خدمت
سپرد نہیں کی۔ اسی سبب سے حضرت علیؑ نے بھی کبھی کوئی خدمت ان کے حوالہ نہیں کی۔ حضرت
رسولخدا صلعم نے کبھی بنی امیہ کی کسی روش کو پسند نہیں کیا تو حضرت علیؑ نے بھی ان کی ہر چال

مسلم

سے نفرت ہی کی۔ اس وجہ سے جب حضرت علیؑ ظاہری خلافت کی مسند پر تشریف لائے تو آپ نے بھی ہر شخص سے وہی برتاؤ کرنا شروع کیا جو رسولؐ کو کرتے دیکھا تھا۔ ہر شخص کو وہی سمجھنے لگے جو رسولؐ سمجھتے تھے۔ ہر شخص کو وہی جانا جو رسولؐ جانتے تھے۔ ہر شخص کو اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے رسولؐ دیکھتے تھے۔ ہر شخص کو اسی درجہ میں رکھنا چاہا جس درجہ میں حضرت رسولؐ اس کو رکھتے تھے۔ ہر شخص سے وہی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی جو رسولؐ قائم کرتے تھے۔ ہر دشمن اسلام سے اس دین کو اسی طرح بچاتے تھے جس طرح حضرت رسول خداؐ کو حفاظت کرتے دیکھ چکے تھے۔

معتبر ترین کتب تاریخ و سیرۃ و حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر شرعی خرابیاں، اسلامی عیوب اور دینی برائیاں ہو سکتی ہیں سب معویہ میں موجود تھیں۔ کسی ایک سے بھی وہ بچا ہوا نہ تھا۔ اور بہت سی باتیں لکھی گئیں، ان امور کو بھی دیکھ لو۔ مسٹر امیر علیؒ نے لکھا ہے کہ بنی امیہ کے تخت نشین ہو جانے سے صرف خاندان کا تبادلہ ہی نہیں ہوا بلکہ اصل اصول کی کایا پلٹ گئی، بدعتوں کا آغاز ہو گیا۔ غرض ان بادشاہوں کو دین سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ سوائے معویہ بن یزید اور عمر بن عبدالعزیز کے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خدا سے ڈرتا ہو۔ صرف دنیاوی حکومت سے غرض رکھتے تھے... مورخین و محدثین نے ان کو مؤلفۃ القلوب میں شمار کیا ہے اور بنی امیہ کے خاندان کو شجرہ ملعونہ اور اس کے بادشاہوں کو فراعنۂ اسلام لکھا ہے۔ مولوی امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ "امام حسنؑ کی ترک خلافت کے بعد معاویہ حقیقت ہی میں بادشاہ اسلام بن گیا۔ اس طرح زمانہ کے عجیب و غریب انقلاب سے حضرت محمد صلعم کے دشمنوں نے اُن کی اولاد کا موروثی حق غصب کر لیا، اور بُت پرستی کے حامی اُن جناب کے مذہب اور سلطنت کے سردار اور پیشوا بن گئے۔ دارالخلافہ جو جناب علیؑ نے کوفہ مقرر کیا تھا اب دمشق میں منتقل ہو گیا۔ اور یہاں معاویہ ایرانی اور یونانی شان و شوکت کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ اکثر اپنے دشمنوں اور مخالفوں کا زہر یا تلوار سے کام تمام کر دیتا تھا۔ رشتہ داری یا خدمت اسلام بھی اُس کے سفاک ہاتھوں سے نہ بچا سکتی تھی۔" اور پھر مورخ اوسمبرن سے نقل کیا ہے کہ "بنی امیہ کا اول خلیفہ سیاستاً مستغنی اور سفاک تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے کسی جرم کے ارتکاب سے نہ ڈرتا تھا۔ زبردست غنیم کو ہلاک کرا دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پیغمبرؐ کے نواسے

بن

حسنؑ اور مالک اشتر کو زہر سے ہلاک کرا دیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو ۴۶ھ میں زہر سے تمام کرا دیا (کامل۔ طبری۔ ابو الفدا۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر) اور ام المومنین جناب عائشہ کو اس طرح زندہ گڑھے میں دفن کر دیا کہ ۵۸ھ میں مدینہ میں آکر ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور عائشہ کو دعوت میں بلا کر اس پر بٹھایا۔ عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کر دیا۔ اور مکہ کی طرف کوچ کر دیا (حبیب السیر بحوالہ تاریخ اسلام) ۵۱ھ میں حجر بن عدی کو جو نہایت متقی و پرہیزگار و عبادت گزار تھے اور اُن کے ۶ ہمراہیوں کو اور عمرو بن حمق صحابی کو صرف اس جرم میں کہ وہ دوستداران علیؑ سے تھے اور جب معاویہ کا گورنر کوفہ کے منبر پر علیؑ پر لعنت کرتا تھا تو یہ روکتے اور علیؑ کی حمایت کرتے تھے قتل کرا دیا۔ خاندان بنی امیہ کو قرآن میں شجرۂ ملعونہ قرار دیا ہے۔ ان کو علیؑ۔ ان کی اولاد اور اُن کے شیعوں سے سخت دشمنی تھی۔ چنانچہ معاویہ حضرت علی پر تبرا کیا کرتا تھا۔ اُس نے ۴۱ھ میں حکم دیا کہ ممالک محروسہ کی تمام مسجدوں میں خطیب منبروں پر بیٹھ کر حضرت علی پر تبرا کیا کریں اور یہ رسم ۹۹ھ تک جاری رہی جب کہ عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ میں سے اس تبرا کو نکلوا کر آیہ انما یامر بالعدل والاحسان الخ اور خلفاء اربعہ کے نام داخل کرائے۔ (صحیح مسلم۔ ترمذی، منہاج السنۃ، عقد فرید، ابو الفدا، کامل ابن اثیر، طبری، تاریخ الخلفاء، قاموس عزیزی، تفریح الاحباب، خصائص نسائی، المدخل ابن حاج)۔ معاویہ نے ابو ہریرہ۔ عمرو عاص۔ مغیرہ بن شعبہ اور عروہ بن زبیر کو اس امر پر مامور کیا تھا کہ علیؑ کی مذمت میں جھوٹی حدیثیں طیار کریں (ابن ابی الحدید جلد ۴ صـ۶۳)۔ شیعیان علیؑ کے مال و متاع ضبط کر لئے گئے۔ وہ قتل کئے گئے۔ اور اس قدر اُن پر ظلم کئے گئے کہ کوئی اپنے کو شیعہ نہ کہہ سکتا تھا (ابن ابی الحدید جلد ۲ صـ۹ اور نصائح کافیہ صـ۷۲)۔ کتاب الفخری میں ہے کہ معاویہ امور دنیا میں اس قدر منہمک رہتا اور اپنی ہمت تدبیر امور دنیا میں اتنی مصروف کرتا کہ اور سب باتیں اس کے آگے ہیچ سمجھتا تھا۔ دن میں پانچ دفعہ کھاتا تھا۔ آخری دفعہ سب سے زیادہ۔ اور کہتا تھا اے غلام اٹھالے کھاتے کھاتے تھک گیا۔ مگر سیر نہیں ہوا۔ ایک بچھڑا بھون کر لائے وہ ایک

عقیل

تھی میدے کی روٹیوں کے ساتھ کھا گیا اور ساتھ ہی چار موٹے موٹے گردے۔ ایک گرم بھیڑ کا بچہ اور ایک ٹھنڈا بھیڑ کا بچہ۔ اور کھجوروں سے الگ منہ میٹھا کیا۔ اُس کے آگے سنو رطل باقلائے رطب رکھا گیا سب کھا گیا۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اُس کے حق میں دعا کی تھی کہ لا اشبع اللہ بطنہ ۔ خدا اُس کا پیٹ نہ بھرے)۔ معاویہ حازم، حلیم، تیز فہم، صبیب، انتظام ملکی میں ماہر... تھا مگر اپنا مطلب نکالنے میں خونریزی کی مطلق پروا نہ کرتا تھا۔ ابوعلی لکھتا ہے کہ وہ زرق برق کے کپڑے پہنتا اور شان و شوکت سے بسر کرتا اور ہمیشہ شراب پیا کرتا تھا۔۔ حسن بصری لکھتے ہیں کہ معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ اُن میں سے ایک بھی اُس کی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول مستحقین خلافت کو محروم کر کے زبردستی خلافت پر قبضہ کرنا۔ دوسرے یزید کو ولیعہد بنانا جو بد اطوار، شرابی، حریر پہننے والا، گانا بجانا سننے کا شوقین تھا۔ تیسرے ابوسفیان کے حرامی بیٹے زیاد کو شریعت کے خلاف اپنا بھائی بنانا۔ چوتھے حُجر اور اُن کے اصحاب پر ظلم کرنا اور اُن کو قتل کرانا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ چار صحابی ایسے ہیں جن کی گواہی قابل قبول نہیں۔ معاویہ، عمرو عاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد۔ مسعودی لکھتا ہے کہ بنی امیہ کے عہد میں عام لوگوں کے اخلاق میں یہ بات داخل ہو گئی تھی کہ سید کے سوائے کسی اور کو سردار بناتے تھے۔ بجز عالم ہونے کے علم کی بات کہتے تھے۔ اور بلا تمیز فاضل و مفضول اور فضل و نقصان کے جو اُن کے آگے ہو جائے۔ اُس کی متابعت کر لیتے تھے اور حق و باطل میں تمیز نہ کرتے تھے... یزید کی ولیعہدی معاویہ امام حسنؑ کی عین حیات ہی سے یزید کو ولیعہد بنانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے اُس نے امام حسنؑ اور عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر سے ہلاک کرایا تھا... پہلے اہل شام سے پھر اہل عراق سے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے لی اور ۵۶ھ میں حجاز میں آ کر اہل مدینہ اور اہل مکہ سے تلوار کا ڈر دلا دے کر جبراً بیعت لے لی مگر حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بیعت نہ کی۔ معاویہ نے جھوٹ موٹ مشہور کر دیا کہ انھوں نے بھی بیعت کر لی ہے" (تاریخ اسلام صفحہ ۳۶)۔ اگرچہ معاویہ کے اس قدر حالات کافی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے اول درجہ کے مخالف میں جس قدر صفات ہونی چاہئیں وہ سب آپ

کو

میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ اور وہ علانیہ اُن تمام باتوں کو کرتا تھا جن کو لوگ پوشیدہ طور پر کرنا بھی شان اسلام و مقتضائے ایمان کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن ذرہ چند دوسری معتبر کتب تاریخ و سیرت و حدیث سے بھی اس کے کچھ حالات جمع کر دیے جائیں تا کہ معلوم ہو سکے۔ حضرت عمر نے مسلمانوں پر کیسے مجموعۂ صفات شخص کو مسلط کر دیا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کان معاویۃ وعمالہ یدعون لعثمان فی الخطبۃ یوم الجمعۃ و یسبّون علیا ویقعون فیہ۔ معاویہ اور اس کے کل کارندوں کا دستور تھا کہ ہر نماز جمعہ کے خطبے میں حضرت عثمان کے لئے دعائے خیر اور حضرت علیؑ کے لئے بد دعا کرتے اور حضرت کو گالیاں دیتے اور تبرا کہتے تھے (تاریخ ابوالفدا جلد اول ص۱۸۲) اللہ اکبر! نفس رسولؐ کو گالیاں دی جائیں اور گالیاں دینے والا خلیفۂ رسولؐ کہا جائے۔

معاویہ کے کفر کی واضح دلیل

حضرت علیؑ کو گالیاں دینے کا نتیجہ کیا ہوا۔ قال رسول اللہؐ من سبّ علیا فقد سبّنی و من سبّنی فقد سبّ اللہ۔ حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ جو شخص علیؑ کو گالیاں دیگا وہ مجھے گالیاں دیگا اور جو مجھے گالیاں دیگا وہ اللہ کو گالیاں دیگا۔ (ینابیع المودۃ طبع استنبول ص۲۰۵) یعنی معاویہ حضرت علی کو گالیاں دینے کی وجہ سے خدا کو گالیاں دیتا تھا۔ پھر کیا خدا کو گالیاں دینے والا کسی طرح مسلمان سمجھا جا سکتا ہے؟ حالانکہ حضرت علیؑ کا خدا و رسول کے ہاں یہ درجہ تھا کہ علماء اہلسنت نے لکھا ہے ما انزل اللہ یا ایہا الذین آمنوا الا و علی امیرہا و شریفہا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمدؐ فی غیر مکان وما ذکر علیا الا بخیر۔ خدا نے قرآن مجید میں جس جس جگہ یا ایہا الذین آمنوا (اے ایمان والو) فرمایا ہے ان تمام مقامات میں ان ایمان والوں کے امیر اور شریف حضرت علی ہی ہیں۔ اور خدا نے اصحاب رسولؐ کو بہت سی جگہوں میں ڈانٹا مگر حضرت علی کو ہمیشہ بھلائی اور تعریف ہی کے ساتھ یاد کیا ہے (تاریخ الخلفاء ص۱۱۰ و صواعق محرقہ ص۷۶ و ینابیع ص۲۱۲ و تفسیر در منثور جلد ۱ ص۱۰۴ و نور الابصار ص۷۳ وغیرہ)۔ ہندوستان کے بہت بڑے پیشوائے اہل سنت جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ وارد است فی الحدیث الصحیح سباب المومن فسوق وقتالہ کفر وقتال بفتنی الصدور است ۔ صحیح

اہل

میں روایت وارد ہوئی ہے کہ مومن کو گالیاں دینا فسق ہے اور مومن سے لڑنا کفر ہے اور معاویہ کا حضرت علیؑ سے لڑنا یقینی ہے کہ وہ صفین میں حضرت سے مدت تک لڑتا رہا (فتاوے عزیزی طبع دہلی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳) قال رسول اللہؐ من قاتل علیا علی الخلافۃ فاقتلوہ کائنا من کان۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حضرت علیؑ سے خلافت کے بارہ میں لڑے اُس کو تم لوگ ضرور قتل کر دو۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۸۱) قال رسول اللہؐ یطلع من ہذا الفج رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ حضرت رسول خدا صلعم نے ایک دفعہ فرمایا کہ اس راستے سے اس وقت میری امت کا ایسا شخص نکلے گا جو اسلام پر نہیں بلکہ اس کے علاوہ (کفر پر) قیامت میں محشور ہوگا۔ حضرت کے یہ فرمانے کے بعد اُدھر سے معاویہ نکلا (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۷) اس طرح بھی معاویہ کا کافر ہونا مثل آفتاب روشن ہو گیا۔

معاویہ کے بارے میں اُسکے پوتے کا خطبہ

یہاں ذرہ اسی معویہ کے پوتے یعنی یزید کے بیٹے معویہ کا خطبہ بھی دیکھتے چلو (واضح رہے کہ ابو سفیان کے بیٹے کا نام بھی معویہ اور اس کے پر پوتے یعنی معویہ کے پوتے اور یزید کے بیٹے کا نام بھی معویہ تھا یعنی یزید کے باپ کا نام بھی معویہ اور بیٹے کا نام بھی معویہ) امام حسینؑ کے قتل کرنے کے کچھ دن بعد (۶۴ھ میں) یزید مر گیا تو اس کا بیٹا معاویہ بن یزید خلیفہ بنا۔ علامہ دمیری نے لکھا ہے جس کا صرف اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے "یزید کا بیٹا معاویہ جو اپنے باپ سے کہیں بہتر تھا کیونکہ اس میں دین کی پابندی اور عقل بھی تھی اپنے باپ کے بعد خلیفہ بنایا اور تخت سلطنت پر بٹھایا گیا اور جس روز یزید مرا اسی دن لوگوں نے اس کو خلیفہ مان کر اس کی بیعت کی۔ اس نے صرف چالیس روز اور بعض قول کے مطابق پانچ مہینہ چند دن خلافت کی۔ اس کے بعد خود اپنے کو خلافت سے علیحدہ کر دیا اور بہت لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ معاویہ بن یزید نے جب اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا تو منبر پر چڑھا اور وہاں دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس طرح خطبہ شروع کیا کہ خدا کی حمد و ثنا بہترین عنوان سے کی اور حضرت رسول خدا صلعم کا ذکر بہت خوبی سے کرتا رہا۔

کوفہ

اُس کے بعد کہا لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی ذرہ برابر بھی خواہش نہیں ہے۔ کیونکہ میں
تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ کچھ معمولی درجہ کی
نہیں بلکہ بہت ہی بڑی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھ کو ناپسند کرتے ہو۔ اس
لئے کہ میں تم لوگوں کی خلافت کی وجہ سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوں اور تم لوگ میری حکومت
کے سبب گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ سُن لو کہ میرے دادا معاویہ نے اس حکومت
کے لئے اُس (خدا کے پیارے) بزرگ سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لئے اُس سے
کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے۔ اور وہ حضرت (علیؑ) اس (خلافت) کے لئے صرف معاویہ
ہی سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ) سے بھی بہت بہتر تھے
اس لئے کہ حضرت (علی) کو حضرت رسولخدا صلعم سے قرابت قریبہ بھی تھی۔ آپ کے فضائل بھی
بہت تھے اور خدا کے ہاں آپ کو سب سے زیادہ تقرب بھی حاصل تھا۔ حضرت (علی) تمام صحابہ
مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ صاحب علم، سب سے پہلے ایمان
لانے والے، سب سے اعلیٰ و اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسولخدا صلعم کی صحبت
کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے حضرت علی جناب رسالتمآب
صلعم کے چچا زاد بھائی، حضرت کے داماد اور حضرتؐ کے دینی برادر تھے۔ آپ کی یہ عزت
اور شان تھی کہ حضرت رسولخدا صلعم نے (حضرت ابوبکر و عمر کے پیغام رد دونوں صاحبوں سے
نہایت درجہ نفرت ظاہر کر کے) اپنی بیٹی فاطمہؑ کی شادی حضرت علی سے کی کہ حضرتؐ نے
حضرت علی ہی کو اپنی پسند سے جناب سیدہ کا شوہر کیا اور اپنی پیاری بیٹی فاطمہؑ کو اپنی پسند
سے حضرت علی کی بیوی بنا دی۔ حضرت رسولخدا صلعم کے دونوں نواسے (حسنؑ و حسینؑ) جو جوانان
اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور برگزیدہ رسولؐ اور فاطمہ بتولؑ کے
دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت رسالت کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ ہی
تھے۔ ایسے محترم بزرگ سے میرا دادا جس سرکشی اور شیطنت پر آمادہ ہوا اُس کو تم لوگ
خوب جانتے ہو اور میرے دادا (معاویہ) کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے

سے

بھی تم بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو کامیابی ہوئی اور اُس کی دنیا کے سب کام بن گئے۔ مگر جب دادا جان کی اَجل معلوم ہو پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اُس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اب اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے اور جو جو ظلم کر چکا تھا اُن سب کو اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت و فرعونیت جس نے کی تھی اُن سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اُسی گمراہی میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ (یزید) بھی اپنی اسلام سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسولِ خدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو گیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا۔ جس کے بعد اُس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ خوب واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے پر آمادہ ہو گیا اور حضرت رسولِ خدا سے اتنی بغاوت کی کہ حضرت کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی۔ مگر اس کی مدت کم رہی اور اُس کا ظلم ختم ہو گیا۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اپنے (قبر کے) گڑھے سے لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلا میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری ہیں اور اُس کی خونریزیوں کی علامتیں باقی ہیں۔ اب وہ وہاں پہنچ گیا جہاں کے لئے اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کرتا رہا تھا اور اپنے کئے پر خوب نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اُس کی موت کو بھول گئے اور اُس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم رہتا ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ ہائے! کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہاں اس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر بیان کیا اور پھر اس سے کیا کیا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے؟ میرا گمان تو یہی ہے۔ اس کے بعد گریہ اس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم گھر کا تیسرا بادشاہ بنا دیا گیا حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے باپ دادا کے ظلموں کی وجہ سے) غضبناک ہیں اُن کی

بعیت

تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھلائے کہ میں تمہاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمہاری برائیوں کے بارے دبا ہوا اس کی درگاہ میں پہونچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے متعلق اختیار ہے مجھ سے اس کو لے لو اور جس کو پسند کرو اپنا بادشاہ بنا لو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بعیت اٹھالی۔ والسلام۔

جس منبر پر معویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کر رہا تھا اس کے نیچے مروان بن حکم (خاندان بنو امیہ کا مشہور رکن) بھی موجود تھا۔ معاویہ کا خطبہ تمام ہونے پر وہ بولا کیوں ابولیلے (معویہ بن یزید کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنیکا ارادہ ہے؟ (کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافۃ شورئے کے حوالہ کردی تھی تم بھی اب اس خلافۃ کو دوسرے شورئے کے سپرد کردیتے ہو)۔

اس پر معاویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے چلے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نے آپ لوگوں کی خلافۃ کا کوئی مزا نہیں پایا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شورئے کی جو مثال آپ نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے ویسے ہی لوگوں کو آپ بھی میرے پاس لا دیجیے۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے کہ عمر نے اس خلافۃ کو شورئے کے سپرد کیا اور جس بزرگ (حضرت علیؑ) کی عدالت میں کسی قسم کا شک وشبہہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا اُن سے اس کو ہٹا دیا کیا اُس وقت سے وہ (عمر) بھی ظالم نہیں مشہور ہو گئے؟ خدا کی قسم اگر خلافۃ کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اُس سے نقصان ہی اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافۃ کوئی بری چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی پہنچ چکی وہی بہت کافی ہے۔ یہ کہکر معاویہ بن یزید منبر پر سے اتر آیا۔ جس کے بعد اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اُس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہو گیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سنی ہوتی۔ معویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد بنی امیہ کے ذمہ

کرنے

انہ لوگ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معاویہ کو یہ سب باتیں سکھائی ہیں اور اس کو
خلافت سے الگ کر دیا اور علیؑ اور ان کی اولاد کی محبت اس کے دل میں ڈال دی ہے۔ غرض
اس نے ہم لوگوں کے جو مظالم بیان کئے اس کا باعث تو ہی ہے اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اس
کی نظر میں پسندیدہ قرار دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور وہ سب کہہ گیا جو کہا۔ عمر مقصوص
نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معاویہ بن یزید فطرۃً ہی حضرت
علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے۔ مگر ان لوگوں نے اس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سنا اور اس (عمر
مقصوص) کو زندہ دفن کر دیا جس سے وہ قبر میں بند ہو کر مر گیا۔ (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۵ و تاریخ
خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ وغیرہ)۔ بروایت تاریخ حبیب السیر معاویہ بن یزید نے اپنے خطبہ میں یہ بھی کہا کہ
مجھے یہ خلافت مناسب نہیں، مجھے واجب ہے کہ تم کو بتا دوں کہ علی ابن الحسین امام زین العابدینؑ
مجھ سے اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ کوئی شخص ان میں کسی طرح کا عیب نہیں نکال سکتا۔ اگر تم لوگ
چاہو تو حضرت کو خلیفہ بنا لو اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ قبول نہیں کریں گے۔ المختصر ابن عبری
اور تاریخ خمیس میں ہے کہ اس خطبہ کے بعد معاویہ ابن یزید نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔ چند ہی روز
کے بعد بنی امیہ نے اس بیچارے کو بھی زہر سے شہید کر دیا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال ۱۸ یوم
کی تھی۔ اس کی خلافت کا زمانہ چار ماہ اور بروایتے ۴۰ دن شمار کیا جاتا ہے۔ اور نیز شاہ
عبدالحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں محمد اکرام الدین می گوید کہ چوں از کتب تواریخ و سیر
نمودم دریافت شد کہ معاویہ بن ابی سفیان دنیا را دوست داشتے لہٰذا از حضرت علی
جدال و قتال کرد و بر خود نام باغی و طاغی از امام حق تا قیامت بر گردن نہاد۔ محمد اکرام الدین
کہتے ہیں کہ جب میں نے تاریخ اور سیر کی کتابوں کی پوری ورق گردانی کی تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ
ابو سفیان کا بیٹا معاویہ دنیا کو دوست رکھتا تھا اس وجہ سے حضرت علیؑ سے لڑائی جھگڑا
کرتا رہا اور اپنے اوپر قیامت تک کے لئے یہ نام رکھ گیا کہ یہ امام برحق کا باغی اور سرکش ہے
(سعادت الکونین مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۳۴) بزرگان اہلسنت معاویہ کو خلیفہ کہنا بھی جائز نہیں سمجھتے
تھے۔ حضرت عائشہ نے معاویہ سے کہا تھا تو می دانی کہ از طلقائی و طلقا را حلال نیست کہ متصدی

کے

امر خلافت گردند یعنی تم جانتے ہو کہ تم طلقاء سے ہو اور طلقاء کو حلال نہیں ہے کہ خلافت کے معاملہ میں کسی قسم کا دخل دیں (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۲۸)۔ وھو من الطلقاء الذین لا یجوز لھم الخلافۃ معاویہ طلقاء سے ہے جن کے لئے خلافت جائز اور حلال ہو ہی نہیں سکتی۔ (ازالۃ الخفا طبع دہلی جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ واستیعاب وغیرہ)۔ یزید اپنی کل برائیوں سمیت معاویہ کی بے شمار برائیوں ہی میں سے ایک برائی ہے (نصائح کافیہ صفحہ ۷۵)۔ امام حسن بصری نے کہا کہ معاویہ کی عاقبت خراب ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اُس نے یزید کو دیکھ کر کے اُس کی بیعت لی (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۸۲) معاویہ نے امام حسنؑ کو پوشیدہ طور پر زہر سے شہید کرا دیا (ترجمہ تاریخ طبری، روضۃ الصفا، سعادت الکونین، حبیب السیر، مناقب مرتضوی، نصائح کافیہ، تذکرۃ خواص الامۃ، استیعاب، ربیع الابرار، حدیقہ حکیم سنائی، تاریخ ابوالفدا وغیرہ) مسجد رسولؐ جو کس قدر معزز و محترم اسلامی عبادت گاہ ہے اس سے حضرت رسولخداؐ کا مقدس منبر کھدوا کر شام لے جانے کی کوشش کی (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۲۴ و قرۃ العیون حصہ ۴ جلد ۱ صفحہ ۱۳ و ۱۴ وغیرہ)

معاویہ کا علانیہ شراب پینا

اس کا معمول تھا کہ کھانا کھانے کے بعد علانیہ شراب پیتا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے عبداللہ بن بریدۃ قال دخلت انا و ابی علی معاویۃ فاجلسنا علی الفرش ثم اُتینا بالطعام فاکلنا ثم اُتینا بالشراب فشرب معاویۃ ثم ناول ابی ثم قال ما شربتہ منذ حرمہ رسول اللہ صلعم ثم قال معاویۃ کنت اجمل شباب قریش واجودہ ثغراً وما شئی کنت اجد لہ لذۃ کما کنت اجدہ وانا شاب غیر اللبن او انسان حسن الحدیث یحدثنی۔ عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور میرے والد معاویہ کے ہاں گئے تو اُس نے ہم لوگوں کو فرش پر بٹھایا۔ پھر ہم لوگوں کے پاس کھانا آیا تو ہم لوگوں نے اُس کو کھایا۔ پھر ہم لوگوں کے پاس شراب آئی تو معاویہ نے اطمینان سے شراب پی۔ پھر وہ شراب والد کی طرف بھی بڑھائی تو ابا جان نے کہا جب سے حضرت رسولؐ نے اس کو حرام کیا میں نے اس کو پیا ہی نہیں۔ اس پر معاویہ کہنے لگا کہ بھائی میں تمام جوانان قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور میرے دانت سب سے اچھے تھے۔ اور

لئے

مجھ کو جوانی میں شراب سے زیادہ مزے کی کوئی چیز بھی نہیں معلوم ہوتی تھی بجز دودھ یا کسی خوش بیان شخص کے جو مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرے (مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۳۴۴)۔ جب معاویہ مدینہ منورہ میں آکر اور منبر رسولؐ پر بیٹھ کر اپنے فرزند یزید کو خلیفۂ رسولؐ بنانے کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا تو حضرت عائشہ نے جھروکے میں سے جھانک کر کہا کہ چپ رہ! کیا ابوبکر و عمر نے اپنے لڑکوں کے لئے بیعت لی تھی؟ معاویہ نے کہا نہیں۔ حضرت عائشہ تو پھر تو کس کی پیروی کرتا ہے؟۔ یہ سنکر معاویہ شرمندہ ہوا، منبر پر سے اُتر آیا اور حضرت عائشہ کی زندگی ہی ختم کر دینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ مولوی حکیم احمد حسین صاحب نے اُن لوگوں کی فہرست لکھی ہے جو معاویہ کے زمانہ میں مرے یا مارے گئے۔

معاویہ کا حضرت عائشہ کو قتل کرنا

اُن میں حضرت عائشہ کو بھی اس طرح لکھا ہے "آپ کو مروان اور اس کے خاندان والوں نے ۵۸ھ میں شہید کیا تھا۔ اس وجہ سے کہ اس (معاویہ) کی مخالفت کرتی تھیں۔ اس نے دعوت کے بہانے سے حضرت عائشہ کو اپنے گھر پر بلایا اور پہلے ایک خوب گہرا گڈھا کھود کر اس کے اندر نیزے، تلواریں، چھریاں وغیرہ رکھدی تھیں۔ اوپر سے ایک فرش بچھا دیا تھا۔ ام المومنین جب تشریف لائیں تو ان کو وہیں بٹھلایا۔ بیٹھنا تھا کہ نیچے گر پڑیں۔ عمر اور کمزور تھیں ایسی چوٹ آئی کہ پھر اُس سے جاں بر نہ ہوئیں" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد پنجم ص ۴۶)۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب سے حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا کہ معاویہ نے ان کے پدری بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرا کے اُن کی لاش مردہ گدھے کی کھال میں بھروا کر پھونکدی تب سے حضرت عائشہ برابر نماز کے قنوت میں عمرو بن عاص اور معاویہ پر لعنت کیا کرتی تھیں (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۸۱) در تاریخ آبر و از ربیع الابرار و کامل البغیہ منقول است کہ در شہور سنہ ستہ و خمسین کہ معاویہ جہت بیعت یزید بہ مدینہ رفتہ حسینؑ بن علیؑ المرتضیٰ و عبد اللہ بن عمر و عبد الرحمان بن ابی بکر و عبد اللہ بن زبیر را رضی اللہ عنہم رنجانید صدیقہ رضی اللہ عنہا زبان ملامت و اعتراض بروے بکشاد۔ معاویہ در خانہ خویش چاہے کندہ سر آن را بخاشاک پوشید و کرسی آبنوس بر آن نہاد۔ آن گاہ صدیقہ رضی اللہ عنہا را جہت ضیافت

بھیجا

طلب داشت وبراں کرسی نشاند تا درچاہ افتاد۔ و معاویہ سر چاہ رابا آہک مضبوط کردہ از مدینہ بمکہ رفت۔ تاریخ آبرو میں کتاب ربیع الابرار اور کامل السقیفہ سے منقول ہے کہ ۵۶ھ میں یزید کی ولیعہدی کے لئے بیعت لینے کی غرض سے معاویہ مدینہ میں آئے اور امام حسینؑ فرزند علی مرتضیٰ و عبداللہ بن عمر و عبدالرحمان بن ابی بکر و عبداللہ بن زبیر کو کبیدہ کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے اُس پر اعتراض کرنا اور اُس کو بُرا کہنا شروع کیا۔ اس وجہ سے معاویہ نے اپنے اس مکان میں جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا ایک کنواں کھدوایا اور اس کے سرے کو کوڑا کرکٹ سے چھپا دیا۔ اُس پر آبنوس کی ایک کرسی بچھوا دی۔ یہ سب اہتمام کرنے کے بعد حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے سے اپنے ہاں بلا بھیجا۔ وہ آئیں تو اُسی کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ بیٹھتے ہی اندر چلی گئیں۔ جس کے بعد معاویہ نے اُس کنوئیں میں چونا بھروا کر اُس کا مُنہ مضبوط کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ (حبیب السیر جلد اول جزو سوم صفحہ ۵۸" و مناقب مرتضوی طبع بمبئی صفحہ ۲۷)۔

معاویہ کس کا بیٹا تھا وہ تھا تو ابوسفیان ہی کا بیٹا مگر اپنی مادر گرامی کے چال چلن کا فوٹو وہ ان الفاظ میں کھینچا کرتا تھا۔ یزید سے کہا تھا اما علمت ان بعض قریش فی الجاھلیۃ یزعمون انی للعباس۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ زمانہ جاہلیہ میں بعض قریش کا گمان تھا کہ میں ابوسفیان کا بیٹا نہیں بلکہ عباس بن عبدالمطلب کے نطفہ سے ہوں (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۱۵)۔

شہدائے احد کی قبریں کھدوا دیں خدا و رسولؐ کی ناراضی اور اسلام کی دشمنی کے جسقدر کام ممکن تھے معاویہ ایک ایک کر کے سب کو انجام دیتا رہتا تھا۔ اُس نے نہر کھدوانے کے بہانے شہدائے احد کی قبریں بھی کھدوا ڈالی تھیں۔ جب حضرت حمزہ عم رسولؐ کی قبر کھدوائی جانے لگی اور اُن کے پانوں پر کدال لگی تو اس سے خون تازہ جاری ہوا (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ طبع مصر) معاویہ کو اسلام سے ایسی دشمنی تھی کہ جب اس کا باپ ابوسفیان مسلمان ہو گیا تو اُس سے خطاب کر کے یہ دو شعر کہے تھے ؎ یا صخر لا تسلمن طوعاً فتفضحنا۔ بعد الذین ببدر اصبحوا مزقا + لاتر کنی الی امر تقلدنا۔ والراقصات بنعمان بہ الخرقا + یعنی اے صخر (میرے باپ ابوسفیان)، تو خوشی سے اسلام قبول کر کے ہم لوگوں کو فضیحتی اور رسوائی میں مبتلا نہ کر

اور

بعد اُن لوگوں کے جو کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ تو ہرگز ایسی بات کی طرف توجہ نہ کر جس سے بیوقوفی ہمارے گلے پڑے، قسم ہے تجھ کو اُن ناقوں کی جو وادی نعمان میں ناچتے اور تھرکتے ہوئے چلتے ہیں (تذکرہ خواص الامہ چھاپہ ایران صلا) اسی لئے قیس بن سعد صحابی نے معاویہ کو لکھا تھا کہ اے بت پرست! پسر بت پرست!! تو جبرًا اسلام لایا اور خوشی کے ساتھ اسلام سے خارج ہوگیا۔ چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں بھی معاویہ کی بت فروشی جاری رہی فیکون دیلا لابی حنیفۃ فی جواز بیع الصنم والصلیب۔ اسی دلیل سے امام ابو حنیفہ نے صلیب اور بت کا بیچنا جائز قرار دیا ہے (مبسوط سرخسی جلد ۲۴ طبع مصر) اور حضرت امیر المومنین نے بھی جنگ صفین میں معاویہ کے اسلام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اپنے لشکر سے خطاب کر کے فرمایا تھا بدانید کہ ایں حقد از بقایائے احقاد بدر و احد و ایام جاہلیت است کہ در سینۂ پر کینۂ معاویہ متمکن بودہ امروز می خواہد کہ از آں تشفی صدور حاصل کند فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم۔ تم لوگ اچھی طرح جان رکھو کہ معاویہ کا یہ کینہ اُن کینوں سے ہے جو اس کے دل میں غزوہ بدر و احد و زمانہ جاہلیت سے خوب اچھی طرح بھرے اور جمے ہوئے ہیں۔ آج معاویہ چاہتا ہے کہ ان کینوں کو اچھی طرح نکال کر اپنے سینوں کو تشفی دے۔ اب تم لوگ ان سب سے جو کفر اور بے دینی کے پیشوا اور سردار ہیں اچھی طرح لڑو کہ ان لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ایمان یا اسلام کا نام تک نہیں ہے (تاریخ روضۃ الصفا جلد ۱ ص۳۰۰ طبع لکھنؤ)۔ ایک مرتبہ معاویہ اور شریک بن اعور میں اس طرح باتیں ہوئیں۔

معاویہ۔ اے شریک! تم بدصورت ہو اور خوبصورت شخص بدصورت سے بہتر ہوتا ہے۔ اور تمھارا نام شریک ہے اور خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور تمھارے باپ کا نام اعور ہے۔ اور اعور کانے کو کہتے ہیں اور دونوں آنکھوں والا کانے سے بہتر ہوتا ہے۔ پھر تم کیونکر اپنی قوم کے سردار ہوگئے؟۔

شریک۔ (نے معاویہ کے جواب میں کہا) اے معاویہ! تمھارا نام معاویہ ہے اور معاویہ اُس کتیا کو کہتے ہیں جو عوعو کر کے کتوں کو اپنے پاس بلاتی ہے۔ اور تمھارے باپ کا نام صخر ہے۔

خود

اور صخر کہتے ہیں پتھریلی زمین کو۔ اور سہل یعنی نرم زمین پتھریلی زمین سے بہتر ہوتی ہے۔ اور تمہارے دادا کا نام حرب ہے اور حرب کہتے ہیں لڑائی کو۔ اور سلم یعنی صلح بہتر ہے لڑائی سے اور تم امیہ کے خاندان سے ہو اور امیہ امتہ کی تصغیر ہے (جس کا معنے ہے چھوٹی ذلیل لونڈی) پھر تم مسلمانوں کے سردار کیسے ہو گئے؟ (مستطرف جلد ا صفحہ ۲۰)۔ اسی طرح ایک دفعہ جاریہ بن قدامہ معاویہ کے پاس آیا تو اُس سے اور معاویہ سے اس طرح دلچسپ گفتگو ہوئی۔

معاویہ۔ تم کون ہو؟

جاریہ۔ میں جاریہ ہوں قدامہ کا بیٹا۔

معاویہ۔ تم نے اس کے معنے میں کبھی غور کیا کہ تم کیا ہو گئے۔ اس سے تو تم نحلہ یعنی شہد کی مکھی ثابت ہوئے۔

جاریہ۔ اے معاویہ تم سمجھے نہیں۔ تم نے مجھے جو تشبیہ دی تو اس سے تشبیہ دی جس کا نیش گرم اور جس کا لعاب شیریں ہوتا ہے۔ اب ذرہ اپنے نام کے معنے کو بھی سمجھو۔ خدا کی قسم معاویہ کا معنے دُ کتیا ہے جو بھونک کر کتوں کو اپنے اوپر بلاتی ہے۔ اور امیہ بھی تصغیر ہے امتہ کا امتہ کا معنے لونڈی تو امیہ کا معنے چھوٹی ذلیل لونڈی ہوا۔ اور فضل بن سوید سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جب جاریہ بن قدامہ بطور وفد معاویہ کے پاس آئے تو اُن میں اور معاویہ میں یہ باتیں بھی ہوئیں۔

معاویہ۔ کیوں جاریہ! تم ہی نہ وہ ہو جو علی ابن ابیطالب کی طرف سے جنگ (صفین) میں بہت زور دیتے تھے اور لڑائی کی آگ کو خوب بھڑکاتے تھے۔ عربی دیہاتوں میں گھس جاتے اور اُن لوگوں کی خونریزی کرتے رہتے۔

جاریہ۔ اے معاویہ! حضرت علیؑ کا ذکر چھوڑ دو کیونکہ جب سے ہم لوگوں کے دل میں حضرت کی محبت سمائی کبھی ہم لوگوں نے حضرت کو دشمن نہیں رکھا۔ اور جب سے ہم لوگوں نے حضرت کا ساتھ پکڑا کبھی حضرت سے دھوکا فریب نہیں کیا۔

معاویہ۔ اے جاریہ! وائے ہو تم کو تم اپنے اہل میں کس قدر ذلیل تھے کہ انھوں نے تمہارا نام جاریہ رکھا۔

بھی

جاریہ۔ اور اے معاویہ! تم اپنے خاندان میں کس درجہ حقیر اور قابل نفرت تھے کہ ان لوگوں نے تمہارا نام معاویہ (بھونکنے والی کتیا) رکھ دیا!!!

معاویہ۔ تمہاری ماں نہ ہو۔

جاریہ۔ میری ماں ہی نے تو مجھے جنا ہے۔ سنو! ہم لوگوں کی تلواروں کے وہ قبضے جن کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کے صفین میں تم سے لڑے تھے اب تک ہمارے ہاتھ ہی میں ہیں۔

معاویہ۔ اچھا تم اب مجھ کو قتل کی دھمکی بھی دینے لگے۔

جاریہ۔ معویہ! سنو۔ تم ہم لوگوں پر غلبہ کرکے بادشاہ نہیں بنے اور ہم لوگوں کو اپنی قوت اور طاقت سے فتح نہیں کیا ہے بلکہ ہم لوگوں سے تم نے صلح کی درخواست کی اور ہم سے بہت وعدے کئے۔ صلح کی بہت شرطیں اور عہد کئے۔ تب ہم لوگوں نے تمہاری درخواست منظور کرکے بادشاہت تمہارے حوالے کی۔ اب اگر تم اپنے وعدوں اور عہدوں کو پورا کرو گے تو ہم لوگ بھی اپنے وعدوں کو وفا کریں گے۔ اور اگر تم اس کے سوا کسی بات کی طرف راغب ہوئے تو یاد رکھو۔ ہم لوگ اپنے پیچھے ایسے مردوں کو چھوڑ آئے ہیں جو ہماری پوری مدد کرینگے۔ اور ایسی زرہیں رکھ آئے ہیں جو خوب مضبوط اور جنگ کے لئے کارآمد ہیں اور ایسی زبانیں موجود ہیں جو لوہے کی طرح تیز ہیں۔ اگر تم ہماری طرف ذرہ برابر بھی غداری سے بڑھے تو یاد رکھو ہم لوگ اس سے زیادہ دھوکا اور فریب کا جال تمہارے لئے بچھا دیں گے۔

معاویہ۔ اللہ تمہارے ایسے لوگوں کو زیادہ نہ کرے۔

اور عامر بن واثلہ صحابی بیان کرتے تھے کہ میں معاویہ کے پاس گیا تو اس سے یہ باتیں ہوئیں۔

معاویہ۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں ہو جنھوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے؟

عامر۔ نہیں بلکہ میں ان میں سے ہوں جو موجود تھے لیکن ان کی مدد نہیں کی۔

معاویہ۔ پھر تم نے ان کی مدد کیوں نہیں کی؟

عامر۔ میں کیا۔ ان کی مدد تو مہاجرین و انصار نے بھی نہیں کی۔

معاویہ۔ سنو! سب لوگوں پر حضرت عثمان کا یہ واجب حق تھا کہ ان کی مدد کرتے۔

سفر

عامر۔ اے مسلمانوں کے بادشاہ! پھر آپ نے بھی ان کی مدد کیوں نہیں کی؟ حالانکہ آپ کے ساتھ شام والوں کی اتنی جماعت تھی۔

معاویہ۔ اُس وقت مدد نہیں کی تو کیا ہوا۔ اب جو اُن کے خون کا عوض چاہتا ہوں۔ یہ بھی تو اُن کی مدد ہی ہے۔

یہ سنکر عامر خوب ہنسے پھر کہا۔

عامر۔ آپ کی اور حضرت عثمان کی وہی حالت ہے جس کو شاعر نے کہا ہے۔ لا الفینک بعد الموت تندبنی و فی حیاتی ما زودتنی زادی۔ یعنی مجھے امید نہیں کہ میرے مرنے پر تم میرے لئے روؤگے۔ کیونکہ میری زندگی ہی میں تم نے میری خبر نہیں لی اور نہ کسی طرح میری مدد کی (تاریخ الخلفاء صہ ۱۳۶)۔ مشہور ہے کہ الدنیا جیفۃ وطالبھا کلاب۔ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔ اس دنیا کے بارے میں معاویہ کہتا تھا۔ تعنی امی وانا ابنھا۔ دنیا ہی تو میری ماں ہے اور میں تو اسی دنیا کا بیٹا ہوں (عقد فرید جلد ۲ طبع مصر)

معاویہ ہی نے جناب امیرؑ کو ابن ملجم سے قتل کرا دیا

صاحب مناقب مرتضوی نے لکھا ہے قدوۃ المحققین حکیم سنائی چنیں تحقیق نمودہ کہ بموجب گفتہ معاویہ ابن ملجم امیر المومنینؑ را بدرجہ شہادت رسانیدہ۔ چنانچہ ایں مضمون را در حدیقۃ الحقائق منظوم ساختہ ؎

پسر ملجم آں سگ بے دیں۔ آں سزاوار لعنت و نفریں + بر زنے عاشق آں شدہ میشوم۔ آں نگوں سارتر ز راہب روم + بود آں زن ز آل بوسفیاں۔ منعم و مال دار و خوب و جواں + گفت ازیں سر معاویہ آگاہ۔ مرد را گشت جملہ کار تباہ + گفت کار تو با کمال شود۔ ایں چنیں زن ترا حلال شود + گر تو در کار خویش شیر دلی۔ ہست کابین حرہ خون علی + یعنی ملجم کا بیٹا وہ بے دین کتا جو لعنت اور نفرت کا ہر طرح سزاوار اور مستحق ہے۔ وہ کمبخت ایک عورت پر عاشق ہو گیا وہ شقی روم کے راہب سے بھی زیادہ کمینہ اور بے ایمان تھا جس عورت پر وہ عاشق ہوا وہ ابوسفیان ہی کی اولاد سے ایک خوش حال مالدار خوبصورت اور جوان عورت تھی معاویہ کو اس بھید کا پتہ لگ گیا (کہ ابن ملجم قطامہ پر عاشق ہو گیا ہے) اس وجہ سے اُس کے

کی

کل کام تباہی و بربادی میں پڑ گئے۔ اس نے ابن ملجم کو بلا کر کہا کہ تمہارا دلی مطلب پورا ہو جا سکتا ہے اور ایسی مہ پارہ خورشید جمال عورت تمہارے لئے حلال ہو جا سکتی ہے اگر تم اپنے مقصود میں شیر دلی کا ثبوت دو۔ اس اعلیٰ درجہ کی عورت کے نکاح کا مہر صرف علی کا خون ہے۔ کہ ان کو قتل کر دو تو یہ عورت تم کو مل جائے۔ بالآخر جب اُس شقی ترین مردم نے امیر المومنینؑ کو شہید کیا اور گرفتار ہو کر حضرت کے پاس آیا تو لوگوں کے پوچھنے پر کہا کہ مرا ایں معاویہ فرمود۔ کار کردم کنوں نہ دار د سود۔ معاویہ ہی نے مجھ سے کہا تھا کہ علیؑ کو قتل کر دو۔ میں تو یہ کام کر بیٹھا مگر کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا (مناقب مرتضوی صفحہ ۱۲۷)۔ رجب سنہ ۶۰ھ میں معاویہ نے دنیا سے انتقال کیا۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ بیمار ہو کر کسی یہودی طبیب کی دوا سے اچھا ہو گیا تھا۔ جب دوبارہ بیمار ہوا تو ایک عیسائی اُس کے پاس آیا۔ اُس نے کہا ہمارے پاس ایسا تعویذ ہے کہ جو بیمار اپنے گلے میں لٹکائے فوراً اچھا ہو جائے۔ معاویہ کی دلی مراد بر آئی۔ اُس نے وہ تعویذ لے کر گلے میں لٹکایا۔ اس کے بعد وہ پہلا طبیب یہودی آیا۔ جب وہ دیکھ بھال کر جانے لگا تو لوگوں سے کہتا گیا کہ اب یہ ضرور مر جائیں گے۔ چنانچہ اُسی شب کو اُس کا انتقال ہو گیا۔ جب اُس یہودی طبیب سے کسی نے پوچھا کہ تم کو معاویہ کے مرنے کا یقین کیونکر ہو گیا تھا؟ تو اُس نے کہا کہ حضرت امیر المومنین (علیؑ) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ معاویہ اپنے گلے میں صلیب لٹکا کر مریگا۔ اور جو تعویذ معاویہ کے گلے میں تھا اُس میں صلیب تھی۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اب یہ اچھے نہیں ہو سکتے (محاضرات راغب اصفہانی)۔ اور صلیب لٹکانے کا سبب یہ ہوا کہ جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا تھا کہ معاویہ کا حشر دوسری ملت پر ہوگا (چنانچہ تاریخ طبری سے پہلے بیان ہو چکا)۔ غرض معاویہ کے کفر کی دلیلیں بے حد و حساب ہیں۔ اور شاہ عبد العزیز صاحب کا یہ قول بھی ذکر ہو چکا ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ مومن کو گالی دینے والا فاسق ہے اور مومن سے جنگ کرنے والا کافر ہے۔ اور معاویہ کا حضرت علیؑ سے جنگ کرنا یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا (فتاوے عزیزی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳) نتیجہ یہ نکلا کہ معاویہ کا کفر یقینی ہے۔ معاویہ کا پیٹو ہونا بھی اس درجہ مشہور ہوا کہ مثل قرار پا گیا۔ کسی شخص نے اپنے مصاحب کی تعریف

طیاری

میں کیا خوب شعر کہا ہے ؎ وصاحب لی بطنہ کالہاویہ ۔ کان فی امعائہ معاویہ
یعنی میرا ایک ساتھی ہے جس کا پیٹ مثل جہنم کے ہے۔ گویا اس کی آنتوں میں معاویہ سمایا ہوا ہے۔

معاویہ کا بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھانا

علامہ مسعودی نے لکھا ہے ولقد بلغ من امرھم فی طاعتھم لما نہ صلی بھم عند مسیرھم الی صفین الجمعۃ فی یوم الاربعاء۔ شام والوں کی حالت معاویہ کی اطاعت وفرماں برداری میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جنگ صفین کو جاتے وقت معاویہ نے بدھ ہی کے روز ان فوجی مسلمانوں کو نماز جمعہ پڑھادی اور سب نے آنکھیں بند کرکے نماز پڑھ لی (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۱۰۲) علامہ مسعودی نے یہ واقعہ صرف یہ دکھانے کے لئے لکھا ہے کہ شام کے مسلمان معاویہ کی ایسی اندھی اطاعت کرتے تھے کہ وہ آفتاب کو ماہتاب کہتا تو وہ سب آمنا کہنے لگتے۔ اس وجہ سے معاویہ نے بدھ کے روز ان سب کو نماز جمعہ پڑھادی تو سب نے آنکھیں بند کرکے پڑھ لی اور کسی نے بھی چوں وچرا نہیں کیا۔ لیکن اس سے معاویہ کے اسلام کی کیسی تصویر کھنچتی ہے کہ وہ مذہب کی ہر بات سے مسخراپن کرتا اور ہر عبادت کا مذاق اڑاتا تھا۔ نماز جمعہ اسلام کی وہ عظیم الشان عبادت ہے جس کے لئے خدا نے قرآن مجید میں ایک پورا سورہ ہی نازل کردیا اور ہر مسلمان پر واجب کیا کہ اس روز کی تعظیم وعزت کے خیال سے دوپہر کو خاص نماز پڑھیں جو دوسرے دن نہیں پڑھی جاتی۔ اس نماز کے لئے جماعت کو شرط قرار دیا۔ اور اپنے اپنے گھروں میں انفرادی حیثیت سے اس کے ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ سے نماز ظہر کو ساقط کردیا۔ اس میں دو خطبوں کو لازم قرار دیا کہ تمام اہل اسلام معرفت خدا وتقویٰ کے احکام سنیں اور آخرت کی یاد تازہ کریں۔ روز جمعہ مسلمانوں کا ہفتہ واری عید قرار دیا گیا اور اس کی یہ عبادت بھی اسی دن کے لئے مخصوص قرار پائی۔ مگر معاویہ نے نہ خدا کو خدا جانا نہ رسول کو پیغمبر مانا نہ دین اسلام کو دل سے قبول کیا۔ نہ اس کے احکام کی کوئی وقعت اس کے قلب میں پیدا ہوئی۔ جس طرح یزید بندروں کو علماء وپیشوایان دین کا عمامہ اور لباس پہنا کر ان کی توہین کرتا تھا اسی طرح معاویہ بھی عبادات خدا کی تذلیل وتحقیر میں ید طولیٰ رکھتا تھا جب یہ

کرنے

کوئی چیز ہی نہیں۔ اسلام کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ دین ایک ڈھکوسلا ہے۔ ایمان بے معنے اتنے ہے۔ نہ خدا ہے نہ رسول، نہ بہشت ہے نہ دوزخ۔ نہ حساب کتاب ہے نہ قیامت۔ نہ کسی عقائد کی ضرورت ہے نہ کسی عبادت کی حاجت تو پھر جمعہ کی عزت کیا اور نماز جمعہ کی شان کیسی؟ بس اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے زبان سے کہتا رہا کہ میں بھی مسلمان ہوں تاکہ لوگ خلیفہ رسول مان کر بادشاہت کی حفاظت کرتے رہیں۔ ممکن ہے معاویہ نے بدھ کو نماز جمعہ اس وجہ سے بھی پڑھا دی ہو کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے یوم الاربعاء یوم نحس مستمر لان اللہ اغرق فیہ فرعون واھلک عادا وثمود۔ یعنی بدھ کا دن مستقل نحوست کا ہے اسلئے کہ اُسی روز خدا نے فرعون کو رود نیل میں غرق کیا اور اسی روز قوم ثمود و عاد کو بھی ہلاک کیا (روض الاخیار طبع مصر ص ۴۱)۔ ممکن ہے اسی جہت سے حضرت عائشہ نے معاویہ کو فرعون سے تشبیہ دی ہو (نصائح کافیہ ص ۸۴)۔

اونٹ اونٹنی کا قصہ | بہت بڑے مورخ مسعودی نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جب کوفہ کے لوگ جو حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ صفین میں گئے تھے وہاں سے واپس آنے لگے تو اُن میں کا ایک شخص اپنے اونٹ پر سوار شہر دمشق میں داخل ہوا۔ اُس کے پہنچتے ہی شام کا ایک شخص اُس (کوفہ والے) سے لپٹ گیا اور کہنے لگا یہ میری ہی اونٹنی ہے جس کو تو نے جنگ صفین میں مجھ سے چھین لیا تھا۔ اس کوفہ والے نے اس سے انکار کیا اور کہا نہیں یہ میرا اونٹ ہے اس پر بات بڑھ گئی۔ تو فیصلہ کے لئے یہ مقدمہ معاویہ کے ہاں پہنچا۔ وہ بیچارہ کوفی وہاں اکیلا تھا۔ گواہ کہاں سے لاتا۔ البتہ شامی نے پچاس آدمیوں کو گواہی کے لئے کھڑا کر دیا جن سب نے پورے یقین کے ساتھ گواہی دی کہ یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے۔ اس پر معاویہ نے فیصلہ دے دیا کہ بیشک یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے۔ اس کے حوالہ کر دی جائے۔ اس پر وہ کوفی چلایا کہ اے امیر! خدا آپ کی اصلاح کرے! یہ بھی تو ذرہ دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ اس کے اونٹنی ہونے کی گواہی دیتے ہیں مگر یہ تو اونٹ ہے۔ اونٹنی ہی نہیں۔ اس کو آپ کیسے دلواتے ہیں؟ معاویہ نے کہا اب فیصلہ ہو چکا اس کی کوئی اپیل نہیں سنی جا سکتی۔ غرض وہ شامی وہ اونٹ لیکر چلا گیا اور بیچارہ کوفی منہ تکتا رہ گیا۔ جب

لگے۔

شامیوں کا مجمع وہاں سے ہٹ گیا اور معاویہ اکیلا ہوا تو کسی شخص کو آہستہ سے اس کوفی کے پاس بھیجکر بلایا اور پوچھا کہ بتاؤ تمھارے اونٹ کی قیمت کس قدر ہوگی؟ اُس نے بتادی۔ اس پر معاویہ نے اُس کی دگنی رقم اُس کو پوشیدہ طور پر دیدی اور اس کے ساتھ اور بھی احسان کرکے کان میں کہا "بھائی! اب تم جاکر علیؑ سے کہہ دینا کہ میں اُن کے ساتھ ایسے ایک لاکھ آدمیوں سے لڑوں گا جو ایسے اندھے ہیں کہ اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے" (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۰۰)۔ معاویہ نے علم و ہدایت کو اس درجہ دشمن رکھا کہ اہل شام کو حد درجہ کا گمراہ کرنے کا سامان تو کرتا ہی رہا جاہل رکھنے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ شام کے ایک شخص نے اپنے بعض سرداروں سے جو صاحب علم و فضل تھے حضرت علیؑ کے بارے میں پوچھا کہ یہ ابوتراب کون تھا جس پر امیر معاویہ برابر منبروں پر لعنت کرتا ہے؟۔ اُن بزرگ سردار صاحب نے جواب دیا کہ میں سمجھتا ہوں وہ کوئی ڈاکو تھا۔ اسی طرح علامہ جاحظ نے بھی یہ بیان کیا ہے کہ میں نے اہل شام کے عام اشخاص سے ایک شخص کو سنا جو حج کے ارادے سے جا رہا تھا۔ اس کے سامنے خانۂ کعبہ کا ذکر کیا گیا تو وہ پوچھنے لگا کہ بتاؤ جب میں وہاں پہنچوں گا تو خدا کی طرف سے کون شخص مجھ سے باتیں کریگا (گویا اُن حاجی صاحب نے خیال کیا کہ خانہ کعبہ بھی کوئی بادشاہ ہے جس کے دربان اور مترجم مقرر ہیں جو اُس کی طرف سے حاجیوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں) اور اس کا ایک دوست نے اس سے بیان کیا کہ شام والوں سے ایک شخص کے سامنے اس نے حضرت رسول خدا صلعم پر درود پڑھا تو وہ شامی اُس سے پوچھنے لگا کہ یہ محمدؐ کون تھے؟ کیا یہی ہمارے خدا ہیں؟ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ بیٹھے حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ و معاویہ کے بارے میں بحث کرتے تھے کہ وہیں ایک بوڑھا شامی بھی پہنچا جس کی داڑھی بڑی تھی اور اُن لوگوں سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

بوڑھا شامی۔ کب تک تم لوگ علیؑ و معاویہ کے بارے میں بحث کرتے رہوگے؟

دوسرا شامی۔ اچھا تم ہی بتاؤ۔ تم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو۔

بوڑھا شامی۔ کس کے بارے میں تم میری تحقیقات کو دریافت کرتے ہو۔

دوسرا شامی۔ علیؑ ہی کے بارے میں بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو۔

دوستوں

بوڑھا شامی ۔ وہی علیؑ جو فاطمہ کے باپ تھے ؟

دوسرا شامی ۔ فاطمہ کون تھیں ؟

بوڑھا شامی ۔ تھیں کون ۔ فاطمہ تو حضرت رسولخدا صلعم کی بیوی اور عائشہ کی بیٹی تھیں ۔ اور حضرت عائشہ ہمارے امیر معاویہ کی بہن تھیں ۔

دوسرا شامی ۔ پھر علیؑ کا کیا ہوا ؟

بوڑھا شامی ۔ علیؑ تو حضرت رسولخداؐ کے سامنے غزوہ حنین (۳ھ) میں شہید ہو گئے (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) ۔

معاویہ خود رسولخدا بن گیا ایک دفعہ عمرو عاص جو معاویہ کی طرف سے مصر کا حاکم تھا وہاں سے کچھ لوگوں کو لے کر معاویہ سے ملنے کے لئے شام میں آیا ۔ مگر معاویہ کے دربار میں پہنچنے سے پہلے اُس نے مصر والوں سے کہا " دیکھو معاویہ کو خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا بلکہ تم سے جہاں تک ہو سکے اُس کو چھوٹا اور حقیر ظاہر کر کے سلام بھی کرو اور باتیں بھی کرو ۔ ایسا کرنے سے معاویہ سمجھے گا کہ تم لوگ بڑی عزت والے اور اتنے بڑے ہو کر اُس تک کو کوئی چیز نہیں سمجھتے ۔ اس طرح اُس کے دل میں تم لوگوں کی بڑی ہیبت پیدا ہو جائے گی ۔ مگر معاویہ تو عمرو عاص کا بھی استاد تھا ۔ جب مصر والے اُس کے پاس پہونچے تو اُس نے صورت ہی سے پہچان لیا کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کو ایسی بات سکھا دی ہے ۔ اس وجہ سے اب اُس نے اپنے درباریوں سے کہا مجھے انداز ہوتا ہے کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کی نظر میں مجھے حقیر کرنا چاہا ہے ۔ اس کے عوض تم لوگ یہ کرو کہ جب یہ سب میرے قریب آئیں تو میری نہایت درجہ عزت و تعظیم و اکرام کر کے ان سب کو ایسا گھبرا دو کہ یہ بدحواس ہو کر مجھ کو بڑی شان سے سلام کرنے لگیں ۔ درباریوں نے ایسا ہی کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ مصر والوں کی نظر میں معاویہ کی اتنی عظمت بڑھ گئی کہ اُن کا پہلا شخص جو معاویہ کے پاس پہنچا اُس نے معاویہ کو بجائے خلیفہ کہہ کر سلام کرنے کے اس طرح سلام کیا السلام علیک یا رسول اللہ ۔ اے خدا کے پیغمبر آپ پر میرا سلام ہو ۔ اُس شخص کی زبان سے اس سلام کا نکلنا تھا کہ سب مصریوں نے اسی طرح معاویہ کو سلام کیا ۔ اور معاویہ بیٹھا ہوا خوشی سے اپنے کو لوگوں کی زبان سے رسول اللہ

کا

کہنا سنتا رہا۔ جب سب دربار سے باہر نکلے تو عمرو عاص ان لوگوں پر بگڑا کہ واہ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ معاویہ کو خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا۔ اس کے الٹ تم سب نے اس کو رسول اللہ کہہ کر سلام کر دیا؟ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴)۔ سنہ ۵۰ھ میں معاویہ نے یہ حکم دیا کہ حضرت رسول خدا صلعم کا منبر مدینہ سے اٹھا کر شام میں منگا لیا جائے۔ لوگ اس کے ہٹانے کے لئے گئے۔ جب منبر میں ہاتھ لگایا گیا تو ایسا سورج گہن لگا کہ دن کو تارے نظر آنے لگے۔ اس حادثہ کو دیکھ کر لوگ ڈرے اور منبر کے لے جانے کا خیال ترک کر دیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۳)۔ معاویہ کی باطل پرستی، اسلام دشمنی اور کفر و الحاد کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کے وزیر اعظم اور قوت بازو عمرو عاص نے بھی ایک دفعہ اس کو اس مضمون کا خط لکھا تھا "اے معاویہ! تمہارا خط آیا۔ تم چاہتے ہو کہ میں اسلام سے خارج ہو کر تمہارے ساتھ گمراہ ہو جاؤں اور باطل کی مدد کروں اور امیر المومنین (حضرت علیؑ) کے مقابلہ پر تلوار کھینچوں ... لیکن یہ جو تم نے لکھا ہے کہ امیر المومنین نے صحابہ کو قتل عثمان کی ترغیب دلائی تو یہ بالکل جھوٹ اور مکاری اور گمراہی کی بات ہے۔ حیف ہے تجھ پر اے معاویہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ... رسول خدا صلعم نے ان کے حق میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہا ہے۔ لہٰذا تیرے خط سے کوئی احمق و بے دین ہی دھوکا کھائے گا (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۴۸)۔ اگر معاویہ کے کفر میں اور کسی سبب سے کوئی تاویل ہو بھی جائے تو اس بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے کہ معاویہ نے حضرت علیؑ پر خروج کر کے صفین میں حضرت سے جنگ کی۔ حالانکہ رسول خدا صلعم نے فرمادیا تھا من خرج علی علی فهو کافر جو شخص علیؑ پر خروج کرے وہ کافر ہے۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۷۳ طبع قسطنطنیہ)۔ قیس بن عبادہ انصاری نے معاویہ کو لکھا تھا کہ او بت پرست اور بیٹا بھی بت پرست کا!! تو جبراً اسلام لایا اور بہ خوشی اسلام سے خارج ہو گیا۔ تو خدا کا دشمن ہے اور تیرا گروہ شیطانی کا گروہ ہے (کتاب الامامۃ والسیاسۃ طبع مصر ص ...)

معاویہ کا اپنی بیوی کے زانی کو چھوڑ دینا

عام حمیت و غیرت کی بھی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ دمشق میں ہاتھی آیا۔ لوگ عجیب جانور سمجھ کر جوق جوق اسے دیکھنے چلے۔ معاویہ بھی تفریح طبع کے لئے ایک بلندی پر جا کھڑا ہوا۔ وہاں دوسری سیر دیکھنے میں آئی کہ ایک بدمعاش شخص معاویہ کے محل میں اس کی ملکہ صاحبہ سے حرام کاری کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر معاویہ دوڑا ہوا اپنے

مشورہ۔

محل میں آیا اور پوچھا۔

معاویہ۔ کیوں یار! میرے ہی مکان میں میری ہی بی بی سے تم زنا کر رہے تھے؟

بدمعاش۔ میں نے محض آپ کا حلم آزمانے کو یہ فعل کیا ہے۔

معاویہ۔ اچھا اگر ہم تمھارا یہ قصور معاف کر دیں تو کسی سے کہو گے نہیں نہ؟۔

بدمعاش۔ حضور! بھلا یہ بات کسی سے بھی کہنے کی ہے؟۔

معاویہ۔ شاباش! جاؤ میں نے تم کو معاف کر دیا مگر خبردار کسی سے بھی نہ کہنا کہ تم نے میری بیوی کے ساتھ ایسا کام کیا ہے (مستطرف جلد ۱ صفحہ ۲۲ طبع مصر)۔

حضرت عمر کا اعلان کہ معاویہ گمراہ اور کافر ہے ایک مرتبہ حضرت عمر نے ایک خطبہ میں معاویہ اور اس کے گروہ کے بارے میں فرمایا تھا انھم اعداء اللہ الکفار الضلال کہ یہ سب دشمنان خدا کافر و گمراہ ہیں (ازالۃ الخفا جلد ا قلمی ورق ۱۳۶)۔

ایک نوجوان شخص اور ایک درزی کے درمیان بھی معاویہ کے متعلق ایک فیصلہ کن بحث ہوئی تھی جو یہ ہے:۔

نوجوان۔ بتاؤ معاویہ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟۔

درزی۔ ہم اس میں متوقف ہیں۔ نہ اس کو اچھا کہتے ہیں نہ برا۔

نوجوان۔ اچھا معاویہ کے بیٹے یزید کی نسبت تم کیا کہتے ہو۔

درزی۔ اس پر تو ہم بلا توقف لعنت کرتے ہیں۔

نوجوان۔ اور جو شخص یزید سے محبت کرے اس کو کیا کہو گے؟۔

درزی۔ ہم اس پر بھی لعنت کرتے ہیں۔

نوجوان۔ تو تمھارا کیا گمان ہے۔ کیا معاویہ کو اپنے بیٹے یزید سے محبت نہیں تھی؟ پھر معاویہ پر کیوں نہ لعنت کی جائے؟

درزی اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ (روضۃ الاخیار طبع مصر صفحہ ۱۰ و ربیع الابرار قلمی ورق ۱۹)۔

آپ

معاویہ کو حضرت عمر کے کوڑے کی سزا

ایک مرتبہ معاویہ حضرت عمر کے پاس آیا تو آپ نے دیکھا کہ وہ سبز رنگ کا قیمتی ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ اصحاب نے اُس کی طرف نظر کی جب حضرت عمر نے بھی دیکھا تو اپنا کوڑا لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور لگے اُس سے معاویہ کو پیٹنے۔ اس پر معاویہ اُن سے کہنے لگا سرکار! خدا کا واسطہ خدا کی دہائی۔ کیوں میری یہ سزا ہونے لگی (اصابہ صفحہ جلد ۶ و تطہیر الجنان حاشیہ صواعق محرقہ صفحہ ۳۶)۔ معاویہ کی شوخی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اُس نے حضرت عمر سے بھی ٹرانا شروع کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ ممدوح سے کہنے لگا یا عمر واللہ لقد بلغتی اذالک ھھذا و بالشام۔ اے عمر! ہم شام میں بھی سنتے تھے اور یہاں بھی آنکھوں دیکھتے ہیں تم ہم کو برابر ستاتے ہو (اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۲۴)۔ ان باتوں سے جہاں معاویہ کی حالتیں واضح ہوئیں حضرت عمر کا انجام بھی معلوم ہوا کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے من استعمل عاملا من المسلمین وھو یعلم ان فیھم اولی بذلک منہ واعلم بکتاب اللہ وسنۃ نبیہ فقد خان اللہ و رسولہ و جمیع المسلمین۔ یعنی جو شخص مسلمانوں سے کسی کو کہیں کا عامل مقرر کرے اور اُس کو یہ بھی معلوم ہو کہ وہاں اُس شخص سے بہتر لوگ اس کام کے لئے موجود ہیں جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کا علم بھی اُس عامل سے زیادہ رکھتے ہیں تو ایسا شخص اللہ اور رسول اور کل مسلمانوں کی خیانت کرنے والا ہے (منتخب کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۱۳)۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمر نے معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کر کے اسلام کو کس درجہ نقصان پہنچایا۔ وہ جانتے تھے کہ معاویہ محض دنیا پرست اور باطل نواز شخص ہے۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ مسلمانوں میں ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جو معاویہ سے کہیں بہتر (مذہبی اعتبار سے) گورنری کے لائق ہیں۔ وہ اچھی طرح واقف تھے کہ قرآن مجید کے احکام اور رسول کی سنت کے جاننے والے ایسے ایسے اہل اسلام میں موجود ہیں جو معاویہ کو زندگی بھر قرآن بھی پڑھا سکتے ہیں اور احکام اسلام کی تعلیم بھی کر سکتے ہیں وہ اس حدیث رسول سے بھی بے خبر نہیں تھے کہ اچھوں کے رہتے ہوئے بُرے کو عامل بنانا اور عالم کے موجود ہوتے جاہل کو اُن پر حکومت کی سند دینا خدا و رسول اور مسلمانوں سے خیانت کرنا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے انھوں نے شام کی حکومت معاویہ ہی کے سپرد کی اور اُن کی

کے

کو عام مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ اس وجہ سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلام میں جو کچھ مصیبت نازل ہوئی اُس کی اول اول بنیاد رکھنے والے حضرت عمرؓ ہی قرار پاتے ہیں۔ اہلبیت رسول کو جو جور و زید دیکھنے پڑے اُن سب کے باعث ممدوح ہی ہیں۔ اور مسلمانوں میں جو خونریزیاں ہوئیں اُن سب کا الزام موصوف ہی پر قائم ہوتا ہے۔ اسلام کی بہی خواہی مسلمانوں کی ہمدردی اور ملک کی بہبودی کے لئے جو بہترین صورتیں تھیں اُن سب کو خدا کے حکم سے حضرت رسولخدا صلعم نے بتا دیا تھا۔ اور دین و ملت کا جو سب سے اچھا انتظام ممکن تھا اس کو انجام دے کر رسولخدا صلعم دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہی کل انتظامات اسی طرح باقی رہتے۔ صحابہ کرام ان انتظامات کو درہم و برہم کر کے اپنا دخل نہیں دیتے۔ خدا کے نظم میں تغیر نہیں پیدا کرتے۔ رسولؐ کی کارروائیوں پر انقلاب کی آفت نازل نہیں کرتے تو سقیفہ کی جنگ برپا ہوتی۔ نہ مانعین زکواۃ سے جدال و قتال کی نوبت آتی۔ نہ جنگ جمل واقع ہوتی۔ نہ جنگ صفین رونما ہوتی۔ نہ جنگ نہروان کا سامان ہوتا اور نہ واقعہ کربلا کا حادثہ پیش آتا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ انصاف سے تمام تاریخی کڑیوں کو ملائے۔ اسباب و علل کا پتا لگائے اسلام کی تباہ کرنے والی باتیں جس جگہ سے شروع ہوئیں اُس کی تحقیق کرے۔ اسلام کے کمزور کرنے کا سیلاب جس جس راستہ سے گزرا اس کو اچھی طرح دیکھے جن وجوہ سے اسلام پر مصیبت بلائے مصیبت نازل ہوتی گئی اُن کی جستجو کرے۔ جن اسباب سے لوگوں کو اسلام اور ارکان اسلام کے خلاف کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا گیا اُن کو منظر عام پر لائے۔ جن حالات میں یہ باتیں پیدا ہوتی گئیں اُن کو جانچے۔ اس کے بعد فیصلہ کرے کہ کیا امام حسینؑ کی شہادۂ عظمیٰ کا الزام صرف یزید پر ہے یا اُس رجس نے اس کو اپنا ولیعہد بنایا۔ اور اُس رجس نے یزید کو خلیفۂ رسول بنایا یا اُس رجس نے ایسے شخص کو موقع دیا کہ وہ خود بھی اہلبیت کو ستائے اور اُس کا مقرر کیا ہوا گورنر شام امام حسنؑ کو زہر سے شہید کرے اور امام حسینؑ کے لئے یزید کو مقرر کر جائے۔

عمارت قتل حسینؑ کی پندرہویں اینٹ شوریٰ

حضرت امام حسینؑ کے قتل کی جو عظیم الشان عمارت سنہ ۱۱ھ سے رفتہ رفتہ طیار ہو رہی تھی اس کی پندرہویں اینٹ حضرت عمر کا شوریٰ ہے۔ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ میں حضرت عمر زخمی اور اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو عبدالرحمان بن عوف، زبیر، سعد،

دوستوں

طلحہ، حضرت عثمان اور حضرت علی کا نام لیکر کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا لینا۔ افسوس آپ دنیا سے انتقال کر رہے ہیں مگر اس وقت بھی جو باتیں کر رہے ہیں بالکل واقعات کے خلاف۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی خلیفہ تو مقرر کرتے جائیے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر میں خلیفہ مقرر نہیں کرتا تو اس شخص کی پیروی ہے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسولخدا صلعم کی۔ اور اگر خلیفہ مقرر کرتا ہوں تو بھی اس کی پیروی ہے جو مجھ سے افضل تھا یعنی ابوبکر کی۔ مگر دنیا فیصلہ کرے کہ حضرت عمر کا یہ بیان کہاں تک صحیح مانا جا سکتا ہے۔ حضرت رسولخدا صلعم نے تو اپنی زندگی ہی میں بلکہ بعثت کے چوتھے ہی سال حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کر کے عام مجمع میں اعلان کر دیا تھا جس کے شواہد بار بار بیان کر دیئے گئے۔ اور پھر جب حضرت رسولخدا صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لیجانے لگے تو حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر آپ کی عملی خلافت کا اعلان بھی کر دیا اور آپکے ذمہ مکہ کے جو کام باقی رہ گئے تھے ان سب کے انجام دینے کی تاکید حضرت علیؑ ہی سے کر دی۔ پھر جب حضرت غزوۂ تبوک کی طرف جانے لگے تو حضرت علیؑ کو مدینہ میں چھوڑ کر اور اپنی جگہ رکھکر حضرت کی عملی خلافت کا دوبارہ اعلان کر دیا۔ اور یہ بھی فرما دیا کہ یہ مناسب نہیں کہ میں مدینہ سے باہر جاؤں اور تم میری قائم مقامی نہ کرو۔ پھر سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم میں منبر پر حضرت علیؑ کو لے جا کر حضرت رسولخدا صلعم نے آخری اعلان بھی فرما دیا کہ من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ۔ جس کا میں اب تک مولا تھا اب اس کا مولا علیؑ ہیں"۔ حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری قولی اعلان بھی کیا اور فعلی اعلان بھی۔ جس پر حضرت عمر نے آکر حضرت علیؑ کو مبارکباد بھی دی کہ اصبحت مولای و مولی کل مومن و مومنۃ۔ اے علیؑ آج سے تو آپ میرے بھی اور ہر مومن و مومنہ کے بھی آقا و مولا ہو گئے۔ ان سب باتوں اور تاکیدوں کے بعد کون شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا؟ کس طرح خلیفہ بناتے کہ معلوم ہوتا واقعا حضرت نے خلیفہ بنایا ہے شروع میں بھی خلیفہ بنا دیا۔ وسط میں بھی حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ بنایا۔ آخر میں بھی حضرت ہی کو خلیفہ بنایا۔ اور اپنے اوپر یہ الزام لے کر نہیں گئے کہ مسلمانوں کو بغیر کسی سردار کے

اور

چھوڑے جاتے ہیں۔ اگر حضرت رسول خدا صلعم کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کئے ہوتے تو جس طرح حضرت عمر کے انتقال کے قریب مسلمانوں نے اُن سے کہا کہ کوئی خلیفہ بناتے جایئے۔ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی مسلمانوں نے اسی طرح کہا ہوتا کہ یا رسول اللہ آپ تو تشریف لئے جاتے ہیں۔ ہم لوگوں پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کئے جاتے؟ کیا حضرت رسولؐ کے زمانہ کے مسلمان جو صحابہ کرام سمجھے جاتے ہیں بالکل جاہل یا اسلام کے بغیر بہی خواہ سمجھے جائیں اور حضرت عمر کے عہد کے مسلمان اسلام کے ہمدرد اور خیر خواہ مانے جائیں؟ یا حضرت عمر ہی اسلام کے بہی خواہ اور حضرت رسول خدا صلعم اسلام کے بدخواہ کہے جائیں؟ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے بار بار اعلان نہیں فرما دیا تھا اور مسلمانوں نے بھی حضرت کے خلیفہ کا نام نہیں سنا تھا تو جس طرح حضرت عمر سے مسلمانوں نے کہا کہ اپنا خلیفہ مقرر کرتے جایئے۔ اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم سے بھی صحابہ کرام نے کیوں اصرار نہیں کیا کہ کسی کو اپنا قائم مقام بناتے جایئے۔ صحابۂ کرام کا سکوت اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح وہ جانتے تھے کہ خدا نے حضرت محمدؐ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اسی طرح اُن کو اس کا بھی یقین کامل تھا کہ خدا نے حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ ستے بعثت ہی میں مقرر فرما دیا ہے اور اب یہ طے شدہ مسئلہ ہے جس کے متعلق کچھ بھی بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کچھ دریافت کرنا مناسب ہے۔ غرض جب حضرت عمر کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے کہا کہ علیؑ، عثمان، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن العوام اور طلحہ ایسے لوگ ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ان کو اہل جنت سے کہا ہے۔ ان میں سے جسے چاہے خلیفہ بنا لینا۔ مگر جسے خلیفہ بناؤ اُس کی وزارت اچھی طرح کرنا۔ دوسرے دن مذکورہ بالا اشخاص کو بلایا۔ طلحہ باہر گئے ہوئے تھے باقی لوگ ان کے پاس آئے۔ حضرت عمر نے ان پانچوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم پانچوں کسی مکان میں جمع ہو کر تین دن تک مشورہ کرنا اور اپنے میں سے ایک کو خلیفہ بنا لینا۔ اگر ان تین دنوں میں طلحہ آجائیں تو خیر ان کو بھی شریک کر لینا ورنہ تین دن سے زیادہ مشورہ میں نہ لگانا۔ تم پانچوں ہی فیصلہ کر لینا۔ اور ابو طلحہ انصاری کو بلا کر کہا کہ میں نے تم کو بچاس

عزیزوں

اشخاص انصار سے ان پر مقرر کیا۔ ان لوگوں کو کسی مکان میں جمع کرنا اور امر خلافت کو ان ہی میں سے کسی پر قرار دینا اور ان پچاس انصار کو لے کر دروازہ پر کھڑے ہو جانا اور کسی اور کو اندر نہ گھسنے دینا جب تک وہ طلب نہ کریں اور کسی کو مخالفت نہ کرنے دیو اور جو مخالفت کرے اُس کو قتل کر دینا۔ اور اُس گروہ کو ترجیح دینا جس طرف عبدالرحمان بن عوف ہوں۔ اور مقداد ابن اسود کندی کو ابو طلحہ پر مسلط و مقرر کیا کہ بغیر کسی تردد کے امر مذکور کو فیصل کریں اور چوتھے دن کی رات نہ ہونے پائے کہ خلیفہ مقرر ہو چکا ہو (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۴)۔ پھر کہا اگر ان میں سے پانچ ایک طرف اور ایک مخالف ہو تو اس کی گردن مار دینا۔ اور اگر چار ایک طرف اور دو دوسری طرف ہوں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔ اور اگر تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہوں تو جس کی طرف عبدالرحمان بن عوف ہوں اس کو خلیفہ بنا دینا اور دوسری پارٹی کے تینوں آدمیوں کو قتل کر دینا (طبری جلد ۵ صفحہ ۳۵)۔ آج تقریباً دنیا بھر میں ووٹ دینے کا رواج ہو گیا ہے اور ہر شخص آزاد رکھا گیا ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق جس طرف چاہے ووٹ دے۔ جو بات کثرت آراء سے معلوم ہو جاتی ہے اُسی کو طے کر لیا جاتا ہے۔ دوسری طرف والوں کو نہ جیل دیا جاتا ہے، نہ جرمانہ کی سزا ہوتی ہے قتل کرنا تو علیحدہ رہا۔ مگر حضرت عمر کا یہ انتظام آج سونے کے حرفوں سے لکھ کر تمام شائع کرنے کے قابل ہے کہ مسئلہ خلافت کے متعلق چھ آدمیوں سے خود ہی ووٹ طلب کرتے ہیں اور پھر حکم دیتے ہیں کہ دوسری پارٹی والوں کو معمولی سزا نہیں دینا بلکہ قتل کر دینا۔ اس پر اس زمانہ میں حضرت عمر کے جمہوری حاکم اور عدل و انصاف کا تمغہ لگے ہوئے خلیفہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے!!! کیا مصر کے فرعون نے بھی کوئی ایسا حکم دیا تھا؟ کیا چنگیز خاں نے بھی یہ صورت نکالی تھی؟ کیا ہلاکو خاں نے بھی یہ تدبیر سوچی تھی؟ کیا نادر شاہ نے یہ آرڈر دیا تھا؟ حضرت آدم سے اس وقت تک کسی زمانہ۔ کسی ملک۔ کسی قوم۔ کسی مذہب کے پیشوا یا سردار یا حاکم نے ایسا فرمان جاری کیا تھا کہ لوگوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے خود ہی بلایا ہو اور یہ بھی طے کر دیا ہو کہ ان میں سے اگر دو پارٹی ہو جائیں گی تو دوسری پارٹی کو قتل کر دیا جائے گا؟۔ اُس کو زندگی ہی سے ہاتھ دھو لینا پڑے گا؟ حضرت عمر کی سوا کس

کو

متعدد حضرات نے لکھی ہے مگر افسوس کسی نے بھی اس حکم کی خوبصورتی پر روشنی نہیں ڈالی اور دوسری رٹی کے قصور کی تحقیق نہیں کی کہ آخر اس دوسری جماعت کا کیا جرم قرار دیا گیا تھا جسکی وجہ سے (ایک نہیں بلکہ) تین تین صحابی رسول قتل کر ڈالے جاتے۔ دبس صرف دفتر اصلاح کی شائع کردہ سوانحعمری "حضرت عمرؓ" میں حضرت عمر کے اس انتظام پر بھی تبصرہ کردیا گیا ہے) ممدوح کے اس انتظام کے بعد حضرت علی نے اپنے چچا جناب عباس سے کہا اس دفعہ بھی خلافت ہم سے نکال دی گئی۔ پوچھا کیونکر؟ فرمایا میرے مقابلہ میں عثمان کو کھڑا کردیا اور کہا ہے کہ اگر اہل شوریٰ میں دونوں طرف تعداد برابر ہو تو اس طرف کو ترجیح دینا جدھر عبدالرحمان بن عوف ہوں۔ اب عبدالرحمان تو عثمان کے بھائی ہیں۔ اُن سے عثمان کی مادری بہن بیاہی ہوئی ہیں۔ اور سعد عبدالرحمان سے اس سبب سے خلاف نہیں کریں گے کہ وہ ان کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اس طرح عثمان، عبدالرحمان اور سعد یقیناً یکطرف ہو جائیں گے۔ اب باقی دو شخص میری طرف ہوں بھی تو بیکار۔ جناب عباس نے کہا ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ لوگ اہلبیت رسولؐ سے خلافت کو ہمیشہ علیحدہ ہی رکھیں گے۔ غرض حضرت عمر کے مرنے پر شوریٰ ہوا اور ارباب شوریٰ خلافت کے متعلق نفسانیت کرنے لگے۔ آخر عبدالرحمان نے حضرت عثمان کی بیعت کرلی اور یہی خلیفہ مقرر ہو گئے۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر زبردستی اور اس معاملہ میں ظلم اور ہم کو محروم کیا فصبر جمیل واللہ المستعان۔ مسٹر امیر علی اپنی انگریزی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ "خلافت کو شوریٰ پر چھوڑنے میں خلیفہ دوم سے ایسی غلطی سرزد ہوئی جس نے بنوامیہ کی سازشوں کے لئے راستہ صاف کردیا۔ بنوامیہ اب مدینہ میں نہایت زبردست ہو گئے تھے۔ اور خاندان رسولؐ کے مدت سے رقیب تھے اور بنوہاشم سے سخت نفرت کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے جناب رسالتمآبؐ کا نہایت تندہی سے تعاقب کیا تھا اور فتح مکہ کے بعد محض ذاتی مفاد اور اغراض کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلام کی ترقی کو وہ اپنے ذاتی اقبال کا ذریعہ بنانے کی ٹھانے ہوئے تھے۔ یہ لوگ رسولؐ کے سیدھے سادے جفاکش صحابیوں سے جو مسلمانوں پر حکومت کرتے تھے سخت کینہ و عناد رکھتے تھے۔ وہ قدیم مسلمانوں کو کارکن اور سرکاری عہدوں پر سرفراز ہوتا دیکھ کر آتش حسد سے

معلوم

اندر ہی اندر جل بھن کر کباب ہو رہے تھے۔ اُن بزرگان دین کی پاک زندگیاں اُن کو اپنی عیاشی اور خودغرضی کے باعث زہر لگتی تھیں۔ انھوں نے نہایت سہولت سے بد سرداروں کو جو اُن کے اپنے بھائی بند تھے اپنے ساتھ گانٹھ لیا اور اپنی چالبازیوں سے وہ حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چند دن کی بحث و مباحثہ کے بعد بنوامیہ خاندان کے ممبر حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کیا۔ اُن کا انتخاب آخر کو اسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔ حضرت عثمان کمزور اور ارادے کے کچے تھے اور کسی طرح بھی انتظام حکومت کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ بنوامیہ کے حسب منشا وہ فوراً اپنے خاندان کے اثر میں آ گئے۔ وہ بالکل اپنے سکرٹری مروان کے کہنے پر چلتے جو بنی امیہ میں سخت بدطینت تھا، اور عہد شکنی کے جرم میں رسولخدا صلعم کے حکم سے جلا وطن ہو چکا تھا۔ اور اس لئے طرید رسولؐ کہلاتا تھا۔ جس وقت عثمان منتخب ہو گئے حضرت علیؑ نے جو کمال درجہ کی حب الوطنی اور غیرت دینی رکھتے تھے سکوت ہی اختیار کیا۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں بنوامیہ اور بنو ہاشم کے درمیان وہ آگ پھر سے مشتعل ہو گئی جو ایک صدی تک قائم رہی۔ اُن کے عہد میں صرف یہی رخنہ نہیں پڑا عرب کے عام لوگ ہمیشہ با امن زندگی سے گھبراتے ہیں۔ وہ صرف رسولخداؐ کی زبردست شخصیت سے ایک رشتہ میں منسلک ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مستعدی اور ہوشیاری نے اُن کو ضابطہ میں رکھا۔ اب وہ قریش کی سرداری سے بلبلاتے اور دور دراز مقامات میں بغاوت کے بیج بونے اور مضری، اور حمیری، فرقوں کے درمیان قومی حسد جو تقریباً معدوم ہو چکا تھا بھڑکانے کے درپے ہوئے جس کا نتیجہ اسلام کے لئے نہایت تباہی بخش نکلا۔ حضرت عثمان نے حضرت عمر کے بہت سے گورنروں کو موقوف کر کے اُن کی جگہ اپنے خاندان کے آدمی جو سخت نالائق اور ناقابل تھے مقرر کئے

اور علامہ ابن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ زیاد نے ابن حصین کو معاویہ کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ وہ کئی دن تک معاویہ ہی کے ہاں رہ گیا۔ ایک دن رات کے وقت معاویہ نے اُسے خلوت میں اپنے پاس بلایا۔ اور یوں باتیں کیں۔

معاویہ۔ ابن حصین! لوگ کہتے ہیں کہ تم بڑے ذہین اور عقلمند ہو۔ بھلا ایک بات تو بتاؤ۔

ابن حصین۔ فرمائیے۔

ہوا

معاویہ ۔ بس صرف یہ بتادو کہ کون سا امر مسلمانوں میں پراگندگی اور اختلاف کا باعث ہوا۔
ابن حصین ۔ لوگوں کا عثمان کو قتل کر دینا۔
معاویہ ۔ یہ تو کچھ نہ بتایا۔
ابن حصین ۔ تو پھر حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا اور اُن کا آپ سے جنگ وجدال کرنا۔
معاویہ ۔ یہ بھی ٹھیک نہیں۔
ابن حصین ۔ سرکار! اور تو کچھ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا۔
معاویہ ۔ سنو میں تم کو بتاتا ہوں۔ یہ جتنا کچھ اختلاف اور لوگوں کی خواہشوں میں فرق ہوا ہے اُس شوریٰ کا نتیجہ ہے جو عمر نے چھ آدمیوں پر منحصر کر کے مقرر کیا تھا۔ جب عمر نے چھ آدمیوں کے درمیان شوریٰ مقرر کیا اُن چھ میں سے ہر شخص اپنے ہی نفس کے لئے خلافت چاہتا تھا اور اُن میں سے ہر ایک کی قوم اپنے ہی آدمی کو چاہتی تھی۔ اور ہر ایک اپنے ہی واسطے حریص تھا۔ اگر عمر ایسا نہ کرتے تو اس امت میں یہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ طبع مصر)
اگر غور کیا جائے تو واقعۂ کربلا کا گہرا تعلق اس شوریٰ سے بھی نظر آنے لگے۔ حضرت عمر نے شوریٰ مقرر کر کے گویا لوگوں کو دکھانا چاہا کہ میں کسی کو مقرر نہیں کرتا چھ آدمی آپس میں طے کرلیں۔ لیکن ان چھ میں حضرت عثمان، عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو رکھنا اور یہ شرط کر دینا کہ جن تین میں عبدالرحمان ہوں انہیں کا نمائندہ خلیفہ بنایا جائے صاف بتا دیتا ہے کہ حضرت عمر خود ہی حضرت عثمان کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے ورنہ وہ یہ ضروری شرط کیوں کرتے؟۔ کیا خوب شاعر نے کہا ہے ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں ٭ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

حضرت عمر کا مقصود غالباً یہ تھا کہ لوگ ان کو زندگی میں یہ نہ کہہ دیں کہ آپ نے حضرت عثمان کو جو اسلام کے مشہور دشمن خاندان بنو امیہ کے معزز رکن تھے کیوں خلیفہ مقرر کر دیا اور اس طرح اسلام کے خونخوار حلقہ (بنی امیہ) میں اس کو پہونچا دیا۔ اس سبب سے یہ چالاکی کی کہ حضرت عثمان اور اُن کے دو خاص عزیزوں کو اس کمیٹی میں رکھ کر تین دوسرے لوگوں کو بھی ممبر بنا دیا

تو

تاکہ دنیا سمجھے آپ کسی خاص شخص کو خلیفہ بنانا نہیں چاہتے تھے مگر ایک لگا وہی کے تین آدمیوں کو جمع کر دینا اور پھر یہ شرط کر دینی کہ عبدالرحمان بن عوف جس طرف ہوں اُسی طرف کا نمایندہ خلیفہ مقرر کر دیا جائے، آپ کے دلی راز کے پردے اچھی طرح چاک کر دیتی ہے۔ اب اس تنوع سے کو واقعۂ کربلا سے کیا ربط ہوا؟ اس کو بھی سمجھ لو۔ حضرت ابوبکر و عمر نے پہلے حضرت علیؑ کو خلافت سے الگ کیا تو صرف حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ اور دوسرے لوگوں کے دل میں خلافت کی طمع نہیں پیدا ہوئی۔ پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ کیا تو اب بھی اور دوسروں کو اس کا خیال نہیں ہوا۔ لیکن حضرت عمر نے چھ آدمیوں کی کمیٹی مقرر کر کے ان سب کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ حضرت علیؑ اور وہ پانچ ایک ہی درجہ کے ہیں۔ جو حق خلافت حضرت علیؑ کو ہے وہی سعد بن ابی وقاص۔ عبدالرحمان بن عوفؓ، طلحہؓ، زبیر اور حضرت عثمان کو بھی ہے اس وجہ سے سب کے دماغ میں ہمسری اور رعونت دینی کے جذبات موجزن ہو گئے۔ اس سے خاندانِ رسالتؐ کی انتہا درجہ کی ذلت بھی ہوئی اور صفات خلافت کی حد درجہ توہین بھی کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ چھ اشخاص کسی طرح ایک قسم کے علم و فہم و قابلیتِ انتظام، لیاقت حکومت، تقرب الی اللہ کے نہیں تھے لیکن حضرت عمر نے سب کو مساوی درجہ میں رکھ کر دعویدار بنا دیا۔ اب حضرت عثمان خلیفہ تو بن گئے مگر اُن کے رقیب چار آدمی اور کھڑے ہو گئے۔ جو سمجھتے تھے کہ اگر عثمان کو ان کے بہنوئی ووٹ نہیں دیتے تو یہی خلیفہ ہوتے۔ (حضرت علیؑ کا ذکر نہیں، حضرت تو وفات رسولؐ کے وقت ہی سے صبر کرتے جاتے تھے)۔ غرض حضرت عثمان کے مقابلہ میں چار آدمی ایسے تھے جو دل میں ان سے بھرے ہوئے تھے کہ ایک ہی امتحان میں بیٹھے۔ مگر عبدالرحمن بن عوف کی بیجا طرفداری سے حضرت عثمان پاس ہو گئے۔ اور یہ چاروں فیل کر گئے۔ کینہ۔ بغض، عداوت اور فتنہ کی آگ دلوں میں بھڑکنے لگی۔ لیکن حضرت عثمان کی خاندان پروری اور بنی امیہ کی طاقت و دبدبہ سے یہ لوگ فوراً کچھ نہ کر سکے۔ البتہ خفیہ سازشوں اور باطنی کدورتوں کے جال بچھتے چلے گئے۔ اُدھر حضرت عثمان کی خاندان پرستیوں نے پورا اثر کیا۔ بغاوت ہوئی اور زبردست ہوئی۔ جس میں حضرت عثمان شہید کئے گئے۔ معاویہ

سخت

بھی اسی خاندان کا تھا اُس کو موقع مل گیا کہ اس خون کا اتہام حضرت علیؑ پر رکھ کر اہل شام کو اہلبیت کے خون کا پیاسا بنا دیا یہ حضرت سے لڑتا رہا اور مرتے وقت یزید کو اپنا خلیفہ بنا کر امام حسینؑ کے ذبح کا پورا سامان کر دیا۔ اگر حضرت عمرؓ شوریٰ نہ مقرر کرتے تو نہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے نہ وہ اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے قتل ہوتے۔ نہ معاویہ کو حضرت علیؑ پر یہ الزام رکھنے کا موقع ملتا نہ اس کو حضرت سے لڑنے کا حیلہ ہاتھ آتا اور نہ یزید کو خلیفہ بنانے کی تہمت ہوتی۔ غرض ع:

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست۔ نا اہل کو اہل کے برابر اور جاہل کو عالم کے مساوی کرنے کے مفاسد بحد و حساب ہوتے ہیں [جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "لایزال الناس بخیر ما تفاضلوا فاذا تساووا ھلکوا جب تک لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے (یعنی علم و فضیلت مال و دولت حاصل کرنے کا عموماً شوق ہوگا اور ہر ایک دوسرے سے علم و فضیلت مال و دولت میں زیادہ رہنا چاہے گا) اچھے رہیں گے، جہاں برابر ہوئے تباہ ہو گئے۔ برابر ہونے سے یہ مطلب ہے کہ ترقی علمی و عملی (پروگرس) کا شوق جاتا رہے گا۔ حیوانات کی طرح حالت موجودہ پر قناعت کرنے لگیں گے۔ یا سب جاہل یا سب نادار اور مفلس۔ یا سب مالدار اور متمول ہوں۔ بعضوں نے کہا تساووا سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک اپنی ایک اینٹ کی جدا مسجد بنائے۔ خود رائے ہو کر اپنے تئیں امامت کے لائق سمجھے۔ ایک امام پر لوگ متفق نہ ہوں۔ یعنی گروہ گروہ ہو جائیں۔ اُن میں پھوٹ پڑ جائے۔ ایسی حالت میں تباہی میں کیا شک ہے۔ کذا فی النہایۃ۔ میں کہتا ہوں حضرت علیؑ کا یہ قول بڑے اعلیٰ درجہ کا فلسفہ ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک دنیا کا انتظام یوں ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت اور فوقیت ہے ایک امیر ہے دوسرا غریب، ایک بادشاہ ہے ایک رعیت، ایک حاکم ہے ایک محکوم، ایک توانا اور طاقت ور ہے، دوسرا ناتوان۔ اُس وقت تک دنیا اچھی حالت میں رہے گی اور لوگ امن اور آسائش اور رفاہیت کے ساتھ بسر کرینگے لیکن جب یہ انتظام توڑ دیا جائے اور اباحت اور اشتراک اور مساوات کا قاعدہ جاری ہو جیسے مزدک حکیم نے قباد کے عہد میں جاری کیا تھا کہ سب آدمی برابر برابر سارے اموال تقسیم کر لیں اور عورتیں سب مشترک سمجھی جائیں ہر مرد کو

مضطرب

جس عورت سے وہ چاہے اُس کی رضامندی سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہو، شوہر کو اُس کی مزاحمت کا کوئی حق نہ ہو تو بس دنیا کی تباہی آگئی۔ سب ہلاک ہوں گے اور ایسی حکومت کبھی قائم نہ رہے گی۔ ہمارے زمانہ میں جو نیچری بے دین پھیلے ہیں اُن کا بھی اصلی پیرو یہی مزدک حکیم تھا اور قرامطہ اور باطنیہ بھی اُسی کے اُصول پر تھے۔ آخر کیا ہوا؟ تباہ اور برباد ہوگئے جس حکومت یا سلطنت میں یہ نیچری بے دین گھسیں گے اُس کو تباہ کر کے چھوڑیں گے اور خود بھی تباہ ہوں گے۔ نیشلسٹ اور سوشلسٹ اور انارکسٹ اور اکسٹریمسٹ فرقے ملک روس اور جرمن میں بہت ہیں۔ وہ بھی ان ہی نیچریوں کے ہم ملت اور ہمزاد بھائی ہیں اُن کی ساری کوشش بادشاہ کو تباہ کرنا۔ اور سب لوگوں کو برابر کردینے کی رہتی ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالٰی نے جو ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے فرمایا لیتخذ بعضھم بعضا سخریا اسی میں اُن کی بھلائی اور بہبودی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۰۱) کم۔

سولہویں اینٹ حضرت عثمان کی خلافت

سولہویں اینٹ حضرت عثمان کی خلافت ہے۔ اگر آپ خلیفہ نہیں بنائے جاتے تو امام حسینؓ کی شہادت واقع نہیں ہوتی کیونکہ پھر نہ آپ قتل ہوتے نہ معاویہ جناب امیرؑ پر یہ الزام قائم کرسکتا کہ آپ ہی نے اُن کو قتل کرایا۔ نہ وہ حضرت سے لڑسکتا۔ نہ اُس کو خود خلیفہ بننے کا بہانا ملتا نہ یزید کو اپنا خلیفہ بنانے کا موقع پیدا ہوتا۔ آپ چھ سال تک اچھی طرح خلافت کرتے رہے اُن پر زیادہ اعتراض نہیں ہوئے مگر جب ممالک فتح ہوئے، مال بہت آنے لگا، وہ سب اپنے رشتہ داروں کو دینے لگے، اُن کو بڑے بڑے ملکوں کا والی بنانے لگے یا سنت رسولؐ کے خلاف عمل کرنے لگے۔ اُن کے پاس بھی بہت مال جمع ہوگیا۔ اُن کے غلاموں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی اور انہوں نے اپنے واسطے ایک عالیشان محل تعمیر کرایا تو لوگ اُن پر اعتراض کرنے لگے اور عبدالرحمان بن عوف سے شکایت کی کہ جو کچھ عثمان کررہے ہیں اُن سب کا وبال تمھاری گردن پر ہوگا کیونکہ تم ہی نے ان کو خلیفہ بنایا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا مجھے ان معاملات کی خبر نہیں، اگر سچ ہے تو عثمان پر تلواریں کھینچو اور میں بھی تلوار کھینچتا ہوں جب حضرت عثمان کو عبدالرحمان کی بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے عبدالرحمان منافق ہیں۔ جب

ہوے

عبدالرحمان نے یہ سنا تو بہت بھڑکے اور قسم کھائی کہ جب تک زندہ رہوں گا عثمان سے بات نہ کروں گا
اب تمام حالات مشہور ہوگئے اور ہر شخص حضرت عثمان کی نسبت سختی کرنے لگا۔ حضرت عثمان کو بھی خبریں
پہنچتیں۔ ایک دن انھوں نے مسجد رسول میں مسلمانوں کو جمع کرکے خطبہ دیا جس میں اپنی بہت صفائی
پیش کی اور وعدہ کیا کہ اب قاعدہ کے مطابق عمل کرینگے اور کسی کو کچھ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ مگر
کچھ ہی دنوں کے بعد ان کی عادتیں پھر بدل گئیں اور وہ کام کرنے لگے جو سنت رسول اور نیکی کے
خلاف تھے۔ اصحاب رسول کو بہت ناگوار ہوا۔ انہوں نے مشورہ کرکے اُن امور کی ایک فہرست
بنائی جو حضرت عثمان نے خلیفہ ہونے کے وقت سے خلاف شریعت اسلام و سنت رسول کئے تھے۔
حضرت عثمان نے وہ تحریر پڑھ کر پھینک دی۔ جناب عمار وہ تحریر لے کر گئے تھے ان کو آپنے گالیاں دیں اور
اپنے غلاموں سے اتنا پٹوایا کہ وہ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ پھر خود حضرت عثمان نے بڑھ کر جناب عمار
کے پیٹ اور خصیوں پر کئی لاتیں ماریں جس سے جناب عمار کو فتق کا عارضہ ہوگیا اور غش آگیا۔ اس
حالت غشی میں بیچارے کی چار نمازیں بھی قضا ہوگئیں (تاریخ خمیس جلد۲ ص۲۹۶)۔
جناب ابوذر نے اس زمانہ میں شام کی سکونت اختیار کرلی تھی چونکہ معاویہ دنیا پرست تھا اور دنیوی
زیب و زینت میں گرویدہ رہتا تھا اس سبب سے جناب ابوذر اُس کو ٹوکتے اور سمجھاتے رہتے
تھے اور کہتے تھے کہ تمھارے اعمال سنت رسول کے بہت خلاف ہیں۔ ایک دن معاویہ اور ابوذر میں
آیۂ ان الذین یکنزون الذھب والفضۃ (جو لوگ سونا اور چاندی اپنے خزانوں میں جمع
کرتے ہیں) کے معنے میں مخالفت ہوگئی۔ معاویہ نے لفظ بیت المال کو بیت مال اللہ سے تعبیر کیا۔
جناب ابوذر نے کہا تم نے یہ نام اس وجہ سے لیا کہ چاہتے ہو اس مال میں اب تم تصرف کرو اور مسلمانوں
کو نہ دو۔ جناب ابوذر امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے بھی باز نہ آتے تھے۔ شام میں تو معاویہ کی
عیب چینی کرتے ہی دوسری طرف یہ سنکر کہ عثمان نے عمار یاسر کو بلا وجہ سخت زدوکوب کی ہے اور بہت
سے امور خلاف سنت رسول کئے ہیں۔ حضرت عثمان پر بھی اعتراض کرنے لگے۔ معاویہ نے ان کی
شکایتیں حضرت عثمان کو لکھ بھیجیں۔ انھوں نے بغیر کچھ پوچھے حکم بھیجدیا کہ ابوذر کو ایک
بدرفتار ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کرکے کسی درشت مزاج رہبر کو اُس کے ساتھ کرکے جو

۵۹

رات دن اونٹ کو بھگاتا لائے اور کسی جگہ نہ ٹھیرے کہ ابوذر پر نیند ایسا غلبہ کرے جس سے وہ میرا اور تمہارا ذکر کرنا بھول جائے' مدینہ بھیجدو۔ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ جناب ابوذر مدینہ پہنچے تو اُن کی رانوں کا گوشت چھل چھل کر جدا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان نے ان کو دیکھا تو برس پڑے اور بہت گالیاں دیں۔ جناب ابوذر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ "جب ابوالعاص کی تیس ۳۰ اولادیں ہو جائیں گی تو وہ خدا کے مال کو اپنی دولت و اقبال کا ذریعہ قرار دینگے۔ خدا کے بندوں کو اپنے خدمت گار اور نوکر بنالیں گے۔ اور خدا کے دین میں خیانت کریں گے"۔ حضرت عثمان نے صحابہ سے پوچھا تو حضرت علی نے فرمایا حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ نیلے آسمان کے نیچے اور میلی زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذر سے زیادہ سچا نہیں ہوگا۔ حاضرین مجلس بھی بول اٹھے کہ یقیناً ابوذر سچ کہتے ہیں مگر حضرت عثمان نے جناب ابوذر سے کہا تو جھوٹ کہتا اور فساد کرتا ہے۔ پھر حضرت علی سے بہت بدتہذیبی کی باتیں کیں اور جناب ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا جو مدینہ سے ۳ منزل پر جنگل میں ایک مقام ہے۔ یہ بھی حکم دیا کہ یہ ربذہ سے کہیں جانے نہ پائے اور مروان بن حکم سے کہا کہ اسے ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کے باہر نکال آؤ۔ اور کسی کو اسے رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نہ جانے دو مگر حضرت علی' حسن' حسین' ابن عباس' عمار یاسر' مقداد وغیرہ رخصت کرنے گئے۔ جس پر حضرت عثمان غصہ سے سرخ ہو گئے۔ حضرت علیؑ سے بے حد بدزبانی کی اور لڑنے پر آمادہ ہو گئے مگر لوگوں نے بیچ میں پڑ کر اس فتنہ کو رفع کرا دیا۔ جناب ابوذر ۳۲ھ تک ربذہ میں رہے نہ ہیں وفات ہو گئی تو اتفاق سے جناب مالک اشتر وغیرہ وہاں پہنچے۔ سب رونے لگے۔ اپنے کپڑوں سے ان کو کفن دیا اور وہیں دفن کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے جناب عمار کو بھی ربذہ ہی میں جلاوطن کرنا چاہا۔ پھر جناب امیرؑ نے ان کو سمجھایا کہ یہ سب ظلم کیوں کر رہے ہو مگر وہ اپنے غرور خلافت میں کسی کی بات نہیں مانتے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت عثمان نے گروہ صحابہ کو بہت ستایا۔ گالیاں دیں۔ مارا۔ ان کو معزول کر کے اپنے نااہل فاسق و فاجر رشتہ داروں کو جن کو شرف صحابیت بھی حاصل نہ تھا صوبجات کا گورنر مقرر کیا۔ یہ رعایا پر مختلف قسم کے ظلم کرتے رہے۔ لوگوں نے فریادیں کیں لیکن آپ نے ان کو معزول نہیں کیا۔ ادھر آپ اپنے کنبہ والوں کے ساتھ فیاضی بھی بہت کرتے تھے۔ (۱) منیٰ کو خیمہ گاہ بنایا' حسب دستور زمانہ جاہلیت دھوم سے دعوتیں

اپیل

کیں اور خلاف سنت یہاں نماز قصر نہیں کی (۲) بیت المال میں بیحد اسراف کیا (۳) حکم بن عاص مطرود رسولؐ کو مدینہ میں واپس بلا لیا اور بیت المال سے اس کو ایک لاکھ درہم دیدیا۔ حارث بن حکم کے نام جو حضرت عثمان کا داماد تھا مدینہ کی تہ بازی یعنی فروخت مال کا دسواں حصہ مقرر کر دیا جو مسلمانوں پر جناب رسولؐ نے تصدق کیا تھا اپنے دوسرے داماد مروان بن حکم کو افریقہ کا خمس دیدیا۔ اور فدک اُسے جاگیر میں دیدیا (ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۶۹)۔ ایرونگ لکھتا ہے کہ مروان کو کل پانچ لاکھ اور چار ہزار دینار سے کم نہیں دیا۔ اور خمس افریقہ جو دیا یہ اہلبیت رسولؐ کا حق تھا اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ حق اللہ، رسولؐ، ذوالقربیٰ، یتیموں اور مسکینوں کا تھا جو سب کا سب مروان کو دے دیا۔ عبداللہ بن خالد اُن کے پاس آیا تو اُسے تین یا چار لاکھ دینار دیدیئے۔ حضرت عثمان نے مدینہ میں سات عالیشان محل بنوائے ایک اپنی بیوی نائلہ کے لئے (یہ عورت عیسائی تھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قبل از دخول مسلمان ہو گئی تھی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ عیسائی ہی مذہب پر قائم رہی۔ اور ایک ایک اپنی بیٹیوں کے لئے۔ مروان نے خمس عطیہ عثمان سے مقام ذی خشب میں محل بنوایا حالانکہ وہ خدا اور رسولؐ کا حق تھا۔ موصوف نے ایسے لوگوں کو جاگیریں، روزینے اور وظیفے دیئے جو اصحاب رسولؐ سے نہیں تھے نہ لڑائی پر جاتے تھے نہ مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے۔ بلکہ گھر میں بڑے عیش مناتے تھے۔ ہر طرح کے جاہ و حشم کی زندگی اختیار کی۔ (۴) مروان کو اپنا وزیر بنایا اور اُس کو سیاہ و سفید کا مختار کر دیا اور اس قدر اُس کے مشورہ کے مرید ہو گئے کہ بڑے بڑے کاموں میں اکابر صحابہ کی رائے پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ جو خود چاہتے یا مروان چاہتا وہی کرتے۔ صحابہ کو تو خبر بھی نہیں ہونے پاتی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ، عبداللہ بن عباس، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص تک کسی شمار میں نہ رہے اور ان لوگوں نے بھی حضرت عثمان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ (۵) عبداللہ بن مسعود اور ابوذر کا روزینہ بند کر دیا۔ مالک اشتر اور کعب بن عبدۃ کو جلا وطن کر دیا (۶) عمار یاسر کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے اور اُن کے پیٹ اور پیٹھ پر خود اتنی لاتیں ماریں کہ وہیں اُن کو فتق کی بیماری ہو گئی۔ (۷) ابن مسعود کو مدینہ میں بلایا۔ جب وہ آئے تو ایک حبشی غلام کو حکم دیا اُس نے ابن مسعود کو نکالدیا۔

کوفہ

اور زمین پر دے ٹپکا۔ اور حضرت عثمان کے حکم سے ان کے جمع کردہ قرآن کو جلا دیا اور انہیں نظر بند کر دیا (۸) بارش کا پانی جو خدا کا عطیہ ہے اُس کے ذخیرہ کو اپنے عزیزوں کے حوالہ کر کے باقی لوگوں کو اُس سے محروم کر دیا (۹) مدینہ میں لوگوں کو چارہ کی خرید و فروخت سے منع کیا جب تک جناب خلیفہ کا وکیل شتران خلیفہ کے واسطے حسب ضرورت نہ خرید لے (۱۰) سمندر میں حکم دیدیا کہ ہمارے سوائے کسی اور کا تجارتی جہاز نہ چلے (۱۱) اپنے اصحاب اور رشتہ داروں کو ممالک اسلام سے بہت جاگیریں دے دیں۔ (۱۲) عبادۃ بن صامت شام میں تھے۔ ان کے پاس سے اونٹوں کی ایک قطار گزری معلوم ہوا کہ یہ شراب ہے جو معاویہ کے واسطے خرید کر جا رہی ہے۔ عبادہ نے ایک سوراخ دار چیز سے سب مشکوں کو چیر دیا۔ پھر اہل شام سے حضرت عثمان و معویہ کی برائیاں بیان کرنا شروع کیں تو معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے عبادہ کو مدینہ بلا لیا۔ (۱۳) عبدالرحمان بن عوف کو منافق کہا جس پر کہا گیا کہ اگر وہ منافق ہیں تو اُن کی بیعت ہی صحیح نہ ہوئی اور نہ حضرت عثمان کی خلافت جائز ہوئی کیونکہ اُنہیں نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا تھا (۱۴) حدود خدا کو ترک کیا۔ عبیداللہ بن عمر سے قتل ہرمزان و جفینہ و بیتیمۂ ابولولو کا قصاص نہ لیا اور اس معاملہ میں صحابہ کی ایک نہ سنی جو اُس کے قتل کی رائے دیتے تھے۔ ولید بن عقبہ کی شراب نوشی کی سزا میں لیت و لعل کیا (۱۵) فرائض وغیرہ میں اقوال شاذہ میں منفرد تھے اور تمامی امت کے مخالف۔ (۱۶) وعدہ خلافی اور بد عہدی کے عادی تھے۔ (اسی طرح حضرت علیؑ اور عباس حضرت ابوبکر و عمر کو بھی کاذب خائن اور غادر سمجھتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ باب الفئے میں لکھا ہے کہ جب حضرت علی و عباس نے حضرت عمر کے پاس فدک کا دعویٰ کیا تو حضرت عمر نے کہا کہ تم دونوں آدمی ابوبکر کو اور مجھ کو بھی کاذب۔ آثم۔ غادر اور خائن سمجھتے ہو حالانکہ نہ وہ ایسے تھے نہ میں ایسا ہوں بلکہ ہم تو صادق، نیک اور تابع حق ہیں) ۔ اہل مصر سے وعدہ کیا کہ جسے چاہو گے اُسے مصر کا والی بنا دوں گا۔ پھر اُن کی رائے کے موافق محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنا کر روانہ کیا اور ساتھ ہی ابن ابی سرح کو لکھا کہ محمد بن ابی بکر مصر میں پہنچیں تو پکڑ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالنا۔ (۱۷) صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بعض بنی حکم کو دے دیا جس پر بعض اصحاب نے جو مدینہ

کی

میں تھے تمام علاقوں کے لوگوں کو لکھا کہ اگر جہاد کرنا ہو تو عثمان پر جہاد کرنے آؤ۔ کیونکہ اُس نے دینِ محمدی کو بگاڑ ڈالا ہے۔ تم لوگ آکر دین کو سنبھالو۔ ابن قتیبہ نے اُس خط کو نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "مہاجرین اولین و اصحاب شوریٰ کی طرف سے' تمام صحابہ اور تابعین کو جو کسی شہر میں ہوں معلوم ہو کہ آپ لوگ ہماری طرف آئیے اور خلافت رسول کی خبر لیجیے۔ قبل اس کے کہ وہ اپنے اہل سے سلب ہو جائے۔ کیونکہ بہ تحقیق کتاب خدا بدل دی گئی اور سنت رسول میں تغیر کر دیا گیا۔ ابوبکر و عمر تک کے احکام بدل دیئے گئے۔ پس اصحاب و تابعین سے جو شخص بھی ہمارے اس خط کو پڑھے اُسے قسم دیتے ہیں کہ ہماری طرف آئے اور ہماری دادرسی کرے اور ہمارا حق ہم کو دلوائے۔ اگر تم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو ہماری خبر لو۔ اور حق کو اس راستہ پر قائم کرو جس پر رسول اللہ چھوڑ گئے تھے ہمارے حقوق اور ہمارے فے چھین لئے گئے اور ہمارے معاملات میں حیلے حوالے بتائے جاتے ہیں۔ ہمارے نبی کی خلافت تو نبوت اور رحمت کی تھی مگر آجکل تو پھاڑ کھانے والا بادشاہ ہے کہ جو اُس کے ہاتھ لگا اُسے کھا گیا (کتاب الامامۃ والسیاسۃ جلد ص ۳۵) (۱۸) غنیمت میں جو مال اور زیور آتے تھے اُن کو بجائے اس کے کہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیں اپنی بیبیوں اور بیٹیوں کے پاس بھیج دیتے تھے۔ کسی بیٹی کو موتی اور جواہرات جڑے ہوئے زیور دیدیتے اور کسی بیٹی کو دو دو موتی دے دیتے جن کی قیمت نہیں لگ سکتی۔ (۱۹) حضرت عثمان نے بیت المال کا بہت سا حصہ اپنے باغوں، زمینوں اور مکانوں میں صرف کر دیا جو خاص ان کی جائداد تھے (۲۰) ایک دن بیت المال میں ایک لاکھ درہم فاضل بچ رہے۔ حضرت عثمان نے وہ سب زید بن ثابت کو دیدیئے۔ جب رعایا حضرت عثمان سے کمال تنگ آگئی اور باوجود بار بار وفد بھیجنے اور فریادیں کرنے کے کوئی صورت اصلاح کی نظر نہ آئی' تو لوگوں نے اتفاق کیا کہ فلاں تاریخ کو ہر طرف سے ایک گروہ مدینہ میں جائے اور حضرت عثمان سے ترک خلافت کی درخواست کرے۔ ربیع الاول میں یہ سب لوگ حضرت عثمان کے پاس آئے۔ مگر حضرت علی کے سمجھانے سے واپس چلے گئے۔ پھر شوال ۳۵ھ میں مصر، کوفہ، بصرہ کے ہزاروں مسلمان آئے۔ اور حضرت علی سے عرض کی کہ ہم عثمان کو معزول کرنے اور آپ کو خلیفہ بنانے آئے ہیں مگر حضرت علی نے صاف جواب دیا اور وہ لوگ اپنی قیامگاہ کو واپس گئے۔ جب حضرت عثمان کو ان لوگوں کے آنے کی خبر ہوئی تو مغیرہ

بے

بن شعبہ اور عمرو عاص کو اُن کے سمجھانے کے لئے بھیجا مگر وہ نہ مانے تو رات کے وقت جناب عثمان خود حضرت علیؑ کے پاس گئے اور اس طرح باتیں ہوئیں۔

حضرت عثمان۔ اے ابوالحسن! لوگ خفیہ فتنہ برپا کرنے اور مجھے تباہ کرنے آئے ہیں۔ آپ سے جس طرح ہو سکے ان کو الٹا پھیر دیجئے۔

حضرت علی۔ کس شرط پر؟۔

حضرت عثمان۔ جو آپ کی مصلحت اور رائے ہو بیان فرمائیے۔ میں اسی پر عمل کروں گا۔

حضرت علی۔ اب تک تو تم نے میری کسی مصلحت اور نیک رائے پر عمل نہیں کیا۔ ہر بات میں مخالفت ہی کرتے رہے اور مروان و سعید و معاویہ و عبداللہ بن ابی سرح ہی کی رائے پر چلتے رہے اور اُن کی رائے کو میری رائے پر ترجیح دیتے رہے۔ ان کو خوش کر کے فتنہ اور خطرہ کا دروازہ اپنے اوپر کھول لیا۔

حضرت عثمان۔ جو ہوا سو ہو چکا۔ اب کبھی ان لوگوں کی رائے پر نہ چلوں گا اور آپ کی صلاح سے کبھی تجاوز نہ کروں گا۔

حضرت علی۔ اچھا میں کل انھیں سمجھا کر واپس کر دوں گا۔

یہ سب گفتگو مدینہ سے باہر اُس کے متصل ایک مقام ذی خشب میں ہوئی۔ دوسرے دن حضرت علیؑ بعض بزرگان مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر اُن لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان نے مروان اور سعید بن عاص کو بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کی ہر طرح دلجوئی کی اور رفق آمیز و صلح انگیز باتوں سے اُن کے دلوں کو پانی کر دیا اور وہ سب اپنے وطنوں کو واپس چلے گئے مگر شرط یہ کی کہ حضرت عثمان اب ایسے کام نہ کریں جن سے اہل اسلام کو نفرت ہو۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اور تمام اصحاب مدینہ واپس آئے اور حضرت عثمان کو معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؑ نے حسن تدبیر سے اُن سب کو لوٹا دیا۔ جب ہر طرح اطمینان ہو گیا تو پھر دلیر ہو گئے۔ اہالی مدینہ کو جمع کر کے منبر رسولؐ پر جا کر خطبہ میں کہا کہ "جب ان شور و غل کرنے والوں نے دیکھا کہ جو کچھ ہمارے دشمنوں نے اُن کو خبر پہنچائی تھی جھوٹ ہے اور اُن کا جو مقصود تھا پورا نہیں ہو سکتا تو مجبور پشیمان ہو کر الٹے چلے گئے" معاذ

وفائی

مشہور دست) عمرو عاص بھی اُس خاص مجمع میں موجود تھا۔ وہ چیخ کر بولا:۔

عمرو عاص۔ اے عثمان! اگر خیر چاہتا ہے تو خدا سے ڈر اور اُن افعال سے توبہ کر جو تو نے کئے ہیں اور خود امیہ کے دست ظلم سے مظلوموں کو چھڑا تو نے تو ان لوگوں کو بڑی بڑی درخواستوں اور حسن تدبیر اور لطف تقریر سے واپس کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ۔ (عمرو عاص کو خوب زور سے ڈانٹ کر) اے زن فاحشہ کے لونڈے! تیری کیا مجال کہ ہم سے توبہ کرائے؟ کیا تو نے توبہ کر لی ہے جو ہم سے توبہ کراتا ہے اور اہل بغی و ضلالت کی تقویت کرتا ہے؟ تو یہ اس سبب سے کہتا ہے کہ تجھے حکومت مصر سے معزول کر دیا گیا ہے۔ میں تجھ جیسے کمینہ کو کوئی کام نہیں دے سکتا۔

عمرو عاص۔ میں تو ابوبکر و عمر کے زمانہ میں عامل رہا ہوں جو تجھ سے بمراتب اعلیٰ و افضل تھے۔ میں اپنی رائے صائب سے مشکلوں کو حل کرتا تھا۔ تو خدا سے ڈر اور توبہ کر اور آئندہ سے سنت رسولؐ کی مخالفت کرنی چھوڑ دے۔

اتنے میں مسجد کے دوسرے گوشہ سے آواز آئی کہ اے عثمان! نادم اور تائب ہو۔ پھر تو مسجد کے ہر کونے سے یہی آواز آنے لگی کہ اے عثمان خدا سے ڈر اور توبہ کر۔ اُس روز کسی نے بھی حضرت عثمان کو خلیفہ کہہ کر خطاب نہیں کیا۔ حضرت عثمان نے حیران ہو کر ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ اے خدا میں توبہ کرتا ہوں بدرستی کہ میں اول توبہ کرنے والا ہوں اور منبر سے اتر آئے اور اپنے گھر چلے آئے۔ عمرو عاص بھی اپنے گھر آیا اور کہا کہ خدا کی قسم اب میں جس شخص سے ملوں گا اُس کو عثمان کی طرف سے بھڑکا دوں گا۔ اور حضرت علیؓ و زبیر و طلحہ کے پاس جا کر انہیں آمادہ کیا کہ عثمان کو خلافت سے اُتار دیں۔ اور پھر کچھ دنوں بعد فلسطین میں جا کر اپنے محل میں مقیم رہا۔ کچھ دنوں بعد حضرت عثمان کے محصور ہونے اور قتل کئے جانے کی خبر مشتہر ہوئی تو عمرو عاص اپنی جگہ فخریہ بولا "میں جب نشانہ لگاتا ہوں تو خطا نہیں کرتا۔"

جب حضرت علیؓ کو جناب عثمان کے اس خطبہ اور اس تمام واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت عثمان کے گھر جا کر کہا کہ اے عثمان بھلا اس خطبہ کا کیا موقع تھا؟ سب مدینہ کے لوگوں کو معلوم ہے کہ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کو واپس کیا ہے۔

اور

حضرت عثمانؓ: خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب کیا کرنا چاہیئے؟ اس کو بتایئے۔

حضرت علیؓ: لوگوں کو جمع کر کے پھر خطبہ دو اور گفتار و کردار سابق سے توبہ کرو تاکہ لوگوں کے دل تمھاری طرف مائل ہو جائیں۔

اس پر حضرت عثمانؓ مسجد میں آ کر منبر پر گئے اور خطبہ میں کہا کہ فرزندان آدم سے خطا بعید نہیں ہے میں بھی آدمی ہوں اور معصوم نہیں ہوں۔ پس میں اُن نالائق امور سے توبہ کرتا ہوں جو مجھ سے واقع ہوئے ہیں۔ جب میں اپنے گھر جاؤں تم میں سے اشراف اور بزرگ لوگ میرے پاس آئیں۔ اور معاملات میں اپنی رائے اور صلاح ظاہر کریں۔ میں اُس پر عمل کروں گا۔ اگر کوئی غلام بھی مجھے حق کام کرنے کو کہے گا تو میں اُس کی بات پر عمل کروں گا۔ اور مروان اور اُس کے اتباع کو جن کی نالائق حرکتوں کے سبب تم مجھ سے ناراض ہوا اپنے پاس سے دور کر دوں گا۔ آج سے میں اپنے دروازہ پر دربان بھی نہیں رکھوں گا۔ تاکہ ہر حاجتمند کو میرے پاس آنے میں سہولت ہو۔ اس کلام پر لوگ رونے لگے۔ حضرت عثمانؓ بھی بہت روئے۔ پھر منبر سے اتر کر گھر گئے۔ حضرت علیؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ عثمانؓ نے اظہار کیا اس سے زیادہ ان پر واجب نہ تھا۔ اب خدا اُن کو یہ توفیق دے کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اُس پر ثابت اور قائم رہیں۔ پھر اُسی دن بزرگان مدینہ حضرت عثمانؓ کی باتوں پر یقین کر کے اُن کے خطبہ کی توصیف اور تحسین کرنے کی غرض سے اُن کے گھر گئے۔ مروان اور سعید بن عاص اور ایک گروہ بنی امیہ کا جو اُس خطبہ کے وقت موجود نہ تھا۔ سب حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر آئے۔ اور مروان نے سبادرت کر کے کہا کہ اے امیر المومنین! ہم کو کچھ عرض کرنا ہے۔ نائلہ جو حضرت کی نہایت عقلمند بیوی تھیں پس پردہ سے بولیں اے مروان تو آج ان کو ان کے خطبہ پر ملامت کرنی چاہتا ہے۔ یہ اگر ایسا نہ کرتے تو مار ڈالے جاتے۔ مروان پھر بولا "سرکار! بولوں یا نہ بولوں"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا بولو کیا کہتے ہو۔ مروان نے کہا حضور کو یہ خطبہ دینا مناسب نہ تھا۔ اپنی عزت پر پانی پھیر دیا۔ مناسب یہ ہے کہ یہ لوگ جو دروازے پر آئے ہیں ان کو اندر جانے کی اجازت نہ دیجئے تاکہ عاجز و پریشان ہو کر واپس جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اچھا ان کو واپس کر دو۔ مروان نے دروازے پر آ کر کہا تم لوگ کیوں آئے ہو؟ کیا گھر لوٹ لو گے؟ وہ سب بیچارے مغموم پھر گئے۔ کچھ لوگوں نے جا کر

زمانہ

حضرت علیؑ سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے مسلمانو! آگاہ ہو کہ میں عجب وقت میں پھنسا ہوں، اگر ان کے معاملات سے الگ ہو جاتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ قطع رحم کرتے ہیں اور مجھے فتنوں میں تنہا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر ان کے معاملات میں دخل دیتا ہوں تو ان سے ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ مروان نے ان کو کھلونا بنا رکھا ہے۔ جدھر چاہتا ہے ان کی تکمیل تمام کر دوڑا دیتا ہے۔ پھر غصہ میں بھرے حضرت عثمان کے پاس گئے اور فرمایا "کیا یہ روا ہو سکتا ہے کہ مروان تم کو عقل اور دین کی راہ سے منحرف کر کے اونٹ کی طرح کھینچتا ہوا جدھر چاہے لے جائے؟ اور تم کو خبر بھی نہ ہو؟ وہ تم کو مہلکوں میں پھنسا دیگا کہ نکال نہیں سکے گا۔ اب میں تمہارے معاملہ سے دست بردار ہوتا ہوں۔ آئندہ دخل نہیں دونگا۔ تمہارے پاس آنا بھی بند کر دوں گا۔" یہ فرما کر واپس چلے آئے۔ تب نائلہ (خلیفہ کی بیوی) نے سمجھایا کہ حضرت علی سچ کہتے ہیں، انہیں جا کر مناؤ۔ اس پر رات کے وقت حضرت عثمان حضرت علیؑ کے گھر آئے اور پھر حضرت سے مدد کا اصرار کیا مگر حضرت علیؑ نے منظور نہیں فرمایا۔ انہیں دنوں بزرگان مصر کی ایک جماعت حاکم مصر کی شکایت لیکر مدینہ میں آئی تو حضرت عثمان نے حاکم مصر کو ایک خط لکھا اور نصیحت کی کہ مظلوموں کی فریادرسی کرنی چاہیے۔ مگر جب وہ جماعت واپس گئی تو حاکم مصر نے ان میں سے بعض کو قید کر دیا اور ایک کو قتل کر ڈالا۔ اس پر سات سو مصری مدینہ میں آئے اور حاکم مصر کی معزولی کی درخواست کی اور مقتول کا قصاص چاہا۔ اور لوگ بھی ان مصریوں کے طرفدار ہو گئے یہاں تک کہ مدینہ میں بلوائیوں کی تعداد دس ہزار ہو گئی۔ پھر سب نے صلاح کی کہ عثمان کو خلافت سے اتار دیں، اگر نہ مانیں تو قتل کر دیں۔ حضرت عثمان ڈر کر گھر میں چھپ بیٹھے اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر کوٹھے پر چڑھ کر پوچھا، تمہارا کیا اعتراض ہے؟ لوگوں نے وہی باتیں پیش کیں جنکی فہرست اوپر ذکر کی گئی۔ حضرت عثمان نے کہا میں ان سب باتوں سے توبہ کرتا ہوں جنکو میں نے اراسے وہ مجھے مار لیں۔ جن کو جلا وطن کیا ہے ان کو واپس بلا لیتا ہوں۔ اپنے عاملوں کو موقوف کئے دیتا ہوں۔ جن کو تم لوگ مناسب سمجھو عامل مقرر کر لو اور بیت المال کا حساب کر لے لو، اگر بیت المال کافی نہ ہوگا تو باقی نعبذیں اد: کر دونگا مگر تم لوگ مجھے قتل نہ کرو۔ اس کلام سے لوگوں پر کچھ اثر پڑا اور ہٹ گئے۔ پھر حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کو بلوا کر کہا اے ابوالحسن آپ ان لوگوں کے پاس جائیے اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں میری طرف سے قبول کر لیجئے، میں تمام کام آپکے منشاء کے

سازی

مطابق عمل میں لاؤں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے عہد کرلو کہ اُن سب امور کو بجا لاؤ گے اور
جو کچھ وہ کہیں گے اس پر عمل کروگے تو میں اس کام کو کردوں۔ حضرت عثمان نے کہا مجھے منظور ہے۔ پھر عہد
و پیمان کرکے قسم کھائی کہ جو کچھ وہ کہیں گے وہی کروں گا اور مسلمانوں کی رضامندی سے باہر نہ ہوں گا
حضرت علیؓ یہ پختہ عہد لے کر اُن لوگوں کے پاس گئے مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔ آخر حضرت علیؓ کے
اصرار پر کچھ نرم ہوئے تو کہا "عثمان جو وعدہ کرتے ہیں۔ اُس کو پورا نہیں کرتے۔ اب جو وعدہ وہ کرتے
ہیں اُس کا ضامن کون ہے؟" حضرت نے فرمایا "میں ضامن ہوں"۔ تو وہ سب بولے "پھر ہم بھی مانتے
ہیں"۔ اس پر حضرت علیؓ اُن کے بڑے بڑے سرداروں کو لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے تو خلیفہ
ثالث نے یہ دستاویز لکھ کردے دی۔ "یہ دستاویز عثمان کی طرف سے اہل کوفہ و بصرہ و مصر کو دی جاتی ہے۔
میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کروں گا اور جو آپ لوگ کہیں گے
اُسی طرح انجام دوں گا"۔ مصریوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ مصر میں محمد بن ابی بکر کو حاکم مقرر کیا جائے
آپ نے منظور کرلیا۔ اس کے بعد مصر والے محمد بن ابی بکر کو ساتھ لیکر مصر روانہ ہوگئے۔ ابھی تین منزلیں
طے کی تھیں کہ مقام بویب یا ایلہ پر ایک حبشی غلام کو دیکھا کہ خوب تیز اونٹ بھگائے جا رہا ہے لوگ
اُس کو پکڑ کر لائے اور تلاشی لی تو حضرت عثمان کا ایک مہر شدہ خط حاکم مصر کے نام ملا جو حضرت عثمان
نے نہایت رازداری سے پوشیدہ بھیجا تھا۔ وہ خط کھولا گیا تو مضمون یہ تھا کہ مصر کے جو لوگ محمد بن
ابی بکر کو لے کر جا رہے ہیں ان سے فلاں کا سر تن سے جدا کردینا اور فلاں فلاں کے چاروں ہاتھ
پاؤں کاٹ کر چھوڑ دینا کہ اپنے خون میں لوٹ کر مر جائیں۔ پھر ان کی لاشیں کھجوروں کے درختوں
میں لٹکوا دینا۔ اور فلاں فلاں کو دُرّے مارنا۔ اور ڈاڑھیاں منڈوا کر قید کردینا۔ محمد بن ابی بکر
کو کسی تدبیر سے مار ڈالنا اور تم دل کو مضبوط کرکے مصر کے حاکم بنے رہو۔ یہ خط پڑھ کر مصر والوں کی جو حالت
ہوئی کیونکر بیان کی جائے۔ مدینہ واپس آئے اور حضرت عثمان سے کہا بس اب خلافت سے علیحدہ ہو جائیے
حضرت عثمان بولے میں وہ قمیص نہیں اُتار سکتا جو خدا نے پہنایا ہے۔ ہاں پھر توبہ کرلیتا ہوں۔ مگر
مصر والے اب نہیں مانے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت عائشہ بھی بلوائیوں کی طرف
ہوگئیں۔ حضرت عثمان کو بہت برا کہتی اور فرماتی تھیں اقتلوا نعثلا قتل اللہ نعثلا۔ (۱)

سے

نعثل کو قتل کرو۔ اللہ اس نعثل کو قتل کرے۔ (مدینہ میں ایک یہودی لمبی ڈاڑھی کا نعثل نامی تھا۔ اسی کی مشابہت سے حضرت عائشہ بھی حضرت عثمان کو نعثل یعنی یہودی کہتی تھیں۔ دیکھو تاج العروس وانوار اللغۃ پارہ ۲۵، ص۸۹ وغیرہ) یہ فرماتی ہوئی حج کو مکہ چلی گئیں۔ جب بلوائیوں کا بہت زور بڑھ گیا تو حضرت عثمان مسجد میں آکر منبر پر گئے اور کہا خدا کی قسم نہ میں نے یہ خط لکھا ہے نہ لکھوایا ہے۔ میں برابر کتاب خدا وسنت رسولؐ پر چلوں گا اور تمھاری ناراضی کا کوئی کام نہ کرونگا۔ ان لوگوں نے کہا اے عثمان تم بار بار یہی وعدہ کرتے اور پھر در پردہ دوسری کارروائی کرنے لگتے ہو۔ ہم تم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ پھر چاروں طرف سے حضرت عثمان پر پتھر کا وار ہونے لگا۔ اور عصائے رسولؐ سے ان کو ایسا مارا کہ عصا ٹوٹ گیا۔ اور حضرت عثمان بیہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت عثمان نے پھر ان لوگوں کو تاکیدی خط لکھا اور بہت سے وعدے کئے مگر کسی نے ایک نہ سنی اور محاصرہ میں زور دیدیا۔ حضرت عثمان نے معاویہ کو شام میں خط لکھا کہ جلد میری مدد کے واسطے لشکر روانہ کرو۔ محاصرین کو اس کی بھی خبر لگ گئی تو انھوں نے قتل حضرت عثمان میں جلدی شروع کر دی اور پانی بند کر دیا۔ معاویہ کے پاس خط پہونچا تو کہا "عثمان اپنے کئے کی سزا پاتے ہیں میں کیا کر سکتا ہوں"۔ غرض معاویہ نے کوئی مدد نہیں کی۔ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان پر پانی بند کر دیا تو حضرت علیؑ بہت بگڑے کہ یہ کام مسلمانوں کا نہیں ہے۔ کفار روم بھی کسی کو قید کرتے ہیں تو دانا پانی بند نہیں کرتے۔ مگر وہ نہ مانے تو حضرت علیؑ نے خود پانی کی بھری ہوئی مشکیں اپنے قریبی رشتہ دار بنی ہاشم کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس بھیجدیں۔ سب نے سیر ہو کر پیا۔ پھر حضرت علیؑ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو حفاظت کے واسطے حضرت عثمان کے دروازے پر بھیجدیا اور خود مدینہ سے باہر چلے گئے۔ ۴۹ روز تک حضرت عثمان محاصرہ میں رہے آخر بلوائی دیوار توڑ کر مکان میں گھس گئے۔ حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ اور گردن پر بیلچہ مارا کہ خون بہنے لگا۔ پھر ان کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوا۔ ان کا یوم قتل یوم الدار کے نام سے مشہور ہے۔ جب ان کے قتل کی خبر حضرت علیؑ وطلحہ وزبیر ودیگر اصحاب کو پہنچی تو سب ان کے گھر کی طرف دوڑے۔ حضرت علیؑ اور لوگوں پر خفا ہوئے کہ تم موجود تھے اور عثمان قتل ہو گئے"۔ (تاریخ کامل جلد۳ ص۶۶) اس کے

واقف

بعد حضرت علیؑ اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے اندر بیٹھ رہے۔ بلوائیوں نے تین دن تک حضرت عثمان کی لاش مزبلہ پر چھوڑ دی جس سے ایک ٹانگ کتے لے گئے۔ آخر ایک رات کو ۱۲ شخصوں نے ایک دروازہ توڑ کر چپکے سے ان کو نکالا اور لاش کو ایک چھوٹے تختے پر ڈال کر جس سے ایک ٹانگ نیچے لٹکتی رہی لے چلے۔ سر ایک کواڑ پر کھٹ کھٹ کرتا جاتا تھا۔ پھر بھی بلوائیوں نے تعاقب کرکے پتھر مارے۔ آخر بغیر غسل و کفن کے یہودیوں کے قبرستان حش کوکب میں دفن کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ قتل کی خبر سنکر بہت خوش ہوئیں اور کہا خدا اُس پر نفرین کرے بسبب ان کاموں کے جو اُس نے کئے۔ شکر ہے اُس خدا کا جس نے اس کو قتل کیا (تاریخ اعثم کوفی ص ۱۳۷)۔ بعد میں نائلہ زوجہ عثمان نے اپنی کٹی ہوئی انگلیاں اور خلیفہ ثالث کی داڑھی کے نچے ہوئے بال اُن کے خون آلود پیراہن کی آستین میں ٹانک کر معاویہ کے پاس بھیجے۔ معاویہ نے وہ اہل شام کو دکھایا اور قسم دی کہ جب تک قاتلان عثمان سے قصاص نہ لے لو آرام نہ کرو۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان جس دن قتل ہوئے اُن کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ اشرفی اور دس لاکھ درہم موجود تھے۔ ان کی زمینیں اور باغ ایک لاکھ دینار کے تھے۔ ان کا محل بہت مضبوط پتھروں سے بنا ہوا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۵ ص ۱۲)۔ مختصر یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا خلیفۂ ثالث صاحب کی خلافت سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اگر حضرت عمر شوریٰ مقرر نہ کرتے اور اس میں عبد الرحمان بن عوف اور حضرت عثمان کو ممبر نہ بناتے تو نہ حضرت عثمان خلیفہ ہوتے نہ مدینہ میں یہ فتنہ و فساد ہوتے جس کے نتیجہ میں اُن کے قتل تک کی نوبت پہونچی۔ اسی قتل نے معاویہ کے لئے ہر قسم کے دروازے کھول دیئے۔ اُس نے اسی حیلہ سے حضرت امیر المومنینؑ سے جنگ چھیڑ دی اور آخر تک لڑتا رہا جس کے بعد جو بادشاہ بن بیٹھا اور پھر یزید کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا جس نے امام حسینؑ کو قتل کرایا تو اس حادثہ سے حضرت عمر کا تعلق کتنا گہرا ہے!

تیرہواں اسٹیشن
حضرت عائشہ کی مہربانیاں

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا۔ کہ میرے قلب نے شکوے سر زباں کے کئے
حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا بہت بڑا تعلق حضرت عمر کے برتاؤ اور حضرت عائشہ کی مہربانیوں سے ہے۔ آپ ہی کی تدبیروں سے حضرت ابوبکر و عمر کا اسلام پر قبضہ

تھے

آسان ہو گیا۔ مسٹر ڈیون پورٹ انگریز مورخ نے اپنی کتاب خلافت میں لکھا ہے "مکرر اور مصرح بیانات سے جو
خود رسولؐ کی زبان سے جاری ہوئے تھے حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں تھا۔
مگر بی بی عائشہ، ابوبکر کی بیٹی، آنحضرتؐ کی زوجۂ دوم نے کچھ اپنے ساز و باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں
سے مقرر کروا لیا۔ ملک الموت کے انتظار میں رسولؐ کا عائشہ کے حجرہ میں جانا ان کے حق میں مفید مطلب
ہو گیا۔ اس ہی سبب سے یہ بات ہوئی کہ تین خلیفوں نے پیہم راج کیا قبل اس کے کہ حضرت علیؑ اپنے حق کو
پہنچیں جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے۔ نہ صرف بلحاظ قرابت و زوجیت فاطمہ دختر رسولؐ کے بلکہ نیز
بلحاظ اُن بے شمار فضیلتوں اور بڑی خدمتوں کے جو اُنھوں نے مذہب اسلام کی کیں۔ یہ بھی یقین ہے
کہ شاید بی بی عائشہ کے اس کردار کے باعثوں میں سے ایک خدمت فرزندی ہو کہ اپنے باپ کے خلیفہ
ہونے میں اعانت کی مگر بے شک و شبہ نہایت قوی باعث اس کا بغض و کینۂ دیرینہ حضرت علیؑ
کی طرف سے تھا۔ وہ ہمیشہ حضرت علیؑ کو ستاتی رہیں اور ایسا انتقام لیا کہ شاید اس کے کسی نے
نہ لیا ہو گا۔" اور مورخ گبن نے لکھا ہے "علیؑ کی خصلت، خاندان اور قرابت انہیں اپنے ہم وطنوں سے
زیادہ بلند مرتبہ ٹھہراتی تھی اور عرب کے خالی تخت کے لئے اُن کا حق جائز ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ ابن
ابی طالب اپنے ذاتی حق سے خاندان ہاشم کا سردار اور شہر مکہ کے علاوہ کعبہ کے معبد کا متولی تھا۔
نبی اب زندہ نہ تھے۔ لیکن فاطمہ کے شوہر اُن کے باپ کی میراث اور دعا کے زیادہ متوقع تھے۔ عرب
اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں۔ رسولؐ نے دونوں نواسوں کو گود میں
پالا تھا اور منبر سے لوگوں کو دکھا دیا تھا کہ یہ سرداران جوانان بہشت اور میری عمر کی امیدیں ہیں
علیؑ میں شاعر، سپاہی اور ولی ہونے کی صفتوں کا مجموعہ موجود تھا۔ ان کی عقل اب تک اخلاقی
ضرب الامثال سے ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کا ہر دشمن تلوار سے لڑے یا زبان سے اُن کی جرأت و فصاحت
سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ دعوت اسلام کے شروع سے تجہیز و تکفین کے آخری دم تک اس عالی ہمت
دوست نے رسولؐ کو نہ چھوڑا۔ رسولؐ نے خوشی سے اپنا بھائی، ولی عہد اور دوسرے موسیٰ کا ہارون
کہا۔ ابن ابی طالب کو لوگوں نے آخر میں طعنہ دیا کہ اپنے فائدہ کے لحاظ کے لئے اپنے حق کا اظہار
نہیں کیا جس سے کل رقابت ختم ہو جاتی اور حکم خدا سے ولی عہدی پر مہر ہو جاتی۔ لیکن اس

نبی

غیر متردد مرد میدان کو وہم بھی نہ تھا کہ آپ کے سوائے کوئی اور خلیفہ بنا لیا جائیگا سلطنت کا حسد اور مخالفت کا خوف ممکن تھا کہ رسول کے ارادہ کو معلق رہنے دیتا کیونکہ رسول کے بستر علالت کو پر فن عائشہ نے جو علی کی دشمن اور ابوبکر کی بیٹی تھیں محصور کر رکھا تھا۔" (تاریخ زوال سلطنت روم از مسٹر گبن)۔ اور آزیبل مسٹر ٹامسلر لکھتے ہیں "محمد نے اپنے داماد حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنا دیا تھا۔ مگر اُن کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنے سے ملا کر خلافت پر قبضہ کر لیا" (جنرل ہسٹری ص۲۲۹)۔ غرض حضرت علیؑ کی خلافت نکل جانے میں حضرت عائشہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

رسولؐ نے عائشہ سے شادی کیوں کی؟ اگر کوئی اعتراض کرے کہ پھر رسولؐ نے حضرت عائشہ سے شادی ہی کیوں کی؟ تو اس کو سمجھنا چاہئے یہ حضرات کسی کو جرم واقع ہونے کے قبل سزا نہیں دیتے تھے۔ کہ میں حضرت ابوبکر کا ابھی ایسا کوئی قصور نہیں ہوا تھا جس کی وجہ سے حضرت رسولؐ اُن کے اس پیشکش سے انکار کر دیتے۔ حضرت خدیجہ کے انتقال پر حضرت ابوبکر جناب عائشہ کو رسولؐ کی خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ! یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کر دیگی۔ تو حضرت ایسے مجسم خلق و رحمت کیوں انکار کر دیتے؟ غرض حضرتؐ نے حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا۔ جب حضرت ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تو حضرت عائشہ کی ماں نے ان کے بالوں میں کنگھی کر دی۔ مانگ نکالدی۔ منہ دھو دیا اور لیجا کر رسولؐ کی گود میں بٹھا دیا اور کہا یا حضرت یہ آپ کی بیوی ہے۔ اس کے بعد لوگ وہاں سے ہٹ گئے اور حضرت نے وہیں ان کے ساتھ زفاف کیا (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۸۰۳) دنیا انصاف کر کے بتائے کہ جب حضرت ابوبکر حضرتؐ سے خود عرض کریں کہ میری بچی آپ کا دل بہلایا کرے گی۔ اور اُن کی بیوی صاحبزادی کو لا کر رسولؐ کی گود ہی میں بٹھا دیں تو رسولؐ انکار کی بد اخلاقی گوارا کر سکتے تھے؟ درصورتیکہ ابھی حضرت ابوبکر کا کوئی بڑا قصور ظاہر نہیں ہوا تھا۔ اور نہ حضرت عائشہ ہی کی کوئی دشمنی اہلبیتؑ نمایاں ہوئی تھی۔ غرض حضرت عائشہ اپنی زندگی بھر جناب امیرؑ، جناب سیدہؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر اس درجہ مہربان رہیں جس کا بیان آسان نہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر کے زمانہ میں جو کیا وہ سب کو معلوم ہے حضرت عثمان کے خلاف ہو کر لوگوں کو ان کے قتل کر دینے پر برابر بھڑکاتی رہیں اور ان کے قتل ہو جانے پر خدا کا شکر بھی ادا کیا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ خلیفہ ہو گئے تو نہ پوچھیے کیا ہوا۔ حج کر کے مکہ سے

امیہ

مدینہ کو واپس آتی تھیں، راستے میں حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر سنی تو فوراً مکہ کو لوٹ گئیں حضرت علیؑ پر قتل عثمان میں سازش کرنیکا اتہام لگاکر آپ کی مخالفت کی اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر بصرہ میں حضرت سے جنگ کی۔ چونکہ اس جنگ میں جناب عائشہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر فوج کے آگے تھیں اس سبب سے یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے جو جمادی الآخری ۳۶ھ میں ہوئی۔ طلحہ، زبیر اور دس ہزار آدمی حضرت عائشہ کی طرف سے اور پانچ ہزار حضرت علیؑ کی طرف سے مارے گئے۔ حضرت عائشہ شکست کھا کر مغلوب ہوئیں اور حضرت علیؑ نے اُن کو عزت و حرمت کے ساتھ مدینہ پہنچوا دیا۔ جب حضرت عائشہ جناب امیرؑ سے لڑیں اور حضرت کو قتل کرنا چاہا تو یزید امام حسینؑ سے کیوں نہ لڑتا اور حضرت کو کیوں نہ قتل کرتا؟ یزید کا درجہ حضرت عائشہ سے بڑھا ہوا نہیں تھا، اور امام حسینؑ کا درجہ جناب امیرؑ سے زیادہ نہ تھا۔ جب یزید نے دیکھا کہ حضرت رسولؐ کی بی بی عائشہ نے خود رسولؐ کے بھائی، داماد، خلیفہ اور نفس کی نہ کوئی عزت کی نہ پروا بلکہ حضرت کے خون ہی کی پیاسی ہو کر اور خود اپنی فوج کی کمانڈر بن کر لڑنے تشریف لے گئیں تو اُس کو امام حسینؑ کے قتل کا حکم دینے سے کون خیال روک سکتا تھا؟ حضرت عائشہ ہی کے مقابلہ اور ارادہ قتل جناب امیرؑ سے معاویہ کی ہمت بھی سیکڑوں درجہ بڑھ گئی کہ جب رسولؐ کی بیوی ہی ایسے مقدس پیشوائے دین سے لڑنے نکلیں تو میں ڈاڑھی مونچھ رکھ کر کیوں نہ لڑوں چنانچہ وہ بھی صفین میں حضرت علیؑ سے مدت دراز تک لڑتا رہا اور جب شکست کے آثار یقینی طور پر دیکھ لئے تو مکر و فریب سے کام نکالنا چاہا۔ فوراً قرآن مجید کو نیزوں پر نصب کرا کے صلح کا پیغام بھیج دیا۔ حضرت کی فوج اس دھوکے میں آ گئی اور لڑائی روک دی جسکے بعد پنچایت کی تجویز ہوئی اس میں معاویہ کا وزیر عمرو عاص اور زیادہ چال چلا اور معاویہ کی طاقت بڑھتی گئی۔ آخر (بعض علماء اہلسنت کی تحقیق کے موافق معاویہ ہی کی سازش سے) ابن ملجم ملعون نے ۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ کو جناب امیرؑ کو شہید کر دیا تو حضرت امام حسنؑ خلیفہ اور امام ہوئے مگر معاویہ اور بھی دلیر ہو گیا۔ اُس نے حضرت کے طرفداروں کو حضرت سے توڑنا شروع کیا۔ ظاہری طور پر حضرت سے لڑنے کو نکلا مگر مخفی طور پر لوگوں میں مشہور کرا دیا کہ حضرت نے اس سے صلح کر لی۔ جس پر حضرت کی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ بعض گمراہوں سے معاویہ نے ایسی

کی

سازش کی اور ان کو اتنی رشوتیں دیں کہ انہوں نے ارادہ کیا حضرت کو گرفتار کرکے معاویہ کے حوالہ کردیں اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ خط و کتابت کرکے معاویہ کی اطاعت قبول کرلی اور اسے لکھا کہ آپ جلد عراق چلے آؤ ہم امام حسنؑ کو پکڑ کر تمھارے حوالہ کردینگے۔ اُدھر معاویہ بار بار صلح کے پیغام بھیجتا جاتا تھا یہ حالات دیکھ کر حضرت نے خلق خدا کی خونریزی کا اندیشہ کرکے معاویہ کے پیغام صلح کو قبول کرلیا اور ۶ یا ۸ ماہ کی خلافت کے بعد صلح کرلی۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے فارسل الیہ الحسن یبذل لہ تسلیم الامر الیہ علی ان یکون لہ الخلافۃ من بعدہ وعلی ان لایطلب احدا من اھل المدینۃ والحجاز والعراق بشئی مما کان ایام ابیہ وعلی ان یقضی عنہ دیونہ فاصطلحا علی ذالک فظھرت المعجزۃ النبویۃ فی قولہ صلعم یصلح اللہ بہ بین فئتین من المسلمین ونزل لہ عن الخلافۃ۔ امام حسنؑ نے معاویہ کے جواب میں کہلا بھیجا کہ اچھا میں حکومت ان شرطوں پر اُس کے حوالہ کردیسکتا ہوں (۱) معاویہ کے بعد امام حسنؑ ہی خلیفہ رہینگے (۲) جناب امیرؑ کے زمانہ کے واقعات کا بدلہ معاویہ مدینہ اور حجاز والوں سے نہ لے (۳) حضرت کے کل قرضوں کو جو معاویہ سے جنگ کے زمانہ میں حضرت پر ہو گئے تھے) معاویہ ادا کردے۔ اس طرح دونوں شخصوں نے صلح کرلی جس پر حضرت رسولخدا صلعم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ حضرت نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ ان امام حسنؑ کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ اس کے بعد حضرت نے حکومت چھوڑ دی (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۱) دوسرے علماء نے زیادہ شرائط صلح لکھے ہیں (۱) معاویہ کتاب خدا و سنت رسولؐ کے مطابق مسلمانوں پر حکومت کریگا (۲) بیت المال کوفہ میں جو رقم بچ گئی ہے وہ امام حسنؑ کو دی جائے گی کہ حضرت اپنے زمانۂ حکومت کے دیون ادا کریں (۳) اب سے حضرت علیؑ پر سبّ و شتم نہیں کیا جائیگا (۵) معاویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولی عہد مقرر کرے بلکہ شوریٰ کی رو سے اُس کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوگا اور بروایت اوکلی و حیوۃ الحیوان و طبری و ابن قتیبہ وغیرہ یہ شرط اس طرح تھی کہ معاویہ کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں گے اور حضرت کا انتقال ہوجائے تو امام حسینؑ خلیفہ ہوں گے (۶) زمین خدا پر شام، مصر، عراق، حجاز، یمن وغیرہ میں ہر جگہ کے لوگ جان و مال سے امن و امان میں رہینگے (۷) اصحاب علیؑ و شیعیان علیؑ کی جان و مال، عورتیں اور اولاد سب مامون و محفوظ

بحث

رہیں گے (۷) بنسا اور دارابجرد کا خراج امام حسنؑ کو ملتا رہے گا کہ حضرت جن مومنین کی مدد اور کفالت کرنا چاہیں کر سکیں (۸) امام حسنؑ اور حضرت کے بھائی امام حسینؑ اور حضرات اہلبیتؑ میں سے کسی شخص کے حق میں پوشیدہ یا ظاہر طور پر معاویہ کچھ تعرض نہیں کریگا نہ ان کے ساتھ بدی سے پیش آئے گا۔ سب لوگ ہر طرح محفوظ اور مطمئن رہیں گے۔ انھیں کسی طرح کا خوف نہیں دلائے گا۔ نہ وہ کسی طرح پریشان کئے جائیں گے۔ (۹) معاویہ اس عہدنامہ پر خدا سے عہد و میثاق کریگا۔ اور اسے پورا کرے گا۔

(صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صلاو حبیب السیر وغیرہ)

صلحنامہ کے بعد امام حسنؑ کا خطبہ

علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب صلحنامہ لکھا جا چکا اور اس پر طرفین اور اُن کے گواہوں کی دستخطیں بھی ہو چکیں تو معاویہ نے حضرت سے درخواست کی کہ لوگوں کے مجمع میں ایسی تقریر کریں جس سے وہ جان جائیں کہ حضرت نے حکومت اُس کے حوالہ کر دی ہے تو حضرت نے یہ درخواست منظور کی اور صعد المنبر فحمد اللہ واثنیٰ علیہ وصلی علیٰ نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایھا الناس ان اکیس الکیس التقی واحمق الحمق الفجور الی ان قال وقد علمتم ان اللہ تعالیٰ جل ذکرہ وعز اسمہ ھداکم بجدی وانقذکم من الضلالۃ وخلصکم من الجہالۃ واعزکم بعد الذلۃ وکثرکم بعد القلۃ۔ ان معاویۃ نازعنی حقا ھولی دونہ۔ فنظرت اصلاح الامۃ وقطع الفتنۃ وقد کنتم بایعتمونی علی ان تسالموا من سالمنی وتحاربوا من حاربنی فرأیت ان اسالم معاویۃ واضع الحرب بینی وبینہ ورأیت ان حقن الدماء خیر من سفکھا ولم ارد بذالک الا اصلاحکم وبقاءکم وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین۔ حضرت منبر پر تشریف لیگئے۔ خدا کی حمد و ثنا بجا لائے اور حضرت رسولخدا صلعم پر درود بھیجنے کے بعد ارشاد فرمایا لوگو! سب سے اچھی ہوشیاری اور عقلمندی تقوی و پرہیزگاری ہے اور سب سے زیادہ حماقت اور بیوقوفی فسق و فجور ہے۔ اسی قسم کی باتیں حضرت نے دیر تک بیان کیں۔ اسکے بعد فرمایا تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ خدائے تعالیٰ نے میرے ہی نانا حضرت رسولخدا صلعم کے ذریعہ سے تم لوگوں کو سیدھے راستہ پر لگایا حضرت ہی کی تعلیم سے تم لوگوں کو گمراہی سے نکالا حضرت ہی کی جد و جہد سے تم لوگوں کو جہالت کی مصیبت سے چھڑایا۔ حضرت ہی کی

کیفر

کوششوں سے تم لوگوں کو ذلت کے بعد عزت کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضرت ہی کی محنتوں سے تم لوگوں کو کمی کے بعد زیادتی کی قوت میسر ہوئی۔ اب اچھی طرح سُن لو کہ اس خلافت کے بارے میں جو یقیناً میرا ہی حق ہے اور ہرگز ہرگز معویہ کو اُس سے کوئی واسطہ نہیں معاویہ نے مجھ سے جنگ وجدال کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے۔ تو اب میں نے غور کرنا شروع کیا کہ امتہ اسلام کی بھلائی کس صورت میں ہے اور اس فتنہ و فساد کے ختم ہونے کی کون تدبیر ہو سکتی ہے۔ تم لوگوں نے میری خلافت کے وقت مجھ سے اس امر پر بیعت کی تھی کہ جس سے میں صلح کروں گا اُس سے تم لوگ بھی صلح کروگے اور جس سے میں جنگ کرونگا اُس سے تم لوگ بھی لڑو گے۔ ان تمام باتوں کا خیال کرکے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ معاویہ سے اس وقت صلح کر لوں اور اپنے اور اُس کے درمیان جو جنگ ہو رہی ہے اُس کو موقوف کر دوں۔ غرض میں نے یہی طے کیا کہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچا لینا ان کے قتل و ہلاکت سے بہتر ہے۔ خوب سُن رکھو کہ اس صلح سے میری نیت تم لوگوں کی خیر خواہی، بھلائی، اصلاح اور ترقی و حفاظت کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے اور مجھے کیا معلوم شاید یہ امر تمہارے واسطے امتحان اور ایک معین مدت تک تمھارے لئے چین ہو۔

(حضرت کا آخری جملہ ان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین قرآن مجید سورہ انبیاء کی آیۃ ص۱۱۱ ہے جس کے بارے میں مفسرین نے یہ تصریح لکھا ہے کہ ابن ابی شیبہ اور ابن عساکر نے ربیع ابن انس سے روایت کی ہے کہ جب شب معراج حضرت رسولخدا صلعم نے بنوامیہ کو اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھا تو حضرت کو بہت شاق ہوا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرات اہلسنت کے پیشوائے اعظم مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی نے بھی لکھا ہے "کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں بنی امیہ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آپکے منبر پر بیٹھا ہوا لوگوں کو خطبہ سنا رہا ہے یہ آپ پر گراں گزرا۔ تب اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری۔ دیکھو تفسیر وحیدی مطبوعہ لاہور ص۴۳۲ تفسیر سورہ انبیاء پارہ ۱۷)۔ اس خطبہ میں حضرت امام حسنؑ نے ہر وہ بات کہہ دی جس سے تمام مسلمین اصل حقیقت تک آسانی سے پہنچ جا سکتے اور تہ کی بات سمجھ جا سکتے ہیں۔ حضرت نے صاف فرما دیا کہ خلافت حضرت ہی کا حق ہے اور معاویہ کو اس سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ اور یہ کہ یہ صلح حضرت نے نہ اپنے آرام کے لئے کی نہ اپنی ذات کے

طاقتوں

کسی نفع یا فائدہ کی غرض سے اس پر آمادہ ہوئے۔ نہ اپنے کو جہاد کی مشقتوں اور جنگ کی صعوبتوں سے بچانے کے لئے ایسا کیا۔ نہ جنگ سے حضرت نے پہلو تہی کی۔ نہ بزدلی کا اظہار کیا۔ نہ معاویہ کے لشکر سے ڈرے۔ نہ شام کی طاقتوں سے مرعوب ہوئے بلکہ صرف مسلمانوں کو قتل و خون ریزی سے محفوظ رکھنے اور فنا و ہلاکت سے بچانے کے لئے نہایت کراہت کے ساتھ اسے قبول کیا چنانچہ حضرت رسولخدا صلعم نے بھی صرف انھیں وجوہ سے صلح حدیبیہ کی تھی اب جو لوگ امام حسنؑ کی صلح پر اعتراض کرتے ہیں وہ خود سوچیں کہ یہی اعتراض حضرت رسولخدا صلعم پر بھی ہوتا ہے یا نہیں کہ حضرت نے بھی کیوں کفار مکہ سے صلح کر کے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچا لیا۔ جو جواب صلح حدیبیہ کا دیا جائے گا وہی جواب امام حسنؑ کے صلح کا بھی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لکھا ہے کہ وممّا شرح الله به صدره فی هذا الصلح ظهور معجزة النبی صلی الله علیه وسلم فی قوله فی حق الحسن ان ابنی هذا سید و سیصلح الله به بین فئتین عظیمتین من المسلمین رواه البخاری۔ یعنی خداوند عالم نے اس صلح کے متعلق امام حسنؑ کے سینہ میں جو آمادگی پیدا کر دی اس سے حضرت رسولخدا صلعم کا وہ معجزہ ظاہر ہو گیا جو حضرتؐ نے امام حسنؑ علیہ السلام کے بارے میں بطور پیشین گوئی فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے اور اس کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ اس حدیث کی روایت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کی ہے (صواعق محرقہ صا۸)۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چونکہ حضرت رسولخدا صلعم اس صلح کی پیشینگوئی واقعہ صلح سے مدتوں قبل فرما چکے تھے اور حضرت کی کوئی پیشینگوئی غلط نہیں ہو سکتی تھی اس وجہ سے حضرت امام حسنؑ کو بھی خدا ہی نے اس صلح پر آمادہ کر دیا تاکہ آپ کے جد بزرگوار کی خبر غلط نہ ہونے پائے۔ اس صلح کے بارے میں مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "لعل الله ان یصلح بین فئتین" آنحضرتؐ نے فرمایا امام حسنؑ علیہ السلام کے حق میں کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے دو گروہوں کو ملا دے جو آپس میں جنگ کرنے پر تلے ہونگے۔ یہ پیشینگوئی پوری ہوئی۔ مسلمانوں کے دو

گروہ ہو گئے تھے۔ ایک معاویہ کا گروہ، ایک جناب امام علیہ السلام کا، اور جناب امام ہر طرح سے خلافت اور امامت کے مستحق تھے معاویہ کو کوئی حق نہ تھا۔ نہ وہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے مگر جناب امام نے دنیا پر لات ماری اور اپنے نانا کی امت پر مہربانی اور شفقت فرمائی۔ خلافت اور حکومت کو چھوڑ دیا۔ مسلمانوں کی خونریزی گوارا نہ کی حالانکہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ساتھ مرنے پر مستعد تھے۔ طیبی نے کہا امام حسنؑ نے کچھ کمی لشکر یا ذلت کی وجہ سے خلافت نہیں چھوڑی بلکہ محض ورع اور تقوی اور امت محمدی پر شفقت اور مہربانی کے خیال سے۔ سبحان اللہ! آخر کس کے بیٹے تھے؟ اُس شخص کے جس نے سارے عرب کے مختلف گروہوں کو ملا کر شیر و شکر کی طرح ایک کر دیا۔ آپ بھی اپنے جد امجد کے مظہر تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے دو گروہوں کو ملا دیا۔ اور دنیا کی کچھ پروانہ کی (انوار اللغۃ پ ۲۰ ص ۱۱۴)۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے "ان ابنی ھذا سید"۔ یہ میرا بیٹا امام حسن علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا سردار ہے یعنی بڑا شریف النفس، کریم الطبع ہمت والا دنیا پر لات مارنے والا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ملا دے گا۔ اُن میں صلح ہو جائے گی۔ لاکھوں آدمیوں کی جان اُس کی وجہ سے بچ جائے گی۔ اس حدیث کا ظہور ہوا امام صاحب نے دنیا کی حکومت اور دولت پر لات ماری اور معاویہ کو دیدی مگر افسوس کہ معاویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور امام حسن علیہ السلام کی جان کے درپے ہوئے اور اپنے بیٹے یزید پلید سے بیعت لینے کے لئے سب کو مجبور کیا حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں پر حکومت ملے۔ بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کریگا؟ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک۔ مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کر لی اور اُس پر بھی اکتفا نہ کی، امام صاحب کی جان کے درپے ہو گئے آخر کس ظلم اور شقاوت سے آپ کو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کرایا۔ اگر اسلام ہمین است کہ ایں ہا دارند۔ وائے گر درپے امروز بود فردائے۔ پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چانٹروں سے جہان پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو

بھی

پیغمبری تک پہونچا دیتا ہے۔ کوئی اُس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے (شیخ ابوبکر بن عربی مالکی استاد امام غزالیؒ) اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا تب بھی میں اُس پر لعنت نہ کرتا کیونکہ وہ اولوالامر میں سے تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؓ اُسی تلوار سے مارے گئے جو اُن کے نانا کی تھی، استغفراللہ ان لوگوں سے سمجھے، معلوم نہیں قیامت کے دن آنحضرتؐ کے سامنے یہ لوگ اپنا منہ کیسے بنائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اُس کے معاونین جیسے شمر لعین، ابن زیاد، عمر بن سعد، خولی، سنان، وغیرہم کو ملعون اور مردود اور اشقی الخلق والخلیقہ جانتے ہیں، یزید سے بیعت تو کجا اگر ہم اُس کو پالیں تو اُس کے گوشت و پوست کے ٹکڑے کرکے چیل کوؤں کو کھلائیں۔ اُس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا۔ الف الف لعنۃ بر یزید اور الف الف یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر جو اُس کو خلیفہ یا اولوالامر میں سے سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اتنا وقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے کہ جو زبردست ہوا اُس نے دبالیا اور خلیفہ بن بیٹھا؟ ارے یار و خلافت صلحا اور عمائدین اور علماء اور فضلائے امت کے اتفاق اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے یعنی یہ لوگ جس کو اہل قریش میں سے اس منصب عظمیٰ کے لائق پاتے ہیں تو اپنی خوشی سے نہ جبر و اکراہ سے اُس کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں پھر اگر وہ شریعت کے خلاف عمل کرنے لگے یا عمائدین امت سے مشورہ لینا چھوڑ دے خودرائی اور استبداد اختیار کرے تو اُسی وقت اُس کو معزول کردیتے ہیں۔ ایسا شخص جو قریشی ہو اور باتفاق وصلاح و مشورۂ عمائدین اور صلحائے امت مقرر ہوا ہو اُس کو خلیفہ کہہ سکتے ہیں۔ نہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے پنج کلیان قاچار یا مغل یا افغان کو۔ یہ لوگ کبھی خلیفۂ شرعی نہیں ہوسکتے بلکہ قزل ارسلان کی طرح اگر شریعت کے تابع ہوں تو بادشاہ اسلام اور دنیاوی بادشاہ کہلائے جاسکتے ہیں" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۱۰۵)۔ پھر لکھتے ہیں "عبداللہ بن عمر نے کہا میں نے آنحضرتؐ کے بعد معاویہ سے زیادہ کوئی سخی یا حلیم بردبار نہیں دیکھا۔ لوگوں نے کہا کیا معاویہ عمرؓ سے بھی بڑھ کر تھے؟ انھوں نے کہا عمرؓ اُن سے بہتر تھے مگر سخاوت یا حلم میں معاویہ اُن سے بڑھ کر تھے۔ ان ہی دو باتوں یعنی سخاوت اور حلم کی وجہ سے لوگوں کے دل اُن کی طرف

ہے

ائل ہوگئے تھے۔ حالانکہ اُن کا کوئی حق خلافت میں نہ تھا مگر لوگوں کی تائید سے وہ خلیفہ بن بیٹھے۔
سیدا شباب اھل الجنۃ۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بہشتی جوانوں کے سردار ہیں
یعنی جتنے لوگ جوانی میں مرے یا اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اُن سب کے یہ دونوں شہزادے
سردار ہونگے۔۔۔ ہمارے نزدیک تو انبیاء کے بعد یہ سب سے افضل ہیں۔ اُس بے ادب کے
مُنہ میں خاک جو اپنے تئیں امام حسین علیہ السلام سے افضل کہتا تھا۔ قیامت کے دن اس
غلط بیانی اور دروغ گوئی کا نتیجہ اُس کو ملیگا۔ اور شاید اب بھی قبر میں مل رہا ہو۔ یہی ایک قول
اُس کا اُس کے گمراہ اور کذاب ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کبھی یہ دعویٰ
نہیں کرتے کہ ہم فلاں سے افضل ہیں بلکہ اپنے تئیں سب سے کم درجہ ظاہر کرتے ہیں اور اُس کے
معتقدین سے تعجب ہے کہ ایک پنجابی مغل کو اُن شہزادوں سے افضل سمجھیں جو نبی عربی سید
الاولین والآخرین کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور جن میں آنحضرتؐ کا خون ملا ہوا ہے۔ خدا کی
مار ایسے بے وقوفوں پر" (انوار اللغۃ پ۱۲ صفحہ ۱۵) محدوح ہی معاویہ کے بارے میں یہ بھی لکھتے ہیں
"انصاف کی بات کہوں تو رافضی قرار پاتا ہوں لیکن مجھ کو حق بات کے اظہار میں کوئی ڈر نہیں
ہے۔ انصاف یہ ہے کہ معاویہ سے لے کر اخیر عباسی بادشاہ یعنی معتصم باللہ تک کوئی خلیفہ
راشد نہ تھا بلکہ اکثر اُن میں سے ظالم اور جابر بادشاہ تھے الا ماشاء اللہ جیسے خود حدیث سے
ثابت ہے ثم یصیر ملکا عضوضا اور خلافت اُس وقت صحیح اور شرعی ہوتی ہے جب
اکثر ارباب حل وعقد اور صلحاء اور فضلاء اور علماء امت ایک قرشی سیاسی اہل حکومت کو مشورہ
باہمی سے منتخب کریں جیسے جناب امیر نے معاویہ کو لکھا کہ مجھ سے اُن لوگوں نے بیعت کی تھی
جنھوں نے ابوبکر و عمر سے بیعت کی تھی اور جس سے یہ لوگ بیعت کریں وہی خلیفہ برحق ہو سکتا
ہے۔ لیکن تو تو نہ مہاجرین میں سے ہے نہ انصار میں سے بلکہ طلقاء میں سے۔ تیرا کوئی حق
خلافت میں نہیں ہے۔" (انوار اللغۃ پ۲۴ صفحہ ۱۳۱)۔ اور ایک جگہ لکھتے ہیں "ثم یکون ملکا
عضوضا۔ پھر کٹکھنی بادشاہت ہو گی۔ نہ خلافت راشدہ۔ خلافت راشدہ صرف تیس
برس تک رہے گی۔ آنحضرتؐ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا ٹھیک تیس برس امام حسن علیہ السلام
کی خلافت پر ختم ہو گئے۔ اس کے بعد معاویہ زور زبردستی سے بادشاہ بن بیٹھے۔ تو اسلام

خبر

بادشاہوں میں معاویہ اول بادشاہ ہیں نہ خلیفہ۔ جب معاویہ باوصف قرشی ہونے کے خلیفہ نہ ٹھہرے
تو دوسرے بادشاہ افغانی یا ازبک یا مغل کیونکر خلیفہ ہو سکتے ہیں؟" (انوار اللغۃ پ۱۸ صفحہ ۱۳۲)۔

غرض جب حضرت عائشہ کی مہربانیوں کا تصور ہوتا ہے تو بے اختیار زبان پر یہ مصرع آجاتا ہے۔
ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ اگر حضرت عائشہ جناب امیرؑ پر بے مثل و نظیر مہربانی کرنے
کیلئے صریح حکم خدا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (رسول کی بی بیو! خبردار گھر سے باہر نہ نکلنا بلکہ
اپنے مکانوں ہی میں بیٹھی رہنا۔ پارہ ۲۲ ع ۱) کی مخالفت کر کے لڑنے نہ نکلتیں تو آج دنیائے اسلام
کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ مفسرین قرآن مجید نے اس آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "اس حکم کی تمام ازواج
رسول صلعم نہایت سختی سے عمر بھر پابند رہیں حتیٰ کہ بی بی سودہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے
کچھ لوگوں نے کہا آپ حج و عمرہ کو کیوں نہیں جاتیں؟ تو فرمایا ایک بار مجھ پر واجب تھا وہ
میں کر چکی۔ اس کے بعد میرا حج یہی ہے کہ میں حکم خدا کے مطابق اپنے گھر سے نہ نکلوں اور جس
حجرہ میں مجھے رسول اللہؐ بٹھا گئے ہیں اُس میں بیٹھی رہوں چنانچہ وہ عمر بھر اپنے حجرے سے باہر
نہ نکلیں بلکہ مرنے کے بعد ان کی لاش نکلی۔ سبحان اللہ کیا پاکباز بی بیاں تھیں، مگر حضرت عائشہ
نے صرف گھر سے قدم باہر نہ نکالا بلکہ منزلوں دور مدینہ سے مکہ گئیں اور پھر واپس آئیں اور طلحہ و زبیر
کو سازش میں لیکر مدینہ سے بصرہ پہونچیں اور لاکھوں کے مجمع میں اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؑ
کے مقابل لڑیں جس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون کرا دیا۔ اسی وجہ سے خود حضرت عائشہ
جب اس آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کو پڑھتی تھیں تو جنگ جمل کو یاد کر کے اس قدر روتی تھیں
کہ آنسوؤں سے چادر تر ہو جاتی تھی۔ دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۶ سطر ۲۹ مطبوعہ مصر"۔

حضرت عائشہ تنہا حضرت علیؑ سے لڑنے نہیں نکلیں بلکہ بہت سے صحابہ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ حضرت
رسول خدا صلعم کی دوسری بی بیوں کو بھی اس معاملہ میں اپنا شریک کرنا چاہا چنانچہ پہلے حضرت
ام سلمہ کے پاس گئیں جو حج کرنے اُس سال مکہ گئی تھیں اور ابتک وہیں مقیم تھیں اور اس طرح باتیں کیں
حضرت عائشہ۔ تم ازواج رسولؐ میں خصوصیت اور امتیاز رکھتی ہو اور تمھاری شان کی رفعت اور مرتبہ
کی عظمت کو سب لوگ جانتے اور اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ میں تمھاری خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئی
ہوں کہ خلیفہ مرحوم امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑی مظلومی سے شہید ہوئے ہیں۔ لوگ ان کا

خون طلب کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے ساتھ بصرہ جاتی ہوں کہ قاتلان عثمان سے قصاص لوں
اگر تم بھی ہمارے ساتھ چلو تو مناسب ہے۔

حضرت ام سلمہ۔ (بہت تعجب اور حیرت ظاہر کرکے) اے دختر ابوبکر! آج تم عثمان کا خون طلب کرنے کھڑی ہوئی ہو! اور کل کی بات ہے کہ تم ہی سب سے زیادہ اُن پر غضبناک تھیں، سب لوگوں سے زیادہ تم ہی اُن سے دشمنی کرتی تھیں۔ اُن کو سوائے نعثل کے دوسرے نام سے پکارتی تک نہ تھیں۔ برابر کہا کرتی تھیں لعن اللّٰہ نعثلا وقتل اللّٰہ نعثلا (خدا اس یہودی یعنی عثمان پر لعنت کرے خدا اس یہودی یعنی عثمان کو قتل کرے) اور برابر گالیاں دیتیں اور اُن کو کافر تک بتاتی تھیں مگر آج اُنھیں عثمان کو امیر المومنین اور مقتول و مظلوم خلیفہ کہتی ہو؟۔ اور اپنے کو اُن کا صاحب تعزیت بتاتی ہو؟ اور ایسے لوگوں سے موافقت کرتی ہو جو حضرت علی ابن ابیطالبؑ پر خروج کرتے ہیں؟ وہ علی جو حضرت رسولخدا صلعم کے بھائی اور داماد اور فاطمہ زہراؑ کے شوہر ہیں اور اہل روزگار ہیں مرتبہ خلافت و ریاست وہدایت اُنھیں کے لئے مسلم ہے۔ حالانکہ مدینہ کے تمام اصحاب مہاجرین و انصار نے اُن سے بیعت کرکے اُن کو مسلمانوں کا حاکم اور خلیفہ قبول کرلیا ہے۔ (اس طرح حضرت علیؑ کے بہت سے فضائل و کمالات وخصائل و خصائص وحالات حضرت ام سلمہ نے حضرت عائشہ سے بیان کئے)۔

حضرت عائشہ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر باہر یہ باتیں سنتے تھے۔ وہ جناب ام سلمہ سے کہنے لگے "اے دختر ابوامیہ! ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تو آل زبیر سے دشمنی رکھتی ہے"۔

حضرت ام سلمہ۔ (اندر ہی سے بولیں) بھلا حضرت علیؑ کی زندگی میں مہاجرین و انصار کیا تیرے باپ زبیر کی خلافت پر راضی ہو جائینگے؟۔ اور حضرت علیؑ جو ہیں وہ بقول پیغمبرؐ ہر مومن و مومنہ کے مولا اور ولی ہیں۔ اگر تو نے یہ حدیث نہیں سنی تو اپنی خالہ عائشہ سے پوچھ لے کہ انھوں نے بھی یہ حدیث سنی ہے یا نہیں۔ اور بہ تحقیق میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ علی خلیفتی علیکم فی حیاتی و فی مماتی فمن عصاہ فقد عصانی یعنی علیؑ ہی میرے خلیفہ ہیں میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد بھی جس نے اُن کی نافرمانی کی اُس نے میری بھی نافرمانی کی۔ اے عائشہ! بتاؤ تم نے حضرت رسولخدا صلعم سے یہ حدیث سنی تھی یا نہیں۔

حضرت عائشہ۔ بے شک میں نے سنی ہے۔ مجھے اس سے تو انکار ہی نہیں ہے۔

ــــ تمتہ

حضرت ام سلمہ - اے عائشہ اُس امر میں جس سے رسول اللہ نے تم کو ڈرایا ہے اپنے دل میں خدا کا خوف کرو۔ اے عائشہ میں تم کو قسم دیتی ہوں بتاؤ کیا تم نے رسول اللہ کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ تھوڑے دنوں بعد اُس پانی کے کتے جسکو حواب کہتے ہیں میری ایک بی بی پر بھونکیں گے۔ اور میری وہ بی بی ایک باغی گروہ کے درمیان ہوگی۔ یہ سنکر میرے ہاتھ میں ایک برتن تھا وہ مارے خوف کے چھوٹ پڑا تھا تو رسول اللہ نے میری یہ حالت دیکھ کر فرمایا تھا اے ام سلمہ! تم کو کیا ہوگیا ہے؟ میں نے عرض کی تھی یا رسول اللہ! آپنے اپنی کسی بی بی کی جو حالت بیان کی اسی کو سنکر میرے حواس جاتے رہے کہ کہیں وہ بدبخت بی بی میں ہی نہ ہوں - تو حضرت مسکرانے لگے اور پھر اے عائشہ تمھاری طرف مخاطب ہو کر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اے حمیرا مجھے گمان ہے کہ وہ عورت تو ہی ہوگی۔

حضرت عائشہ - ہاں تم سچ کہتی ہو۔ یہ سب باتیں اسی طرح واقع ہوئی تھیں۔

حضرت ام سلمہ - اے عائشہ! تم طلحہ اور زبیر کے فریب میں نہ آؤ۔ اور اس کا وہم بھی نہ کرنا کہ حضرت علیؑ سے لڑنے کا جو وبال اور نکال تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوگا اُس کو یہ لوگ تم سے دفع کرسکیں گے۔

یہ باتیں کرکے حضرت عائشہ حضرت ام سلمہ کے پاس سے واپس آئیں اور افسوس سب احادیث رسولؐ یاد دلائے جانے کے بعد بھی کسی کی پروا نہیں کی بلکہ حضرت علیؑ سے لڑنے کے لئے جانے کا پختہ ارادہ کرلیا اور مخالفین حضرت امیر المومنین کے ساتھ بصرہ کو روانہ ہوگئیں۔ روانگی سے پہلے ایک شخص کو حضرت عمر کی صاحبزادی جناب حفصہ زوجۂ رسول صلعم کے پاس بھی حضرت عائشہ نے بھیجا اور سفر بصرہ میں ہمراہ چلنے کی فرمائش کی۔ بی بی حفصہ رضامند ہوگئی تھیں مگر اُن کے بھائی عبداللہ نے اُن کو اس کام سے روک دیا۔ غرض کسی زوجۂ رسولؐ نے حضرت عائشہ کا ساتھ نہیں دیا (روضۃ الاحباب جلد صـ وغیرہ)۔ مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "اقتلوا نعثلا قتل اللہ نعثلا - حضرت عائشہ پہلے حضرت عثمان پر غصہ ہوئی تھیں اور خفا ہو کر چلی گئی تھیں۔ اسی طرح طلحہ اور زبیر بھی اُن سے برگشتہ تھے۔ اُس وقت یوں کہتی تھیں اے لوگو نعثل کو مار ڈالو یعنی حضرت عثمان کو۔ اللہ نعثل کو مارے۔ پھر جب حضرت عثمان مارے گئے

انکھوں

اور حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو لوگوں کے بہکانے میں آگئیں اور حضرت عثمان کے خون کی مدعی بن کر حضرت
علیؑ سے لڑنے کیلئے نکلیں اور طلحہ و زبیر باوجودیکہ حضرت عثمان کی حیات میں اُن سے برگشتہ تھے اُن کو
بچانے کی کوشش نہ کی اور حضرت علیؑ سے بیعت کر چکے لیکن پھر اس بیعت کو توڑ کر حضرت عثمان کے
خون کے مدعی بنکر حضرت عائشہ کے ساتھ حضرت علی سے لڑنے کیلئے نکلے ۔ یہ افعال نفس الامر میں مذموم
اور قبیح اور خلاف شرع تھے مگر صحابہ معصوم نہ تھے اور ان سے گناہ سرزد ہوتے تھے ... جب عین میدان
جنگ میں حضرت علیؑ نے زبیر کو پکارا اور اُن کو آنحضرتؐ کی حدیث سنائی کہ ایک دن تم علیؑ سے لڑوگے
تو وہ بن لڑے بھڑے میدان جنگ سے واپس چلے گئے اور راہ میں مارے گئے ۔ اور طلحہ مروان کے
تیر سے زخمی ہو کر گرے ... اور حضرت عائشہ تمام عمر اس خطا کو یاد کر کے رویا کرتیں ۔ یہاں تک کہ آپ
کی اوڑھنی تر ہو جاتی ... برخلاف معاویہ بن ابو سفیان کے جو مرتے دم تک حضرت علیؑ اور اہلبیت
کرام کے بغض اور سب و شتم پر قائم رہے ۔ پھر نہ وہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے ۔ نہ اُن
کے کچھ فضائل و مناقب بصحت آنحضرتؐ سے ثابت ہیں اور یہی فرق ہے معاویہ میں اور طلحہ و زبیر
اور حضرت عائشہ میں حالانکہ ان سب نے خلیفہ برحق سے بغاوت کی تھی" (انوار اللغۃ پ ۲۵ ص ۹) ۔
حضرت عمرؓ کی سوانحعمری لکھنے والے مولوی شبلی صاحب سے ناظرین واقف ہونگے موصوف نے سیرۃ النبیؐ میں
حضرت عائشہؓ کے حالات بھی لکھے ہیں مگر حضرت امیرالمومنینؑ سے ان کی بغاوت و لشکر کشی و جنگ
حالات اس درجہ شرم خیز ہیں کہ موصوف نے اُن باتوں کا ذکر کیا ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا
ولادت رسولؐ سے شادی اور وفات ممدوحہ کے کل حالات تحریر کئے مگر حضرت علیؑ سے مقابلہ ۔ جنگ
جمل کی سپہ سالاری، مسلمانوں کی بے وجہ خونریزی وغیرہ امور کو بالکل نظر انداز کر دیا ۔ بہر کیف حضرت
رسولؐ تو زندہ نہیں تھے ۔ البتہ نفس رسولؐ موجود تھے ۔ اُن کو حضرت عائشہ کیونکر چھوڑ سکتی تھیں ۔ اُن
لڑنے کے لئے بصرہ پہونچیں ۔ عسکر نامی اونٹ پر اہل جمل کا جھنڈا لگایا گیا تھا اور اسی پر کاٹھ کا ایک
ہودج چمڑے اور لوہے سے منڈھ کر باندھ دیا گیا تھا جس میں بروایت ابن قتیبہ آنکھوں کے لئے
صرف دو سوراخ رکھے گئے تھے ۔ اسی میں حضرت عائشہ شان و شوکت سے جلوہ افروز تھیں
اسی وجہ سے اس لڑائی کو جو حضرت عائشہ عسکر نامی اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؑ سے لڑیں جنگ

سے

کہتے ہیں کیونکہ عربی میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ کے بغرض جنگ بصرہ کی طرف روانہ ہونے کی خبر حضرت امیر المومنینؑ کو ملی تو حضرت بھی بدرجہ مجبوری اُس طرف چلے۔ جب حضرت عائشہ کو حضرت امیر المومنین کے روانہ ہونے کی خبر راستہ میں ملی تو انھوں نے حکم دیا کہ یہ راستہ چھوڑ کر بے راہ کوچ کریں یہاں تک کہ ایک چشمہ پر پہنچیں جسے حوَاَب کہتے تھے۔ وہاں کے کتے حضرت عائشہ کے اونٹ کو دیکھ کر جمع ہوئے اور بھونکنے لگے۔ موصوفہ نے پوچھا اس چشمہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے اور بروایت علامہ مسعودی حضرت عائشہ کے ساربان نے خبر دیدی کہ اسے ماء حوَاَب کہتے ہیں یہ سنتے ہی بی بی عائشہ نے آواز بلند شور مچانا شروع کیا اور کہنے لگیں انا للہ وانا الیہ راجعون میں نے رسول اللہ سے سنا کہ فرماتے تھے اور اُس وقت حضرت کی کل بی بیاں اُسی جگہ موجود تھیں۔ "مجھے گمان ہے کہ تم میں سے کوئی بی بی وہ ہے جس پر حوَاَب کے کتے بھونکیں گے۔ اے عائشہ خدا سے ڈرتی رہنا کہیں وہ عورت تم ہی نہ ہو" یہ کہہ کر حضرت عائشہ نے مچلنا شروع کیا کہ میں تو اب واپس جاتی ہوں تم لوگ مجھے اٹھا لے چلو۔ یہ کہہ کر حضرت عائشہ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور ایک دن رات وہ اونٹ وہیں بیٹھا رہا۔ اس پر اُن کے بھانجے عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ اے خالہ جان اے ام المومنین! خدا کی قسم اس چشمہ کا نام حوَاَب نہیں ہے اور جس نے حضور سے کہا ہے کہ یہ حوَاَب ہے وہ بڑا جھوٹا ہے۔ اور اُس جگہ کے باشندوں کو موصوفہ کے پاس لا کر گواہی دلوادی کہ یہ حوَاَب نہیں ہے۔ خود طلحہ و زبیر نے بھی کہا کہ یہ ماء حوَاَب نہیں ہے اور انھوں نے جھوٹے گواہ بنا کر پیش کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ یہ اول جھوٹی گواہی ہے جو اسلام میں واقع ہوئی۔ غرض اس چشمہ سے بتعجیل تمام حضرت علیؑ سے لڑنے ہی کے لئے حضرت عائشہ آگے (بصرہ کی طرف) بڑھ آئیں اور اُن لوگوں کی گواہی سے حضرت عائشہ کا سارا اضطراب جاتا رہا (تاریخ اسلام فخشا اور روضۃ الاحباب و مروج الذہب وابرونگ)۔ مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "ایتکن تنبحہا کلاب الحوأب۔ تم میں کون سی بی بی ہے جس پر حوَاَب کے کتے بھونکیں گے؟ حوَاَب ایک مقام کا نام ہے مکہ اور بصرے کے درمیان۔ حضرت عائشہ جنگ جمل میں وہیں جا کر ٹھہری تھیں۔ وہاں کے کتے اُن پر بھونکے تھے۔ یہ حدیث آنحضرتؐ کا ایک معجزہ ہے

اس

آپ نے پیشتر سے خبر دیدی تھی کہ ایک بی بی میرے خلیفۂ وقت سے لڑنے جائیگی اور حواب میں جا کر ٹھہرے گی - وہاں کے کتے اُس پر بھونکیں گے - کہتے ہیں حضرت عائشہ جب حواب پہونچیں تو انھوں نے یہی حدیث یاد کرکے لوٹ آنا چاہا مگر تقدیر کا لکھا نہیں ٹلتا - آخر بصرہ پہونچیں اور وہاں جنگ میں مبتلا ہوئیں ... پہلی جھوٹی گواہی جو اسلام کے زمانہ میں دی گئی وہ ستر آدمیوں کی گواہی تھی۔ جب لوگ حواب کے چشمے پر پہونچے وہاں کے کتے اُن پر بھونکے - اُن کی صاحبہ یعنی حضرت عائشہ نے لوٹ آنے کا قصد کیا - کہنے لگیں میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے تم میں سے ایک بی بی پر حواب کے کتے بھونکیں گے - وہ میرے وصی علی ابن ابیطالبؑ سے لڑنے کیلئے نکلے گی - آخر ستر آدمیوں نے اُن کے سامنے گواہی دی کہ یہ چشمہ حواب کا چشمہ نہیں ہے اور یہ گواہی پہلی جھوٹی گواہی تھی جو اسلام کے زمانہ میں دیگئی" (انوار اللغۃ پ ۶ ص ۱۵۱) - مورخین نے لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر لڑنے اور مسلمانوں کی خونریزی کرنے پر تلے ہوئے تھے مگر حضرت علی مرتضیٰ کو پھر بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا ناگوار تھا اور یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح صلح ہو جائے - حضرت بار بار صلح کا پیغام بھیجتے رہے لیکن حضرت عائشہ کی طرف کوئی بھی التفات نہیں کرتا تھا - غرض حضرت تین دن متواتر صلح و مصالحت کا پیغام حضرت عائشہ کو دیتے رہے مگر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا تو چوتھے دن حضرت امیر المومنین خود لشکر سے باہر آئے اور طلحہ و زبیر کو باواز بلند طلب کیا اور پوچھا کہ اگر اللہ اس لڑائی کی وجہ دریافت کریگا تو بتاؤ کیا جواب دوگے - انھوں نے جواب دیا وجہ یہ ہے کہ خلیفہ عثمان بن عفان کا قتل آپ ہی کے اشتعال سے ہوا ہے - حضرت امیر المومنین کو یہ سنکر غصہ آگیا اور آپنے بگڑ کر فرمایا کہ آؤ ہم تم مباہلہ کرلیں قبلہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کریں کہ ہم میں سے جس نے عثمان کا خون بہانے میں بلوائیوں کو تحریص و ترغیب کی ہو اُس پر خدا کا غضب نازل ہو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ داغ ہم میں سے کس کی پیشانی پر ہے - مگر اُن لوگوں نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور الٹے چلے آئے - غرض جمادی الاخری ۳۶ھ کی شروع کی تاریخوں میں حضرت عائشہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؑ سے لڑنے نکلیں - حضرت علیؑ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا خدا نے تم کو حکم نہیں دیا کہ اپنے گھر سے نہ نکلنا - اے عائشہ خدا سے

سفر

ڈرو اور توبہ کرو۔ اس پر بی بی صاحبہ بولیں کہ علیؑ کی حجتیں ایسی قوی ہیں کہ میں اُن کا جواب نہیں دے سکتی۔ پر توکہا مگر نتیجہ کچھ بھی نہ ہوا۔ اس موقع پر واشنگٹن ایرونگ نے لکھا ہے کہ آثار صلح دیکھ کر عائشہ متردد ہوئیں حضرت علیؑ کے معززانہ اعتبار پر طلحہ و زبیر نے کئی مرتبہ اُن سے ملاقات کی۔ انھوں نے جنگ نہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن صلح کی ہر کوشش اس فتنہ انگیز عورت کی بدولت ناکام رہی۔

جنگ جمل میں جناب امیرؑ کی ہدایتیں حضرت نے جب دیکھا کہ اہل جمل کسی طرح مسلمانوں کی خونریزی سے باز نہیں آتے تو اپنی فوج کو سمجھانے اور ذکر حق کی ہدایت کرنے لگے۔ اُن میں سے بعض کلمات کے ترجمے یہ ہیں (۱) سپاہیو! خیال رکھو کہ اس جنگ سے تمھاری نیت صرف دشمن کا دفع کرنا ہو (۲) جب تک فریق مقابل کی طرف سے جنگ شروع نہ کی جائے تم لوگ بالکل نہ بولنا۔ بس خاموش دیکھتے رہنا کہ وہ کیا کرتے ہیں (۳) بھاگتے ہوئے کا پیچھا ہرگز نہ کرنا (۴) جو زخمی ہو جائے۔ یا بیمار ہو نیز عورتوں اور بچوں سے بالکل الگ رہنا اور ان کو ہرگز قتل نہ کرنا (۵) مقتولوں کے کپڑے نہ اتارنا (۶) جو صلح پیش کرے اُس کے ہتھیار نہ لینا اور نہ اُسے مارنا (۷) فتح کے بعد کوئی شخص کسی کے گھر میں ہرگز نہ گھسے نہ کسی کی کوئی چیز لے۔ جب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ کو دیکھا اور حضرت کی یہ گفتگو سنی تو اپنے نزدیک والوں سے کہنے لگیں "علیؑ کی طرف دیکھو کہ آج ان کے یہ سب افعال بالکل اُن افعال سے مشابہ ہیں جو رسول اللہ کے بدر کے روز تھے"۔ اور حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عائشہ بہت ہی جلد تم پشیمان ہونے والی ہو (روضۃ الاحباب)۔ القصہ دشمن کی فوج نے امیرالمومنینؑ کی فوج پر تیر برسانے شروع کر دیے لیکن حضرت امیرؑ نے اپنے سرداروں کو جنگ شروع کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ لشکر کے بہادر زخمی ہو ہو کر فریاد کرتے تھے مگر اجازت نہ تھی کہ جواب دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد بعض نے چلا کر کہا یا امیرالمومنین! ہمیں بھی جنگ کی اجازت دیجیے کہ دشمن کی شوخی حد سے گزرتی جاتی ہے حضرت نے خدا سے فریاد کی کہ اے معبود میں نے بہت عذر کیے اور ان لوگوں کو تجھ سے اور ظلم کرنے سے بہت ڈرایا۔ اب اس معاملہ میں تو میرا گواہ ہے۔ اس کے بعد حضرت نے زرہ پہنی تلوار لٹکائی دستار سر پر رکھی اور مخالف کی فوج سے فرمایا تم میری مخالفت نہ کرو، خدا سے ڈرو۔ مگر اُس طرف کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ حضرت کی طرف کے ایک غلام کو اُن لوگوں نے شہید کر دیا تو حضرت نے فرمایا

کی

اب ان سے لڑنا حلال ہوگیا پھر خوب زور شور کی جنگ ہوئی اور حضرت عائشہ کو شکست فاش ہوئی اُن کی طرف کے ۲۹۶۷۱ آدمی اور جناب امیرؑ کے صرف ۰۷۰۱ سپاہی مارے گئے۔ جنگ فتح کرنے کے بعد جناب امیرؑ نے جناب ابن عباس کی زبانی حضرت عائشہ کو کہلا بھیجا کہ جس طرح بصرہ آئی ہو اُسی طرح اب مدینہ واپس چلی جاؤ۔ مگر وہ نہ مانیں۔ تب حضرت نے اپنے سردار فوج مالک اشتر کو بھیجا مگر اُن سے بھی وہ مدینہ جانے پر راضی نہ ہوئیں۔ ناچار حضرت خود تشریف لیگئے اور فرمایا کیوں عائشہ! کیا خدا نے ازواج نبی کو گھر میں رہنے کا حکم نہیں دیا اور مجھ سے تم نے ایسا برتاؤ کیا حالانکہ جانتی ہو جناب رسولخدا صلعم کے ساتھ میری قرابت کیسی کچھ ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب مدینہ چلی جاؤ۔ اور تا دم وفات اس گھر سے نہ نکلنا جہاں رسول اللہ تمھیں بٹھا گئے تھے"۔ یہ فرما کر حضرت اس مکان سے واپس چلے آئے جس میں حضرت عائشہ ٹھہری تھیں۔ جب خود جناب امیرؑ کے سمجھانے پر بھی حضرت عائشہ نے مدینہ جانے پر لیت و لعل کیا تو دوسرے دن امام حسنؑ کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ "اے عائشہ! آج ہی تم مدینہ روانہ ہو جاؤ ورنہ قسم خدا کی اس دفعہ تمھیں وہ بات کہلا بھیجونگا جس کی کیفیت تم اچھی طرح جانتی ہو"۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور سفر کی طیاری کردی اور کہا اب مجھے روانگی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ روسا بصرہ میں سے ایک عورت نے پوچھا کہ جناب ابن عباس اور خود حضرت علیؑ نے آکر تم سے جانے کو کہا مگر تم نہیں اٹھیں۔ اس جوان نے کیا کہہ دیا کہ فوراً آمادہ ہوگئیں؟ تو حضرت عائشہ نے کہا "ایک دن رسول اللہ ہماری سختی اور ضد دیکھ کر ہم سے بہت خفا ہوئے اور علیؑ کی طرف دیکھ کر کہا اے علیؑ میں تمکو اختیار دیدیا کہ جب چاہنا میری طرف سے عائشہ کو طلاق دے دینا۔ میں نے اس معاملہ میں تم کو اپنا وکیل کر دیا۔ تم طلاق دیدوگے تو یہ میری زوجیت سے خارج ہو جائیگی اور حضرت نے اپنی زندگی و موت کا بھی فرق نہیں کیا یعنی اختیار دیدیا کہ اے علیؑ تم میری وفات کے بعد بھی میری جس بیوی کو چاہو طلاق دیکر میری زوجیت سے خارج کر دینا تو اس جوان کی زبانی علیؑ نے وہی بات مجھے یاد دلائی ہے۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں علیؑ کی زبان سے ایسا لفظ نہ نکل جائے جس کا تدارک ناممکن ہو جائے" (روضۃ الاحباب، حبیب السیر، تاریخ اعثم کوفی، مناقب مرتضوی، تاریخ اسلام ص۱۹۱)۔ جب بی بی صاحبہ روانگی کے لئے طیار ہوگئیں تو جناب امیرؑ

مخالفت

نے عبداللہ بن جعفر سے فرمایا کہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے عائشہ کو زادِ سفر کے لئے دیدو۔ پھر جعفر نے بصرہ کی ۹۰ یا ۱۰۰ عورتیں مردانہ لباس میں مسلح کر کے موصوفہ کے ساتھ کر دیں اور محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ساتھ جا کر اپنی بہن کو مدینہ پہنچا آؤ۔ کچھ دور تک خود جنابِ امیرؑ اور اُن کے فرزندوں نے بھی مشایعت کی۔ بصرہ سے کچھ دور نکل کر حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ سے شکایت کی کہ مجھے مردوں کے ہمراہ بھیجا ہے تو ان میں سے ایک عورت نے اپنا منہ کھول کر دکھا دیا اور کہا اے عائشہ ہم بھی عورتیں ہیں۔ حضرت علیؑ نے حکم دیا ہے کہ مردوں کی وضع میں آپکے ساتھ رہیں تاکہ راہ میں کوئی شخص برائی کا ارادہ نہ کرے اور ہم نقصان سے محفوظ رہیں۔ حضرت عائشہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور حضرت علیؑ کا احسان مانا۔ روانگی کے وقت حضرت عائشہ نے جنابِ امیرؑ سے کہا کہ معاویہ آپ پر خروج کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور ملکِ شام کے کمینے اور رذیل لوگ اُس کے پاس جمع ہیں۔ آپ کو اُس کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے جانا ہوگا۔ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلئے گا۔ مجھ کو دیکھ کر اُدھر کے لوگ آپکے آملیں گے۔ مگر سبحان اللہ جنابِ امیرؑ شرعِ اسلام کے کس درجہ پابند تھے کہ ازواجِ رسولؐ کا پردہ رکھنے کے لئے اپنی قوت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کی فرمایا میں ایسا کیونکر کر سکتا ہوں کہ طلحہ و زبیر کی طرح حرمِ نبیؐ کو جا بجا لئے پھروں اور حرمتِ رسولؐ کی پروا نہ کروں۔ تم کو مدینہ ہی چلا جانا مناسب ہے۔ اس موقع پر واشنگٹن ایرونگ نے لکھا ہے کہ عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کی امید ہو سکتی تھی مگر وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دشمن کو اپنی کامیابی کی شان دکھاتا۔ انھوں نے عائشہ کی عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ زمخشری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت زنانِ کوفہ سے حضرت عائشہ کے پاس آئی اور کہا اے ام المومنین آپ اُس عورت کے بارے میں کیا کہتی ہیں جو دیدہ و دانستہ اپنے بچے کو مار ڈالے۔

حضرت عائشہ ۔ وہ کافر ہے۔ حق تعالے فرماتا ہے ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم الخ یعنی جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اُس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا اور حق تعالیٰ اُس کے واسطے عذابِ عظیم مہیا کرے گا۔

وہ کوفی عورت ۔ اے ام المومنین! آپ اُس عورت کے بارے میں کیا کہتی ہیں جس نے اپنی اولاد مومنین سے ۱۶ ہزار مرد قتل کر ڈالے ہوں۔ (یعنی جنگِ جمل میں عائشہ کی وجہ سے ۱۶ ہزار مسلمان قتل ہو گئے)

کی

حضرت عائشہ ۔ (اس کا مطلب سمجھ گئیں اور کہا) اس دشمن خدا کو یہاں سے نکالو ۔ مختصر یہ کہ جنگ جمل سے واپس ہو کر حضرت عائشہ پہلے مکہ گئیں اور حج کے زمانہ تک وہیں رہیں ۔ پھر مدینہ آکر اپنے مکان میں رہنے لگیں ۔ اور جب کبھی جنگ جمل کو یاد کرتیں اتنا روتیں کہ آپ کا دوپٹہ بھیگ جاتا ۔ کبھی فرماتیں کاش میں جنگ جمل سے ۲۰ سال پہلے مرچکی ہوتی مگر کتاب مغازی ابن اسحاق سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص مسروق کہتا تھا کہ میں (حضرت علیؑ کی شہادت کے بہت دنوں بعد) حضرت عائشہ کے پاس گیا تو انھوں نے اپنے حبشی غلام عبدالرحمان کو بلوایا اور کہا اے مسروق تم جانتے ہو میں نے اس کا نام عبدالرحمان کیوں رکھا ہے ؟ مسروق نے کہا نہیں ۔ حضرت عائشہ بولیں اس لئے کہ عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علیؑ کو قتل کیا تھا ۔ اس وجہ سے یہ نام عبدالرحمان مجھ کو بہت پسند ہے ۔ حضرت عائشہ نے جناب امیرؑ و جناب سیدہ و حسنینؑ کے ساتھ جس درجہ جو زیادتیاں کیں اگر وہ سب لکھی جائیں تو ایک مستقل کتاب بھی کافی نہیں ہو سکتی ۔ بطور نمونہ صرف اور چند باتیں ملاحظہ ہوں ۔ خود فرماتی تھیں کہ جب رسول اللہ بیمار ہوئے تو دوسری بیویوں سے میرے ہی گھر میں رہنے کی اجازت حاصل کی اور دو شخصوں کے سہارا کر کے یہاں آئے ۔ ان میں سے ایک جناب عباس تھے ۔ راوی سے جناب ابن عباس نے پوچھا کہ عائشہ نے یہ نہیں بتایا کہ دوسرا شخص کون تھا ؟ کہا نہیں ۔ کہا مجھ سے سنو وہ علیؑ تھے (صحیح بخاری جلد ا صفہ ۳۲ و مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفہ ۳۸) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ایسی عنایت حضرت علیؑ پر رہتی تھی کہ آپکا نام تک لینا یا رسول صلعم کی کسی قسم کی خدمت کا ذکر تک کرنا گوارا نہیں تھا ۔ اور جہاں مجبوری پیش آجاتی تھی وہاں رجل آخر (دوسرے شخص) وغیرہ الفاظ کہہ کر ٹال جاتی تھیں ۔ اب ذرہ اس کی وجہ بھی سن لیجئے کہ آپ حضرت کا نام کیوں نہیں لیتی تھیں ۔ امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے کہ فقال ابن عباس اتدری من ذالک الرجل ھو علی ابن ابی طالب ولکن عائشہ لا تطیب بہا نفسہا جناب ابن عباس نے فرمایا تم یہ جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون تھا جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا ؟ وہ حضرت علی ابن ابیطالبؑ تھے ۔ لیکن حضرت عائشہ سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی تھی کہ جناب امیرؑ کا نام ان کی زبان پر جاری ہو (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفہ ۳۴) ۔ اب ذرہ صحیح بخاری کی روایت سے بھی اس کی تصدیق کر لیجئے فقال لی ھل تدری من الرجل الذی لم تسم عائشہ قلت

حضرت

لا اقال ھو علی ابن ابی طالب ۔ جناب ابن عباس نے کہا وہ دوسرے شخص جن کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا حضرت علیؑ تھے ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے ولکن عائشہ لا تطیب نفسا لہ ولابن اسحاق فی المغازی عن الزہری ولکنہا لا تقدر علی ان تذکرہ بخیر ۔ یعنی حضرت عائشہ کا نفس حضرت علیؑ کا ذکر کرنا کسی طرح برداشت ہی نہیں کرتا تھا اور زہری نے کہا ہے کہ عائشہ حضرت علیؑ کو بھلائی یا کسی خوبی کے ساتھ ذکر کرنے پر قادر ہی نہیں تھیں ۔ (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۳) ۔ جناب میر پر حضرت عائشہ کی جو مہربانیاں رہتی تھیں اُن کے متعلق زمانہ حال کے شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے " عائشہ رض علیؑ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں ۔ علیؑ مسند خلافت پر جم کر بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ قاتلان عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے علیؑ پر فوج کشی کر بیٹھیں ۔ گویا علیؑ نے عثمان کو قتل کیا یا کرایا ہے ۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا ایک طبعی خاصہ تریاہٹ اور ایک تریا چرتر بھی مانا گیا ہے ۔ تو وہی بات ہم ... عائشہ رض میں پاتے ہیں " (امہات الامۃ صفحہ ۱۹) پھر جنگ جمل کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے " لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ کے ہودج پر اس قدر تیر باری کی کہ سارا ہودج تیروں سے چلنی ہو گیا اور ایک بے ادب نے تو یہاں تک جرأت کی کہ ان کے اونٹ کے پیروں پر تلواریں ماریں ۔ اونٹ گرا تو ام المومنین ہودج سمیت نیچے گر پڑیں ۔ حضرت علیؑ کو خبر ہوئی تو وہ اس موقع پر تشریف لائے اور ام المومنین کو دوسرے اونٹ پر سوار کر کے حفاظت دامن کے ساتھ مدینہ پہونچا دیا ۔ یہ بھی علیؑ ہی کا حوصلہ تھا اور ان کی مسلمہ شجاعت کو یہی شایاں تھا کہ انھوں نے عائشہ رض کے مغلوب ہو پیچھے ان کے ام المومنین ہونے کا پاس کیا ... عثمان رض اپنی بیجا اور تحکمانہ اور خود سرانہ کارروائیوں کی وجہ سے قتل کے تو نہیں عزل کے مستوجب ضرور تھے ایک ۔ اور چونکہ بات مردوں میں ہو رہی تھی عائشہ رض کو اس میں دخل در معقولات مناسب نہ تھا ۔ اور دخل بھی ایسا دخل کہ کشت و خون میں شریک ۔ گرد ہی قصہ کی یا دبا دجو داتنے انقلابات کے کانٹے کی طرح ابھی تک ان کے دل میں کھٹکتی تھی اور خاص کر علیؑ کی طرف سے ان کا بطون صاف نہ تھا اسی کو ہم نے تریاہٹ سے تعبیر کیا ... ان لوگوں سے صحابہ کی باہمی رنجش کی معقول توجیہ کرتے نہ بن پڑی تو سرے سے رنجش ہی کا انکار (انکار بداہت) کر بیٹھے کہ ان

عبداللہ

بزرگوں میں باہم کسی طرح کی ناخوشی تھی ہی نہیں اور جس کو لوگوں نے ناخوشی سمجھا وہ صرف اختلاف رائے تھا۔ اختلاف میں جو بر سر غلط تھا پیش برین نیست کہ اُس نے اجتہاد میں خطا کی۔ پھر بھی اُس کے لئے لَہٗ اَجْرٌ کی بشارت ہے کیونکہ اجتہاد ایسا ٹھوا ہے جس میں جفت بھی اپنا طاق بھی اپنا۔ مثلاً عائشہؓ اور علیؓ میں جو دلی کدورت تھی اور اسی کدورت کی وجہ سے جنگ جمل کا وقوع ہوا تھا جس میں طرفین کے ۱۳ ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ اور مقتولین عوام الناس نہیں بلکہ اکثر صحابی اور عباد اور حفاظ اہل السنۃ بے تامل کہہ دیں گے کہ علیؓ اور عائشہؓ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی، لوگوں کے بہکانے سکھانے سے دونوں لشکروں میں اتفاقیہ مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ ہم مانتے ہیں کہ اہل السنۃ کا یہ کہنا محض اس غرض سے ہے کہ عائشہؓ اور علیؓ کے مذہبی تقدس میں فرق نہ آئے۔ لیکن جو حقیقۃ الحال سے واقف ہے وہ تو جانتا ہے کہ شروع سے دونوں ایک دوسرے کی بیخکنی کی فکر میں تھے۔ موقع نہیں ملتا تھا۔ قابو پایا تو کھل کھیلے[1] (امہات الامۃ صفحہ ۱۱۱)۔ پھر لکھتے ہیں "پہلے انتخاب میں علیؓ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہونچاتا ہے تو لوگ اُس کے نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ بھکڑوں لٹیروں کو بادشاہ۔ بدمعاشوں کو بھلامانس بت پرستوں کو خدا پرست۔ نالائقوں کو لائق، وحشیوں کو مہذب، جانوروں کو انسان بنا گئے۔ اُن کے تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی امت نے اُن کے نواسوں، نواسیوں۔ بہو بیٹیوں کو جو

---

[1] افسوس! مولوی صاحب کی مذہبی حمیت نے یہاں بھی رنگ کھا ہی دیا جو فرمایا کہ دونوں ایک دوسرے کی بیخکنی کی فکر میں تھے۔ حالانکہ تمام کتب حدیث و تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملیگا جس میں حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ کی بیخکنی کی فکر کی ہو بلکہ آپ ہمیشہ حضرت عائشہ پر احسان اور رحم فرماتے رہے۔ خود مولوی صاحب ممدوح جنگ جمل کے واقعات میں حضرت امیر المومنینؑ کا احسان عظیم لکھ چکے ہیں جو اوپر نقل کیا گیا۔ اگر حضرت کے دل میں جناب عائشہ کی طرف سے کچھ بھی کدورت ہوتی تو اس موقع کو کیوں ہاتھ سے جانے دیتے۔ ۱۲

ابن

دیا اور حسین دیا اُس کا رونا آجتک اسلامی دنیا میں رویا جا رہا ہے اور قیامت تک رویا جائے گا
قطعہ؂ امترجوا امۃ قتلت حسینا - شفاعۃ جدہ یوم الحساب * فلا واللہ لیس لھم شفیع - وھم یوم القیامۃ فی العذاب - یعنی جس امت نے حسین کو قتل کیا کیا وہ اس بات کی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز اُن کے نانا کی شفاعت اُسے نصیب ہوگی؟ خدا کی قسم اُس روز اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہوں گے... ان سب باتوں کو عائشہ رض اپنے دل سے اس پر محمول کرتیں کہ زمرۂ مستورات میں پیغمبر صاحب کو وہی سب سے زیادہ عزیز ہیں اسی خیال سے وہ بر خود غلط بھی ہو گئی تھیں... بھلا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ فاطمہ رض کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں ان کی عنایت خاص کے ہوتے علی رض اور فاطمہ رض کو عائشہ کی یا کسی کی پرواہی کیا تھی" (دیکھو امہات الامۃ مطبوعہ دہلی ط۱۱)
ایک مشہور محقق یوروپین مورخ نے جناب معظمہ کی عنایت بر جناب امیر کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا بھی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے - اس قابل قدر مورخ کا نام ایڈورڈ گبن ہے موصوف اسلامی تاریخ کے مفصل واقعات لکھنے میں بھی معروف ہیں - اس وجہ سے ان کا ایک ایک لفظ نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے -

یوروپین محقق مورخ گبن کی زریں رائے | مورخ ممدوح اپنی بے مثل و نظیر تاریخ انحطاط زوال سلطنت روم کی جلد ۵ مطبوعہ لندن در ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۴۷ میں اور اس کے آگے لکھتے ہیں -

From "The Decline and fall of the Roman Empire" By Edward Gibbon Printed at London Grant Richards 48 Leicester square 1903-Volume 5, Page 447
"Such were the calm and rational precepts of the legislator; but in his private conduct Mahomet indulged the appetites

عباس

of a man and abused the claims of a prophet. A special revelation dispensed him from the laws which he had imposed on his nation; the female sex, without reserve, was abondoned to his desires; and this singular prerogative excited the envy, rather than the scandal, the veneration, rather than the envy, of the devout musalmans. If we remember the seven hundred wives and three hundred concubines of the wise Solomon, we shall applaud the modesty of the Arabian, who espoused no more than seventeen or fifteen wives; eleven are enumerated who occupied at Medina their seperate apartments round the house of the apostle, and enjoyed in their turns the favour of his conjugal society. What is singular enough, they were all widows, excepting only Ayesha, the daughter of Abubakr. She was doubtless a virgin, since Mahomet consummated his nuptials (such is the premature ripeness of the climate) when she was only nine (9) years of age. The youth, the beauty, the spirit of Ayesha gave her a superior ascendant; she was beloved and trusted by the prophet; and after his death, the daughter of Abubakr was long

revered as the mother of the faithful.

Her behaviour had been imbiguous and indiscreet; in a nocturnal march, she was accidentally left behind; and in the morning Ayesha returned to the camp with a man. The temper of Mahomet was inclined to "jealousy; but a divine revelation assured him of her innocence; he chatised her accusers, and published a law of domestic peace that no woman should be condemned unless four male witnesses had seen her in the act of adultery[126]......................"

A more serious and decent excuse may be drawn from his fidelity to

---

"126. In a memorable case, the Caliph Omer decided that all presumptive evidence was of no avail; and that all the four witnesses must have actually seen stylum in pyxide. (Abulfedae Annales moslemici p. 71 Vers Reiske)".

A footnote of the same book.

کیا

Cadijah. During the twenty-four years of their marriage, her youthful husband abstained from the right of polygamy, and the pride or tenderness of the venerable matron was never insulted by the society of a rival. After her death he placed her in the rank of the four perfect women, with the sister of Moses, the mother of Jesus, and Fatema, the best beloved of his daughters. "Was she not old?" said Ayesha, with the insolence of a blooming beauty; "has not God given you a better in her place?" "No, by God," said Mahomet with an effusion of honest gratitude, "there never can be a better! she beleived in me, when men despised me; she releived my wants when I was poor and persecuted by the world."

In the largest indulgence of polygamy, the founder of a religion and empire might aspire to multiply the chances of a numerous posterity and a lineal succession.

"لوگ"

The hopes of Mahomet were fatally disappointed. The virgin Ayesha, and his ten widows of mature age and approved fertility, were barren in his potent embraces. The four sons of Cadijah died in their infancy. Mary, his Egyptian concubine, was endeared to him by the birth of Ibrahim. At the end of fifteen months the prophet wept over his grave; but he sustained with firmness the raillery of his enemies, and checked the adulation or credulity of the Moslems, by the assurance that an eclipse of the Sun was not occassioned by the death of the infant. Cadijah had likewise him four daughters, who were married to the most faithful of his disciples; the three oldest died before their father; but Fatima, who possessed his confidence and love, because the wife of her cousin Ali and the mother of an illustrious progeny. The merit and misfortunes of Ali and his descendants will lead me to anticipate, in this place, the series of the Saraceen Caliphs, a little which describes the commanders

of the faithful as the vicars and successors of the apostle of God.

The birth, the alliance, the character of Ali, which exalted him above the rest of his countrymen, might justify his claim to the vacant throne of Arabia.

The son of Abu Taleb was, in his own right, the chief of the family of Hashem, and the hereditary prince or guardian of the city and temple of Mecca. The light of prophecy was extinct; but the husband of Fatema might expect the inheritence and blessing of her father; the Arabs had sometimes been patient of a female reign; and the two grandsons of the prophet had often been fondled in his lap and shown in his pulpit, as the hope of his age and the chief of the youth of paradise. The first of the true beleivers might aspire to march before them in this world and in the next; and, if some were of a grave and more rigid cast, the zeal and virtue of Ali were never outstripped by any recent proselyte. He united the qualifications of a poet, a soldier, and a saint; his wisdom still breathes in a

سن کر

collection of moral and religious sayings,[128] and every antagonist, in the combats of the tongue or of the sword, was subdued by his eloquence and valour. From the first hour of his mission to the last rites of his funeral, the apostle was never forsaken by a generous friend, whom he delighted to name his brother, his vicegerent, and the faithful Aaron of a second Moses. The son of Abu Taleb was afterwards reproached for neglecting to secure his interest by a solemn declaration of his right, which would have silenced all competition and sealed his succession by the decrees of heaven. But the unsuspecting hero confided in himself; the jealousy of empire, and perhaps the fear of opposition, might suspend the resolutions of Mahomet; and the bed of sickness was besieged by the artful Ayesha, the daughter of Abubeker and the enemy of Ali."

128. Ockley (at the end of his second volume) has given an English version of 169 sentences, which he ascribes, with some hesitation, to Ali, the son of Abu Taleb. His preface is coloured by the enthusiasm of a translator; yet these sentences delineate a characteristic, though dark, picture of human life.

بہت

یعنی یہ تھے اطمینان بخش اور معقول ہدایات شارع اسلام کے لیکن اپنے خانگی زندگی میں حضرت محمدؐ عام انسانی حاجات وضروریات میں مبتلا رہتے تھے۔ اور ایک نبی مرسل کے دنیوی نمائش اطینداریہ کا لحاظ نہیں فرماتے تھے۔ ایک خاص وحی نے ان قوانین سے بری کردیا تھا جس کو انھوں نے اپنی قوم کیلئے لازمی قرار دیا تھا۔ عورتیں بغیر استفسار ان کی خواہش پر چھوڑ دی گئی تھیں اور اس غیر معمولی رعایت نے مقدس مسلمانوں کے حسد کو بہ نسبت تفضیح کے اور تعظیم کو بہ نسبت حسد کے ابھار دیا۔ اگر ہم لوگ حکیم و دانا حضرت سلیمان کی سات سو بی بیوں اور تین سو ممتوعہ عورتوں کو یاد رکھیں تو ہم لوگوں کو پیغمبر عرب کے اس ایثار کی قدر کرنا پڑے گی جنھوں نے سترہ یا پندرہ سے زیادہ عورتوں سے تعلق کیا ہی تھیں۔ ان میں سے گیارہ کی تفضیل کی گئی ہے جو مدینہ میں پیغمبر صاحب کے مکان کے گرد علیحدہ علیحدہ حجروں میں رہتی تھیں اور یکے بعد دیگرے حضرت کی صحبت سے فیضیاب ہوتی تھیں۔ ان کی عجیب اور قابل لحاظ خصوصیت یہ تھی کہ وہ سب کی سب بیوائیں ہی تھیں سوائے ایک عائشہ کے جو ابوبکر کی لڑکی تھیں۔ وہ یقیناً کنواری تھیں کیونکہ جب وہ صرف نو برس کی تھیں اُس وقت حضرت محمدؐ نے اُن کا زفاف فرمایا تھا (یہ ملک عرب کے آب وہوا کی خصوصیت ہے کہ وہاں کی لڑکیاں اس قدر قبل از وقت بالغ اور نکاح کے قابل ہوجاتی ہیں) اُن کی جوانی اُن کی خوبصورتی۔ اور ان کے منچلاپن نے عائشہ کو ایک بالاتر رسوخ حاصل کردیا۔ آنحضرت صلعم اُن کو بہت پیار اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اور حضرت کی وفات کے بعد ابوبکر کی لڑکی ام المومنین ہونے کی حیثیت سے عرصہ دراز تک معزز بنی رہیں۔ ان کی چال چلن خلاف احتیاط اور مشتبہ رہتی تھی ایک مرتبہ شب کے سفر میں وہ اتفاقاً پیچھے چھوٹ گئیں اور صبح کے وقت ہی عائشہ ایک مرد کے ساتھ (حضرت محمدؐ کے) قیام گاہ میں پہونچیں۔ آنحضرت کے خیال میں ان کے متعلق شک پیدا ہوگیا لیکن ایک وحی کے ذریعہ سے اُن کے بیگناہ ہونے کا یقین حاصل ہوا۔ آنحضرتؐ نے ان پر شک کرنے والوں کی ملامت کی۔ اور خانہ داری کے امن کے لئے ایک قانون جاری فرمایا کہ کوئی عورت ملامت نہیں کیجائیگی جبتک چار مرد گواہوں نے اسکو زنا کرتے نہ دیکھا ہو۔ (حضرت محمدؐ کے متعلق) زیادہ وزنی اور معقول عذر ان وفادارانہ تعلقات سے اخذ کیا جاسکتا ہے جو آپنے خدیجہ کے ساتھ قائم رکھے

پریشانی

ان لوگوں کے درمیان چوبیس ۲۴ سال یعنی مدت شادی میں خدیجہ کے نوجوان شوہر نے اپنے حق تعدد ازدواج سے برابر پرہیز کیا اور اس بوڑھی عورت کا یہ فخر اور لطف زندگی کبھی کسی دوسرے رقیب کے آنے سے خفیف نہیں ہوا۔ خدیجہ کے مرنے کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو چار افضل عورتوں کے درجے میں شمار کیا۔ یعنی موسیٰ کی بہن۔ عیسیٰ کی ماں۔ اور فاطمہ جو ان کی سب سے پیاری لڑکی تھیں ان کے درجے میں خدیجہ کو مرتبہ دیا۔ عائشہ نے اپنے عروج کرتے ہوئے حسن کے غرور میں آنحضرت صلعم سے ایک مرتبہ کہا "کیا خدیجہ ایک بوڑھی عورت نہیں تھیں؟ اور کیا خدا نے ان کی جگہ ان سے بہتر بیوی تم کو نہیں دی ہے؟" آنحضرت نے وفادارانہ ایمان داری کے جوش میں فرمایا "قسم خدا کی نہیں! ان سے کوئی بہتر نہیں ہو سکتا وہ ہم پر اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں نے ہم سے نفرت کی۔ انھوں نے اس وقت ہمیں مالی ضروریات سے مطمئن کر دیا جب ہم غریب تھے اور جب تمام دنیا ہماری آزار دہی پر کمربستہ تھی۔"

تعدد ازدواج کے وسیع میدان میں مبتلا ہو کر ایک مذہب کا موجد اور ایک سلطنت کا بانی اپنے بڑے کنبے اور اولاد کی وراثت کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔ آنحضرتؐ کی امیدیں خطرناک طور پر مایوسی سے بدل گئیں۔ کنواری عائشہ اور ان کی دس بیوہ رقیب جو مناسب سن اور قابل ازدواج صحت کی تھیں وہ آنحضرتؐ کے پاس بانجھ ثابت ہوئیں۔ خدیجہ کے چار لڑکے بچپنے میں مر گئے۔ ماریہ ان کی مصری بیوی ان کو محبوب ہوئیں کہ ان کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے مگر پندرہ مہینہ گذرنے پر آنحضرتؐ کو ابراہیم کی قبر پر رونا پڑا لیکن استقلال کے ساتھ آنحضرت نے اپنے دشمنوں کے تمسخر کو برداشت کیا اور مسلمانوں کے عقیدے اور غلط فہمی کو یہ یقین دلا کر رد کیا کہ اس لڑکے کی موت کی وجہ سے آفتاب کو گہن لگنا ضروری نہ تھا۔ خدیجہ کے بطن سے ان کی چار لڑکیاں بھی تھیں جو ان کے معتمد ترین پیروؤں کے ساتھ بیاہی گئیں جن میں سے بڑی تین لڑکیوں نے تو باپ سے قبل انتقال کیا لیکن فاطمہ جو آنحضرتؐ کی محبت اور اعتماد کی مالک تھیں وہ ان کے چچازاد بھائی علیؑ کی زوجہ اور ایک قابل قدر سلسلہ اولاد (یعنی ائمہ طاہرین) کی ماں ہوئیں علیؑ اور ان کی اولاد کی قابلیت اور بدقسمتیاں ہم کو اس جگہ مسلمانوں کے مسلسل خلفاء کے

ہیں

حالات پر متوجہ کرینگی جو مسلمانوں کے لیڈر اور آنحضرتؐ کے قائم مقام گذرے ہیں۔

علیؑ کی ولادت ان کے تعلقات ان کی چال چلن جو انھیں تمام عرب والوں پر ترجیح دیتی ہیں ان کے حق کو عرب کے خالی مسند کے لئے موزوں بتاتی ہیں۔ ابوطالب کے بیٹے اپنے ذاتی حقوق کے لحاظ سے سردار خاندان بنی ہاشم اور موروثی بادشاہ اور شہر مکہ کے علاوہ خانہ کعبہ کے محافظ اور اس معبد کے متولی تھے۔ پیغمبر خدا کی روشنی گل ہو چکی تھی (یعنی حضرت رسولخدا صلعم کا انتقال ہو چکا تھا) لیکن فاطمہ کے شوہر کو فاطمہ کے باپ کی وراثت اور دعا (اور خصوصیت و شرف) کی توقع ہو سکتی تھی۔ عرب اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں۔ رسولخدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے دونوں نواسوں کو اپنی گود میں پالا تھا اور منبر پر سے لوگوں کو دکھا دیا اور انھیں یہ سنا دیا تھا کہ یہ سردار جوانان بہشت[1] اور حضرت کی زندگی کی تمنا اور سہارا ہیں۔ حضرت کے ابتدائی سچے پیرو (یعنی وفادار صحابہ) اس امر کی تمنا رکھتے تھے کہ اس دنیا میں اور اس کے بعد آخرت میں بھی انھیں (حسنین) کے پیچھے چلیں اور ان کے دامن سے متمسک رہیں۔ اور اگر بعض پیرو سخت اور کڑے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے تاہم علیؑ کے فضائل اور ان کی ہمت پر کوئی جدید الاسلام شخص سبقت نہیں حاصل کر سکتا تھا کیونکہ آپ میں وہ تمام اوصاف جمع تھے جو ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر، سپاہی، ولی اور مذہبی پیشوا و سردار میں ہونے چاہئیں ان کی عقل اب تک اخلاقی ضرب الامثال سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے حکیمانہ اور فلسفیانہ مقولے ابھی تک اخلاقی اور مذہبی ذخیروں کی منزلت رکھتے ہیں[2] اور ان کا ہر دشمن خواہ وہ تلوار سے لڑے یا زبان سے مقابلہ کرے علیؑ کی جرأت اور فصاحت سے ہمیشہ مغلوب ہی ہوا کیا۔ دعوت اسلام کی ابتدائی حالت سے حضرت رسولخدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تجہیز و تکفین کی آخری خدمات تک اس عالی ہمت اور وفادار و جان نثار شفیق دوست نے رسولخدا صلعم کو کسی وقت نہ چھوڑا۔ رسولؐ نے اسے خوشی سے اپنا بھائی۔ ولیعہد اور دوسرے موسیٰ کا ہارون

[1] مشہور حدیث متفق بین الفریقین الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ کی طرف اشارہ ہے (تاریخ الخلفاء مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۲۶)۔ [2] اوکلے اپنی دوسری جلد کے آخر میں ۱۶۹ جملوں کا انگریزی ترجمہ دیتا ہے جس کو

کہ

(اور ان کے مثل اپنا وصی۔ وزیر و خلیفہ) کہا۔ فرزند ابوطالب کو لوگوں نے آخر میں طعنہ دیا کہ اپنی حقیقت حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنے حقوق کا اعلان نہیں کیا جس سے کل رقابت ختم ہو جاتی اور خدائی فیصلہ کے مطابق آپ کی ولیعہدی اور خلافت پر مہر ہو جاتی لیکن اس بے نفس اور غیر متوہم مرد میدان اور مقدس ہیرو نے اپنے مسلم حقوق پر بھروسہ کر لیا سلطنت کا حسد اور رقابت و مخالفت کا خوف ممکن تھا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارادے کو معلق رہنے دیتا کیونکہ رسول (صلعم) کے بستر علالت کو پرفن عائشہ نے محصور کر رکھا تھا جو ابوبکر کی تو بیٹی مگر علی کی دشمن تھیں "

مورخ گبن کی عبارت کا ترجمہ تمام ہوا جس میں آخری جلی خط کا جملہ خاص توجہ اور غور و تامل سے دیکھنے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہ عبارت نہ کسی شیعہ کی ہے نہ کسی مخالف فرقہ اہلسنت کی بلکہ ایک غیر مسلم شخص کی ہے جسکو اسلام کے اندرونی مناقشات سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا۔ اس صریح اعلان کے بعد تو اب اس امر کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت عائشہ جناب امیر المومنین امام المتقین علیؑ ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام پر کیوں اس درجہ مہربان رہتیں کہ آپ کا نام تک نہ لے سکتی تھیں اور جب ایسا موقع پیش آتا تو رجل آخر وغیرہ کہہ کر ٹال جایا کرتیں۔

انسائکلوپیڈیا کی زریں رائے

جب سلسلہ کلام یہاں تک پہونچا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مشہور انگریزی کتاب مسمّی بہ انسائکلوپیڈیا بریٹینکا (ڈکشنری علوم و فنون و ادب عامہ) سے بھی ایک عبارت کا ترجمہ نقل کر دیا جائے جس میں انھیں حضرت عائشہ کی شفقت بر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کتاب مذکور مطبوعہ انگلینڈ کی جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۰ میں (جناب امام حسنؑ و حسینؑ" (علیہ السلام) کا عنوان قائم کرکے ان حضرات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) وہ کچھ تردد کے ساتھ علی ابن ابی طالب کے مقولے بیان کرتا ہے۔ اس کا دیباچہ ایک مترجم کے جوش سے رنگین ہے۔ تاہم یہ مقولے انسانی زندگی کے فوٹو کو ظاہر کرتے ہیں اگرچہ وہ سیاہ ہی ہو۔ ۱۲ منہ

آپ

کے متعلق ایک نوٹ دیا گیا ہے۔ اسی نوٹ میں حضرت عائشہ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔۔۔۔

جب محمدؐ کا انتقال ہوا تو علیؑ نے منصب خلافت (نیابت یا جانشینی) کے حقدار ہونے کا دعوی کیا لیکن ابوبکر پدر عائشہ (پیغمبر کی چہیتی بیوی) اور عمر پیغمبر کے دوسرے خسر اور عثمان کینہ ور خاندان امیہ کے اکیلے ممبر کو جو شریک صف مسلمین ہوا تھا خوفناک حریف پایا۔ عائشہ نے جو علیؑ سے اس سبب سے ناراض تھی کہ انھوں نے اس بدعنوانی (بے عصمتی) کے اتہام کو جو عائشہ کے حق میں لگایا گیا تھا سماعت کیا تھا بنی امیہ سے متفق ہو کر علیؑ کی سخت مخالفت کی تھی۔ ابوبکر کے انتخاب سے ذرا بات دب گئی جس کی وفات پر عمر خلیفہ ہوا اور جب اس کی موت کا نمبر آیا تو عثمان منتخب ہوا کیونکہ علیؑ نے ان شرائط کے قبول کرنے سے انکار کیا جو ان کے سامنے پیش کی گئی تھیں کہ وہ قدیم رسم و رواج (سیرت شیخین) اور قرآن کے مطابق حکومت کریں۔۔۔۔۔۔۔ ؎۱

عثمان نے اپنی خلافت پر اپنے خاندان امیہ کی بیہودہ طرفداری ظاہر کی اور معاویہ کو جو بنی ہاشم کا سخت دشمن تھا شام کا حاکم مقرر کیا۔ عثمان ۳۵ھ میں قتل کیا گیا اور تب علیؑ بغیر کسی شرط کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے فوراً معاویہ سے بیعت طلب کی جس نے اطاعت سے انکار کیا اور بیرحم (دکٹر) عائشہ کے اثر سے مدد پا کر اپنے واسطے خلافت کا دعوی کیا۔ دونوں فریق میں سخت جنگ ہوئی۔ اور ابتدا میں علیؑ فتحیاب ہوئے لیکن آخرکار سازش کے سبب اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے حقوق پنچایت پر چھوڑیں۔ بجائے اس کے کہ اپنی جنگی فتوحات سے فائدہ اوٹھاتی اون کے پیروں کی ایک جماعت تقریباً بارہ ہزار آدمی اس بات سے بگڑ کر ان سے جدا ہو گئے اور اس طرح انھوں نے فرقہ خوارج کی بنیاد ڈالی جو عام مرضی کے موافق باقاعدہ قائم شدہ حکومت کے مخالف ہیں۔ تین خارجیوں کی سازش کا نتیجہ علیؑ کا قتل ہوا۔ جو مسجد کوفہ کی محراب (در) میں مارے گئے اور اس شہر سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ دفن ہوئے

؎۱ یہاں راقم مضمون نے بوجہ عیسائی ہونے کے اسلام پر چند لغو اعتراض کئے ہیں جو ہماری بحث سے خارج ہے۔

عراق

بعدازاں ان کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنائی گئی جہاں من بعد شہر مشہد علیؑ (مرقد علیؑ) آباد ہو گیا جو ان بڑے مقامات میں ایک ہے جہاں شیعہ زوار بکثرت جاتے ہیں۔ علیؑ کی وفات پر ان کے بڑے بیٹے حسنؑ خلیفہ منتخب ہوئے۔ مگر انھوں نے خلافت معاویہ پر چھوڑ دی اس شرط پر کہ جب وہ مر جائے گا تو پھر وہی حسنؑ خلیفہ ہوں گے مگر معاویہ نے جو چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا یزید اس کا جانشین ہو حسنؑ کو انھیں کی ایک بیوی سے زہر دلوا کر ۸ برس بعد بری طرح مروا ڈالا۔ معاویہ کی وفات پر یزید اپنے باپ کا جانشین ہو گیا بغیر مخالفت یا انتخاب کے۔ اور اموی خاندان اس طرح تخت پر مضبوطی سے مسلط ہو گیا مگر خانوادہ علیؑ کے طرفدار مطمئن نہ تھے انھوں نے حسینؑ علیؑ کے باقیماندہ بیٹے کو خفیہ طور پر کوفہ بلایا تاکہ وہاں اس گروہ کے سردار بنیں اور یزید پر خروج کریں لیکن یزید نے جسکو اس تحریک کی خبر موقع پر لگ گئی تھی ہوشیاری سے تدابیر کیں۔ عبید اللہ ایک زبردست افسر کوفہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ جس نے حسینؑ کے ایلچی مسلمؑ اور ہانی کو جس کے گھر میں وہ چھپے ہوئے تھے گرفتار کر لیا اور جب وہاں کے باشندگان نے ہجوم کیا اور ان کی رہائی پر مصر ہوئے تو اس نے ان دونوں کی گردن ماردی۔ اور ان کے سر اس انبوہ کی طرف پھینک دیا۔ حسینؑ کو ماریہ دابی لونیا کے حدود پر حرؑ نے مع چند سواروں کے روک لیا۔ اور یہ کہا کہ "مجھے آپ کو تنہا کوفہ لے جانے کا حکم ہے"۔ لیکن پھر بھی اجازت دی کہ خواہ آپ کسی راہ سے جائیں مگر "میری نظروں سے اوجھل نہ ہوں"۔ ایک سوار ان کو راہ میں ملا جو عبید اللہ کی طرف سے خفیہ احکام لایا تھا کہ حسینؑ کو کھلے میدان اور غیر محفوظ جگہ میں لے جائیں اور اس وقت تک ٹھہرے رہے جب تک کہ عمر فوج شامی کا کمانڈر اپنی فوج لے کر آ جائے۔ یہ دوسرے دن ہوا۔ اور حسینؑ مع متعدد حواریوں کے چار ہزار سواروں میں گھر گئے اور بعد سخت مقابلہ کے میدان کربلا میں دریائے فرات کے کنارے عجیب دردانگیز حالات میں قتل کئے گئے حتیٰ کہ ان کا صغیر السن بچہ عبد اللہ اور ان کا بھتیجا جو ایک خوبصورت بچہ تھا دونوں ان کی آغوش میں مقتول ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ (۶۸۰ء) کو ہوا اور اس ماہ میں ہندوستان اور ایران کے شیعہ اس یادگار کو تازہ کرتے ہیں اور نہایت معجزانہ (فوق العادۃ) طور پر اس کا اظہار ہوتا ہے جسکے خاص سین ہر روز

جا رہے ہیں۔

دکھائے جاتے ہیں اور اختتام اس طرح ہوتا ہے کہ شہدا کے تابوت یا ضریح کھلے میدان میں عموماً گورستان یا ساحل دریا کے قریب کے مقامات کی طرف لے جاتے ہیں۔

علیؑ اور ان کے دودمان کی حمایت اہل ایران نے نہایت سرگرمی سے اختیار کی جنھوں نے بزور اسلام قبول کیا تھا مگر سنیوں کے مذہب سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ اس گروہ کا نام شیعہ (خاص فرقہ کے لوگ) ہے اور ان کی اور سنیوں کی عداوت نے جو یہود وغیر یہود اور سمٹک (نسل سام ابن نوح) اور آریہ نسلوں کی عداوت کو یاد دلاتی ہے۔ اسلام میں ایک ناقابل اصلاح رخنہ ڈال دیا ہے۔"

اس عبارت میں ہماری غرض اسی جملہ سے متعلق ہے "عائشہ نے علیؑ کی سخت مخالفت کی تھی" رہی اس کی وجہ کہ حضرت علیؑ نے جناب معظمہ کی بے عصمتی کے اتہام کو سماعت کیا تھا تو جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے وہ اتہام سنا بالکل اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی سن لیا۔ حضرت اپنے کان کو بند کیونکر رکھ سکتے تھے؟۔

حضرت عائشہ کی عنایتیں جناب امیرؑ پر ان کی زندگی میں ایک منٹ کے لئے بھی موقوف نہیں ہوئیں۔ جب آپ کو جناب امیرؑ کے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو خوشی سے جھوم جھوم کر یہ اشعار گانے لگیں ؎ فالقت عصاھا واستقر بھا النوی۔ کما قر عینا بالایاب المسافر

اب اس نے اپنا عصا رکھ دیا اور اس کو جائے اطمینان مل گئی۔ جس طرح مسافر اپنی جگہ واپس پہونچ کر ہر طرح مطمئن ہو جاتا ہے۔ (حیوۃ الحیوان از علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۱۲)

یعنی جس طرح مسافر کا دل اپنی منزل پر پہنچ کر خوش ہو جاتا ہے اسی طرح میرا دل بھی اب علیؑ کے قتل سے مطمئن ہو گیا۔ القاء عصا کنایہ ہے حصول اطمینان سے۔ محاورہ عرب ہے کہ جب کوئی شخص جائے اطمینان پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے کل امور درست ہو جاتے ہیں تو وہ اپنا عصا وہاں رکھ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے انہ القا عصاہ یعنی اس نے اپنا عصا ڈال دیا۔ اس سے جناب عائشہ کا شہادت جناب امیرؑ پر خوش و مسرور ہونا جس درجہ واضح ہوتا ہے اس کی تفصیل ضروری نہیں معلوم ہوتی۔ جنگ جمل میں شکست

مجھے

کھانے کا جو صدمہ ہوا تھا وہ آج جاتا رہا اور جناب امیرالمومنین کے مسند رسول پر بیٹھنے اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھنے سے آپ کے دل کی جو حالت ہوتی رہتی تھی اُس کا اب پورا علاج ہو گیا لیکن ایک لفظ کا بھی پتہ نہیں ملتا جو جناب امیر کی شہادت پر ان کی زبان سے افسوس تک ظاہر کرنے کا نکلا ہو حالانکہ بہت سے اور صحابہ کی موت پر آپ صرف روئے ہی نہیں بلکہ مرثیہ کے طور پر اشعار بھی پڑھے ہیں اور سوگ نشینی کی صورت بھی اختیار کی ہے۔ مگر حضرت رسول خدا صلعم کے ابن عم اور داماد اور نفس اسکے مستحق کس وجہ سے ہو سکتے تھے؟ پھر آپ حضرت عائشہ کیونکر رہتیں؟۔

جناب امیر کی شہادت پر خوشی اور اطمینان

انسانیت کا مقتضے یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی سے عداوت ہے تو اس کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد وہ عداوت ختم ہو جائے اور اب اُس کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کیا جائے جو اس کی زندگی میں کیا جاتا تھا۔ مگر افسوس حضرت رسول خدا صلعم اور اسکے مخصوص اعزہ اس انسانی اخلاق کے سلوک سے بھی ہمیشہ محروم رکھے گئے۔ حضرت حمزہ کی شہادت پر معویہ کی ماں ان کی لاش پر گئی، ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اس وجہ سے اُگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۸۰) حضرت عائشہ کو جناب امیر کی لاش تو نہیں ملی کیونکہ موصوفہ ملک حجاز شہر مدینہ میں تھیں اور جناب امیر ملک عراق شہر کوفہ میں شہید ہوئے آپ وہاں پہونچتیں کیونکر؟ تیز رفتار سواری بھی ۱۸ ۔ ۲۰ روز سے کم میں شاید ہی جا سکے۔ اس سبب جب آپ کو نفس رسول کے دنیا سے اٹھ جانے کی خبر ملی تو خوشی و اطمینان کے گیت گانے لگیں جیسا اور رخیوۃ الحیوان سے نقل کیا گیا۔ یہ واقعہ اس درجہ طشت ازبام ہوا کہ اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر مورخین اسلام نے حضرت عائشہ کی خوشی و اطمینان کی تصویر کھینچ دینے کے لئے اس کو نہایت اہمیت سے اپنی کتابوں میں درج کیا۔ امام المورخین علامہ طبری نے اپنی تاریخ مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۸۷ میں اور علامہ ابن اثیر جزری نے اپنی تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ میں بھی اس واقعہ اور جناب عائشہ کے گیت گانے کو تفصیل سے لکھا ہے علامہ طبری کی عبارت یہ ہے ولما انتھے الی عائشۃ قتل علی رضی اللہ عنہ قالت ۔

اصل

فالقت عصاھا واستقرت بھا النوی۔ کما قر عینا بالایاب المسافر + فمن قتلہ فقیل رجل من مراد فقالت سہ فان یک نائیا فلقد نعاہ - غلام لیس فی فیہ التراب + فقالت زینب ابنۃ ابی سلمۃ العلی تقولین ھذا فقالت انی انسی فاذا نسیت فذکرونی۔ یعنی جب حضرت عائشہ کو حضرت علیؑ کی شہادۃ کی خبر پہونچی تو ایک شعر گانے لگیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس نے اپنا عصا ڈال دیا اور اس کو اطمینان کی جگہ مل گئی۔ جس طرح مسافر اپنی جگہ پر پہونچ کر خوش اور مطمئن ہوجاتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرنے لگتی ہیں۔ پھر پوچھا یہ بھی بتادو کہ علی کو کس نے قتل کیا۔ لوگوں نے بتادیا کہ قبیلہ مراد کے ایک شخص نے یہ کار نمایاں کیا ہے۔ تو پھر دوسرا شعر گانے لگیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ علی مجھ سے بہت دور تھے (کیونکہ میں مدینہ میں ہوں اور وہ کوفہ میں مارے گئے) لیکن ان کے مرنے کی خوشخبری ایسا غلام لایا جس کے منھ میں مٹی نہیں ڈالی جاسکتی (یعنی جس پر افسوس نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو انعام دینا چاہیئے۔ حضرت عائشہ کا یہ گیت سُن کر زینب دختر ابوسلمہ نے ان سے کہا ارے! آپ حضرت امیرالمومنین کے قتل پر ایسی خوشی اور مبارکباد کی باتیں کرتی ہیں؟ تو بولیں، میں بھول جایا کرتی ہوں۔ جب بھول جایا کروں تو تم لوگ مجھ کو یاد دلادیا کرو (طبری جلد ۶ صفحہ ۸۹) فرمایئے اس بھول جانے کا کیا علاج ہوسکتا تھا! اور آپ کی شکایت نسیان کا جواب کس کے اختیار میں ہے؟۔

حضرت عائشہ سے یزید کے شادی کرنے کا ارادہ

حالانکہ آپ کے قویٰ اور صورت شکل کی یہ حالت تھی کہ معاویہ کے بیٹے یزید نے جو موصوفہ سے عمر میں ۴۲ سال چھوٹا تھا کوشش کی کہ آپ سے خود شادی رچالے۔ یزید سنہ ۲۷ھ میں پیدا ہوا تھا اور جناب امیر سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اس وقت یزید کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی۔ یعنی ابھی یزید بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس وجہ سے اس نے عائشہ سے اپنی شادی رچانے کی تمنا اپنے بالغ ہونے کے بعد ہی تو کی ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس وقت اس نے یہ آرزو کی ہوگی اس وقت حضرت عائشہ جوان ہی سمجھی جاتی ہوں گی۔ اور آپ کے حسن و جمال کا شہرہ اور آپ کے اعضا و جوارح کے سڈول پن کی متواتر خبریں سنکر ہی وہ آپ کا

حقیقت

قدرداں بنا ہوگا۔ غرض جب آپ سنہ ۴۲ھ کے مدت کے بعد بھی اس قابل تھیں کہ آپ سے شادی کی جائے اور شادی بھی کوئی بوڑھا معمولی آدمی نہ کرے بلکہ نوجوان اور اس زمانے کا شہزادہ ہی ارادہ کرے تو آپ سنہ ۴۲ھ میں اس کی شکایت کس طرح کر سکتی تھیں کہ میں بھول جاتی ہوں۔ ناظرین کتاب تعجب کریں گے کہ ۵۲ - ۵۳ سال کی عمر میں حضرت عائشہ کا جسم مبارک ایسا کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ یزید جو اس وقت صرف ۱۶ - ۱۷ سال کا تھا آپ سے اپنی شادی کی تمنا کرتا۔ اس وجہ سے اس حیرت کو رفع کرنے کے لئے ہم اصل عبارت ہی نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ "در روضۃ الاحباب گفتہ است کہ گویند طلحہ بن عبداللہ گفت چوں پیغمبر از دنیا برود من عائشہ را بخواہم پس نازل شد ایں آیہ (لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا) و در بعضے کتب گفتہ اند کہ یزید شقی طمع کرد در عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پس خواہند بروے ایں آیت و ممنوع شد ازاں" یعنی روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ لوگ بیان کرتے ہیں طلحہ بن عبداللہ صحابی کہتے تھے جب رسول اللہ دنیا سے چلے جائیں گے تو میں عائشہ سے شادی کر لوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری کہ رسول کے بعد ان کی ازواج سے کبھی نکاح نہ کرنا۔ اور بعض کتابوں میں لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یزید شقی کو بھی حضرت عائشہ کا لالچ ہوا تھا کہ آپ سے شادی رچائے۔ اس وقت لوگوں نے اس کے سامنے یہی آیت پڑھ دی جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا اور آپ سے شادی نہ کر سکا (دیکھو کتاب مدارج النبوۃ جلد اول ۱۴۵ سطر ۲ تا ۴ مطبوعہ مطبع ناصری دہلی در سنہ ۱۲۸۱ ہجری) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ سے یزید کے شادی کرنے کا ارادہ مولوی شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے کئی کتابوں میں دیکھا اور ان سب کو معتبر سمجھا اس وجہ سے اپنی نہایت مقبول اور معتبر کتاب میں بھی اس کو ذکر کیا۔ مدارج النبوۃ اتنی مقبول کتاب ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ نے لکھا ہے "مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث و سیرت شامیہ و مواہب لدنیہ مبسوط ترین سیر تہا اند" یعنی شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ و سیرت شامیہ اور مواہب لدنیہ سیرت کی سب سے زیادہ مفصل کتابیں ہیں (عجالہ نافعہ) اور نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے لکھا ہے "ابوالمجد شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ الترک الدہلوی مصنفات

سے

انشیان لمعات شرح مشکوٰۃ درعربی و اشعۃ اللمعات درفارسی شرح سفر السعادۃ اخبار الاخیار و مدارج النبوۃ وما ثبت بالسنۃ الخ۔ یعنی ابوالمجد شیخ عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک دہلوی۔ ان کی تصنیف کردہ کتابوں سے عربی زبان میں لمعات شرح مشکوٰۃ اور فارسی میں اشعۃ اللمعات و شرح سفر السعادۃ و اخبار الاخیار و مدارج النبوۃ وما ثبت بالسنۃ ہیں (اتحاف النبلاء)

حضرت امیر المومنین کو کس نے قتل کیا تھا

اگرچہ اس وقت یہ بحث ہے کہ حضرت عائشہ کی مہربانیاں خاندان رسول پر کیسی تھیں۔ مگر شہادۃ حضرت امیر المومنین کے وقت موصوفہ کی خوشی و شادمانی کا ذکر آگیا ہے اس وجہ سے جملہ معترضہ یا غیر متعلقہ کے طور پر یہ بھی سُن لیجئے کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت کو عبدالرحمٰن ابن ملجم نے قتل کیا لیکن خود ۴۰ھ میں لوگ معاویہ اور بنی امیہ کو حضرت کا قاتل سمجھتے تھے اور معاویہ سے گویا منہ پر کہہ دیا تھا کہ تم ہی نے حضرت کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ حضرت کی شہادت پر حضرت کے مشہور صحابی ابوالاسود دئلی نے حضرت کا مرثیہ اس طرح کہا تھا کہ

الا ابلغ معاویۃ بن حرب۔ فلا قرت عیون الشامتینا
افی شہر الصیام فجعتمونا۔ بخیر الناس طرا اجمعینا
قتلتم خیر من رکب المطایا۔ و ذللہا ومن رکب السفینا
ومن لبس النعال ومن حذاہا۔ ومن قرأ المثانی والمبینا
اذا استقبلت وجہ ابی حسین۔ رأیت البدر راع الناظرینا
لقد علمت قریش حیث کانت۔ بانک خیرہا حسبا ودینا۔

ہے کوئی شخص جو معاویہ بن حرب کو میرا پیغام پہونچا دے کہ حضرت علی کی شہادت پر شماتت کرنے والوں کی آنکھوں کو خدا کبھی ٹھنڈی نہ رکھے۔ ماہ صیام ایسے مبارک مہینہ میں تم لوگوں نے ہم لوگوں کو اس بزرگ کے ماتم میں بٹھا دیا جو دنیا بھر کے سب لوگوں سے بہتر اور افضل و اعلیٰ تھے۔ تم لوگوں نے اس بزرگ کو قتل کر دیا جو جانوروں پر چڑھنے والوں اور سواروں کو ہنکانے والوں اور کشتیوں پر سفر کرنے والوں غرض سب لوگوں ہی سے بہتر و اشرف تھے۔ اور ان لوگوں سے بھی افضل تھے جو جوتیاں پہنتے اور ان کو پہن کر راستہ چلتے تھے اور جو ان سوروں کو بھی پڑھتے تھے جو دو دو مرتبہ پڑھی جاتی ہیں اور ان سوروں کو بھی جن میں سو آیتوں سے زیادہ یا جو واضح ہیں۔ جب تم حضرت امام حسین کے پدر بزرگوار کا چہرہ دیکھنے کا ارادہ کروگے تو دیکھو گے کہ چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا ہے جو دیکھنے والوں کو نہایت خوشنما معلوم ہو رہا ہے

آگاہ

(اب ابو الاسود دئلی حضرت امیر المومنین کو خطاب کر کے کہتا ہے) قریش کے لوگ جہاں بھی ہوں اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اے امیر المومنین آپ حسب نسب اور دین و مذہب میں اُن سب سے اچھے ہیں (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸۶) تاریخ طبری تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہے اور اسلام کی بہت قدیم اور معتبر تاریخوں سے ہے۔ اس نے ابو الاسود دئلی کا یہ مرثیہ درج کر کے بتا دیا کہ حضرت کی شہادۃ پر ہی حضرت کے صحابی نے حضرت کا قاتل معویہ وغیرہ کو قرار دے کر علانیہ اس کے اشعار پڑھے جو زبان زد ہو گئے۔ اور یہ اشعار واقعات کے اتنے مطابق تھے کہ نہ کسی نے ابو الاسود کی تکذیب کی نہ کسی نے رد کی۔ نہ معویہ وغیرہ نے اس کی وجہ سے کوئی سزا دی اور سب خاموشی سے ان اشعار کو برابر سنتے رہے یہاں تک کہ اس زمانہ میں بھی جو کتابیں چھپ رہی ہیں ان میں یہ اشعار موجود ہیں۔ معلوم نہیں کیا مصالح تھے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت عائشہ کے بارے میں ایک حیرت خیز جملہ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا عن ابن عمر

لاخرج رسول اللہ من بیت عائشۃ فقال راس الکفر من ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان یعنی ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم حضرت عائشہ کے گھر سے برآمد ہوئے تو فرمایا کفر کا سر اسی جگہ سے ہے جہاں سے شیطان کے سر کا کونا نمودار ہو گا (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۴) جناب سیدہ و جناب امیر دونیا سے اٹھ گئے اور جناب عائشہ کو اطمینان کامل ہو گیا۔ اب تو کوئی نہیں ہے جن پر بھی آپ کو خاص مہربانی کی ضرورت ہو۔ امام حسن و امام حسین رہ گئے تھے جو آپ کو نانی کہتے ہوں گے۔ اُن سے آپ کو اپنا برتاؤ بزرگ اور جد کا رکھنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس تاریخ کے اوراق کچھ اور ہی باتوں کا پتا دیتے ہیں۔ جب امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے ظلم سے وفات پائی تو علامہ بن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الامہ و تاریخ ابو الفدا اور روضہ الصفا اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں ہے کہ امام حسن کے لئے ایک قبر حضرت رسول خدا صلعم کی قبر کے قریب کھودی گئی اور حضرت کا جنازہ وہاں لا کر رکھا گیا تو دفن سے پہلے حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی خبر لگ گئی۔ وہ فوراً ایک خچر پر سوار ہو کر اس مقام پر پہونچ گئیں اور کہنے لگیں کہ گھر میرا ہے میں تو دفن نہیں ہونے دوں گی (دیکھو کتاب روض المناظر بر حاشیہ

کیچے؟

تاریخ کامل جلد ۱۱ صـ۱۳۳ - ابو الفدا جلد ا صـ۱۸۳ - او کلی صـ۲۵۴ - ایرونگ صـ۱۹۷ تاریخ طبری فارسی صـ۲۰۵ روضۃ الصفا جلد ۳ صـ۷ تاریخ حبیب السیر جزو اول جلد ۲ صـ۱۹) - اس بار حضرت امیر المومنین کے شیعہ غل کرنے اور کہنے لگے اے عائشہ تجملت تبغلت وان عشت تفیلت - لک الثمن من التسع وبکل تصرفت - تم اس دفعہ خچر پر سوار ہو کر اس لئے آئیں کہ رسول کے بڑے نواسے کو حضرت کی بغل میں دفن ہونے سے روکو - اور اس کے قبل اونٹ پر سوار ہو کر انہیں رسول کے نفس اور خلیفہ سے لڑنے کے لئے بصرہ کی طرف گئیں تھیں - اگر اور زندہ رہو گی تو اب تم ہاتھی پر بھی چڑھ کر رسول کے کسی اور پارۂ جگر پر مہربانی کرنے کے لئے بڑھو گی - تم کو حضرت رسول خدا صلعم کی میراث سے آٹھویں حصے کا صرف نواں حصہ ہو سکتا ہے مگر تم نے تو حضرت کی پوری میراث پر قبضہ اور تصرف کر لیا یہ سب کچھ ہوا مگر حضرت عائشہ کے ارادہ میں کوئی فرق نہیں ہوا - آخر امام حسن جنۃ البقیع میں دفن کر دیئے گئے - اور حضرت عائشہ کی اس مہربانی کا ذکر تاریخ کے دامن پر قیامت تک کے لئے رہ گیا - ہر چند لوگوں نے کہا کہ امام حسن کو ان کے نانا کے پاس دفن کرنے دیجئے مگر حضرت عائشہ کسی طرح نہ مانیں جھگڑا بڑھ گیا - یہاں تک کہ جو گروہ حضرت عائشہ کی طرف تھا وہ تیر برسانے لگا اور کئی تیر امام حسن کے تابوت میں پیوست ہو گئے - (روضۃ الصفا جلد ۳ صـ۳) امام حسن کے طرف وار دل اس دن کا نام یوم البغل (خچر کا دن) رکھا جیسے جنگ بصرہ کا نام یوم الجمل رکھا گیا (طبری) ناظرین کتاب اور واقعۂ کربلا کے وجوہ واسباب تلاش کرنے والے حضرت مذکورہ بالا بیانات کو اچھی طرح پڑھ کر خود رائے قائم کریں کہ جب حضرت عائشہ عورت ہو کر اور حضرت رسول خدا صلعم کی زوجیت کا شرف حاصل کر کے جناب سیدہ پر اس درجہ مہربان ہوں کہ ان کے بازو پر قنفذ کے کوڑے لگائے گئے - جناب امیرؑ پر اس درجہ شفیق ہوں کہ خانۂ رسول چھوڑ کر گھر سے باہر نکلیں اور مردوں کی فوج کی سپہ سالاری کرتی ہوئی مدینہ سے بصرہ پہونچیں اور اہل بصرہ کو جناب امیرؑ سے لڑنے کا حکم دیں - حضرت کی طرف تلوار نیزے تیر پھکوائیں - اور حضرت کے قتل کر دینے میں اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں - پھر حضرت امام حسن

حضرت

کی شہادت پر حضرت کو نانا کے پاس دفن ہونے سے روکنے کے لیے خود خچر پر سوار ہوں۔ موقع واردات
رپہونچ جائیں اور حضرت کو قبر میں دفن ہونے سے روکیں۔ نہ صرف روکیں بلکہ حضرت کے جنازہ پر
ر پھکوائیں۔ وہ تیر لاش میں پیوست ہوتے جائیں جسم مبارک چھلنی ہوتا رہے اور حضرت عائشہ
صنف نازک سے ہو کر یہ سب تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہیں۔ اور ہزاروں اہل اسلام
اللہ رسول کے ساتھ زوجۂ رسول کے اس برتاؤ کو مشاہدہ کر کے لاکھوں مسلمانوں سے
شب و روز بیان کرتے رہیں۔ اور ان سب کی خبر یزید کو بھی ہوتی رہے تو وہ مرد ہو کر شاہزادہ
ہو کر امام حسین کے قتل کرنے کا اگر ارادہ کرے تو کیوں تعجب کیا جائے؟ یزید نے حضرت
ل خدا صلعم کی زیارت نہیں کی تھی۔ حضرت کی وفات کے ۲۶ برس بعد تو وہ پیدا ہوا
تھا اس وجہ سے اس کو صحابیت کا شرف بھی نہیں حاصل ہونے پایا تھا۔ اس نے حضرت رسول
کے اس محبت و پیار کے برتاؤ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا جو جناب سیدہ و جناب امیر و
امام حسن و امام حسین سے کرتے تھے۔ اس نے دہن رسول سے وہ حدیثیں بھی نہیں سنی تھیں جو
حضرت نے ان حضرات کے فضائل و مناقب میں بیان کر دی تھیں۔ اس نے اس عزت و اکرام
و تعظیم کو بھی اپنی آنکھوں سے نہیں مشاہدہ کیا تھا جو حضرت رسول خدا صلعم ان حضرات کی کر کے
امت کو عملی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ وہ ملک حجاز سے بہت دور بھی پیدا ہوا اور جوان ہوا تھا۔
اور مدینے کی تو اسے ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اس نے آنکھ کھولنے کے بعد مذہب اسلام کی کسی
خصوصیت کو اپنے ماحول میں پایا ہی نہیں۔ بس شام میں بنو امیہ نے جہالت و غفلت کے
پردے ڈال کر وہاں کے باشندوں کو جس درجہ وحشی بنا رکھا تھا وہی نیم انسانی اور نیم حیوانی
سانس وہ بھی لیتا رہا اور سوائے دنیا اور دنیوی عیش و عشرت کے اس نے کسی چیز کو کچھ سمجھا
نہیں۔ ایسے شخص کی اس جرأت پر تعجب کیونکر ہو سکتا ہے؟ آج ہزاروں ایسے ہیں جو پہلے
جاہل مسلمان تھے اور عیسائیوں کی کوششوں سے دین نصاریٰ کو انھوں نے قبول کر لیا۔ مگر
اس پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی۔ البتہ جب کوئی مسلمان عالم اس دین حق کو ترک کر کے عیسائی
ہو جاتا ہے تو دنیا انگشت بدنداں ہو جاتی ہے کہ ایسے واقف علوم اسلامیہ نے کیونکر

حسینؑ

اس نئی راہ کو اختیار کیا۔ اسی طرح یزید اور یزیدیوں کے ساتھ بہت سے مسلمانوں نے جو خلیفہ اول و خلیفہ دوم و معویہ کے ماننے والے تھے امام حسین کے قتل کا بیڑا اٹھالیا تو وہ اسی دنیا میں پرورش ہی کیے گئے تھے جس سے نکلنے کے بعد آدمی جامۂ انسانیت اُتار کر درندوں کی خصلت اختیار کر لیتا تھا۔ البتہ تعجب اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں موجود تھے۔ حضرت کی حضوری کا شرف رکھتے تھے۔ حضرت کی صحابیت کی عزت حاصل کیے ہوئے تھے۔ حضرت کے اقوال و احادیث کو اپنے کانوں سے سُنا تھا۔ حضرت کی عملی تاکیدات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حضرت کے برتاؤ کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت کی اس اذیت کو جانتے تھے جو اُن حضرات کے دکھ اور درد سے حضرت کو پہونچتی تھی۔ حضرت کی اس مصیبت سے واقف تھے جو جناب سیدہ و جناب امیر و امام حسنؑ و امام حسینؑ کی دل آزاری سے حضرت پر نازل ہوتی تھی۔ وہ ان کے ان حقوق سے بھی اچھی طرح مطلع تھے جو حضرت رسول صلعم کے بتا دینے سے مسلمانوں پر قائم اور ثابت ہو چکے تھے وہ رسول کی مکہ کی ۱۳ سالہ اور مدینہ کی ۱۰ سالہ زندگی کی ہر حرکت و سکون سے اچھی طرح آگاہ تھے باوجود اس کے وہ سب کیا جس کے بارے میں کسی نے کہا ہے سہ ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کردند۔ جماعت اہلسنت کے پیشوائے اعظم جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے خوب لکھا ہے "یا اللہ ہم گنہگاروں کو بھی اُن کا طفیلی بنا کر حوض کوثر سے سیراب کر دیجیو۔ جس وقت آنحضرت اور حضرت علی دونوں حوض کوثر پر کھڑے ہوں گے۔ اس وقت معلوم نہیں وہ لوگ اپنا منھ کیسے دکھائیں گے جو دنیا میں اہلبیت شریف کو چھوڑ کر دوسرے الغتوں کے قول فعل قیاس پر چلتے رہے یا حضرت علی اور دونوں شہزادوں امام حسن و امام حسین علیہما السلام سے بغض اور عداوت رکھتے رہے کہتے رہے یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسینؑ اس سے ناحق لڑے۔ بعضے مردود آپ کو باغی قرار دیتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ہم اہل حدیث تو دنیا اور آخرت دونوں میں حضرت علی اور حسنین علیہما السلام کے ساتھ ہیں اور جو ان کا دشمن ہے اس سے لڑنے اور مرنے کو تیار ہیں یا اللہ ہمارا حشر اہل بیت کے غلاموں اور کفش برداروں میں کر۔ اور یزید اور یزیدیوں سے ہم کو دور رکھ آمین یا رب العالمین"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۹ صفحہ ۳۱)

ممدوح ایسے پیشوائے اہل سنت قاتلان امام حسین کو مسلمان نہیں	قاتلان امام حسین مسلمان نہیں تھے

نے جواب دیا میں نے عزم کر لیا ہے آج ہی کل میں روانہ ہوتا ہوں" ابن عباس بے اختیار پکار اُٹھے "
خدا آپ کی حفاظت کرے کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنھوں نے اپنے امیر کو بے دست و
پا کر دیا ہے، دشمن کو نکال دیا ہے اور ملک پر قبضہ کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف
لے جایئے، لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے، حاکم بدستور ان کی گردن دبائے بیٹھا ہے، اس کے گماشتے برابر
اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں تو اُن کا آپ کو بلانا درحقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے، میں ڈرتا ہوں
وہ آپ کو دھوکا نہ دیں، اور جب دشمن کو طاقت ور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائیں
مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادے پر قائم رہے

ہونتے تھے۔ لکھا ہے " جو لوگ خاص اپنے پیغمبر کی اولاد کو پانی نہ دیں، اُس کو پیاسا شہید کریں اُن کو
کیا کہا جائے؟ ایسا عجیب واقعہ صفحۂ تواریخ میں نہیں دیکھا گیا۔ میں تو ان اشقیا کو مسلمان نہیں
جانتا۔ اگر کوئی جانتا ہے تو جانا کرے " (انوار اللغۃ پارہ ۱۰ صفحہ ۸۸) دوسری جگہ
لکھا ہے " یہ غضب مسلمانوں پر نازل ہوا ہے کہ اُنھوں نے حدیث اور قرآن حتیٰ کہ اپنے اماموں
کے اقوال کو بھی چھوڑ دیا ہے ...... ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کلیان کو خلافت کا منصب عطا
فرماتے ہیں ...... یزید، عبد الملک اور ہشام ...... چونکہ ان کی حکومت جابرانہ
تھی ...... اس لیے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ اور اسی لیے امام ابو حنیفہ رح نے ہشام ابن عبد الملک
کے خلاف حضرت زید بن علیؑ کی امداد پر لوگوں کو برانگیختہ کیا اور ہشام کو چور متغلب قرار دیا "
(انوار اللغۃ پارہ ۱۱ صفحہ ۳) ۔ اگر مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی
زندہ رہتے تو اُن کو مبارک باد پیش کی جاتی کہ کلمۂ حق لکھ دیا ہے۔ مگر یہی اصول تو خلفائے
ثلثہ کی خلافت میں بھی ماننا ہے کہ خلافت خلافِ فرمودۂ خدا و رسول ہرگز اُن کو حاصل نہیں
ہو سکتی " کیونکہ خدا اور رسول نے تو حضرت علیؑ کو رسولؐ کا خلیفہ بلا فصل مقرر کر کے بار بار اعلان
کرا دیا تھا۔ قول خدا و رسول کے مقابلہ میں تو کسی کی چالاکی اور ہوشیاری کی مدح نہیں کرنی
چاہیے۔ دنیوی امور میں ہو تو خیر مضائقہ نہیں۔ جیسے حضرت عمر کا سزا چھپا دینا۔

حضرت عمر کی ایک ایسی چالاکی جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے

زمانۂ جاہلیت میں بھی جب آپ کو کوئی زور نہیں
حاصل تھا کوئی قوت نہیں ملی تھی اور آپ میں کوئی
وزن نہیں پیدا ہوا تھا صرف اپنی چالاکی سے

ابن عباس کا جوش! جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابن عباس پھر دوڑے آئے "اے ابن عم" انھوں نے برنت کہا میں خاموش رہنا چاہتا تھا مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں راہ میں آپ کی ہلاکت و بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے دغاباز ہیں، ان کے قریب بھی نہ جائیے۔ یہیں قیام کیجئے کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپ کو بلاتے ہیں تو اُن سے کہئے پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے آبادی عموماً آپ کے والد کی خیرخواہ ہے وہاں آپ لوگوں کی دست رس سے باہر ہوں گے۔ خطبوں اور قاصدوں کے ذریعہ اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن حضرت حسین نے جواب دیا "اے ابن عم" میں جانتا ہوں تم میرے خیرخواہ ہو لیکن اب میں عزم کر چکا"

ایسا تغلب حاصل کر لیتے تھے کہ لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے۔ مثال کے لیے صرف ایک نمونہ ملاحظہ ہو جو دنیا کے کسی اور شخص کے متعلق حضرت آدم سے اس بیسویں صدی عیسوی تک کسی ملک میں بھی نہیں سنا گیا۔ مولوی صاحب ممدوح ہی لکھتے ہیں "معہ ذھبۃ فجعلها فی دمیل والقمها اشارفا لہ۔ حضرت عمرؓ زمانۂ جاہلیت میں زنباع بن روح کے علاقہ پر سے گزرے۔ وہ ہر شخص سے دہ یک لیا کرتا تھا (یعنی دسواں حصہ مال کا محصول کے طور پر لے لیتا تھا) اُن کے پاس کچھ سونا تھا۔ انھوں (حضرت عمر) نے کیا کیا کہ ایک بڑے لقمہ میں رکھا اور اپنی اونٹنی کو کھلا دیا یعنی آٹے کے گولے میں سونا رکھ (حضرت عمر نے اپنی) اونٹنی کو نگلا دیا" (انوار پارہ ۵ صفحہ) اسی وجہ سے بعض موقع پر حضرت ابوبکر تک نے اقرار کر لیا ہے کہ وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نہیں تھے خود مولوی صاحب نے لکھ دیا ہے "قال لہ اعرابی انت خلیفۃ رسول اللّٰہ فقال لا۔ قال فما انت۔ قال انا الخالفۃ بعدہ ایک گنوار شخص (ابوبکر صدیق) کے پاس آیا۔ کہنے لگا تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہو؟ خلیفہ کہتے ہیں قائم مقام اور جانشین کو، اس کی جمع خلفاء اور خلائف ہے۔ انھوں نے کہا نہیں!! تب اس نے پوچھا پھر کون ہو؟ کہنے

ابن عباس نے کہا، "آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر ڈالے جائیں جس طرح عثمان بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کیے گئے تھے" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس نے جوش میں آکر کہا، "اگر مجھے یقین ہو کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے تو واللہ میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں" (ابن جریر) مگر آپ پھر اپنے ارادہ پر قائم تھے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا۔ آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے خط بھیجا "میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادہ سے باز آجائیے کیونکہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہلبیت کے لئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں" (ابن جریر کامل نقل ابن اخنف وغیر ذلک)

گئے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیچھے رہ جانے والا ہوں، میری قسمت ایسی نہ تھی کہ آپ کے ساتھ جاتا، پیچھے رہ گیا ہوں........ خالفہ وہ جو بہت خلاف ہو" (انوار پارہ ۷، صفحہ ۹) اس عبارت سے دو قیمتی باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضرت ابوبکر خود سمجھتے تھے کہ وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نہیں ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ حضرت رسول خدا کے بہت خلاف تھے۔

کیا امام حسین ع نے یزید سے بغاوت کی؟ جہاں سردار فرقہ اہل حدیث مولوی وحید الزماں خاں صاحب کی وہ عبارتیں نقل کی گئیں جن میں آپ نے ثابت کیا ہو کہ حضرت امام حسین ع نے ہرگز یزید سے بغاوت نہیں کی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کی اس تحقیق کے متعلق آپ کی دوسری عبارتیں بھی یہیں جمع کر دی جائیں۔ ساتھ ہی ناظرین اس کتاب کے صفحہ ۳۴، ۵۸، ۶۷ و ۶۸، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۹۳ تا ۱۹۶ و ۲۹۰ کو ایک مرتبہ پھر پڑھ لیں تاکہ اس الزام بغاوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ ایک جگہ لکھا ہے "امام حسین ع نے اول تو یزید پلید سے بیعت ہی نہیں کی تھی۔ دوسرے اس مردود نے استبداد و جابرانہ اختیار کیا تھا یعنی شخصی حکومت۔ تیسرے اس مردود نے فسق و فجور، شرب خمر، زنا وغیرہ اختیار کیا تھا۔ چوتھے بیت المال کو اپنی ذاتی خواہشات میں اڑا رہا تھا۔ پانچویں اس نے خلاف معاہدہ جو اس کے باپ کے ساتھ ہوا تھا کیا مستحق خلافت کا حق تلف کرکے خود خلیفہ بن بیٹھا۔ چھٹے امام حسن

والی کا خط یہی نہیں بلکہ انھوں نے یزید کے مقرر کیئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جا کر کہا "حسین بن علی کو خط لکھ کر ہر طرح مطمئن کر دو" عمرو نے کہا "آپ خود خط لکھ لایئے" میں مہر کر دوں گا" چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:۔ "میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس راستہ سے دور کر دے جس میں ہلاکت ہے۔ اور اس راستہ کی طرف رہ نمائی کرے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جاتے ہیں۔ میں آپ کے لیے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ ابن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لیئے امن، سلامتی، نیکی، احسان اور حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے، وہی اس کا کفیل، نگہبان اور وکیل ہے والسلام" مگر آپ بدستور اپنے ارادہ پر جمے رہے (ابن جریر وغیرہ)

علیہ السلام کو ان کی بی بی سے سازش کر کے ناحق زہر دلوا دیا، اس ڈر سے کہ معاویہ کے بعد از روئے معاہدہ خلافت ان کی طرف جانے والی تھی۔ بھلا ایسا نالائق شخص کیسے خلیفہ شرعی اور امیر المومنین ہو سکتا ہے؟ اسی لیے امام اور حامیٔ قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لیئے اُس کے مخالف ہوئے اور شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ آج کل امام حسین علیہ السلام کو باغی اور طاغی قرار دیتا ہے اس کا حشر یزید پلید ہی کے ساتھ ہوگا اور ہم منتظر ہیں کہ وہ قیامت کے دن آنحضرتؐ کو اپنا منھ کیسے دکھلائے گا" (پارہ ۵ صفحہ ۱۹) حدیث میں ہے لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق اور بڑا بے وقوف وہ شخص ہے جو ہر کام میں خواہ وہ خلاف شرع ہے حکام کی اطاعت لازم جانتا ہو۔ ان ہی بے وقوفوں نے تو امام حسین علیہ السلام کو باغی قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں یزید حاکم اور خلیفۂ وقت تھا۔ اس کی اطاعت امام حسینؑ پر لازم تھی۔ یہ لوگ کہتے ہیں انما قتل الحسین بسیف جدہ اور سب سے بڑا احمق اور جاہل وہ شخص ہو جو بادشاہی قوانین کو رعایا کے حق میں شریعت سمجھتا ہو گو وہ قوانین شرع کے خلاف ہوں معاذ اللہ ایسا شخص بالاتفاق کافر اور زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہے (پارہ ۸ صفحہ ۲۱) "بعضے کہتے ہیں شمر ملعون نے آپ کو برچھا مارا، اور سنان نے تلوار لگائی، جب آپ گھوڑے سے گر پڑے تو خولی نے سر مبارک تن سے جدا کیا۔ بہر حال آپ کے قاتل یہ تینوں ملعون ہیں شمر اور سنان و خولی۔ یہ قیامت کے دن دوزخ کے کندے ہوں گے (پارہ ۸ صفحہ ۲۵) "اہل سنت کے عقائد کی کتابوں میں اس کی تصریح ہو کہ معاویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے نہ خلفاء راشدین میں سے (پارہ ۸ صفحہ ۲۳) "ھذا دم الحسین واصحابہ لم ازل التقطہ منذ الیوم۔ یہ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، میں آج سارے دن چنتا رہا ہوں۔ ابن عباس سے خواب میں آں حضرتؐ نے یہ فرمایا تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے حساب کیا تو یہ وہی دن تھا جس دن امام حسین علیہ و علی آبائہ السلام کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ ترمذی نے بی بی ام سلمہؓ سے روایت کی، انھوں نے بھی خواب میں

فرزدق سے ملاقات مکہ سے آپ عراق روانہ ہو گئے۔ "صفاح" نام مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟" فرزدق نے جواب دیا۔ "ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں" آپ نے فرمایا "سچ کہتا ہے اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے" یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ (ایضاً)

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد زرود نام مقام میں پہونچ کر معلوم ہوا کہ آپ کے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر ڈالا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپ نے سنا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا۔ اب بھی وقت ہے، ہم آپ کے اور اہلبیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں بقدر ہمیں سے لوٹ چلیے

آنحضرت کو پریشان حال دیکھا سبب پوچھا تو فرمایا میں ابھی وہاں گیا تھا جہاں حسین قتل کیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الف الف لعنة الله علی من اذی رسول الله" (پارہ ۹ صـ) آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، میں نے کہا خیر تو ہے آپ کیوں رونے لگے؟ فرمایا جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے یہ خبر سنائی کہ میری امت عنقریب اس بیٹے کو قتل کرے گی یعنی امام حسین علیہ السلام کو۔ میں نے کہا اُس اس کو؟ کہنے لگے ہاں اس کو۔ اور ایک لال مٹی لے کر آئے یعنی کربلا کی خاک جہاں امام حسینؑ شہید ہوئے" (پارہ ۹ صـ۱۳) "ارقبوا محمدا فی اهل بیته۔ آنحضرتؐ کا خیال رکھو آپ کے اہلبیت میں یعنی آپ کا احترام اور ادب کرو یا اُن کو دیکھ کر آنحضرتؐ کا خیال کرو۔ آخر ان میں آپ کا خون لا ہوا ہے۔ پس جس نے اہلبیت سے دشمنی کی یا اُن کی اہانت کی اس سے بڑھ کر ملعون اور مطرود کون ہوگا؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ" (پارہ ۱۰ صـ۱۰)

امام حسینؑ کا سر مبارک کہاں دفن کیا گیا ہے؟ "دمشق مسجد بنی امیہ میں ایک طرف ایک چھوٹا سا گنبد بنا ہے۔ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کا سر مبارک وہاں دفن ہے۔ یہ بھی ایک قول ہے مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مدینہ طیبہ میں قبۂ اہلبیت میں مدفون ہے اور جسد مبارک بالاتفاق کربلائے معلیٰ میں ہے" (پارہ ۱۰ صـ۱۳) "امام حسینؑ نے نیزوں اور تیروں کے چلتے وقت عین جنگ میں بھی گھوڑے پر سوار رہ کر نماز ادا کی اور اسی حال میں آپ شہید ہوئے صلوات الله وسلامه علی محمد وآل محمد" (پارہ ۱۰ صـ۴۳) معاویہ نے دنیا کی طمع سے اللہ کا ڈر چھوڑ دیا، خلیفۂ وقت کی اطاعت سے منہ موڑ لیا، ہزارہا مسلمانوں کا خون کرایا، یزید پلید اور شمر ملعون اور

کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرف دار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔" آپ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے۔ "واللہ ہم ہرگز نہیں جائیں گے" انھوں نے کہا "ہم اپنا انتقام لیں گے، یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے" اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا "ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں" (ایضاً)

راستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی | بدوؤں کی ایک بھیڑ آپ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ یہ سمجھتے تھے کہ کوفہ میں خوب آرام کریں گے، آپ ان کی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ اے لوگو! ہمیں نہایت دہشت ناک خبریں پہونچی ہیں۔ مسلم بن عقیل، ہانی ابن عروہ اور عبید اللہ بن لقیط قتل کر دئے گئے ہمارے طرف داروں نے بے وفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں، جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے" بھیڑ نے یہ سنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہو گئی، تھوڑی دیر کے بعد آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے (ایضاً)

ابن زیاد مطرود اور عمر بن سعد مردود نے دنیا کی طمع سے امام حسین علیہ السلام کو بال بچوں سمیت شہید کیا۔ (پارہ ۱۲ صفحہ ۴۴) "آں حضرتؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کی امت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جیسا سلوک کرے گی۔ اس لیے تاکیداً یہ ارشاد فرمایا کہ وہ میری اولاد کی اولاد ہے۔ اس کا خیال رکھنا .... آنحضرتؐ کے اتنے ارشادوں کے بعد بھی اُمت نے اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ بے آب و دانہ بال بچوں سمیت شہید کیا اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔ یہ مصیبت ایسی ہے کہ اس کے یاد کرنے سے جگر شق ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارا بس چلتا اور ہم اُس وقت ہوتے تو یزید، ابن زیاد اور عمر بن سعد اور شمر اور خولی اور سنان ان لعینوں کو کچا کھا جاتے اور اب تک ہمارے دل میں وہی غصہ باقی ہے۔ خیر اب آخرت میں اُن سے سمجھ لیں گے، جانے کہاں ہیں؟۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ آں حضرت کے دو ٹکڑے ہیں۔ یا آپ کی اولاد کی اولاد ہیں یا آپ کے نواسے ہیں۔ بعضوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ اُن کی اولاد میں اللہ تعالیٰ برکت دے گا اور ایک بڑی اُمت ہو جائے گی ایسا ہی ہوا، ہزاروں سادات صحیح النسب ان دونوں شاہزادوں کی اولاد میں موجود ہیں۔ اور یزید اور ابن زیاد کی اولاد دنیا سے ایسی گم ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ" (پارہ ۱۲ صفحہ ۱۹) "عبد اللہ بن عمرؓ نے یزید پلید سے کہا اے خدا کے دشمن تو نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جس کے سینے اور گردن کے درمیان آں حضرت بوسہ دیا کرتے اور فرمایا کرتے میں بہشت کی خوش بو سونگھتا ہوں" (پارہ ۱۲ صفحہ ۳۶) "ابو سفیان صخر بن حرب۔ مشہور قریش کا سردار جو آں حضرتؐ سے مدتوں لڑتا رہا۔ پھر ڈر کے مارے فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گیا

حُر بن یزید کی آمد قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے، عبید اللہ بن زیاد والیٔ عراق کے عامل حصین ابن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہولیا۔ اسے حکم تھا کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ برابر لگا رہے اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے جب تک انھیں عبید اللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہونچا دے، اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپ تہ بند باندھے، چادر اوڑھے، نعل پہنے تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حُر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا۔

راہ میں ایک خطبہ "اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمھارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں میرے پاس تمھارے خطوط پہونچے، قاصد آئے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کردے۔ اگر اب بھی تمھاری یہی حالت ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کے لیے تیار ہو جن پر میں مطمئن ہوجاؤں تو میں

اس کا بیٹا معاویہ حضرت علی سے لڑا۔ اس کا بیٹا یزید پلید تو اشقیا کا سردار تھا جس نے امام حسینؓ کو مع عیال و اطفال بے آب و دانہ بڑے ظلم کے ساتھ شہید کرایا، حرم شریف مدینہ طیبہ کی بے حرمتی کی لعنۃ اللہ لعنۃ دائمۃ باقیۃ الی یوم القیامۃ" (پارہ ۱۲ ص) "جنگ صفین میں...... اکثر صحابہ اور تابعین اور بزرگان دین حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے .... وجہ یہ تھی کہ حضرت علی حق پر اور امام برحق تھے اور معاویہ اور اُن کا گروہ سب باغی اور طاغی تھا اور وہ سراسر باطل پر تھے۔ یہ جو بعضے کہتے ہیں کہ معاویہ اور اُن کے گروہ نے اجتہاد میں غلطی کی......... مجھ کو اس کی صحت میں تامل ہے کیونکہ عمار رضؓ کی شہادت سے جو حضرت علی کی جانب تھے صاف کھل گیا کہ معاویہ اور ان کا گروہ باغی ہے ...... اور معاویہ کی یہ تاویل کہ فئۃ باغیۃ سے عثمان کا قصاص طلب کرنے والی جماعت مراد ہے محض غلط اور دھوکا دہی تھی۔ کیا معنی اس کے بعد یہ ہے کہ عمار تو اس گروہ کو بہشت کی طرف بلائے گا اور وہ عمار کو دوزخ کی طرف بلائیں گے دوسرے بے شمار روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کی نیت سراسر دنیا طلبی اور پولیٹکل چالیں چلنے کی تھی، جب تک حضرت عثمان زندہ اور محصور ہے معاویہ بچانے کو نہ آئے۔ جب شہید ہوگئے تو لگے اُن کے خون کا مطالبہ کرنے۔ پھر جب اُن کو حکومت مل گئی تو قاتلین عثمان کا خیال تک چھوڑ دیا۔ اُن کو کوئی مواخذہ نہیں کیا، یہ عجیب بات ہے" (پارہ ۱۳ ص) "مسلم بن عقبہ کے ہاتھ سے جس کو یزید پلید نے مدینہ والوں کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا صدہا صحابہ اور تابعین شہید ہوئے۔ حرم محترم کی بے ادبی کا بھی

تمھارے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں"

دشمنوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد آپ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت پکارو"۔ حضرت حسین نے حُر بن یزید سے کہا "کیا تم علیحدہ نماز پڑھو گے؟" اُس نے کہا "نہیں۔ آپ امامت کریں ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے"۔ وہیں عصر کی نماز بھی پڑھی دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ سلام کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا۔

دوسرا خطبہ

"اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر ہو اور حق دار کا حق پہچانو تو خدا کی یہ خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو اور اب تمھاری رائے اس کے خلاف ہو گئی ہو جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کے زبانی پہنچائی تھی تو میں واپس چلے جانے کے لیے بخوشی تیار ہوں"

کوئی دقیقہ اُس نے نہیں چھوڑا۔ اس مسلم کے باپ عقبہ ابن ابی معیط ملعون نے آں حضرتؐ کی پیٹھ پر جب آپ نماز پڑھ رہے تھے اوجھڑی ڈال دی تھی اور آں حضرتؐ نے اُس کو قتل کرایا۔ تو مسلم کے دل میں وہ غیظ آں حضرتؐ اور اہل مدینہ کی طرف سے باقی تھا اور یہی سمجھ کر معاویہ نے یزید کو وصیت کی تھی کہ اگر اہل مدینہ کسی وقت تمہاری مخالفت کریں تو اُن سے جنگ کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو افسر بنا کر بھیجیو۔ معاویہ کو معلوم تھا کہ مسلم جو نام کا مسلم تھا اور حقیقت میں کافر تھا آں حضرتؐ اور اہل مدینہ سے جلا ہوا ہے، وہ کچھ اہل مدینہ پر رحم نہیں کرے گا۔ حرم محترم کا کچھ ادب کرے گا۔ دوسرے مسلمان یہ کام ہرگز نہیں کرنے کے چنانچہ مسلم نے ایسا ہی کیا لعنۃ اللہ" (پارہ ۱۳ صفحہ ۹۳) بعض خارجیوں اور ناصبیوں اور دشمنان اہل بیت نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے نانا ہی کی تلوار سے قتل کیے گئے اس لیے کہ یزید امام ہو چکا تھا اور لوگ اس سے بیعت کر چکے تھے۔ پھر امام علیہ السلام نے اُس کو معزول کرنا چاہا۔ آخر اسی حدیث کی رو سے قتل کیے گئے تو اُن کا قتل بجا تھا۔ اُن کا جواب یہ ہے کہ یزید پر ہرگز اہل حل و عقد کا یعنی رؤسا اور عمائد دین کا اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ معاویہ نے بد عہدی کر کے فریب و جبر سے یزید کی بیعت لوگوں سے کرائی تھی۔ اور سب سے بڑے دین کا سردار اُس وقت امام علیہ السلام ہی تھے۔ آپ نے اور نیز عبداللہ بن زبیر اور بعض اعیان بنی ہاشم نے اُس سے بیعت نہیں کی تھی۔ دوسرے جن لوگوں نے اُس سے بیعت کی تھی انھوں نے بھی اس کا فسق و فجور دیکھ کر اس کی بیعت توڑ ڈالی تھی یعنی اہل مدینہ نے۔ اس کے علاوہ یزید نے نماز روزہ شرائع احکام کو معطل کر کے

اہلِ کوفہ کے خطوط

اس پر حُر نے کہا "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں" آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہوئے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اُس پر حُر نے کہا "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں" حضرت امام نے فرمایا "لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے" پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے خفا ہو کر حُر سے کہا "تیری ماں تجھے روئے! تو کیا چاہتا ہے؟" حُر نے جواب دیا "واللہ اگر آپ کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اُسے بتا دیتا! لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر بُرائی کے ساتھ نہیں آسکتا" آپ نے فرمایا "پھر تم چاہتے کیا ہو؟" اُس نے کہا "میں تم کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں" آپ نے جواب دیا "واللہ میں تیرے

شراب خواری، مرغ بازی وغیرہ اختیار کی تھی۔ اہم امورات ملک میں صلاح و مشورہ لینا چھوڑ دیا تھا خود رائی اور خود پسندی اور استبداد کو اپنا شعار کر لیا تھا جیسے بے دین شخصی بادشاہ کیا کرتے ہیں، بیت المال کو جو حق اہلِ اسلام ہے اپنے باپ کا مال سمجھ کر حظوظ نفسانی اور شہوت رانی میں خرچ کرنے لگا تھا اور بعضے کلمات اس کی زبان سے ایسے سرزد ہوئے جس سے اُس کے کفر میں کوئی شک نہیں رہتا جیسے ایک دفعہ کہنے لگا اگر میں شراب نہ پیوں تو احمد کے دین کا پیرو ہوں گا۔ اور جو پیوں تو مسیح کے دین کا پیرو ہوں گا۔ ایسی حالت میں اس کی بیعت سے انکار کرنا اور اُس پر خروج کرنا خود شریعت محمدی کا حکم تھا جیسے دوسری حدیث میں ہے مالم یظھروا کفرا بواحا اور ماقاموا الصلوۃ۔ پس امام نے حفظ شریعت اور دین اور صیانۂ مسلمین کے لیے اس کی اطاعت اختیار نہ کی اور اُس پر خروج کیا جو بالکل بجا اور درست تھا۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء وحشرنا مع النبی وآلہ الاصفیاء" (پارہ ۱۲ صفحہ ۹۹)

اصحابی کالنجوم کا حدیث موضوع ہونا

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ یا انما اصحابی مثل النجوم فایھم اخذ تم بقول اھتدیتم۔ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو ہدایت پاؤ گے گمراہ نہ ہو گے۔ یہ حدیث ضعیف اور منکر ہے بلکہ بعضوں نے اس کو موضوعات میں شریک کیا ہے اور اس کا مطلب بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے اس کے موضوع ہونے کی کیونکہ بعضے صحابہ نے ایسے بُرے کام کیے ہیں جو شرعاً اور عقلاً ہر طرح مذموم ہیں مثلاً معاویہ کا بغاوت کرنا، امام برحق سے لڑنا، ناحق خون کرنا، زیاد کو زبردستی اپنا بھائی بنا لینا،

ساتھ نہیں چلوں گا"۔ جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حُرؔ نے کہا "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے، مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہونچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ، میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو خود بھی عزیز یا عبید اللہ کو لکھیئے شاید میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کردے اور آپکے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں" یہ بات آپنے منظور کرلی اور روانہ ہوئے (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور خطبہ راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپنے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ میں خطبہ دیا:۔ "اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے جو کوئی ایسے حاکم دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے۔ عہد الٰہی شکست کرتا ہے، سُنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے، خدا

عمرو بن عاص کا محمد بن ابی بکر کو مردہ گدھے کی کھال میں ڈلوا کر جلا دینا مغیرہ ابن شعبہ کا یزید کی خلافت جما دینا، تو ہر صحابی کی پیروی کیونکر ہدایت ہو سکتی ہے؟ (پارہ ۱۴ صفحہ ۱۲) اللہ جانے اُن ظالموں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے سیکڑوں ہزاروں خون مسلمانوں کے ناحق کرا دیئے جیسے معاویہ اور یزید اور عمرو بن عاص اور عبید اللہ بن زیاد اور حجاج بن یوسف اور مسلم بن عقبہ اور تیمور اور نادر وغیرہم" (پارہ ۱۴ صفحہ ۳۱) "حضرت علی کی مخالفت میں معاویہ اور اہل شام اُٹھ کھڑے ہوئے اور امام حسن علیہ السلام کو بھی ایسا مجبور کیا کہ آپ نے خلافت چھوڑ دینا مناسب سمجھا...... بعضے کم علم لوگ معاویہ کی خلافت کی حقیقت اس وجہ سے ثابت کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے ان سے صلح کرلی...... حالانکہ امام عالی مقام نے خوشی کے ساتھ یہ امر نہیں کیا بلکہ مجبوری سے جب انھوں دیکھا کہ معاویہ کسی طرح نہیں مانتا ...... تو اپنے نانا کی امت کی تباہی آپ نے منظور نہیں کی اور مجبوراً خلافت سے دست بردار ہو گئے .... جیسے اس وقت شاہان ایران اور روم ہیں اسی طرح معاویہ بھی ایک بادشاہ تھے جو زور زبردستی سے حاکم بن گئے تھے ...... ایسی خلافت ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی...... جو شخص بلا صلاح اور مشورہ دھینگا مشتی سے حاکم بن جائے اور اُس کے حاکم بن جانے کے بعد لوگ ڈر کے مارے اس سے بیعت کرلیں تو ایسی خلافت ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اور یزید پلید اسی قسم سے حاکم بن گیا تھا اس لیئے ہمارے شہزادے امام حسین علیہ السلام نے اس کی اطاعت منظور نہیں کی اور اپنے جد امجد کے دین کی حفاظت کے لیئے اس سے لڑے اور شہید ہوئے۔ یزید کا منھ دنیا اور آخرت دونوں میں کالا ہوا۔ اسی طرح اُس کے طرف داروں کا بھی منھ کالا ہوا اور آخرت میں آن حضرت کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ کس منھ سے آپ کے سامنے آئیں گے؟ آپکے صاحبزادے کو جو

کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے پر بھی اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے، سو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں فساد ظاہر ہے، حدود الٰہی معطل ہیں، مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں، تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر پہونچے تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم ہو تو یہ تمہارے لئے راہ ہدایت ہے کیونکہ میں حسین ابن علیؑ ابن فاطمہؑ رسول کا نواسا ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں، مجھے اپنا نمونہ بناؤ۔ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ لیکن اگر تم یہ نہ کرو بلکہ اپنا عہد توڑ دو، اور

جان سے زیادہ آپ کو عزیز تھے اُن کو بھوکا پیاسا قتل کر کے پھر آپ سے شفاعت کے خواہاں ہوں گے۔ تُف ہے ایسی بے حیائی اور بے شرمی پر۔ اور لطف یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعضے بے وقوف کم علم یہ خیال کرتے ہیں کہ آں حضرت کے صحابی ہونے کے بعد پھر کیسے ہی کام کریں وہ واجب التعظیم ہیں۔ حالاں کہ یہ نرا شیطانی مغالطہ ہے۔ خود آں حضرت نے فرمایا کہ میرے بعضے صحابہ مجھ کو مرنے کے بعد پھر نہ دیکھیں گے اور حوض کوثر سے نکال دیئے جائیں گے۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے آں حضرتؐ کی وفات کے بعد بڑے بڑے نئے گُن نکالے۔ آپ کے اہلبیت علیہم السلام کو ستایا، مسلمانوں کو ناحق قتل کیا، دنیا کی طمع میں دین کی خرابی کی کچھ پروا نہیں کی۔ ان لوگوں کی سمجھ پر ہزار نفرین ہے۔ بھلا اگر کوئی بادشاہ کا مصاحب ہو لیکن بادشاہ کے عزیز اور اقربا اور فرزندوں کو بُری طرح سے بھوکا پیاسا قتل کرے بادشاہ کے تخت پر اُس کے فرزندوں کو محروم کر کے خود بیٹھ جائے، بادشاہ کے عزیزوں کو گالیاں دلوائے۔ جو کوئی بادشاہ کے گھر والوں کی محبت ظاہر کرے اسکا گلا کاٹے تو کیا ایسے مصاحب کو حضرت اس جہت سے کہ بادشاہ کا مصاحب تھا اچھا کہیں گے اور اسکی تعریف کریں گے؟ اب جو بادشاہ نے اپنے مصاحبوں کو بُرا کہنے سے منع کیا تھا تو اس سے مراد وہی مصاحب ہوں گے جو بادشاہ کے حقوق صحبت کو ادا کریں، اُس کے عزیز و اقربا سے محبت رکھیں، اس کی سلطنت اور حکومت اسی کے خاندان میں قائم رکھنے کے لیئے مدد کریں۔ اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ ایک معمولی عقل والا بھی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ مگر ان لوگوں کی عقل پر شیطان نے غلبہ کر لیا ہے وہ حق بات سمجھنے نہیں دیتا،، (پارہ ۱۴ صفحہ ۵۶)

"اگر امام نماز پڑھنا چھوڑ دے یا شریعت کے خلاف بیت المال کا مال لہو و لعب میں خرچنا شروع کرے یا اہل حل و عقد سے مشورہ لینا ترک کر کے خود رائے بن جائے تب اس کی بیعت توڑنا اور اُس کو معزول کرنا جائز ہے جیسے

اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ بھائی اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو، وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی، جو بد عہدی کرے گا خود اپنے خلاف بد عہدی کرے گا۔ جو بد عہدی کرے گا عن قریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ابن جریر اور کامل)

<u>ایک اور تقریر</u> ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی "معاملہ کی جو صورت ہوگئی ہے تم دیکھ رہے ہو، دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منھ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے، افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے! باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے، وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے۔"

صحابہ اور تابعین نے جو مدینہ میں تھے یزید پلید کی بیعت توڑ ڈالی تھی چوں کہ وہ کم بخت شرابی اور تارک الصلوٰۃ اور کھلنڈرا نکلا" (پارہ ۱۴ ص[illegible]) "یزید کا نام سنتے ہی میرے غصہ کا پارہ انتہائی درجہ پر پہونچ جاتا ہے۔ کیا کریں ہم آخیر زمانہ میں پیدا ہوئے ورنہ جب تک یزید، اور حجاج ان کے معاونین سے ہم اپنے پیارے بزرگوں اور شہزادوں کا بدلہ نہ لیتے چین نہ آتا۔ خیر اب آخرت میں دیکھ لیں گے۔ یا اللہ ہم کو اپنے پیغمبر اور آپ کے آل و اصحاب کے خدمت گاروں اور جاں نثاروں میں اٹھا اور کم بخت بنی امیہ ظالموں کے زمرے اور ان کے مددگاروں کی جماعت سے الگ رکھ آمین یا رب العالمین" (پارہ ۱۴ ص[illegible]) معاویہ اور ان کے حامیوں نے خلافت کیا اس وجہ سے باغی قرار پائے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یزید کی بیعت پر بھی اکثر لوگوں نے اتفاق کر لیا تھا پس جناب امام حسین علیہ السلام کو اس سے مخالفت کرنا کیونکر روا ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کی بیعت ۔۔۔ صرف معاویہ کی دھینگا مشتی اور زبردستی سے ہوئی ورنہ کوئی شخص دل سے اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ دوسرے اس کی بیعت خلاف معاہدہ تھی۔ معاویہ نے جناب امام حسن علیہ السلام سے عہد کر لیا تھا کہ میرے بعد پھر خلافت اپنے مستحق کی طرف رجوع کرے گی۔ اس بنا پر معاویہ کو لازم تھا کہ اپنے مرتے وقت امام حسین علیہ السلام کو جو سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے خلیفہ بناتے مگر دنیا کی طمع نے ان پر ایسا زور کیا تھا کہ نہ عاقبت کا خیال رہا۔ نہ دین داری اور خدا پرستی کا۔ اپنے ظالم نابکار شراب خوار بیٹے کو خلیفہ بنایا وہ بھی لوگوں کو

زہیر کا جواب یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا، "تم بولو گے یا میں بولوں؟" سب نے کہا "تم بولو" زہیر نے تقریر کی:- "اے فرزند رسول اللہ! خدا آپ کے ساتھ ہو، ہم نے آپ کی تقریر سنی۔ واللہ اگر دنیا ہمارے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو اور ہم سدا اس میں رہنے والے ہوں جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لیے اس کی جدائی گوارا کر لیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ کے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیں گے!" (ایضاً)

حر کی دھمکی کا جواب حر بن یزید آپ کے ساتھ برابر چلا آ رہا تھا، بار بار کہتا تھا، "اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجیے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے"۔ ایک مرتبہ آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا "تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہونچ جائے گی کہ مجھے قتل کر دو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھے کیا جواب دوں؟

ڈرا دھمکا کر گردنوں پر تلوار رکھ کر مال و زر ملک و دولت کی طمع دے کر۔ بھلا ایسی خلافت کب صحیح ہو سکتی ہے؟ اسی لیے جناب امام حسین نے اس سے بیعت نہیں کی کیونکہ اس سے بیعت کر لینے میں دین کی خرابی منظور تھی اور جان دینا گوارا کیا رضی اللہ عنہ وعن اتباعہ واحبائہ۔ اگر کوئی کہے کہ یزید کی خلافت حسب وصیت امام وقت یعنی معاویہ ہوئی تھی اس لیے اس کی خلافت صحیح ہو گئی گو اہل حل وعقد کا اس پر اتفاق نہ ہوا ہو جیسے حضرت عمر کی خلافت حسب وصیت ابوبکر صدیق رضہ درست اور صحیح تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود معاویہ کی خلافت صحیح نہ تھی تو یزید کی خلافت کیونکر صحیح ہو گی؟ وہ تو بنائے فاسد علی الفاسد ہے جیسے ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو اپنی جگہ بٹھائے" (پارہ ۱۵ صفحہ ۱۹)۔ "واللہ لو معاویۃ انہ مابقی من بنی ھاشم نافخ ضرمۃ۔ خدا کی قسم معاویہ یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم میں سے کوئی آگ پھونکنے والا نہ رہے۔ دوسری روایت میں یوں ہے لاعامر دار ولا نافخ نار یعنی کوئی گھر بسانے والا نہ رہے نہ آگ پھونکنے والا، تمام بنی ہاشم کو فنا کر دے۔ یہ حضرت علی رضہ نے قسم کھا کر فرمایا چنانچہ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علی سے لڑے، امام حسن علیہ السلام کے قتل کی سازش کی۔ ان کی موت پر خوش ہوئے، ان کے بیٹے یزید پلید نے بقول شخصے پدر اگر نتواند پسر تمام کند۔ بنی ہاشم کا سارا خاندان تباہ کر دیا اور کہنے لگا میرے بزرگ وہ کافر جو جنگ بدر میں مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو بدر کا بدلہ لینے پر خوش ہو جاتے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اور وہ خاندان رسالت اور اہل بیت نبوی کا ایسا سخت دشمن ہو اس کا صرف صحابی ہونا کیا کام آ سکتا ہے؟ بلکہ وہ ان صحابہ میں داخل ہے جو قیامت کے دن حوض کوثر سے ہٹائے جائیں گے۔ فرشتے ان کو مار کر نکال دیں گے جبکہ

لیکن میں وہی کرونگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا ؎

سامضی وما بالموت عار علی الفتیٰ — اذا ما نوی حقاً وجاھد مسلماً

(میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لیے موت، ذلت نہیں ہے جب کہ اس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو)

واسی الرجال الصالحین بنفسہٖ — وفارق مثبوراً یغش ویرغما

(اور جب کہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار رہا ہو اور دغاباز، ظالم، ہلاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہو (ایضاً)

چار کوفیوں کی آمد عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ کے چار سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

ساقی خود حضرت علی ہوں گے۔ معاویہ کا ارادہ تھا کہ بنی ہاشم کو فنا کر دے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب ہے۔ اس نے بنی ہاشم کی نسل میں ایسی برکت دی کہ ہزاروں لاکھوں بنی ہاشم موجود ہیں اور معاویہ اور یزید کی اولاد کا پتا نہیں۔" (پارہ ۱۵ صـ۳) معاویہ دنیا کی مصلحتوں کو خوب جانتے تھے اور پولیٹیکل چالوں میں بڑے ہوشیار تھے...... جب بوڑھے ہو گئے اور مرنے کے دن قریب آئے تو ان کو یہ فکر پڑی کہ معاہدہ مصلح کی رو سے جو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا ان کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں گے اور ان کا بیٹا یزید محروم رہے گا۔ اس لیے یزید کو بھڑکا کر امام حسنؑ کا کام تمام کرا دیا۔ اور اپنے بیٹے یزید پلید سے بیعت کرا دی لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔" (پارہ ۱۶ صـ۳) امام حسین علیہ السلام نے فرمایا میں وہ مقتول ہوں جب پر ایک ایک کو رونا آئے گا۔ امام علیہ السلام کا یہ فرمودہ بالکل صحیح ہے کوئی دنیا میں ایسا ہی شقی ہوگا جس کو آپ کے مصائب یاد کر کے رونا نہ آتا ہوگا (پارہ ۱۶ صـ۱۰) "اوّہ لفراخ محمد من خلیفۃ یستخلف عتریف مترف یقتل خلفی وخلف الخلف۔ اے افسوس اُس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائے گا وہ محمد کے بچوں کو قتل کرے گا۔ وہ کم بخت خلیفہ ظالم بدکار خبیث عیش پسند ہوگا، میرے جانشین کو قتل کرے گا پھر جانشین کے جانشین کو۔ اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آں حضرتؐ کا آپ نے یزید مردود ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسن کو ہلاک کرائے گا جو آن حضرتؐ کے نیچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے۔ پھر ان کے جانشین یعنی امام حسینؑ کو قتل کرائے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اس یزید پلید خبیث ناپاک نے پہلے امام حسنؑ کی بی بی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا۔ پھر اس پر بھی قناعت

یا ناقتی لا تذعری من زجری
وشمری قبل طلوع الفجر
(اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں، طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل)

بخیر رکبان وخیر سفر
حتے تحلے بکریم البحر
اچھے مسافروں کو لے چل، سب سے بہتر سفر پر چل، یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہونچ جا۔

الماجد الحر رحیب الصدر
اتی بہ اللہ لخیر امر
ثمت ابقاہ بقاء الدھر
(وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ سب سے اچھے کام کے لیئے لایا ہے، خدا اُسے سلامت رکھے۔

حضرت امام حسین علیہ السّلام نے یہ شعر سُنے تو فرمایا "واللہ مجھے یہی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے، چاہے قتل ہوں یا فتح یاب ہوں"
حُر بن یزید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا "یہ لوگ کوفے کے ہیں۔ آپ کے ساتھی نہیں

نے کی، امام حسین ؑ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقاء بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھ کر قتل کرایا لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر...... ہم اہل حدیث لوگ کہتے ہیں کہ معاویہ کی خلافت صحیح تھی نہ یزید کی دونوں ظلمی اور جبری حکومتیں تھیں۔ یزید تو ظاہر ہے کہ ایک فاسق، فاجر، دنیا کے تعیشات کا دلدادہ، رنڈی باز شراب خوار، کبوتر باز، مرغ باز زبردستی حاکم بن بیٹھا۔ اور معاویہ کی خلافت اس وجہ سے صحیح نہ تھی کہ امام حسن ؑ نے خوشی کے ساتھ ان کو مستحق سمجھ کر خلافت اُن کے سپرد نہیں کی تھی بلکہ مجبوری سے مصلحت وقت سمجھ کر کیونکہ معاویہ جنگ پر مستعد تھے اور امام حسن کو اپنی فوج کی وفاداری پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ آپ نے یہ خیال کیا کہ اگر اس وقت معاویہ سے جنگ کرتا ہوں تو مسلمانوں کی خرابی اور اسلام کی بربادی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ میری جان بھی محفوظ نہ رہے گی اور آن حضرت ؐ کی اولاد تباہ ہوگی۔ قطع نظر اس کے معاویہ کو خلافت کا بالکل استحقاق نہ تھا۔ جب وہ امام برحق سے باغی ہو چکے تھے تو وہ از روئے قانون کورٹ مارشل کے لائق تھے۔ نہ وہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے بلکہ طلقاء میں سے...... فرمایئے معاویہ کو جو باغی اور طاغی اور مجرم سنگین تھے خلافت کا کیا استحقاق تھا؟ اور اسی لئے سعد نے معاویہ کو جب سلام کیا تو کہا السّلام علیک ایھا الملک اور یہ نہیں کہا السّلام علیک یا امیر المؤمنین۔ اس کے علاوہ جو معاہدہ معاویہ سے ہوا تھا معاویہ نے نقض عہد کر کے اُس پر عمل نہیں کیا بلکہ یزید کو خلیفہ بنانے اور امام حسن ؑ کی جان لینے کی فکر کی۔ اس لیئے اگر ان کی خلافت بالفرض ابتداءً صحیح بھی مانی جائے تو انتہاءً باطل ٹھہرتی ہے۔ خطابی نے کہا حدیث میں مسلمانوں کے دو گروہ سے مراد ...... جانشین سے امام حسین اور آپ کی اولاد

ہیں، میں انھیں روکوں گا یا واپس کردوں گا"۔ آپ نے فرمایا "تم وعدہ کرچکے ہو ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے ان کو
کوئی تعرض نہیں کروگے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چھیڑ چھاڑ
کروگے تو میں تم سے لڑوں گا۔ یہ سن کر حر خاموش ہوگیا۔

کوفہ والوں کی حالت آنے والوں سے آپ نے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟" انھوں نے
جواب دیا "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دے کر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں
کل آپ کے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی" (ایضاً)

آپ کے قاصد کا قتل اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے، عبیداللہ بن زیاد
نے ان کو قتل کرڈالا تھا، مگر آپ کو اطلاع نہ تھی، ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ انھوں نے سارا ماجرا
بیان کیا۔ آپ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا منھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا

مراد ہیں جو آپ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اور جانشین کے جانشین سے مہاجرین اور انصار مراد ہیں جو یوم حرہ شہید ہوئے
غرض یزید پلید نے نہ آں حضرت کے جگر گوشوں کا لحاظ کیا، نہ آپ کی اولاد کو چھوڑا۔ نہ دوسرے مہاجرین اور انصار
کو جنھوں نے آں حضرت پر سے اپنا جان و مال تصدق کیا۔ اور انھیں کی جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے باپ
کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی۔ ورنہ جنگل میں شتر چراتا پھرتا، اونٹ کا دودھ اور موت اور گوہ بجو کا
گوشت کھاتا رہتا۔ اس محسن کشی اور کورنمکی کا کوئی ٹھکانا ہے؟" (پارہ ۲۲ ص ۱۰) معاویہ نے جو مہاجرین سے تھے نہ
انصار سے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ امام برحق کا مقابلہ کیا، ہزاروں صحابہ اور تابعین کو قتل کرایا اور باوجود قرآن
اور حدیث سننے کے بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور جناب امیر کو زندگی بھر اور شہادت کے
بعد بھی برا کہتے رہے۔ اور مساجد کے خطیبوں کو حکم دیا کہ ہر خطبہ میں معاذاللہ جناب امیر پر لعنت کرنے کو
اور آخری وقت میں اپنے ناخلف اور نالائق فاسق فاجر بیٹے کو بلا استحقاق خلیفہ بنا گئے" (پارہ ۱۸
ص ۴۵) "وہ جو شخص بغیر صلاح اور مشورے اور بے بغیر استحقاق کے بزور و جبر حاکم بن بیٹھے اور اپنے
خلیفہ قرار دے جیسے یزید اور مروان وغیرہ وہ سب سے بڑھ کر دغا باز ہے .... ایسی خلافت شرعی
خلافت نہیں ہے بلکہ ایک ظلمی سلطنت اور بادشاہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ خلیفہ برحق سے جو استحقاق
اور بہ صلاح و مشورہ خلیفہ ہوا ہو بغاوت اور سرکشی کریں وہ بھی دغاباز اور فاسق اور فاجر ہیں
معاویہ اور ان کے ساتھی جنھوں نے جناب امیر علیہ السلام کی مخالفت کی اور ہزاروں مسلمانوں کا
خون کرایا باغیوں میں شمار کیے جاتے ہیں" (پارہ ۷ ص ۱۲) معاویہ نہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار

تبدیلا۔ بعض ان میں سے مرچکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر حق پر ثابت قدم ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، خدایا ہمارے لیے اور اُن کے لیے جنت کی راہ کھول دے۔ اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار یعنی ہمیں اور انہیں جمع کر"

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا: "واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپ کے ساتھ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لیے جمع کیے گئے ہیں کہ آپ حسین سے لڑیں! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلیئے۔ میں اپنے پہاڑ "اجا" میں آپ کو اتاروں گا واللہ دس

ہیں ہے بلکہ وہ اور ان کے باپ ڈر کے مارے فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے" (پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵) "بہتر فرقہ وہ حضرت علی اور آپ کے ساتھیوں کا تھا اور معاویہ کا فرقہ باغی اور بُرا تھا" (پارہ ۲۰ صفحہ ۵) "ایک خلیفہ کے موجود ہوتے ہوئے دوسرے کی بیعت اور خلافت صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث کی رو سے جو لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر معاویہ سے لڑے وہ حق پر تھے اور معاویہ اور اُن کے ساتھی سب برسر خطا تھے۔ اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کی رو سے امام حسین علیہ السلام سے لڑنے والے برسر حق ٹھہرتے ہیں کیونکہ امام واجبی طور سے بحکم حدیث قتل کیے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی بعض لوگوں کو ایسا شبہ ہو گیا ہے چنانچہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں: "انما قتل الحسین بسیف جدہ" مگر یہ شبہ ان کی کم علمی کی دلیل ہے اس لیے کہ خود معاویہ کی خلافت ظلمی اور جبری اور از روئے قواعد شرعیہ صحیح نہ تھی تو معاویہ جس کو خلیفہ کر گئے اس کی خلافت کیونکر صحیح ہو گی بلکہ بنائے فاسد علی الفاسد تھی۔ اس کے علاوہ یزید نے وہ کام کرنا شروع کیے جن کی وجہ سے اس کا معزول کرنا مسلمانوں پر واجب ہو گیا تھا اور اسی لیے اہل مدینہ نے اس کی بیعت فسخ کر ڈالی۔ پس امام علیہ السلام نے بموجب حکم شرع اس کی مخالفت کی اور شریعت محمدی کو قائم رکھنا چاہا اور اسی لیے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب اور احباب کی جان دینا گوارا کی اور سید الشہداء قتل ہوئے روحی لہ الفداء" (پارہ ۱۰ صفحہ ۲۲) "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گو اس وقت نہ معاویہ کے شریک ہوئے نہ حضرت علی کے مگر مرتے وقت روتے تھے اور فرماتے کاش میں باغیوں سے لڑا ہوتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی کا گروہ برسر حق تھا اور معاویہ کا گروہ باغی اور خاطی تھا۔ اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے"

دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلہ طے کے ۲۰ ہزار بہادر تلواریں لئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے واللہ جب تک اُن کے دم میں دم رہے گا آپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔"

آپ نے جواب دیا :۔ خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن ہمارے اور اُن کے درمیان ایک عہد ہو چکا ہے، ہم اس کی موجودگی میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہمارا اُن کا معاملہ کس حد پر پہونچ کر ختم ہو گا؟"

خواب اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں" قصر بنی مقاتل" نامی مقام کوچ کے وقت اونگھ گئے تھے، پھر چونک کر بہ آواز بلند کہنے لگے "انا للہ و انا الیہ راجعون الحمد للہ رب العٰلمین" تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے علی نے عرض کی "یہ انا للہ اور الحمد للہ کیوں؟ فرمایا "جان پدر! ابھی اونگھ گیا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک

(پارہ ۱۰ صفحہ ۱۰) "معاویہ کہتے تھے میں جانتا ہوں کہ عثمان کے بچانے میں علی نے سب سے زیادہ کوشش کی ہے مگر ہمارا مطلب بغیر جھوٹ کہے نہیں بنتا۔ یہ معاویہ کی پولیٹکل چال تھی تاکہ شام کے لوگ حضرت علی سے لڑنے پر مستعد رہیں" (پارہ ۱۰ صفحہ ۱۰۰) "گو ابو سفیان مسلمان ہو گیا تھا لیکن ڈر کے مارے جان کے خوف سے۔ اس کے دل میں آں حضرتؐ اور آپ کے اہل بیت کی اور مسلمانوں کی سچی محبت نہ تھی اور جو کینہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں اسلام سے پہلے چلا آتا تھا وہ اس کے دل سے نہیں نکلا تھا۔ جنگ حنین میں مسلمانوں کے فرار اور شکست پر خوش ہوا اور کہنے لگا اب یہ ساحل سمندر تک ٹھہرنے والے نہیں۔ آخر اسی کینہ کا اثر تھا کہ اُس کے بیٹے معاویہ نے خلیفۂ برحق سے مخالفت کی اور اسلام میں وہ رخنہ ڈالا جو آج تک بند نہ ہوا۔ پھر اُس کے پوتے یزید نے نعوذ باللہ وہ ظلم اور الحاد و کفر کی باتیں کیں جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں" (پارہ ۲۱ صفحہ ۹۱) "جب حجاج پر آسمان اور زمین والے سب لعنت کرتے ہیں تو یزید پلید پر کیونکر نہ لعنت کرتے ہوں گے۔" "وہ تو حجاج سے بھی بڑھ کر خبیث تھا" (پارہ ۲۱ صفحہ ۹۱) "اے اللہ کیا مسلمان تھا جس کو یہ بھی خیال نہ آیا کہ امام حسین علیہ السلام کون ہیں اور آں حضرتؐ اُن کے منہ پر کیا پیار کرتے تھے۔ اور افسوس اس عہد کے مسلمانوں پر ہے کہ ایسے واقعے دیکھتے تھے اور حمیت اسلامی ان کی جوش میں نہیں آتی تھی۔ میں تو اُن لوگوں کو مسلمان کہنے میں تامل کرتا ہوں" (پارہ ۲۱ صفحہ ۱۰۲) "عبد الرحمان بن ابی بکر...... کا مطلب یہ تھا کہ معاویہ کے بعد ان کے بیٹے یزید سے بیعت کرانا رومی کافروں کا طریق ہے اسلام کا یہ شیوہ نہیں ہے" (پارہ ۲۱ صفحہ ۶۳) "معاویہ

سوار کہتا ہوا چلا جا رہا ہے "لوگ چلتے ہیں اور موت اُن کے ساتھ چلتی ہے" میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے؟ علی نے کہا خدا آپ کو روزِ بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا "بے شک ہم حق پر ہیں"۔ اس پر وہ کہہ اُٹھے "اگر ہم حق پر ہیں تو موت کی کوئی پرواہ نہیں!" یہ وہی آپ کے صاحبزادے ہیں جو میدان کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں (ابن جریر، شرح نہج البلاغہ، امالی سید مرتضیٰ وغیر ذلک)

ابن زیاد کا خط آپ صبح پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا، مگر حُر ابن یزید انہیں پھیلنے سے روکتا تھا! ہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا...... یہ ہتھیار بند تھا۔ حضرت حسینؑ کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا مگر حُر کو سلام کیا اور ابن زیاد کا خط پیش کیا، خط کا مضمون یہ تھا "حسینؑ کو کہیں ٹکنے نہ دو، کھلے میدان کے سوا کہیں اُترنے نہ پائے۔

یزید کی محبت میں غرق تھے اور رات دن اس کے فضائل بیان کرکے لوگوں کو اس سے بیعت کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ کیا اس کو کوئی حقانیت اور خدا ترسی اور حق پسندی پر محمول کر سکتا ہے؟ اور جو شخص اپنی عقل کی آنکھ بند کرکے معاویہ کے اس فعل کو بُرا نہ سمجھے اس کا شمار عقلاء میں نہیں ہو سکتا" (پارہ ۱۱ صفحہ ۱۲۶) "افسوس ہے کہ نام کے مسلمانوں نے نہ مکہ کی حرمت رکھی نہ مدینہ کی، حجاج مردود نے عین حرم میں عبداللہ ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کو مارا۔ کعبہ پر منجنیق لگائی۔ اور یزید پلید نے اپنی حکومت کے زمانہ میں مسلم بن عقبہ کو لشکر جرار دے کر مدینہ پر حملہ کرایا، عین مسجد نبوی میں کشت و خون ہوا، سیکڑوں صحابہ اور تابعین شہید ہوئے۔ مسجد میں گھوڑے باندھے۔ عورتوں کو بے عزت کیا، کئی دن تک مسجد میں نہ اذان ہوئی نہ نماز۔ کیا ایسے افعال پر بھی اہلسنت یزید اور مسلم بن عقبہ کو مسلمان سمجھیں گے؟ نعوذ باللہ" (پارہ ۲۳ صفحہ ۵۹) "انصاف کی بات کہوں تو رافضی قرار پاتا ہوں لیکن مجھ کو حق بات کے اظہار میں کوئی ڈر نہیں ہے۔ انصاف یہ ہے کہ معاویہ سے لے کر اخیر عباسی بادشاہ یعنی معتصم باللہ تک کوئی خلیفہ راشد نہ تھا بلکہ اکثر اُن میں سے ظالم اور جابر بادشاہ تھے۔ الا ماشاء اللہ جیسے خود حدیث سے ثابت ہے:۔ ثم یصیر ملکاً عضوضاً...... جناب امیر نے معاویہ کو لکھا ...... کہ تو نہ تو مہاجرین میں سے ہے نہ انصار میں سے بلکہ طلقاء میں سے ہے۔ تیرا کوئی حق خلافت میں نہیں ہے" (پارہ ۲۴ صفحہ ۲۶) "افسوس ہے غیر مسلم مسلم بن عقبہ پر۔ اُس کم بخت نے یزید پلید کے حکم سے مدینہ کی ایسی بے حرمتی کی کہ معاذ اللہ۔ صحابہ اور تابعین کو قتل کیا، عورتوں کو بے عزت کیا، بی بی ام سلمہ کا گھر لوٹ لیا اور بہت سے گھر لوٹے۔ کوئی کافر بھی رعایا پر ایسے ظلم

قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے میرا یہ قاصد تمھارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو"

حر نے خط کے مضمون سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور کہا "اب میں مجبور ہوں" آپ کو بے آب و گیاہ میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں" زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا "ان لوگوں سے لڑنا اس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی" مگر آپ نے لڑنے سے انکار کر دیا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" زہیر نے کہا "تو پھر اس جانب کے گاؤں میں چل کر اتریئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائیے" آپ نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی کاٹنا۔ یا بے ثمر و نتیجہ ہونا) ۔ یہ سن کر آپ متنغص ہو گئے اور کہا "عقر سے خدا کی پناہ!" (ایضاً)

نہیں کرتا" (پارہ ۲۴ صفحہ ۳۵) ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔ اگر تم ان دونوں چیزوں کو یعنی قرآن اور عترت کو تھامے رہو گے۔ یعنی قرآن پر عمل کرتے رہو گے اور عترت کے ساتھ محبت اور رفاقت رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آپ کی اس نصیحت پر عمل نہ کیا ...... کوئی عترت کا دشمن ہو گیا ..... نام کے سنیوں نے عترت کو چھوڑ دیا۔ بجائے اس کے کہ امام حسن ، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا کے اقوال سے اپنی فقہ بناتے انھوں نے اپنی ساری کتابیں ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اقوال سے بھر دیں، کبھی بھولے بھی کسی مسئلہ میں اہلبیت طہارت کا قول تلاش نہیں کرتے۔ یہ قیامت نہیں تو اور کیا ہے؟ (پارہ ۴ ۲ صفحہ) "جناب امام حسین علیہ السلام کی طرح ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو باوجود اس کے کہ دشمن کا عدد بہت زیادہ ہو اور وہ اتنی جرات کرے۔ آپ کے ساتھی بہت ہی تھوڑے تو دو سو سے زیادہ نہ تھے اور دشمن ہزاروں کی تعداد میں۔ پر آپ نے ان سب سے مقابلہ کیا اور ذلت گوارا نہ کی گویا یہ مثل کہ موت العز خیر من حیوۃ الذل آپ ہی کی ذات بابرکات سے ظاہر ہوئی۔ آفرین ہے ایسی شجاعت اور بہادری پر۔ آخر آپ کس کے بیٹے اور کس کے نواسے تھے جو تمام دنیا میں شجاعت اور بہادری میں لاثانی تھے۔ اللھم احشرنا مع امامنا الحسین بن علی واتباعہ وجنودہ آمین" (پارہ ۲۰ صفحہ ۲۱)

"آن حضرت نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور جناب امام حسن اور جناب امام حسین علیہم السلام کو ایک کپڑے کے اندر کر لیا اور فرمایا یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو خوب پاک کر دے۔ اصحاب کساء یہی پانچ حضرات ہیں۔ البتہ خلاف ہے کہ آن حضرت کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ آیۂ تطہیر میں

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اُجاڑ سرزمین میں جاکر اُتر پڑے، پوچھا اس سرزمین کا نام کیا ہے؟ معلوم ہوا "کربلا" آپ نے فرمایا "یہ کرب و بلا ہے"۔ یہ مقام پانی سے دور تھا دریا اور اُس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ کا ہے (الامامة والسیاسة)

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی ۴ ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اس نے آتے ہی حضرت امام حسین کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ نے وہی جواب دیا جو حُر بن یزید کو دے چکے تھے "تمہارے شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لیے تیار ہوں"

ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور اُمید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی چنانچہ فوراً عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا: "اب جبکہ ہمارے پھندے میں

یہی پانچ حضرات مراد ہیں" (پارہ ۲۲ ص۵) "امام ابوحنیفہ پوشیدہ لوگوں کو نصیحت کرتے کہ حضرت زید بن علی بن حسین سے بیعت کرو اور اس چور لٹیرے ہشام بن عبد الملک بن مروان کو نکالو۔ یہاں سے عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ بنی امیہ کی خلافت صحیح تھی یا نہیں اور جن لوگوں نے معاویہ یا یزید کی خلافت کو صحیح مانا ہے ان کا کیا مطلب تھا" (پارہ ۲۲ ص۶۶) "اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت علی اُس وقت خلیفہ راشد اور برحق تھے اور معاویہ باغی اور خاطی تھے اور جب باغیوں کا قتل اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا ہے تو ان کو برا کہنا کیونکر ناجائز ہوگا" (پارہ ۳۰ ص۲۹) وکثر اللغط گل غپ بہت ہو گئی۔ کوئی کہنے لگا آنحضرت پر بیماری کی شدت ہے کہیں بڑ تو نہیں۔ اچھی طرح آپ سے پوچھ لو۔ کوئی کہنے لگا تمہارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے وہ ہم کو کافی ہے اب آنحضرت کو ایسی سخت بیماری میں دوسری کتاب لکھوانے کی تکلیف کیوں دی جائے۔ غرض جتنے منہ اُتنی باتیں۔ جب خوب شور ہونے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تو آنحضرت نے فرمایا چلو یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ پیغمبر کے پاس جھگڑنا نہیں چاہیے۔ عبد اللہ بن عباس کہا کرتے تھے ہائے کیا مصیبت ہو کہ آنحضرت کو کتاب نہ لکھوانے دی۔ اس حدیث کو حدیث قرطاس کہتے ہیں جو بڑے معرکہ کی حدیث ہے۔ اور امامیہ فرقہ کہتا ہے کہ آنحضرت حضرت علی کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے اس کو خلاف مصلحت سمجھ کر کتاب نہ لکھوانے دی۔ مگر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آنحضرت کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بہرحال اگر یہ کتاب لکھی جاتی اور خلافت کا معاملہ صاف ہو جاتا تو ایک بڑا اختلاف اس امت میں نہ پڑتا

آپھنسا ہے چاہتا ہے نجات پائے، مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں"۔ پھر جواب لکھا
"حسین سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی بیعت کرلیں۔ پھر ہم دیکھیں گے
کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ حسین اور اُن کے ساتھیوں تک پانی نہ پہونچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ
بھی نہ پینے پائیں جس طرح حضرت عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔

پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے مجبوراً پانچسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لیئے بھیج دیے اور آپ کے
ساتھیوں پر پانی بند ہوگیا۔ اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا تھا کہ ۳۰ سوار اور
۲۰ پیدل لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہونچے تو محافظ دستے عمر بن الحجاج نے روکا، اہم مقابلہ ہوا
لیکن آپ ۲۰ مشکیں پانی کی بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسین نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا آج رات مجھ سے ملاقات
کرو چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لے کر نکلے اور ایک مقام پر ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک

(پارہ ۲۳ صفحہ ۳۵) "حکم بن ابی العاص جو مروان کا باپ تھا آں حضرتؐ کے پیچھے تھا اور آپ کی نقل کرتا تھا۔
منہ چڑھاتا تھا۔ آپ نے اُس کی طرف نگاہ پھیری اور فرمایا ایسا ہی رہ تیرا منہ ایسی ہی وضع پر رکے اور بنا
رہے اللہ تعالیٰ نے اس کا منہ ایسا ہی کر دیا۔ لقوہ ہو کر منہ ٹیڑھا رہ گیا۔ اس کا بیٹا مروان کم بخت۔ اس نے
وہ فساد اس امت میں ڈالے جس کا اثر قیامت تک مٹنے والا نہیں .... ان علماء کے اصول پر ہنسی آتی ہے
جو کہتے ہیں متغلب کی خلافت صحیح ہے گو وہ قرشی نہ ہو" (پارہ ۲۴ صفحہ ۵) میں کہتا ہوں اس سے بھی فقہاء کا
قول باطل ہوتا ہے کہ متغلب کی خلافت صحیح ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو حضرت زید شہید باغی ٹھہرتے ہیں اور
ہشام بن عبد الملک خلیفہ برحق قرار پاتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان فقہاء کے امام اور پیشوا یعنی امام ابو حنیفہ
خود چپکے چپکے لوگوں کو حضرت زید کی مدد کے لیئے ابھارتے تھے اور ایک رقم خطیر سے ان کی اعانت
کی تھی اور کہتے تھے اس چور غاصب یعنی ہشام کو دور کرو (پارہ ۲۴ صفحہ ۳) "وہ یہ حضرت معاویہ کی پولٹیکل
چال تھی۔ انھوں نے شام والوں کو جنگ پر ابھارنے کے لیئے یہ مشہور کرایا کہ حضرت علی نے حضرت عثمان کو
قتل کرایا اور لطف یہ ہے کہ خود معاویہ کو اس کا اقرار تھا۔ وہ اپنے رازداروں سے کہتے میں خوب جانتا
ہوں کہ علی حضرت عثمان کے قتل میں شریک نہ تھے مگر ہم کیا کریں ہمارا مطلب بغیر اس جھوٹی خبر کے مشہور کیئے حاصل نہیں
ہوتا۔" (پارہ ۲۴ صفحہ ۴۶) "اجی حضرت معاویہ آپ کو کیا میسر تھا۔ ٹکا پاس نہ تھا۔ مفلس قلاش۔ یہ ساری
اور عظمت جن لوگوں کے طفیل سے ملی اُن ہی کی تحقیر کرنے لگے اور جس خاندان کی جوتیوں کے صدقے سے حکومت

باہیں ہوتی رہیں، راوی کہتا ہے گفتگو بالکل خفیہ تھی لیکن لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا "ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہو جائیں"۔ عمر نے کہا "اگر ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائے گا" آپ نے فرمایا "میں بنوا دوں گا" عمر نے کہا "میری تمام جائداد ضبط کر لی جائے گی"۔ آپ نے فرمایا "میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دے دوں گا" مگر عمر نے منظور نہیں کیا (ابن جریر)

تین شرطیں | اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے تین صورتیں پیش کی تھیں (۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو (۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے وہی مجھ پر بھی گزرے گی۔

عمر کا خط | بار بار کی گفتگو کے بعد عمر ابن سعد نے ابن زیاد کو پھر خط لکھا:۔

اور بادشاہت پائی اسی کے دشمن بن گئے" (پارہ ۵ صفحہ) برخلاف معاویہ بن ابوسفیان کے جو مرتے دم تک حضرت علی اور اہلبیت کرام کے بغض اور سب و شتم پر قائم رہے۔ پھر نہ وہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے۔ نہ اُن کے کچھ فضائل و مناقب بہ صحت آں حضرت سے ثابت ہیں" (پارہ ۲۵ صفحہ) "امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ایک طشت میں رکھا گیا اور عبید اللہ بن زیاد ملعون ایک چھڑی سے اُس کو مارنے لگا۔ ارے مردود تجھ پر خدا کی پھٹکار۔ اب برزخ میں کیسی جوتیاں کھاتا ہوگا" (پارہ ۲۵ صفحہ ۱۲۴) "ان مرہ کے کرتوت نہایت خراب تھے، انھوں نے یزید کی خلافت جمانے کے لیے کوشش شروع کی اور معاویہ کی حکومت میں خلق اللہ پر بڑے بڑے مظالم کیے" (پارہ ۲۵ صفحہ ۱۳۲) "ہمارے شاہزادے جناب امام حسین نے باوجود زخموں میں چور رہونے کے گھوڑے پر نماز شروع کی اتنے میں مردود بدبخت شمر لعین نے پیچھے سے آکر آپ پر برچھا مارا۔ آپ گھوڑے پر سے گر گئے" (پارہ ۲۵ صفحہ ۱۴۱) اور اکثر صحابہ اور تابعین اور اولیاء اللہ نے حضرت علی کو خلیفہ برحق سمجھا اور معاویہ اور اُن کے لشکر والوں کو باغی تصور کیا...... معاویہ کی نیت خلافت اور سرداری حاصل کرنے کی تھی اور وہ خوب سمجھتے تھے کہ میں غلطی پر ہوں" (پارہ ۲۶ صفحہ ۲۰) "سارے انصار صفین کی جنگ میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ اسی طرح سارے مہاجرین اور اہل بدر اور بڑے بڑے اصحاب اور تابعین اور اولیاء اللہ سب حضرت علی کے ساتھ تھے اور معاویہ کے ساتھ دو تین صحابہ کے سوا کوئی بڑے لوگ نہ تھے اور یہ بھی دنیا کی طمع سے اُن کے ساتھ ہو گئے تھے" (پارہ ۲۶ صفحہ ۲۲) "مراد فتنوں اور علامات قیامت کی خبریں ہیں اور دین کی خرابی کا حال جو بنی امیہ کے چھوکروں کے طفیل سے

خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا، پھوٹ دور کر دی،، اتفاق پیدا کر دیا، اُمت کا معاملہ درست کر دیا۔ حسین ؑ مجھ سے وعدہ کرتے ہیں وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لیئے تیار ہیں اس میں تمہارے لیئے بھی بھلائی ہے۔

شمر کی مخالفت ابن زیاد نے خط پڑھا تو متأثر ہو گیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا،، مگر شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا "کہ حسین قبضہ میں آچکے ہیں، اگر بغیر آپ کی اطاعت کیئے نکل گئے تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کر لیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں بہتر یہی ہے کہ اب انھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین اور عمر باہم رات رات بھر سرگوشیاں کیا کرتے ہیں۔

ابن زیاد کا جواب ابن زیاد نے یہ رائے پسند کر لی اور شمر کو خط دے کر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسین مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کریں تو لڑائی نہ لڑی جائے

ہوا۔ ابوہریرہ کہا کرتے تھے اگر میں چاہوں تو ان کے نام بیان کر دوں اور یہ بھی کہا کرتے تھے یا اللہ ساٹھویں سال ہجری کی حکومت سے اور چھوکروں کی سلطنت سے مجھ کو محفوظ رکھ۔ اسی سال میں یزید پلید حاکم ہوا (الاصابہ[۴] صلک) ود انہ کتب الی الحسین بن علی انی لم اخسیاث ولم اکسیلث۔ معاویہ نے ہمارے شاہزادے جناب امام حسین کو لکھا کہ میں نے کوئی عہد تم سے نہیں توڑا نہ تم کو کچھ نقصان پہونچایا۔ سبحان اللہ اس سے زیادہ کیا عہد شکنی ہو گی کہ جناب امام حسین ؑ کے ہوتے ہوئے آپ لوگوں کو یزید سے بیعت کرنے پر مجبور کرتے رہے ہیں حالانکہ امام حسن ؑ سے عہد کر چکے تھے کہ بعد خلافت اپنے مستحق کی طرف رجوع کرے گی۔ دوسرے جب مدینہ میں آئے ننگی تلواریں لے کر سپاہیوں کو کھڑا کر دیا اور کہا کہ میں خطبہ پڑھتا ہوں، جو کوئی میری کسی بات کا انکار کرے اس کی گردن اڑا دو۔ اور جھوٹ موٹ لوگوں سے کہہ دیا کہ امام حسین اور سب لوگوں نے یزید کی بیعت قبول کر لی اب جان کے ڈر کے مارے بات کون کرتا سب خاموش رہے اور عام لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ جب امام حسین نے یزید سے بیعت کر لی تو ہم کو بھی عذر نہ ہونا چاہیئے اور اس حیلہ سے اکثر لوگوں سے بیعت لے لی (مرواہ[؟] ...عیم)۔۔ دیکھو اگر مسلمان یزید پلید کو تخت سے اوتار دیتے اور امام حسین علیہ السلام کو جو اس وقت کے موجودہ لوگوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے تخت خلافت پر بٹھاتے تو یہ خرابی اور بربادی دین کی اور اہل بیت رسول مقبول کی کیوں ہوتی؛ جس پر مخالفین اسلام یہود اور نصاریٰ تک تعجب کر رہے ہیں۔۔ اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ ایسے ظالموں اور بدکاروں کو مسلمان خلفا رسول میں شمار کرتے ہیں بلکہ بعضے جاہل تو یزید کو پیغمبر سمجھے تھے انا للہ وانا الیہ راجعون،، (پارہ ۲۲ صفحہ ۱ ھدایۃ علی دخن) "ایک صلح ہو گی مگر فریب اور فساد اور بدبختی کے ساتھ

اور انھیں صحیح سالم میرے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہہ دیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جب تو تم اس کی اطاعت کرنا۔ ورنہ چاہیے کہ اُسے ہٹا کر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسینؑ کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تہدید بھی کی گئی تھی " میں نے تمھیں اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ حسینؑ کو بچاؤ اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپ کو حوالہ کر دیں تو صحیح و سالم میرے پاس بھیج دو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامل حملہ کرو، خون بہاؤ، لاش بگاڑ دو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روندڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ اگر قتل کروں گا تو ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہوگے، نافرمانی

وہ معاویہ کی صلح ہے امام حسنؑ کے ساتھ۔ انھوں نے صلح میں یہ ٹھہرایا تھا کہ اُن کے بعد خلافت اُس کے مستحق کو پہنچےگی مگر دل میں فساد تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ اب میرے خاندان سے حکومت نہ جائے اور اسی لیے امام حسنؑ کی وفات پر انھوں نے خوشی سے تکبیر کہی اور اپنے نالائق فرزند یزید کی بیعت لوگوں سے کرائی۔ بعضوں نے کہا وہ صلح مراد ہے جو حضرت علیؑ اور معاویہ میں ہوئی۔ اُس میں عمرو بن عاص نے فریب کیا۔ ابو موسیٰ سے تو یہ ٹھہرایا کہ علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور ایک تیسرا اچھا شخص خلیفہ بنایا جائے لیکن جب ابو موسیٰ نے منبر پر چڑھ کر یہ کہا کہ میں نے علیؑ کو معزول کیا تو عمرو عاص نے منبر پر چڑھ کر یہ کہا کہ میں نے بھی علیؑ کو معزول کیا اور معاویہ کو اُن کے بدل خلیفہ بنایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ صحابی ہو کر انھوں نے اس قسم کا مکر و فریب اختیار کیا۔" (پارہ ۲۷ صفحہ ۱۷) "بعضے علماء اہل سنت پر مجھ کو تعجب ہوتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے معاویہ کے لیے یہ دعا کی اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا اور اس میں شک نہیں کہ آنحضرتؐ کی دعا مقبول ہے تو معاویہ ہادی اور مہدی ہوئے۔ اور جو کوئی اُن میں کلام کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ اور جب حضرت علیؑ کے لیے آنحضرتؐ کی دعا کا ذکر آتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ کچھ ضرور نہیں کہ پیغمبر کی ہر دعا قبول ہو۔ جب پیغمبر صاحب کی ہر دعا حضرت علیؑ کے لیے قبول ہونا ضرور نہیں تو معاویہ کے لیے قبول ہونا کیا ضرور ہے؟ وہاں یہ نہیں کہتے۔ یہ صریح تعصب اور ناانصافی ہے۔ اور میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کی حدیث صحیح نہیں ہے جیسے امام احمد اور امام نسائی نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اور اُس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے

کی تو معزول کیے جاؤ گے (ابن جریر وغیرہ)

شمر بن ذی الجوشن اور حضرت حسینؓ

شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیرالمومنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں - اور ان ہی کے بطن سے اُن کے چار صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوے تھے جو اس معرکہ میں امام حسینؓ کے ساتھ تھے - اس طرح شمر ان چاروں کا اور ان کے واسطہ سے حضرت امام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اس کے ان عزیزوں کو امان دیدی جائے اور اُس نے منظور کر لیا تھا، چنانچہ میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر کہا "تم میری داد ھیالی ہو، میں نے تمھارے لیے امن وسلامتی کا سامان کر لیا ہے" لیکن انھوں نے جواب دیا "افسوس تم پر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزند رسولؐ کے لیے امان نہیں ہے"۔ شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہنچا دیا اور وہ طوعاً وکرہاً بخوف عزل آمادہ تعمیل ہو گیا (اخبار...

خلاف شرع کام کیے ہیں جو عین ضلالت ہیں: ہدایت مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابوسفیان سے، حجر بن عدی کا قتل، یزید سے بالجبر اور بہ مکر و فریب بیعت کرانا، نقض اُس معاہدہ کا جو امام حسنؓ سے کیا تھا وغیرہ وغیرہ" (پارہ ۲، ص۲)

"تب معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید سے بیعت کرانا چاہی تو عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے کہا یہ خلافت شرعی کا ہے کو ہے۔ یہ تو روم کی شاہی ٹھہری ..... خلافت شرعی کو اس سے کیا واسطہ۔ عبدالرحمان کا کہنا بالکل ٹھیک تھا مگر الحق مرّ۔ معاویہ سچی بات کب ماننے والے تھے۔ اُن پر تو دنیا کی اور مال وجاہ کی محبت غالب ہو گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میرے خاندان سے حکومت نکل کر اور کسی کو ملے انا للہ وانا الیہ راجعون - ساری خرابی اسلام کی اسی روش پر چلنے سے ہوئی۔ اب قیامت کے قریب یہ روش باطل ہو گی اور امام مہدی علیہ السلام جو خلافت کے مستحق ہوں گے حاکم بنائے جائیں گے" (پارہ ۲۷ ص۲۵)

مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کا متعصب سُنّی ہونا

معاویہ اور یزید وغیرہ کے متعلق موصوف کی جو ایمان کے مطابق عبارتیں ان کی مشہور اور مبسوط کتاب انوار اللغۃ سے نقل کی گئیں ان کو دیکھ کر کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ وہ کوئی اُسست یا تفضیلی سُنّی یا صوفی بزرگ تھے اس وجہ سے یہ سب لکھ گئے۔ ایسا ہرگز نہیں وہ بڑے متعصب وہابی عالم تھے۔ اس کتاب کے شروع میں خود ہی لکھ دیا ہے "اوائل ۱۳۲۳ھ میں بحمداللہ ترجمہ صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترجمہ قرآن شریف مع تفسیر موضح القرآن سے فراغت حاصل ہوئی تھی۔ اُس کے بعد میں نے بنظر اس کے کہ ہمارے بعض برادران اہل حدیث نے

ج کی ابتدائی حرکت نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب قریب پہنچا تو حضرت عباس بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا اب ابن زیاد کا جواب آگیا ہے اور اس کا مضمون یہ ہے۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسینؑ کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پُرجوش آدمیوں میں جو رد و کد ہوئی اسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں زبانی رد و کد حضرت امام کے طرفداروں سے حبیب بن مظاہر نے کہا "خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور میں اس حالت میں پہنچیں گے کہ اس کے نبی کی اولاد اس شہر (کوفہ) کے تہجد گزار عابدوں کے خون سے ان کا ہاتھ رنگین ہوگا"۔ ابن سعد کی فوج میں سے عروہ بن قیس نے جواب دیا۔ "شاباش! اپنی خوب بڑائی کرو، پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو"۔

شرک و بدعت میں اتنا غلو اور تشدد شروع کیا ہے کہ بہت سے امورات کو جن کے جواز اور عدم جواز میں بھی علماء کا اختلاف ہے شرک قرار دینے لگے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ جیسے ہم کو شرک سے احتراز ضروری ہے اسی طرح جو امر شرک نہیں اس کو شرک قرار دینے سے بھی اجتناب لازم ہے۔ کیونکہ تکفیر مسلمین نہایت ہی خوفناک اور باعث تباہی اور بربادی آخرت ہے جیسے حدیث صحیح میں وارد ہے من قال لاخيه كافر فقد باء باحدهما۔ دوسرے اصول حدیث و قرآن شریف میں سے جن جن امورات کا حاصل کرنا ضروری ہے اُن کے حاصل کیے بغیر مسائل کا استنباط اپنی رائے سے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ امر بھی اندیشہ ناک اور باعث مغالطات ہوتا ہے۔ اس لیے حسبة لله بغرض صیانت برادران اہل حدیث میں نے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی تھی اُس کا نام ہدیۃ المہدی رکھا تھا اور اُسکے دو حصے کیے تھے۔ پہلے حصے میں عقائد صحیحہ مطابق ائمہ اہل حدیث کے بیان کر دیئے تھے.... اور دوسرے حصہ میں اصول قرآن اور حدیث.... بیان کر دیئے تھے.... اب.... اوقات کو خالی گزارنا مشکل معلوم ہوا اور یہ الہام غیبی یہ حکم ہوا کہ ایک کتاب لغات حدیث میں بزبان اُردو مرتب کر.... اس کتاب کا نام تاریخی میں نے انوار اللغۃ ملقب بہ وحید اللغات رکھا" (انوار اللغۃ پارہ ۱ ص۳)۔ اس کتاب میں ان عالم اہل حدیث بزرگ نے شیعوں کے خلاف بھی بہت زہر اُگلا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے "ہم اہل حدیث لوگ اس حدیث کی رو سے اور دوسری حدیث کی رو سے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرنا چاہیے۔ امام حسین علیہ السلام کے غم میں مجلس، مرثیہ خوانی اور نوحہ و بکا کو جیسے امامیہ لوگ کیا کرتے ہیں ناجائز جانتے ہیں" (پارہ ۱۰ ص۳۳)۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "ہم اہل سنت کا یہ مشرب نہیں ہے کہ کسی پر لعنت کرنا یا کسی کو بُرا کہنا جزو ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے" (پارہ ۱۳ ص۸)۔ پھر لکھتے ہیں "دوسری طرف

زہیر بن القین نے کہا "اے عروہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کر دیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن۔" عروہ نے جواب دیا "اے زہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟" زہیر نے کہا "ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حسینؓ کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا، لیکن سفر نے ہم دونوں کو یہاں جمع کر دیا ہے۔ میں نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ یاد آگئے اور رسول اللہؐ کی ان سے محبت یاد آگئی، میں نے دیکھا یہ کتنے تو سی دشمن کے سامنے جا رہے ہے۔ خدا نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی میں نے اپنے دل میں کہا میں ان کی مدد کروں گا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے اس حق کی حفاظت کروں گا جس کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔"

امام حسینؓ کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو انھوں نے کہا "اگر

تبرائی رافضیوں کا شور ہے جو آنحضرتؐ کے جان نثار اور مخلصین صحابہ اور خلفاء راشدین اور محبوبۂ خاص پیغمبر صاحب جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ کو برا کہتے ہیں اور حق تعالیٰ کے غضب سے نہیں ڈرتے۔" (پارہ ۱۳ صفحہ ۸۲)۔ پھر کہا ہے "حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو حضرت عمر کی خلافت صحیح ہوئی کیونکہ خلیفہ برحق نے ان کو خلیفہ بنایا۔" (پارہ ۱۸ صفحہ ۱) جب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کو صحیح جانتے ہیں تو آپ سے زیادہ شیعوں کا مخالف کون ہو سکتا ہے؟ اس وجہ سے اب ممدوح کی اور کوئی عبارت نقل کرنا بیکار ہے ۱۲

صرف جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی ہی نہیں بلکہ کل جلیل القدر، انصاف پسند، عالی مرتبت، مجع عوام و خواص علماء اہل سنت یہی کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کو وہی کرنا چاہیے تھا جو حضرت نے کیا۔ اور اگر حضرت اپنی شہادۃ قبول نہ فرماتے تو حق مٹ جاتا، ظلم کا تسلط ہو جاتا، ضلالت چھا جاتی، کفر پھیل جاتا اور اسلام بالکل ختم ہو جاتا۔ مثال کے لیے دو تین صاحبوں کی عبارتیں اور ذکر کر دی جاتی ہیں۔

خلیفۂ قادیان کا تازہ بیان مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے فرزند موجودہ خلیفۂ قادیان نے اپنے ۸ اپریل ۱۹۳۸ء کے خطبۂ جمعہ کے ضمن میں فرمایا "اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید حاصل کرنے کے لیے نبوت شرط نہیں بلکہ یہ کامل مومن کو حاصل ہو سکتی ہے۔ دیکھو حضرت امام حسینؓ نبی نہ تھے اور بظاہر ان کو یزید کے مقابلہ میں شکست بھی اٹھانی پڑی۔ یزید اس وقت تمام عالم اسلامی کا بادشاہ تھا اور اس وقت چونکہ تمام متمدن دنیا پر اسلامی حکومت تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک دنیا پر اس کے رشتہ داروں کی حکومت رہی اور اس وقت منبروں پر حضرت علیؓ اور

ممکن ہو تو آج انھیں ٹال دو کہ آج رات کو اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں، اس سے دعا کریں، مغفرت مانگیں کیونکہ وہ جانتا ہے میں اس کی عبادت کا دلدادہ، اس کی کتاب پڑھنے والا، اس سے بہت دعا استغفار کرنے والا ہوں" چنانچہ یہی جواب دیا اور فوج واپس گئی۔ (ابن جریر و بیہقی)

آپ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپ نے اپنے ساتھی جمع کیے اور خطبہ دیا۔ خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا، دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد لوگو! میں نہیں جانتا آج روے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد و غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو! تم سب کو تمہیں

آپ کے خاندان کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ یزید کو اتنی بڑی حکومت حاصل تھی کہ آج کل کسی کو حاصل نہیں۔ آج انگریزوں کی سلطنت بہت بڑی سمجھی جاتی ہے مگر ذرا مقابلہ تو کریں۔

بنوامیہ کی حکومت سے جن کے خاندان کا ایک فرد یزید بھی تھا۔ انگریزوں کی حکومت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ فرانس سے شروع ہو کر اسپین، مراکو، الجزائر، طرابلس اور مصر سے ہوتی ہوئی عرب، ہندوستان، چین، افغانستان، ایران اور روس کے ایشیائی حصوں پر ایک طرف اور دوسری طرف ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے یورپ کے کئی جزائر تک حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ اس قدر وسیع سلطنت آج تک کسی کو حاصل نہیں تھی۔ موجودہ زمانے کی دس پندرہ سلطنتوں کو ملا کر اس کے برابر علاقہ بنتا ہے۔ اور اتنی بڑی سلطنت کا ایک بادشاہ ہوتا تھا جن میں سے قریباً ہر ایک حضرت علیؓ اور آپ کے خاندان کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ اس لیے منبروں پر کھڑے ہو کر ان کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ ساری دنیا میں امام حسینؓ کی عزت پھر قائم ہوگی اور اس وقت کوئی وہم بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یزید کو بھی لوگ گالیاں دیا کریں گے۔ مگر آج نہ صرف تمام اس علاقہ میں جہاں امام حسینؓ کو گالیاں دی جاتی تھیں بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی کیونکہ بعد میں اسلامی حکومت اور بھی وسیع ہو گئی تھی گو وہ ایک بادشاہ کے ماتحت نہ رہی۔

سب جگہ یزید کو گالیاں دی جاتی ہیں اور حضرت امام حسینؓ کی عزت کی جاتی ہے۔ گو آپ نبی نہ تھے حضرت ایک برگزیدہ انسان تھے اور حق کی خاطر کھڑے ہوئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی دی۔ بظاہر دشمن یہ سمجھتا ہوگا کہ اس نے آپ کو شہید کر دیا۔ مگر آج اگر یزید دنیا میں واپس آئے (اگرچہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں کہ مُردے دنیا میں واپس آئیں) تو کیا تم میں سے کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ یزید ہونے کو پسند کرے گا۔ جس دن حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے وہ کس قدر

میری طرف سے جزائے خیر دے! میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور وفکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی کے ساتھ نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہلِ بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں ادھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں میری جان پا کر تم سے غافل ہو جائیں گے"

یہ سُن کر آپ کے اہلبیت بہت رنجیدہ اور بے چین ہوئے، حضرت عباسؑ نے کہا "کیوں؟ کیا اس لیے ہم آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے؟" حضرتؑ نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا "اے اولادِ عقیل! مسلم کا قتل کافی ہے، تم چلے جاؤ میں نے تمھیں اجازت دی" وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ ہم اپنے شیخ، سردار اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ چلایا۔ نہ تلوار گھمائی"

غرور اور فخر کے ساتھ اپنے آپ کو دیکھتا ہوگا اور اپنی کامیابی پر کس قدر نازاں ہوگا لیکن آج اگر اُسے اختیار دیا جائے کہ وہ امام حسین کی جگہ کھڑا ہونا چاہتا ہے یا یزید کی جگہ تو وہ بغیر ایک لحمہ کے توقف کے کہہ اُٹھے گا کہ میں

دس کروڑ دفعہ امام حسینؑ کی جگہ کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ اور اگر حضرت امام حسینؑ سے کہا جائے کہ وہ یزید کی جگہ ہونا پسند کریں گے یا اپنی جگہ۔ تو وہ بغیر کسی لحمہ کے توقف کے کہہ اُٹھیں گے کہ دس کروڑ دفعہ اسی جگہ پر جہاں وہ پہلے کھڑے ہوئے تھے۔ کسی اور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یزید خود آئے تو اس کا اپنا فیصلہ بھی یہی ہوگا"۔ (اخوذ از الفضل قادیان مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۳۵ء)۔ اور علماء اہلسنت کے بہت بڑے اُستاد و پیشوا جناب علامہ مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے بھی بغاوت کے مضمون کو بہت سمجھا کر رد اور دفع کیا ہے چنانچہ تحریر فرمایا ہے "بعضے در شان وے براہ افراط و موالاۃ رفتہ می گویند کرد بعد ازاں کہ با تفاق مسلمانان امیر شد اطاعتش بر امام حسین واجب شدہ و ندانستہ کرے باوجود امام حسینؑ امیر شود؟ اتفاق مسلمانان کے شد؟ جماعتے از صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعت او بودند و بر کسے کہ حلقۂ اطاعت او بہ گردن انداختند چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوٰۃ و زنا و استحلال محارم معائنہ کردند بمدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعت کردند یعنی بعض لوگ یزید کے بارے میں افراط اور محبت و موالات کی راہ سے کہتے ہیں کہ جب یزید مسلمانوں کی اتفاق سے امیر ہوگیا تو امام حسینؑ پر بھی اس کی اطاعت واجب ہوئی۔ حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے کیا یزید خلیفہ ہو بھی سکتا تھا؟ اس پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟ صحابہ اور اولادِ صحابہ سے ایک جماعت تو اس کی اطاعت سے خارج ہی تھی۔ اور کچھ لوگوں نے جو اس کی بیعت کر لی تھی جب اُس کی شراب خواری، نماز چھوڑے رہنے، زنا کرنے، ماں بہنوں سے اپنا منہ کالا کرتے رہنے کو دیکھ لیا تو مدینہ منورہ میں واپس آئے اور اُس کی بیعت اپنی اپنی گردن سے نکال دی۔ (مجموعہ فتاویٰ جلد ۳ صفحہ ...)

نہیں واللہ یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان، مال، آل اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے، جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر گزرے گی۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!"

آپ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا: "کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں، واللہ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان دشمنوں کے سینہ میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہے گا تلوار چلاتا رہوں گا، نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!"

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا "واللہ ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا، جلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا،

یزید کا کافر ہونا یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا کوئی کافر شخص حضرت رسول خدا صلعم کا خلیفہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایسے کافر شخص کی بیعت سے انکار کرنا بغاوت کہا جائے گا؟ زمانۂ حال کے بہت بڑے پیشوائے فرقۂ اہلسنت جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے تحریر فرمایا ہے "اکثر اکابر محدثین و بزرگانِ دین مثل امام احمد بن حنبل و علامہ ابن جوزی و جلال الدین سیوطی و علامہ سعد الدین تفتازانی و سید آلوسی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور سرے سے اُسے مسلمان ہی نہیں جانتے ...... پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ یزید بے شک قاتل حسینؑ و مہین اہلبیت و دشمن آل نبی ہے تو یہی بڑی دلیل اس کے کفر کی ہے۔ اہلبیتِ اطہار کی اہانت و بے حرمتی، اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ، لختِ دلِ مصطفےٰ، جگر گوشہ مرتضیٰ، راحتِ جانِ زہرا، محبوبِ خالقِ ارض و سما لقول جدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام النعمانی احبہ فاحبہ، شاہ کونین سیدنا ومولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیٰ جدہ وابیہ وامہ واخیہ وعلیہ وعلیٰ محبیہ وقبیلہ اجمعین الیٰ یوم الدین کو اس ظلم و جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے۔ حسینؑ رسول خدا صلعم کے لاڈلے نواسے تھے۔ اُن کے ذرا سا رونے سے آنحضرتؐ کو روحی تکلیف ہوتی تھی۔ اب غور کیا جا سکتا ہے کہ حسین مظلوم کے اس بے کسی و مصیبت میں ایسی بے دردی سے قتل کیے جانے سے روحِ رسولؐ کو کیسی کچھ اذیت پہنچی ہو گی جس کا ایک شمہ ابن عباسؓ و ام سلمہؓ کا خواب ہے۔ پس حسینؑ کی ایذا دہی و بے حرمتی و اہانت اور اُن کے اہلبیت پر ظلم عین رسول خداؐ پر ظلم و جفا اور آپ کی اہانت و ایذا دہی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ رسول خداؐ کی دشمنی و ایذا رسانی و اہانت بہت ہی بڑا کفر و بے دینی نہیں ہے؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ اسی لیے اکثر محققین کہتے ہیں کہ انہ کفر حین امر بقتل الحسین یعنی یزید تو یقیناً اسی وقت کافر ہو گیا تھا جب اس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔

پھر میری خاک ہوا میں اُڑادی جائے گی اور ایک مرتبہ نہیں ستّر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں"۔

زہیر بن القین نے کہا "بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کے ا نونہالوں کی جانیں بچ جائیں"۔ (ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغہ وغیرہا)

حضرت زینب کی بے چینی اور آپ کا توصیہ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمار داری کر رہی تھیں، اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اُس وقت خیمہ میں ابوذر غفاری کے غلام حوی تلوار صاف

صاحبو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانو! میں دو بڑی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں میرے بعد انھیں کے ساتھ تمسک کرنا۔ اگر تم ان کا خیال رکھو گے، قدر کرو گے اور ان کے ساتھ متمسک ہو گے تو گمراہی و ضلالت سے بچو گے۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ کلام اللہ و عترتی قرآن پاک و میری عترت اولاد اطہار۔ گویا آپ نے تمسک و عظمت کے لیے قرآن و اہلبیت کو برابر کیا تھا۔ تو اگر کوئی قرآن کی توہین کرے، اُسے پامال کرے، اُس کے اوراق کو بے حرمتی سے اُس کی تذلیل کے لیے منتشر کرے اور خوب جان بوجھ کر علانیہ اس کی اہانت کرے۔ یا ان امور پر وہ راضی و خوش ہو تو وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ اور کیا کلام اللہ کی اہانت کفر نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ پس اسی طرح سمجھو کہ اہلبیت اطہار قرآن ناطق شان نزول آیت تطہیر کی اہانت بھی بلا ریب کفر ہے اور جس نے اہلبیت اطہار خصوصاً سیدنا امام حسینؑ کی بے حرمتی کی۔ ان کی نعش کو پامال کیا۔ اُن کو حد سے زیادہ ستایا اور جو ان کی بے حرمتی و قتل سے خوش و راضی یا اس میں شریک ہوا اُسے گوارا کیا وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے بلکہ فی الدرک الاسفل من النار۔۔۔ صاحب تفسیر روح المعانی یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر کا یقین کیا۔۔۔ اور علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ اُس پر لعنت کرنے کے بارے میں بلکہ اُس کے کفر کے بارے میں بھی کچھ توقف نہیں کرتے۔۔۔۔ سید آلوسی بغدادی نے اس کے بعد تاریخ ابن وردی و کتاب الوافی بالوفیات سے نقل کیا ہے کہ جب اسیران اہل بیت دمشق سے قریب ہوئے اور مقام جیرون کے ٹیلے پر چڑھے تو شہیدوں کے سر نیزوں پر اور کوے دیکھ کر نائیں نائیں کرنے لگے۔ اُس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جس کا آخری مصرعہ یہ ہے کہ ع فقد اقتضیت من الرسول دیونی یعنی میں نے رسول سے اپنا بدلہ لیا (روح المعانی جلد ۸ ص۱۲۶)۔ پھر اُن اشعار کا ذکر کیا ہے۔ اتحاف بحب الاشراف و وسیلۃ النجاۃ و مفتاح النجاۃ وغیرہ دیگر کتب میں بھی منقول ہیں کہ لیت اشیاخی ببدر ال

کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے :۔

یا دھر اف لک من خلیل — کم لک بالاشراق والاصیل

(اے زمانے تیرا بُرا ہو، تو کیسا بے وفا دوست ہے! صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل — والدھر لا یقنع بالبدیل

کتنے مارے جاتے ہیں؟ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا۔

وانما الامر الی الجلیل — وکل حی سالک السبیل

اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے)

تین چار مرتبہ آپ نے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لیے۔ میں سمجھ گیا کہ مصیبت ٹلنے والی نہیں، میری پھوپھی نے یہ شعر سُنے وہ بے قابو ہو گئیں، بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و فریاد کرنے لگیں

جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا نے جنگ بدر میں میرے آباء کو قتل کیا تھا۔ اُس کا بدلہ میں نے آج ان کی اولاد کو قتل کیا اور خوب ہی بدلہ لیا۔ کاش میرے وہ اشیاخ جو بدر میں قتل کیے گئے زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ہم نے کیسا بدلہ لیا۔ اور اخیر میں دو شعر اور بھی ہیں جو اتحاف ص۵۴ وغیرہ میں منقول ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد صاحب کے پاس کوئی وحی نازل ہوئی نہ فرشتہ آیا۔ یہ سب بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھنگ نکالے تھے۔ یہ پر از کفر اشعار اگر اس کی زبان سے نکلے ہیں جیسا کہ علماء نے لکھا ہے تو بیشک اُس کے کافر مردود ہونے میں ذرہ برابر بھی کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ صاحب روح المعانی و صاحب اتحاف بحب الاشراف و صاحب تاریخ ابن وردی و صاحب کتاب الوافی بالوفیات وغیرہم من العلماء نے فرمایا ہے اپنی تفسیر جلد ۸ ص۲۲۳ میں علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اُس کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ میرے گمان غالب میں بھی یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان و مصدق رسالت نہ تھا جبکہ اُس کے تمام افعال و حرکات پر نظر کرتے ہیں اور دیگر قرائن و دلائل سے واضح ہوتا ہے۔" (رسالہ شہادۃ حسین از صفحہ ۵۴ تا ۶۰)۔ اور عقائد کی مشہور کتاب جو عربی مدرسوں میں فاضل طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے یزید کے ذکر میں صاف لکھا ہے انہ کفر حین امر بقتل الحسین یعنی یقیناً یزید اسی وقت کافر ہو گیا جب اس نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا (شرح عقائد نسفی مطبوعہ مصر ص۱۸۱)۔ یہ بھی لکھا ہے فنحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ یعنی ہم اُس کے حال میں کوئی تردد بلکہ اس کے کافر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں کرتے (ایضاً ص۱۸۱)۔ اور حضرات اہل حدیث کے بہت بڑے علامہ جناب مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے بھی لکھا ہے :۔ مثل امام احمد و امثال ایشاں و ابن جوزی لعن دے از سلف نقل نمودہ

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا "اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں"۔ انھوں نے روتے ہوئے کہا "کیونکر اس حالت پر صبر کیا جاسکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟" آپ نے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے"۔ اس پر ان کی بے قراریاں اور بڑھ گئیں اور یہ شدتِ غم سے بے حال ہوگئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک طولانی تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپ نے کہا "بہن خدا سے ڈر۔ خدا کی تعریف سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لیے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ ہمارے لیے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے۔ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہیئے کہ کسی حال میں

زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسینؓ کافر شد یعنی امام احمد بن حنبل اور ان کے امثال اور ابن جوزی نے بزرگوں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ یزید پر لعنت کرتے تھے کیونکہ اس نے جس وقت امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا اُسی وقت کافر ہوگیا (ابنیۃ الامامؒ) اور جناب علامہ مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی کے بارے میں جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے مجموعۂ فتاویٰ میں بھی موجود ہے۔ جناب مولاناؒ نے پاسداران یزید کی خوب خبر لی ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ از روئے تحقیق و انصاف کفریت و ملعونیت سے بھی اس خبیث مردود کا درجہ بڑھا چڑھا ہے دیکھو مجموعۂ فتاویٰ جلد سوم صک فرماتے ہیں.... و بعضے گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؓ نکردہ و نہ بداں راضی بود نہ بعد از قتل وے و اہل بیت وے مستبشر شد و ایں سخن نیز باطل است۔ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیہ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین الی قولہ مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا۔ و بعضے گویند کہ قتل امام حسینؓ گناہ کبیرہ است نہ کفر۔ لعنت مخصوص بہ کفار است۔ و نازم بر فطانت ایشاں نہ دانستند کہ کفر کجا و خود ایذائے رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد۔ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھما اللہ فی الدنیا والاخرۃ الایۃ۔ یعنی بعض کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ اس پر راضی ہوا اور نہ حضرت کے اور آپکے اہلبیت کے قتل سے خوش ہوا۔ مگر یہ بات بھی بالکل غلط اور باطل ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسینؓ کے قتل سے راضی ہونا اور اس پر دلی خوشی کا اظہار کرنا اور حضرت رسول خدا کے اہلبیت کی اہانت کرنا اُن باتوں سے ہے جو متواتر ہیں اگرچہ اس کی تفصیلیں احاد ہیں۔ کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کا قتل

بھی اس سے منحرف نہ ہوں "۔ (یعقوبی و ابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور دعا و تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسینؑ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب المھین ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب (دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لیے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مومنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔ دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سُنی تو چلّا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی ہم ہی طیب ہیں

گناہ کبیرہ تو ہے مگر کفر نہیں ہے اور لعنت کافروں کے لیے خاص ہے۔ ان لوگوں کے عقل و فہم پر قربان ہو جاؤں۔ ان کو یہی خبر نہیں کہ یزید کا کفر تو الگ رہا۔ خود حضرت رسول خداؐ کو اذیت پہنچانے کا کیا نتیجہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں خدا اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا رہے گا۔" (رسالہ شہادۃ حسین صفحہ ۲۵) اور جناب نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے لکھا ہے حافظ ابن حجر در اصابہ گفتہ وقد صنف جماعۃ من اھل العلم فی مقتل الحسین تصانیف فیھا الغث والسمین والصحیح والسقیم وفی ھذہ القصۃ التی سقتھا غنی وقد صح عن ابراھیم النخعی انہ کان یقول لو کنت فی من قاتل الحسین ثم ادخلت الجنۃ لاستحییت ان انظر الی وجہ رسول اللہ انتھی۔ گویم اصح التوالیف دریں باب رسالہ سر الشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی است۔ معاذ رضی اللہ عنہ گفتہ آں حضرت فرمود صلعم بگیر اے معاذ و شمار کن۔ پس ہر گاہ رسیدم پنج را یعنی از خلفا گفت یزید برکت نہ دہد خدا در یزید... بعنی کردہ شد بسوے من حسین بن علی۔ و در آمدم تربت او را و خبر دادہ شدم از قاتل او، سوگند بکسے کہ جان من در دست اوست کشتہ نشود درمیان قومے کہ منع نکنند او را مگر آں کہ مخالفت افگند خدائے تعالیٰ درمیان سینہ ہائے شان و دلہائے شان و مسلط کند بر آں ہا شرار آنہا را و بگرداند آنہا را فرقہا..... ابن حجر در شرح ہمزیہ گفتہ و نیست عجب ازیں کہ یزید از قبائح فسق و اخلال بتقوی بجائے رسیدہ بود کہ صدور ایں قبائح از وے بسیار نیست بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ قائل بکفر وے شدہ۔ و ناہیک بہ ورعا و زہدا و علما۔ و دیگرے نگفت بکفر وے مگر بجہت قضایائے محکمہ کہ واقع شد از وے و ثابت شد نزد امام.... وما الذکرہ ابن العربی المالکی و گفت نہ کشت یزید حسین را مگر بسیف جدے

اور تم سے الگ کر دیے گئے ہیں!"

عشرہ کی صبح جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد سعد اپنی فوج لے کر نکلا حضرت حسینؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں، ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اس میں ایندھن ڈھیر کر دیا گیا اور آگ جلا دی تھی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا "اے حسینؓ! قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی؟" حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!" مسلم بن عوسجہ نے

یعنی بیعت برائے یزید گردیدہ بود پس حسینؓ بروے باغی شد۔۔۔ وایں قول ابن عربی مردود است زیراکہ یعنی بعد استقرار احکام وانعقاد اجماع بر تحریم خروج برامام جائز می باشد۔۔۔ کاتب حروف گوید عفا اللہ تعالیٰ عنہ کہ نسبت نمودن ابن عربی مالکی سامحہ اللہ وعفا عنہ وعنا بغی را بہ جناب امام حسین بن علی علیہما السلام حرفے است کہ دلہائے اہل ایمان کامل ازاں چوں بید برخود می لرزد وگوش مسلمانان از استماع صدایش مراحل می گریزد وآں چہ ابن حجر ہیثمی مکی وسید محمد بن عبدالرسول برزنجی مدنی یعنی صاحب اشاعت در رد وجواب وے گفتہ ونوشتہ اند درست است۔۔۔ وخبر شہادت وے پیش ازاں بچند سال آنحضرت صلعم دادہ بود وبر بنی امیہ وقاتلان وے نفرین ولعنت کردہ۔ وآں چہ روز قتل وے از تغیر آسمان وزمین واقع شد بر ہیچ کس پوشیدہ نیست۔ پس باوجود ایں ہمہ چیزہا کہ امارت حقیت اوست علیہ السلام باصرح وجوہ وابلغ نصوص می ابلکم یعنی چہ۔ سبحان اللہ قاتلان او کہ بر لسان محمد صلعم ملعون باشند برحق بوند ومقتولان مظلوم کہ بر لسان محمد صلعم شہدا باشند باغی باشند۔ ایں چہ مسامحہ ست ہیچ مسلمان ایں حرف باور نہ دارد۔ یعنی حافظ علامہ ابن حجر نے کتاب اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بارے میں سابق علما کی ایک جماعت نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں کام کی باتیں بھی ہیں اور کچھ بے کار بھی ہیں اور صحیح بھی ہیں سقیم بھی۔ اور ہم نے اس واقعہ کے متعلق جس قدر لکھ دیا وہ کافی ہے۔ اور ابراہیم نخعی سے بہ صحیح طور پر وارد ہے کہ وہ فرماتے تھے اگر میں ان لوگوں میں ہوتا جنھوں نے حضرت امام حسینؓ کو قتل کیا تھا پھر قیامت میں اگر کسی طرح داخل بہشت کر بھی دیا جاتا تو مجھے وہاں رہنے میں شرم آتی۔ میں کس منہ سے حضرت رسول خدا صلعم کے چہرے کی طرف تکتا انتہی۔ یہ ما (یعنی مولوی صدیق حسن خاں بھوپالی) کہتا ہوں کہ واقعہ کربلا (شہادت امام حسین علیہ السلام) کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب سر الشہادتین ہے جس کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے۔

عرض کیا "مجھے اجازت دیجیے! اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں کیونکہ بالکل زد پر ہے"۔ حضرت نے منع کیا "نہیں میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا"۔ (ایضاً)

دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے "الٰہی ہر مصیبت میں تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے بے وفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دست گیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے! تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!" (شرح نہج البلاغۃ)

دشمن کے سامنے خطبہ جب دشمن قریب آ گیا تو آپ نے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے، قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:۔ لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو، اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو،

معاذ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے معاذ ذرا گننا تو شروع کرو۔ میں گننے لگا جب پانچویں نمبر پر پہنچا یعنی حضرت کے پانچویں ظاہری خلیفہ کا بیان آیا تو حضرت نے فرمایا یزید! خدا یزید کے بارے میں برکت نہ دے مجھے خبر دی گئی کہ وہ میرے نواسے حسینؓ بن علی کو قتل کرے گا۔ مجھے ان کے قتل گاہ کی مٹی بھی دکھائی گئی اور ان کے قاتل کا نام بھی بتایا گیا ہے۔ اُس خدا کی قسم کھا کر جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں کہتا ہوں کہ میرا حسینؓ جن لوگوں کے درمیان قتل کیا جائے گا اُن سے جو لوگ حسینؓ کی مدد نہ کریں گے اور اُن کے بچانے کی کوشش نہ کریں گے تو خدائے تعالیٰ ان لوگوں کے سینوں اور دلوں میں مخالفت کے بیج بوئے گا (کہ آپس میں خوب لڑیں جھگڑیں گے) اور ان پر بدمعاشوں کو حاکم بنا کر مسلط کر دے گا اور اُن کو چھوٹی چھوٹی جماعت میں پریشان کرے گا۔۔۔۔ علامہ ابن حجر نے کتاب شرح ہمزیہ میں لکھا ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ یزید کے فسق و فجور اور حرام کاریوں کی باتیں اس حد کو پہنچ گئی تھیں کہ اس قسم کی برائیاں اور ایسے ایسے گناہ اس کے لیے زیادہ نہیں کہے جا سکتے بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تو اعتقاد ہو گیا تھا کہ یزید مسلمان تھا ہی نہیں بلکہ کافر تھا۔ پھر امام احمد ایسے علامۂ دہر، پیشوائے اسلام، زاہد اور متقی بزرگ جب اُس کو کافر کہتے تھے تو پھر کسی اور کا کیا ذکر ہے؟ اور اُن کو یزید کے کافر ہونے کا یقین کیوں ہوا؟ اُس کی انہیں حرکتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے جو ثابت کرتی ہیں کہ یقیناً اُس نے کفر ہی کو اختیار کر رکھا تھا اور اُس میں جو باتیں تھیں وہ امام احمد کی تحقیق میں کافروں ہی میں پائی جاتی ہیں کسی مسلمان میں نہیں ہو سکتیں۔۔۔۔ مگر ابن عربی مالکی نے بہت مبالغہ سے کام لیا اور کہا کہ یزید نے

تو یہ تمھارے لیے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کردو تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے تم اور تمھارے سارے ساتھی ایکا کرلو۔ مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں فقط پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے۔"

آپ کے اہلبیت نے یہ کلام سُنا تو شدت تاثر سے بے اختیار ہوگئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تا کہ انھیں خاموش کرائیں اور کہا "ابھی انھیں بہت رونا باقی ہے۔" پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کی۔" راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لیے آپ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ ابن عباس نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا مگر آپ نے

امام حسین کو رسول ہی کی تلوار سے قتل کیا یعنی یزید کی بیعت ہوچکی تھی تو امام حسینؑ اس کے باغی قرار پائے۔۔۔ مگر ابن عربی کا یہ قول مردود ہے اسلیے کہ بغاوت تو وہاں ہوتی ہے جہاں مسلمانوں کا اجماع ہوجائے کہ فلاں ظالم و جابر شخص یا حاکم کے خلاف خروج کرنا حرام ہے اور اس کے احکام مستقر و ثابت ہوجائیں (اگر یزید کے خلاف خروج کرنے کو کس نے حرام کہا تھا اور کب کسی جماعت کا اجماع ہوا تھا کہ اس کی مخالفت نہ کی جائے ؟) ۔۔ ان حروف کا لکھنے والا (نواب مولوی صدیق حسن خاں) کہتا ہے کہ ابن عربی کا امام حسینؑ پر بغاوت کا الزام لگانا ایسی بات ہے کہ جن لوگوں کا ایمان کامل ہے اُن کے دل ایسی بات سے بید کی طرح کانپنے لگتے ہیں اور مسلمانوں کے کان ایسی آواز سننے سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اور ابن عربی کے اس ایمان سوز کلام کی دھجیاں اڑانے میں علامہ ابن حجر مکی اور سید محمد بن عبدالرسول شہرزوری صاحب کتاب اشاعت نے جو تحقیقی باتیں لکھیں اور جس طرح جواب دیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ سب درست ہے۔۔۔ اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی پیشینگوئی واقعہ سے بہت مدت قبل حضرت رسول خدا صلعم فرما چکے تھے اور نبی اس شہید امام کے قاتلوں پر لعنت و نفرین بھی کرچکے تھے۔ اور شہادت حسین جس روز واقع ہوگئی۔ (یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ کو) آسمان و زمین میں جو تغیرات واقع ہوئے (کہ زمین کو لرزہ ہوا۔ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ سیاہ آندھی چلنے لگی۔ آسمان میں تارے نظر آنے لگے) وہ کسی شخص سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو باوجود ان کھلی ہوئی دلیلوں کے جو اچھی طرح ثابت کردیتی ہیں کہ امام حسین علیہ السلام حق پر تھے اور جو قرآن و حدیث کی یقینی باتوں کی طرح بتا دیتی ہیں کہ حضرت نے جو کیا بالکل درست تھا حضرت پر بغاوت کا الزام لگانا کس عقل کا کام ہوسکتا ہے ؟ سبحان اللہ! امام حسینؑ کے قتل کرنے والے جن کو حضرت رسول خدا صلعم نے ملعون فرما دیا تھا تو حق پر ہوں اور امام حسینؑ اور آپکے ساتھی جو اس مظلومیت سے قتل کیے گئے اور جن کو حضرت رسول صلعم نے شہداء فرمایا تھا باغی قرار دیے جائیں!!! یہ کیسے اندھیر کی بات ہے ؟ کوئی شخص مسلمان ہوکر تو ایسی بات زبان پر لا ہی نہیں سکتا

اُس پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباس کی بات یاد آگئی۔ پھر آپ نے از سرِ نو تقریر شروع کی :-

لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو، سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو، کیا تمھارے لیے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سُنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے سیدا شباب اهل الجنة" (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے، کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو

ابن عربی مالکی کا کافر ہونا

(نتیجہ یہ کہ ابن عربی مالکی نہ مسلمان تھے نہ کوئی مسلمان شخص کبھی بھی اُن کو مسلمان کہہ یا سمجھ سکتا ہے!!!) (کتاب حجج الکرامات ص۱۸۱)۔ دوسرے بڑے بڑے علماء اہلسنت نے بھی۔ اس قول کی وجہ سے ابن عربی کو کافر کہا ہے چنانچہ مولوی صدیق حسن خاں صاحب نے تحریر فرمایا ہے و شیخ الاسلام ابن تیمیہ تکفیر ابن عربی می کند یعنی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ابن عربی مالکی کو کافر کہتے تھے (دلیل الطالب ص۱۵۶) لطف یہ کہ خود علامہ ابن تیمیہ یزید کے اتنے ہمدرد ہیں کہ اپنی مشہور کتاب منہاج السنۃ میں یزید کے نبی ہونے تک کو بڑی دھوم دھام سے لکھا ہے پھر بھی وہ ابن عربی صاحب کو امام حسین علیہ السلام کے باغی کہنے کی وجہ سے کافر سمجھتے تھے۔

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا فیصلہ کہ امام حسینؑ نے کیا بغاوت کی تھی؟

اب علماء اہلسنت کے امام اعظم اور تمام حضرات اہل سنت کے بڑے پیشوا جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :- "سوال باوصف صحت حدیث خلافۃ الخلافت بعدی ثلثون سنۃ و ترک خلافت حضرت امام حسنؓ بجہت استماع ہمیں حدیث پس حضرت امام حسینؓ بکدام دعویٰ از مکہ معظمہ برآمدہ در کربلا شہید شدند۔ و علاوہ حدیث متواتر در مشکوٰۃ وغیرہ موجود است کہ اکثر بادشاہان ظالم خواہند بود و بسیار ظلم خواہند کرد صحابہ عرض نمودند کہ آں وقت مسلمانان تعرض از بادشاہان خواہند کرد۔ حضرت علیہ السلام فرمودند کہ مسلمان را نمی رسد کہ از بادشاہ وقت کہ بسلط سلطنت گرفتہ باشد تعرض نمایند، ورنہ آں مسلمانان خود ظالم و باغی خواہند گردید۔ پس حضرت امام حسینؑ چرا مقابلہ کردند سلطنت یزید از روئے تسلط ظاہر و ثابت است۔ جواب۔ خروج حضرت امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوئے خلافت راشدہ بایں معنیٰ کہ بمرور سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود۔ و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ و آں چہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرتؐ از بغی و خروج بر بادشاہ وقت گرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس

بتلاؤ کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو، ابو سعید خدری سے پوچھو، سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید ابن ارقم سے پوچھو، انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سُنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں کیا تم مجھے اس لیے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

کوفہ والوں کا جواب آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے کوفیوں

درآں وقت است کہ آں بادشاہ ظالم بلا منازع و مزاحم تسلط تمام پیدا کردہ باشد۔ و ہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بر تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند۔ و مثل حضرت امام حسینؓ و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ۔ بالجملہ خروج حضرت امام حسینؓ برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط۔ وآں چہ در حدیث ممنوع است آں خروج است کہ برائے دفع تسلط سلطان جائر باشد۔ والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیۃ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ سوال۔ باوجودے کہ آں حضرت صلعم کی یہ حدیث کہ میرے بعد خلافت صرف تیس سال رہے گی صحیح ہے اور باوجودیکہ حضرت امام حسنؓ نے اسی حدیث کو سُن کر خلافت کو ترک کر دیا تھا۔ پھر حضرت امام حسینؓ کس دعوے کی بنا پر یزید سے تعرض لا کر کربلا میں شہید ہو گئے؟ اور علاوہ حدیث متواتر کے کتاب مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اکثر بادشاہ ظالم بھی ہوں گے اور وہ بہت ظلم کرتے رہیں گے۔ اس پر صحابہ نے عرض کی کہ اس وقت کے مسلمان اُن بادشاہوں سے مقابلہ یا اُن کی مخالفت کریں یا نہیں؟ حضرت صلعم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو مناسب نہیں ہے کہ اس بادشاہ سے جس نے اپنے تسلط سے سلطنت کو حاصل کیا ہو مقابلہ یا اس کی مخالفت کریں۔ اگر اس وقت کے مسلمان ان ظالم بادشاہوں سے مقابلہ کریں گے تو خود ہی ظالم اور باغی ہو جائیں گے۔ باوجود اس حدیث کے حضرت امام حسینؓ نے یزید سے کیوں مقابلہ کیا اس لیے کہ یزید کی سلطنت تو اس کے غلبہ و تسلط کی وجہ سے قائم اور ثابت ہو چکی تھی۔

جناب شاہ صاحب کا جواب اور قابل قدر نکتہ جواب۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خلافت راشدہ کے ہونے کے مطابق یزید سے مقابلہ نہیں کیا۔۔۔ بلکہ حضرت نے یزید کی مخالفت اس غرض سے کی کہ مسلمان رعایا کو ظالم (یزید) کے پنجے سے نجات دلائیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانا اور اس کا

کو نام لے کر پکارنا شروع کیا " اے شیث بن ربعی ! اے حجار بن ابجر ! اے قیس بن الاشعث ! اے یزید الحارث ! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ " پھل پک گئے ! زمین سرسبز ہو گئی ، نہریں اُبل پڑیں اگر آپ آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے ۔ جلد آیئے " اس پر اُن لوگوں کی زبانیں کھلیں اور اُنھوں نے کہا " ہرگز نہیں ، ہم نے تو نہیں لکھا تھا " آپ چلا اُٹھے " سبحان اللہ یہ کیسا جھوٹ ہے واللہ تم ہی نے لکھا تھا ! " اس کے بعد آپ نے پھر پکار کر کہا " اے لوگو ! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لیے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو ، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں "۔

ذلّت منظور نہیں

یہ سُن کر قیس بن الاشعث نے کہا " کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کر دیں ؟ وہ وہی برتاؤ کریں گے جو آپ کو پسند ہے ۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا "۔ آپ نے جواب دیا " تم سب ایک ہی تھیلی کے

مظلوم کی ہر طرح مدد کرنا واجب ہے ۔ اور مشکوٰۃ شریف میں جو یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر بادشاہ وقت سے اگرچہ وہ ظالم ہو مقابلہ یا بغاوت اور مخالفت کرنے کو منع فرمایا ہے تو یہ اُس وقت کیلئے ہے جب وہ بادشاہ بغیر کسی روکنے یا اعتراض یا مقابلہ کرنے والے کی مخالفت کے جمے ہوئے پورا تسلط پیدا کرلے ۔ مگر یزید پلید کو تو ایسا تسلط ہوا ہی نہیں تھا کیونکہ ابھی مدینہ ، مکہ اور کوفہ والے اسکے تسلط سے راضی نہیں تھے ۔ اور حضرت امام حسینؑ و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن زبیرؓ ایسے لوگوں نے اُس کی بیعت نہیں کی تھی ۔ مختصر یہ کہ حضرت امام حسینؑ نے جو یزید سے مقابلہ اور اس کی مخالفت کی وہ صرف اسلیے کہ ظالم یزید کا تسلط نہ ہونے دیں ۔ نہ اسلیے کہ اس کا پورا تسلط ہو چکا تھا اُس کے اُٹھا دینے کے لیے حضرت آمادہ ہوئے ۔ اور حدیث میں جو بات منع کی گئی وہ یہی ہے کہ جس بادشاہ ظالم کا پورا تسلط ہو چکا ہو اُس کو نہ اُٹھاؤ ۔ یہ منع نہیں ہے کہ کوئی ظالم بادشاہ اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا ہے اس کا تسلط ہونے ہی نہ دو ۔ اور اس بات میں کہ کسی ظالم بادشاہ کا تسلط ہونے ہی نہ دیا جائے اور اس میں کہ اس کا جو تسلط ہو چکا ہے اس کو اُٹھا دیا جائے بہت بڑا فرق ہے جو فقہ کے مسائل میں مشہور ہے (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۲۱)

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے گھر مجلسوں کا سلسلہ

اسی وجہ سے جناب شاہ صاحب موصوف عشرہ محرم میں خود بھی اپنے گھر مجلس کرتے اور پابندی سے اس عبادت کو انجام دیتے تھے ۔ اگر شاہ صاحب موصوف کے خیال میں حضرت امام حسینؑ مظلوم شہید راہ خدا اور یزید ظالم و گمراہ کا فرق نہ ہوتا تو شاہ صاحب امام حسینؑ کی مجلسیں کبھی خود اپنے گھر نہ کرتے ۔ اخبار سرفراز لکھنؤ میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا ایک خط مجلس امام حسینؑ کے متعلق چھپا ہے جو شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کے دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ماہوار علمی و دینی رسالہ معارف سے نقل کیا گیا ہے وہ مضمون بھی پڑھنے کے قابل ہے

مصنف تحفہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک گرانقدر مکتوب عزاداری مجالس کے متعلق

موجودہ زمانہ میں

چھپتے پھرتے ہو۔ اے شخص کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں، نہیں واللہ، میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی ان کے حوالہ نہ کروں گا (ابن جریر) یہ کہہ کر آپ نے اونٹنی بٹھادی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپ کی طرف حرکت شروع کر دی۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ ابھی اس وقت تک ہم سب بھائی ہیں، ایک ہی دین اور ایک طریقہ پر قائم ہیں۔ جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حق دار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان لاتے ہی

مختلف حلقوں سے عزاداری حسینؑ کے مٹانے کی پیہم کوششیں کی جارہی ہیں۔ بجز اس ناپسندیدہ مقصد کے حاصل کرنے کے لیے تحریر و تقریر دونوں سے کام لیا جارہا ہے کبھی ان طریقوں کو بدعت بتایا جاتا ہے کبھی انھیں شکی اسلام کا موجب قرار دیا جاتا ہے۔ اصل میں کچھ بھی نہیں ہے۔ "اموی جنبہ داریوں" کا جذبہ آل رسولؐ کے تذکروں کا فروغ ایک لحظہ کے لیے گوارا نہیں کرسکتا۔ حسینؑ کے زبردست عصر فروشانہ اقدام نے اموی سیاست کو اس کے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں جن افراد کو اموی خاندان سے مادی یا روحانی وابستگی ہے وہ اسے کیونکر پسند کرسکتے ہیں کہ ہر سال اس اموی سیاست کا تار و پود اتنے مؤثر عنوان سے بکھیرا جائے۔ درحقیقت جو صحیح العقیدہ سنی ہیں اور اس اموی پروپیگنڈے کا شکار نہیں بن گئے ہیں انھیں ان "ناپسندیدہ مساعی" سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وہ مجلسیں کرتے ہیں۔ عزاداری کرتے ہیں۔ حسینؑ اور اہلبیت سے محبت کرنا وہ صرف شیعوں ہی کا حق نہیں سمجھتے ہیں۔ ہمیں مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ مجاگپور کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنی قدیمی کتابوں اور خا[illegible]ں کے ذخیرہ میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک بڑا مکتوب عزاداری و مجالس کے متعلق حاصل کر کے (ماہوار رسالہ معارف (اعظم گڈھ) اکتوبر ۱۹۳۳ء آثار علمیہ و ادبیہ کے تحت میں شائع کر دیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے مصنف ہیں اور اس لیے سنیوں کے واجب الاحترام پیشوا۔ انھیں شیعوں سے جس قدر شدید مخالفت تھی وہ ان کی کتاب تحفہ سے ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں عزاداری و مجالس کے متعلق شاہ صاحب کا اتنا فرمانا بہرحال بیحد اہمیت کا استحقاق رکھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے اس مکتوب کی اشاعت کثیر تعداد میں کی جائے تاکہ حنفی بھائیوں کے عقائد میں مجلس و عزاداری کے متعلق وہابی پروپگنڈے سے جو فتور نہ پیدا ہو۔ ناظرین سرفراز کی اطلاع کے لیے اُس خط کو مع مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب کی تمہید کے ذیل میں درج کرنا چاہتا ہوں۔ خط فارسی میں ہے اس لیے عام فائدے کی غرض سے اس کا ترجمہ بھی آخر میں پیش کیا جاتا ہے۔ فقط (اختر تلہری)

اوراق پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یوں تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی۔ خاندانی اور پرانے گھروں میں اب تک سیکڑوں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو اگر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق و تدقیق کے لیے اضافۂ معلومات۔ نیز نئے ابواب پر بحث و تمحیص کے دروازے کھل جائیں اور ایسی بہت سی یادگاریں جو ہمارے بزرگوں کے لیے سرمایۂ فخر و دانش تھیں اور جن کے نہ ہونے سے اسلام کے تاریخی حالات تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا

بھی حرمت ٹوٹ جائے گی۔ اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمھارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمھیں اہلبیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبیداللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو ان حاکموں سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوڑیں گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمھارے چہرے بگاڑیں گے۔ تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے اور نیکو کاروں کو چن چن کر قتل کریں گے۔ کر وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں۔" کوفیوں نے یہ تقریر سُنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔" بخدا ہم اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انھیں امیر کے روبرو حاضر نہ کردیں۔" یہ ان کا جواب تھا۔

انکشاف و اظہار دونوں کے لیے باعث تحریت و تشکر ہے۔ لیکن اس خیال کے لوگ ہیں بھی تو معدودے چند اور اگر کہیں نظر بھی آگئے تو وہ ان نادر مجموعوں کی اشاعت تو علیحدہ چیز ہے کسی کو دکھانا تک پسند نہیں فرماتے جس کا تجربہ ہوتا ہے کہ نادر کتابیں اور خطوط الماریوں اور صندوقوں میں پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دریا یا آگ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یوں تو ہمارے ہاں کے نوادرات بھی تلف ہو گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگاروں کو سینہ سے لگانے لگا۔ قلمی کتابیں اور پرانے خطوط جہاں بھی پاتا بہ حفاظت تمام رکھ چھوڑتا۔ رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے اور آخر کار ان قدیم کتابوں اور خطوں کا کافی ذخیرہ مہیا ہو گیا۔ چنانچہ انھیں ذخائر میں ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے۔ یوں تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہے کہ جو ٹکڑا بھی آپ کی تصنیف و تالیف کا مل جائے ہم لوگوں کیلئے باعث صد نازش ہے۔ چہ جائے کہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آیا ہے۔ آپ جیسے متقدمین متبحر فاضل محدث کا لکھا ہوا خط جس میں وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہوں کیوں نہ قابل قدر و اتباع عمل ہو۔ اس لیے ارباب ذوق و تفحص کی دلچسپی کے لیے اس تحفۂ ایقہ کو درج ذیل کرتا ہوں۔

نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ بنام احمد یار خاں صاحب ساکن کشن گنج کھنگرا

از فقیر عبدالعزیز۔ بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر کا تحریر باد کہ عنایت نامہ سامی بار دیگر در مقدمہ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ۔ آں چہ دریں باب معمول فقیر است می نویسد از ہمیں جا قیاس باید کرد۔ در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد می شود۔ یکے مجلس ذکر وفات شریف۔ دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشورہ یا یک دو روز پیش ازیں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند و درود می خوانند۔ بعد ازاں کہ فقیر می بر آید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہما السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید۔ و آں چہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگان و بد مآلی قاتلان ایشاں وارد شدہ نیز مذکور می شود و بایں تقریب بعضے منامات کہ بر جناب ایشاں گذشتہ از روئے احادیث معتبر بیان کردہ می شود۔ و ہم دریں ضمن مرثیہ ہائے کہ از مردم غیر یعنی جن و پری بہ حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند نیز مذکور می شود بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ما حضر فاتحہ نمودہ

زہیر نے جواب دیا "خیر اگر فاطمہؑ کا بیٹا سُمیّہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری محبت ونصرت کا مستحق ہے تو کم از کم اولاد رسولؐ کا اتنا پاس تو کرو کہ اُسے قتل نہ کرو۔ اُسے اور اُس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تم حسینؑ کا خون بہاؤ۔" (ابن جریر و شرح نہج البلاغہ)

حُر بن یزید کی موافقت عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حُر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے۔ کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کریں گے ابن سعد نے جواب دیا "ہاں واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے اُڑ جائیں گے۔" حُر نے کہا "کیا ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اس نے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا مگر کیا کروں؟ تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا" حُر بن یزید یہ سُن کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب

می آید و دریں وقت اگر شخصے خوش الحان سلام می خواند یا مرثیہ شروع می کند اتفاق شنیدن می شود۔ ظاہر است کہ دریں اکثر حضار مجلس را و ایں فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود۔ پس اگر ایں چیزہا نزد فقیر بہمیں وضع جائز نمی بود اقدام بر آں اصلاً نمی کرد۔ و آں چہ امور دیگر نا مشروع است تا حاجت بیان ندارد۔ و امام شافعیؒ می فرماید لو کان رفضاً حب آل محمد۔ فلیشہد الثقلان انی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ بر نگارد۔

مہر عبدالعزیز اولی الرحم

ترجمۂ مکتوب فقیر عبدالعزیز کی طرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رائے عالی ہو کہ جناب کا گرامی نامہ دربارۂ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔ اس بارہ میں فقیر کا جو کچھ معمول ہے اُسے لکھا جاتا ہے اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔ پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ ایک ذکر وفات شریف کی مجلس۔ دوسرے شہادت حسینؑ کے ذکر کی مجلس جو عاشورہ کے دن یا اس سے ایک دو دن پہلے چار پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں۔ اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے تو حسنینؑ کے وہ فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بد انجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان شدائد و مصائب کا تذکرہ بھی ہوجاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گزرے ہیں۔ اور وہ مرثیے بھی ذکر کیے جاتے ہیں جنھیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں سے سُنا ہے۔ اس کے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ما حضر پر فاتحہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت میں اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہوجاتا ہے۔ اگر یہ سب چیزیں فقیر کے نزدیک اسی طریقہ سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر آل محمدؐ کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں فقط (گزشتہ سال کے سرفراز محرم نمبر میں شاہ صاحب کے اس خط کا ترجمہ ایک مضمون بعنوان "عزاداری شہید کربلا اور ڈیٹر مدینہ کا گمراہ کن فتویٰ" شائع ہوچکا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا

خود اُس کے قبیلہ کا ایک شخص کھڑا تھا۔ اُس کا نام قرہ بن قیس تھا۔ حُر نے اُس سے کہا "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلالیا؟" بعد میں قرہ کہا کرتا تھا حر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں۔ "میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے، میں ابھی جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حُر نے امام حسینؑ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔ اُس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا کہنے لگا "تمھاری خاموشی مشتبہ ہے، میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو تمھارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟" حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت منتخب کرلی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے

یہ خط اُن کی فقہ کی کتاب موسوم فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی دہلی کے صفحہ ۱۰۴ جلد اول پر موجود ہے۔ محرم نمبر کے مضمون میں خط مذکور کا بزبان اُردو ترجمہ تھا لیکن "معارف" اور شاہ صاحب کی فقہ کی کتاب میں فارسی کی مندرجہ بالا اصل عبارت بھی نقل کی گئی جس کی اصل تحریر جناب شاہ فخر عالم صاحب نے ڈھونڈھ نکالی ہے۔ (اخبار سرفراز ۱۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ صفحہ ۲)

شاہ عبدالعزیز صاحب موصوف کی ایک مستقل کتاب

ہندوستان کے مایۂ ناز علامہ اہل سنت جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے واقعہ کربلا کے متعلق ایک مستقل کتاب سرالشہادتین لکھی ہے جس کے بارے میں جناب نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے دعویٰ کیا ہے کہ "واقعہ شہادت امام حسینؑ کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب سرالشہادتین ہے جس کو جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے۔ گو بہت مختصر ہے مگر ایک ایک لفظ سونے سے لکھنے کے قابل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس پوری کتاب کو اور اس کا مکمل ترجمہ نقل کر دیا جائے۔ چونکہ اس کتاب "شہادۃ عظمیٰ" میں مولوی ابوالکلام آزاد صاحب کے رسالہ شہید اعظم کا ایک ایک حرف اوپر نقل کیا جارہا ہے اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بالکل علماء اہلسنت کے سردار و پیشوا جناب شاہ صاحب کے اس رسالہ سرالشہادتین کا بھی ایک ایک حرف نقل کر دیا جائے "تاکہ دونوں رسالوں کے مضامین کا مقابلہ آسانی سے کرکے حق و باطل سمجھ لیا جائے۔ واضح ہو کہ یہ ترجمہ مولوی خرم علی صاحب کا ہے جو سرالشہادتین کے ساتھ چھپا ہے اس طرح کہ اوپر ایک سطر عربی سرالشہادتین کی ہے۔ اس کے نیچے اس کا اُردو ترجمہ ہے۔ ہم اس ترجمہ کو عربی عبارت کے سامنے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اور اکثر مقام کے حاشیے بھی نقل کرتے جائیں گے جس کے دونوں طرف بریکٹ کا نشان ہوگا:۔

رسالہ سرالشہادتین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلم رحمک اللہ تعالیٰ ان الکمالات التی تفرقت علی الانبیاء علیہم السلام قد اجتمعت فی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقد اعطی الخلافۃ

ترجمہ رسالہ سرالشہادتین

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کو جانیے کہ جو کمالات اور خوبیاں جدا جدا اور پیغمبروں علیہم السلام میں تھیں سو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بالکل جمع ہوگئیں چنانکہ حضرت کو خلافت ملی جیسے کہ

کرڈالا جائے"۔ یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسینؓ میں پہنچ گیا! حضرت حسینؓ کی خدمت میں پہنچ کر کہا: "اے ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا، اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لیے کافی ہوگا؟" حضرت نے شفقت سے فرمایا "ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے، تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟" اس نے کہا "حُر بن یزید"۔ فرمایا "حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے"۔

کوفیوں سے حُر کا خطاب پھر حُر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا "اے لوگو! حسینؓ کی پیش کی ہوئی

کما اعطے اٰدم و داؤد علیہما السلام واعطے الملک کما اعطے سلیمان علیہ السلام۔ و اعطے الحسن کما اعطے یوسف علیہ السلام واعطے الخلۃ کما اعطے ابراھیم علیہ السلام واعطے الکلام کما اعطے موسیٰ علیہ السلام واعطے العبادۃ کما اعطے یونس علیہ السلام واعطے الشکر کما اعطے نوح علیہ السلام وقد زید لہ کمالات اُخر من انواع الولایۃ والمحبوبیۃ المطلقۃ والاصطفاء المطلق والرویۃ والقرب الاتم والشفاعۃ العظمیٰ والجہاد مع اعداء اللہ تعالیٰ الی غیر ذلک من الکمالات کالعلم الوسیع والعرفان الاتم والقضاء والفتیا والاجتہاد والاحتساب والقرأۃ وغیرھا۔ لکن بقے لہ کمال لم یحصل لہ بنفسہ وھی الشہادۃ والسر فی عدم حصولہا لہ بنفسہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لو استشہد فی الحرب لادے ذلک الی کسر شوکۃ الاسلام واختلال الدین فی نظر العوام۔ ولو استشہد غیلۃ وسرا

آدم اور داؤد علیہما السلام کو۔ اور حضرت کو سلطنت ملی (یعنی ریاست عام اور حکومت تام ۱۲ تحریر) جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو۔ اور حضرت میں حسن تھا جیسا یوسف علیہ السلام میں۔ اور حضرت میں خلّت تھی جیسے حضرت ابراہیمؑ میں اور حضرت سے خدا ہم کلام ہوا جیسے موسیٰؑ۔ اور حضرت عابد تھے جیسے یونسؑ۔ اور حضرت بڑے شکر گزار تھے جیسے نوحؑ بلکہ اس سے زیادہ حضرت میں اور کمالات تھے چنانچہ ولایت اور تصرفات ہر قسم کے اور سب طرح کی محبوبی اور سب کاموں کی مقبولی اور دیدار الٰہی اور نہایت خدا کی نزدیکی اور شفاعت کبریٰ اور کافروں سے جہاد۔ سوائے اس کے اور کمالات جیسے علم بے شمار اور پلے سرے کا عرفان اور قصے فیصل کرنا اور فتوے دینا اور اجتہاد اور محتسبی اور قرأت وغیرہ لیکن آپ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کی ذات میں حاصل نہ تھا یعنی شہادت۔ اور آپ کی ذات میں اس کے حاصل نہ ہونے کا یہ بھید تھا کہ اگر آنحضرتؐ جنگ میں شہید ہوتے تو شوکت اسلام کی ٹوٹ جاتی اور دین میں عوام کے نزدیک خلل پڑ جاتا۔ اور ناگہاں چپکے چپکے شہید ہو جاتے جیسے حضرت کے بعضے خلیفہ شہید ہوئے تو آپ کی شہادت منظور نہ ہوتی بلکہ پوری شہادت ہی

شرطوں میں کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچا لے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے۔" عمر نے کہا "میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا۔" اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی لیکن اس کے جواب میں انھوں نے تیر برسانا شروع کر دیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔" پھر تیر بازی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن امیہ اور عبداللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارزت طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہم دگر پیکار کرتے۔ لشکر حسینؑ سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر نکلنے لگے مگر حضرت حسینؑ نے انھیں

كما وقع لبعض خلفائه لم يتيسر لهم امر شهادته بل ولا تمت الشهادة لان تمام الشهادة ان يقتل الرجل فى الغربة و الكربة وان يعقر جواده ويلقى جثته مطروحة ويقتل حوله جمع كثير من اعزة اصحابه واقاربه وان ينهب ماله وان تؤسر نسائه وايتامه كل ذلك فى ذات الله - فاقتضت حكمة الله تعالى ان يلحق هذا الكمال العظيم بسائر كمالاته بعد وفاته وانقضاء ايام خلافته التى تنافى المغلوبية والمظلومية برجال من اهل بيته بل باقرب اقاربه واعز اولاده و من يكون فى حكم ابنائه حتى يلحق حالهم بحاله ويندرج كمالهم فى كماله فتوجهت عناية الله تعالى بعد انقضاء ايام الخلافة الى هذا الالحاق فاستنابت الحسنين عليهما السلام مناب جدهما عليه افضل الصلوات والتحيات -

نہ ہوتی اس واسطے کہ پوری شہادت اس کا نام ہے کہ آدمی مارا جاوے مسافری اور مشقت میں اور اُس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹی جاویں اور اُس کی لاش میدان میں پڑی رہے اور اُس کے گرداگرد بہت لوگ باعزت یاروں اور قریبوں سے مارے جاویں اور مال اُس کا لوٹا جاوے اور اُس کی بی بیاں اور یتیم لڑکے قید میں گرفتار ہوں اور یہ سب مصیبتیں صرف اللہ ہی کے واسطے ہوں۔ سو حکمت الٰہی اور اُس کی کارسازی نے چاہا کہ مل جاوے یہ بڑا کمال حضرت صلعم کے کمال میں بعد آپ کی وفات کے اور بعد گزرنے ایام خلافت کے کہ دنیا اور مظلومی اُس کے مناسب نہیں بواسطے بعضے مردوں اہل بیت کے بلکہ بواسطے اُس شخص کے جو بہت ہی قریب ہو حضرت کے اقربا میں اور نہایت ہی عزیز ہو آپ کی اولاد میں اور جو کہ بمنزلہ آپ کے بیٹوں کے ہو تاکہ مل جاوے اُن کا حال حضرت کے حال میں اور داخل ہو اُن کا کمال حضرت کے کمال میں، سو متوجہ ہوئی عنایت الٰہی بعد گزرنے دونوں خلافت کے اس کمال کے لانے پر تو نائب بنایا حسنین علیہما السلام کو نانا کے مقام پر اُن پر برتر درود اور رحمت۔ اور دونوں کو وہ اپنے بنائے

منع کیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہو کر عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لیے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا۔ آپ نے اس کی صورت دیکھ کر فرمایا "بے شک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبداللہ نے چند پھیروں میں دو دشمن زیر کر کے قتل کر ڈالے۔ اُس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لیے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی یکایک اسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، فرمایا اہلبیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"۔

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیے اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقا زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیزے سیدھے کر دیے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے۔ حضرت کی فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تیر مار کر

وجعلتهما مرآتين لملاحظته وخديين بجماله۔ ولما كانت الشهادة على قسمين شهادة سر وشهادة علانية قسمت عليهما۔ فاختص السبط الاكبر بالقسم الاول ولما كان امرها مستوراً لم يظهر لها ذكر في الوحي وابهم امرها عند الوقوع ايضاً حتى وقعت على يدي زوجته والزوجة من علائق المحبة دون العداوة۔ وكل ذلك لانه مبني على السر والاخفاء ولذلك لم يخبر به النبي صلى الله عليه وسلم ولا امير المومنين رضي الله تعالى عنه ولا غيرهما۔ واختص السبط الاصغر بالقسم الثاني۔ ولما كان مبني امره على الشهرة والاعلان انزل اولاً في الوحي على لسان جبريل عليه السلام وغيره

پرتو کمالِ محمدی کے۔ اور دو رخسارے ٹھہرائے جمالِ مصطفوی کے۔ اور چونکہ شہادت دو قسم پر تھی ایک تو شہادت پوشیدہ اور دوسری شہادت آشکارا دونوں پر بٹ گئی۔ تو مخصوص ہوئے بڑے صاحبزادے پہلی قسم کے واسطے اور جو وہ امر مخفی تھا جبرئیل علیہ السلام نے کبھی اُس کو مذکور نہ کیا۔ اور جب شہادت واقع ہوئی تو بھی شبہ ہی رہا یہاں تک کہ یہ حرکت واقع ہوئی حرم خاص سے حالانکہ بی بی علاقہ محبت سے ہے نہ کہ عداوت سے۔ اور یہ سب اسی واسطے ہوا کہ اُس شہادت کی بنا پوشیدگی پر تھی اور اسی واسطے جناب رسالت پناہ نبیؐ نے بھی اُس کی خبر دی تھی اور نہ امیر المومنین علیؓ نے اور نہ کسی اور نے۔ اور مخصوص ہوئے چھوٹے صاحبزادے دوسری قسم کی شہادت سے اور جو بنا اُس کی شہرت اور اعلان پر تھی اوّل وحی میں جبرئیل وغیرہ فرشتوں پر اُس کا مذکور ہوا۔ پھر بنا شہادت کے مکان کا اور اُس کا نام اور پتا اور شہادت کے وقت کا

کئی آدمی قتل اور زخمی کرڈالے ۔

عام حملہ اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی ۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے ۔ حضرت حسینؑ کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا، جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا " بے وقوفوا پہلے

من الملائکۃ ۔ ثم بتعیین المکان وتسمیتہ وتعیین الزمان ۔ وھو رأس الستین ثم اشتھر امرہ واعلن ذکرہ علی لسان امیر المؤمنین کرم اللہ وجھہ فی سفرہ الی صفین ۔ ثم لما وقعت واقعۃ الشھادۃ اشتھر امرھا بانقلاب التربۃ دماً وامطار الدم من السماء وھتف الھواتف بالمراثی ونوح الجن وبکائھم وطواف السباع حافظات لجثتہ ودخول الحیّات فی مناخر قاتلیہ الی غیر ذلک من اسباب الشھرۃ لیطلع الحاضرون والغائبون علی وقوعھا ۔ بل بابقاء البکاء والحزن المستمر وتذکر تلک الوقائع الھائلۃ فی امتہ الی یوم القیامۃ فقد بلغنص

یعنی انتہا رسنہ ۶۰ ہجری میں معلوم ہوا ۔ پھر اُس کا شہرہ بہت ہوا اور برملا ذکر کیا امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے صفین کے سفر میں (صِفّین نام ہے ایک موضع کا عراق میں فرات کے کنارے کہ وہاں حضرت علیؑ اور معاویہ میں جنگ عظیم غُرّہ صفر ۳۷ ہجری میں واقع ہوئی تھی ۱۲ محرر) ۔ پھر جب واقعہ شہادت کا واقع ہوا تو اس کا شہرہ اس طرح پر ہوا کہ مٹی خون ہو گئی (وہ مٹی کہ حضرت ام سلمہ کے پاس حضرت جبرائیل یا میکائیل کی لائی ہوئی تھی بلکہ بیہقی نے سیہری سے روایت کی کہ دن شہادت امام حسین علیہ السلام کے بیت المقدس میں جو ن سا پتھر اٹھایا گیا اُس کے نیچے تازہ خون تھا ۱۲) اور آسمان سے خون برسا اور آواز غیبی سے مرثیے سُنے گئے اور نوحہ اور رونا جنوں کا اور گھومنا درندوں کا گرد آپ کی لاش کے نگہبانی کے واسطے اور سانپوں کا گھُسنا قاتلوں کے نتھنوں میں ۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی شہرت کے اسباب تھے تا سب حاضر اور غائب اس واقعہ جاں گداز سے آگاہ ہو جاویں ۔ بلکہ بقائے دائمی اس رنج و الم کا اور مذکور ہونا ان مصائب دردناک کا زہری سے روایت ہے کہ جو جو شخص قتل امام حسینؑ میں شریک اور اس امر سے راضی تھے قطع نظر عذاب اُخروی سے طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہو کر اپنی سزائے اعمال کو دنیا ہی میں پہنچے اور عزت یا عبرت روزگار ہوئے بعضے کا منہ کالا ہوا ۔ بعضے قتل ہوئے، بعضے اندھے ہوئے، بعضے پیاس پیاس پکارتے مرگئے ۔ سدی سے روایت ہے کہ ایک جگہ

جان لو کہ کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انھیں مار سکتے ہو۔" عمرو بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ "مبارزہ موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔" چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے

نهاية الشهرة في الملأ الأعلى والأسفل والغيب والشهادة والجن والإنس والناطق والصامت۔ إذا تمهدت هذه المقدمة فلنذكر ما يتعلق بهذا الباب مع الإشارة إلى ما مهدنا من المقدمة فنقول أما كون السبطين ابني رسول الله صلى الله عليه وسلم فله وجهان۔ الأول أن ابن البنت له حكم الابن ولهذا يعد عيسى عليه السلام في بني إسرائيل والثاني التبني فقد ثبت بطرق متعددة أن النبيؐ قال هما ابناي. وروى أحمد في مسنده عن أبي إسحاق السبيعي عن هانيؒ بن هانيؒ عن أمير المؤمنين علي كرم الله وجهه قال لما ولد الحسن رضي الله تعالى عنه

ضیافت تھی۔ وہاں لوگوں میں مذکور ہوا کہ جو کوئی شریک قتل امام حسینؑ تھا البتہ کسی بلا میں دنیا ہی میں گرفتار ہوا۔ امیر مجلس کے منہ سے بے محابہ نکلا کہ وہ شخص حاضر معرکۂ کربلا میں تھا اور اب تک سب آفتوں سے محفوظ ہے۔ یہ بات اُس کے منہ سے پوری نہ نکلنے پائی تھی کہ ایک بار شعلہ چراغ سے نکلا اور بات کہتے ہیں اسے جلا کر کوئلہ کر دیا۔ اور حرمل شقی کا تیر علی اصغرؑ کی گردن پر لگا تھا اس عذاب میں گرفتار ہوا کہ اُس کے آگے کے دھڑ میں جلن تھی حد سے زیادہ اور پیچھے کے دھڑ میں سردی تھی بے حد۔ یہاں تک کہ اُس کے آگے کے بدن پر پانی ڈالتے تھے اور پنکھے جھلتے تھے۔ اور پیٹھ کے پیچھے تنور جلاتے تھے۔ مگر وہ ویسا ہی واویلا کرتا رہتا تھا اور مشکوں پانی پیتا تھا اور پیاس نہ بجھتی تھی ۱۲ تحریر الشہادتین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں تا قیامت ثمرہ اُسی ظاہری شہادت کا ہے تو بڑے مرتبے کا ثمرہ ہو گیا اس شہادت کا عالم بالا اور عالم خاک میں اور عالم غیب اور عالم شہادت میں۔ اور جن اور آدمیوں میں اور گویا اور خاموش میں (خاموش سے جانور اور درخت اور پتھر مراد ہیں۔ ؎

جن و انس ارض و سما و حور سے لے تا بہ ملک
کون وہ دل ہے کہ اس درد سے آگاہ نہیں)

جب تمہید اس مقدمہ کی ہو چکی تو ہم کو لازم ہوا ذکر کرنا اس کا جو

نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسینؑ دوڑ کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا "مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا! مسلم ابن عوسجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے۔ (ابن جریر۔ کامل)

جاء رسول اللہؐ فقال ارونی ابنی ما سمیتموہ۔ قلت سمیتہ حربا۔ قال بل ھو حسن۔ فلما ولد الحسین قال ارونی ابنی ما سمیتموہ۔ قلت حربا۔ قال بل ھو حسین۔ فلما ولد الثالث قال ارونی ابنی ما سمیتموہ۔ قلت حربا۔ قال بل ھو محسن۔ ثم قال انی سمیتھم باسماء ولد ھارون شبر و شبیر و مشبر۔ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والدار قطنی فی الافراد والحاکم والبیہقی وابن عساکر کلھم عن علی کرم اللہ وجہہ۔ واخرج البغوی والطبرانی عن سلمان رضی اللہ تعالی عنہ مثلہ۔ وفی القاموس شبر کبقم و شبیر کقمیر و مشبر کمحدث ابناء ھارون علیہ السلام۔ و اما کونھما مراتین لملاحظتہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن وجھین۔

علاقہ رکھتا ہے اس باب سے مع اشارہ اُن مضامین کے کہ جن کا تمہید میں مذکور ہو چکا۔

امام حسنؑ و امام حسینؑ کا فرزندانِ رسولؐ ہونا

سو ہم کہتے ہیں کہ ہونا دونوں صاحبزادوں کا بیٹے جناب پیغمبر کے اس دعوے کی دو دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ نواسہ بجائے بیٹے کے ہوتا ہے اور اسی جہت سے عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کہلائے (یعنی یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں گنے گئے) حالانکہ بے باپ کے تھے فقط ماں کی طرف سے بنی اسرائیل کہلائے۔ تو اسی طرح جناب حسنینؑ بواسطہ ماں کے ابن رسول اللہؐ ٹھہرے ۱۲ منہ) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت نے دونوں کو متبنّیٰ کیا تھا سو چنانکہ بہت روایتوں سے ثابت ہوا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ اور روایت کی احمد نے اپنی کتاب مسند میں ابو اسحاق سبیعی سے اُس نے ہانی بن ہانی سے۔ اُس نے امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے کہ

امام حسن و امام حسینؑ کا نام رکھا جانا

جب پیدا ہوئے امام حسن رضؓ تشریف لائے جناب رسالت مآب اور فرمایا دکھلاؤ میرے بیٹے کو۔ کیا نام رکھا ہے تم نے؟ میں نے عرض کیا نام رکھا ہے اس کا میں نے حرب۔ حضرت نے فرمایا بلکہ نام اس کا حسن ہے۔ پھر جب پیدا ہوئے امام حسینؑ حضرت نے فرمایا دکھلاؤ میرے بیٹے کو کیا نام رکھا ہے تم نے۔ میں نے عرض کیا کہ

گھوڑے بے کار ہوگئے میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر بن ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف بتیس سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کر لیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی۔

حرب۔ فرمایا حضرتؐ نے بلکہ اس کا نام حسینؑ ہے۔ پھر جب پیدا ہوئے تیسرے صاحبزادے حضرتؐ نے فرمایا دکھلاؤ میرے بیٹے کو کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حرب۔ فرمایا حضرت نے بلکہ اس کا نام محسن ہے۔ پھر حضرت نے ارشاد کیا کہ میں نے ان کے نام رکھے ہیں اولاد ہارونؑ کے ناموں پر یعنی شبر اور شبیر اور مشبر اور اسی کو روایت کیا طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اور دارقطنی نے کتاب الافراد میں اور حاکم بیہقی اور ابن عساکر نے سب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور روایت کیا محی السنۃ بغوی اور طبرانی نے ایسے ہی عبدالمطلب کو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اور قاموس میں ہے شبر القم کے وزن پر اور شبیر قمیر کے وزن پر اور مشبر محدث کے وزن پر بیٹے ہیں ہارون علیہ السلام

امام حسنؑ و امام حسینؑ کا پرتو جمال محمدی صلی اللہ علیہ و آلہٖ ہونا پر ہونا حسنینؑ کا آئینہ واسطے پرتو جمال محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دو دلیل سے ثابت ہے۔ اول بہ جہت سیادۃ مطلقہ یعنی ہر طرف کی سرداری ۱۲ مترجم) چنانچہ روایت کی نسائی اور رویانی اور ضیاء مقدسی نے حذیفہؓ سے اور ابویعلیٰ نے ابی سعید سے اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر سے اور ابن عدی نے عبداللہ بن مسعود سے اور روایت کی ابونعیم نے علی مرتضیٰ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں عمر فاروقؓ سے اور جابر اور براء اور اسامہ بن زید اور مالک بن حویرث سے اور دیلمی نے انس سے اور روایت کی ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور ابی رمثہ سے کہ

الاول من جھة السيادة المطلقة فقد اخرج النسائي والروياني والضياء عن حذيفة وابويعلى عن ابي سعيد وابن ماجة عن بن عمرو ابن عدي عن ابن مسعود وابونعيم عن علي والطبراني في الكبير عن عمر وجابر والبراء واسامة بن زيد ومالك ابن الحويرث والديلمي عن انس وابن عساكر عن عائشة وابن عمر وابن عباس وابي رمثة ان رسول الله قال الحسن والحسين سيد اشباب اهل الجنة وزاد ابن ماجة وغيره وابوهما خير منهما وعند الطبراني و ابوهما افضل منهما۔ وزاد الحاكم وابن حبان وغيرهما الاابني الخالة عيسى ابن مريم ويحيى ابن زكرياء ومن متفرعات هذه لمـ آنية كون محبتهما محبته

بہت سے سپاہی اور پانچ سو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانے شروع کردیئے، تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بے کار ہو گئے اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔

حُر کی شجاعت ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے

امام حسنؑ و حسینؑ کا سردار جوانانِ بہشت ہونا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ سردار ہیں بہشتی جوانوں کے (یہ حدیث سیادۃ مطلقہ کی اتنے طریقوں سے مروی صحابہ کیا ہے کہ تواتر کی حد کو پہنچی ہے ۱۲ تحریر) اور ابن ماجہ وغیرہ نے اتنی روایت بیان کی ہے کہ باپ ان دونوں کا بہتر ہے ان دونوں سے۔ اور طبرانی نے یہ بڑھایا ہے کہ باپ ان دونوں کا ان سے فاضل تر ہے۔ اور حاکم اور ابن حبان وغیرہ نے اتنی روایت اور بھی زیادہ کی ہے سوائے دو خالہ زاد بھائیوں کے یعنی عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ ابن زکریا۔

حسنین کی عداوت خدا و رسولؐ کی عداوت ہے اور اس آئینہ محمدی ہونے کا اثر یہ ہے کہ محبت حسنین بعینہ محبت رسول خدا ہے اور عداوت ان کی گویا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت ہے چنانچہ روایت کی ابن عساکر وغیرہ نے عبد اللہ بن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا جس نے حسنین سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے رکھی اور جس نے ان سے عداوت رکھی تو اس نے مجھ سے رکھی (اور چونکہ دوستی رسولؐ کی بعینہ دوستی خدا کی ہے اور دشمنی خدا کی ہے۔ پس حسنین کی محبت محبت خدا ہے۔ اور بغض حسنین بغض خدا ہے ۱۲ تحریر)۔

امام حسنؑ و حسینؑ کا مشابہ رسولؐ ہونا اور دوسری وجہ مشابہت ظاہری ہے گویا حسنینؑ حضرت کی دو تصویریں تھے ظاہر میں (یعنی جیسا اخلاق میں حسنین مشابہ حضرت صلعم کے تھے ویسا ہی ظاہر صورت میں بھی مشابہت رکھتے تھے ۱۲ تحریر) چنانچہ روایت کی بخاری نے

وبغضهما بغضه صلی الله علیه وآله وسلم كما وقع فی روایة ابن عساكر وغیره عن ابن عباس من احبهما فقد احبنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی۔ والثانی من جهة مشابهة الصورة فانهما كانا كالتصویر له فی الظاهر ایضا فقد اخرج البخاری عن انس قال لم یكن احد اشبه بالنبیؐ من الحسن بن علیؓ علیهما السلام وقال فی الحسین ایضا كان اشبههم برسول الله۔ وروی هذا الحدیث مفصلا الترمذی عن علی كرم الله وجهه وصححه قال الحسن اشبه برسول الله ما بین الصدر الی الراس والحسین اشبه بالنبیؐ فی ما كان اسفل من ذلك۔

زخمی کیا تھا، میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کر ڈالا - حُر بن یزید زمین پر کود پڑے - تلوار ہاتھ میں تھی - بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے - تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا ؎

ان تعقروا بی فانا ابن الحر ‍ ‍ ‍ اشجع من ذی لبد ھزبر

واخرج الترمذی ان النبیؐ اخذ الحسن والحسین فقال من احبنی واحب ھذین و اباھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیامة وقال ھذا حدیث منکر - وقال جعفر بن محمد من ابیہ قال حج الحسن خمس عشر حجة ماشیا ونجائبہ تقاد بین یدیہ وخرج من مالہ للہ مرتین وقاسم للہ مالہ ثلاث مرات حتیٰ انہ کان یعطی نعلا ویمسک نعلا ویعطی خفا ویمسک خفا وکان وفاتہؓ سنة تسع واربعین علی ارجح الاقوال فی اول ربیع الاول اوفی اٰخر صفر و ھو المشھور وسبب موتہ ان زوجتہ جعدة بنت الاشعث بن قیس سمتہ باغواء یزید بن معاویة وکان یزید ضمن لھا

انس رضی سے کرتا تھا کوئی اشابہ تر ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن بن علی علیہما السلام سے - اور حسین ابن علی میں بھی کہا کہ سب سے زیادہ مشابہ تھے ساتھ رسول اللہؐ کے (یعنی شکل اور صورت میں ۱۲ تحریر) اور اس حدیث کو ترمذی نے منقل جناب امیر علی کرم اللہ وجہہ سے بہت صحیح نقل کیا ہے کہ حضرت امیر نے فرمایا کہ حسنؑ بہت مشابہ ہیں حضرت رسول اللہؐ کی چھاتی سے سر تک - اور حسینؑ بہت مشابہ ہیں حضرت نبیؐ کے سینے سے قدم تک (گویا کہ ایک جان دو قالب تھے - پس دونوں مل کے گویا کہ آپ کی ایک تصویر تھی - اس تفصیل کی حدیث سے تعارض دونوں روایتوں بخاری کا جاتا رہا ۱۲ تحریر الشاذین ۱۲) اور روایت کی ترمذی نے کہ حضرت نبیؐ نے حسنینؑ کو اٹھا لیا اور فرمایا کہ جو مجھ کو دوست رکھے گا اور ان دونوں کو دوست رکھے گا اور ان کے ماں باپ کو دوست رکھے گا تو وہ شخص میرے ساتھ ہوگا روز قیام میں اور کہا : حدیث منکر ہے (پوشیدہ نہ رہے کہ معنے حدیث منکر کے اصطلاح محدثین میں یہ ہیں کہ راوی غیر ثقہ برخلاف اور ثقات کے روایت کرے - اور قسم ضعیف حدیثوں کا ہے - لیکن جب اِس حدیث نے ساتھ روایات ابن حبان اور امام محمد بن حنبل وغیرہ کے تقویت پائی تو یہ حدیث حسن ہوئی قابل سند پکڑنے کے ۱۲ تحریر)

امام حسنؑ کے ذاتی فضائل

اور روایت کی امام جعفر صادقؑ نے اپنے باپ امام محمد باقرؑ سے کہ امام حسن علیہ السلام نے پندرہ حج پیادہ کیے اور باپ کے اپنے کوتل گھوڑے آگے چلے جاتے تھے

اگر تم نے میرا گھوڑا بے کار کر دیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں۔

خیمے جلا دیئے لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہوگئی مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کر دیئے تھے

ان تیزوجها ففعلت۔ فمرض الحسنؑ اربعین یوم ثم مات۔ فبعثت جعدة الی یزید تسأله الوفاء بما وعدها فقال انا لم نکن نرضاك للحسن افنرضاك لانفسنا فصارت ممن خسر الدنیا والاخرة ذلك هو الخسران المبین وکان مرضه الاسهال الکبدی وتقطع الامعاء۔ ولما حضرته الوفاة جاء الحسینؑ فقال ای اخی من صاحبك قال تریدقتله قال نعم۔ قال لئن کان صاحبی الذی اظن الله اشد له نقمة وان لم یکنه ما احب ان تقتل لی بریئا۔ ثم قال سقیت السم مرارا وما سقیت مرة اشد من هذه وکان عمره الشریف خمسة واربعین سنة وستة اشهر۔ الا ایاما۔ وقد ولد للنصف من شعبان سنة

(یعنی باوجود ہونے سواریوں متعدد کے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک پیادہ پا منزلیں طے کرتے تھے ۱۲ تحریر) اور دوبار تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں دے ڈالا۔ اور تین بار آدھا آدھا مال راہِ خدا میں تقسیم کیا یہاں تک کہ ایک دے ڈالا جوتا اور ایک رکھا۔ اور ایک موزہ دیا اور ایک رکھا (اس طرح کا آدھوں آدھ دینا نفس پر سب دے ڈالنے سے زیادہ شاق ہے ۱۲ تحریر)

امام حسنؑ کی شہادت اور وفات ہوئی امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنہ ۴۹ ہجری میں بروایت قوی اول ربیع الاول کو یا آخر صفر میں اور یہی مشہور ہے (یعنی امام حسن علیہ السلام کی وفات کا دن تحقیق سنہ ۴۹ غرہ ربیع الاول ہے۔ اور مشہور اٹھائیسویں صفر کی۔ اور بعضوں نے کہا ہے سنہ ۵۰ ہجری میں پانچویں ربیع الاول ۱۲) اور سبب وفات جناب امام حسن کا یہ ہوا کہ آپ کی حرم جعدہ بنت اشعث بن قیس نے زہر دیا آپ کو بہ اغوائے یزید شقی ابن معاویہ کے۔ اور یزید نے اس بات پر اس کے ساتھ نکاح کا وعدہ کیا تھا، پھر اس نے ویسا ہی کیا (یعنی حضرت حسنؑ کو اس لالچ سے زہر دیا شعر ؎

دنیا کے لیے جو دین کو کھوئے سو دونوں جہان کو وہ ڈبوئے ۱۲ منہ)

تو بیمار رہے حضرت حسنؑ چالیس روز پھر انتقال فرمایا۔ بعد اس کے جعدہ نے یزید پلید کو پیغام بھیجا کہ اپنا وعدہ پورا کرے تو یزید نے جواب دیا کہ نہ تھے ہم راضی کہ تو حسن کے پاس رہے۔ بھلا اپنی جان کے واسطے ہم کب راضی ہوں گے؟ سو ہوگئی وہ کم بخت اُن لوگوں سے جنھوں نے

اور دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتا تھا ۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑنے
کے لیے آدمی بھیجے حسینی فوج کے صرف ۴ - ۵ آدمی یہاں مقابلے کے لیے کافی ثابت ہوئے
خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے کے لیے ۔ جب یہ صورت بھی ناکامیاب ہی تو عمر بن سعد نے

ثلاث من الهجرة على الصحيح
وقيل في رمضان هذا اما يتعلق
بالشهادة السرية التي اختص
بها السبط الاكبر واما الشهادة
الجهرية التي اختص بها السبط
الاصغر فهي من اكبر الوقائع
المشهورة وسبب شهرتها كونها
جهرية وسببها انه لما تملك
يزيد وتسلطن وذلك في رجب
سنة ستين بدمشق كتب
الى الاقاليم لاخذ البيعة له
وكتب الى عامله بالمدينة الوليد
بن عقبة ان ياخذ البيعة من
الحسين عليه السلام فامتنع
الحسين عليه السلام من بيعته
لانه كان فاسقا مدمنا للخمر
ظالما وخرج الحسين الى مكة
لاربع خلون من شعبان فدخل
مكة واقام بها ولما وصل الخبر
الى اهل كوفة اتفق منهم جميع
كثير وكتبوا الى الحسين عليه السلام

دین و دنیا دونوں برباد کیے اور یہ نقصان ہر صریح ۔ اور آپ کی بیماری یعنی کہ
جگر اور انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دستوں میں نکلتی تھیں ۔ اور جب آپ کی
وفات ہونے لگی تو جناب امام حسینؑ نے آ کے پوچھا کہ اے بھائی میرے
تیرے پاس کون تھا جس نے یہ حرکت کی؟ (یعنی آپ کو زہر کس نے پلایا؟
تحریر) ۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ تم اُس کو مارا چاہتے ہو؟ حسینؑ نے کہا ہاں
امام حسنؑ نے فرمایا کہ اگر وہی ہے قاتل میرا جو میرے گمان میں ہے تو اللہ
بڑا بدلہ لینے والا ہے (یعنی خدا جو منتقم حقیقی ہے کفایت کرتا ہے) ۔ تمہارے
مارنے کی کچھ حاجت نہیں شعر ؎

واہ کیا دسپلم ہے اپنا تو جگر ٹکڑے ہوا ۔۔۔ پھر بھی ایذائے ستم کرکے روادار نہیں

اور اگر وہ قاتل نہیں جس پر میرا گمان ہے تو میں نہیں چاہتا کہ تم بے گناہ کو
مارو میرے واسطے ۔ بعد اس کے امام حسنؑ نے فرمایا کہ مجھ کو کتنی بار زہر پلایا گیا
پر ایسا سخت کبھی نہیں پلایا (یہ اشارہ اس کا تھا کہ آپ جیا تھے یا اس ؟
فصل الخطاب میں نقل کیا ہے کہ امام حسنؑ کو چھ بار زہر دیا ۔ پانچ دفعہ اثر نہیں
کیا ۔ چھٹی دفعہ کارگر ہوا ۱۲ تحریر) اور تعیٰ عمر شریف آپ کی ساڑھے سینتالیس
(۴۵½) برس کی کچھ دن کم ۔ اور آپ پیدا ہوئے ۱۵ شعبان ۳ ہجری میں
بموجب روایت صحیح کے ۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ رمضان میں پیدا
ہوئے (بموجب شمار ایام شریف کے ترجیح روایت ۱۵ رمضان شریف کی
ثابت ہوتی ہے ۱۲ تحریر الشہادتین) یہ ماجرا شہادت مخفی کا تھا جو بڑے
صاحبزادے کو مخصوص ہوئی ۔

امام حسینؑ کی شہادت کی تفصیل

یہ شہادت ظاہری جو مخصوص ہوئی
چھوٹے صاحبزادے کو سو وہ بڑا قصہ مشہور ہے ۔ اور شہرت کا سبب یہ ہے کہ

خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا - سپاہی آگ لے کر دوڑے - حُسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی مگر حضرت حُسینؑ نے فرمایا "کچھ پروا نہیں - جلانے دو - یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے - اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے" اور ہوا بھی یہی -

ید عونه الیهم ویبذلون له بالقیام بین ایدیهم بانفسهم واموالهم وبالغوا فی ذلك وتتابعت الیه نحو مائة وخمسین كتابًا من كل طائفة وجماعة فسیّر الیهم ابن عمه مسلم بن عقیل وحثهم علی نصرته وحمایته فلما وصل مسلم الكوفة نزل فی دار المختار ابن عبید وبایع الحسین علی یدیه خلق كثیر اكثر من اثنی عشر الفا فاطلع علی ذلك النعمان بن بشیر والی الكوفة من جانب یزید وكان صحابیا فهدد الناس علی ذلك لكن اكتفی بمجرد التهدید ولم یتعرض لاحد فكتب مسلم بن یزید الحضرمی وعمارة ابن الولید بن عقبة الی یزید یخبر انه عن

اُس کا نام ہے شہادت ظاہری اور سبب شہادت کا یہ ہوا کہ جب یزید پلید مالک اور بادشاہ بنا ماہ رجب سنہ ۶۰ ہجری میں شہر دمشق میں تو اُس نے نامے لکھے سب ملکوں میں بیعت لینے کے واسطے اور لکھا عامل کو جو مدینہ میں تھا یعنی ولید بن عقبہ کو کہ بیعت لیوے حسین علیہ السلام سے - سو انکار کیا حسینؑ نے اُن کی بیعت سے اس واسطے کہ تھا یزید مرد فاسق، شرابی، ظالم (جس مسلمان کو رضا انبیاء مرسلینؑ اور ائمہ طاہرین کی منظور ہو اُسے لازم ہے امتثال امر آلہی اور اجتناب منہیات اور بدعات کو شعار اپنا کرے اور انھیں کے طریقے پر چلے - ورنہ انبیاء اور ائمہ فاسقوں اور فاجروں سے ایسا ہی بیزار ہوں گے جیسے یزید پلید سے ۱۲ تحریر الشہادتین) - اور کوچ کیا امام حسینؑ نے مکہ کی طرف چوتھی تاریخ شعبان کی پھر مکہ میں پہنچے اور وہاں ٹھہرے -

کوفہ والوں کا حضرت کو بلانا اور جب یہ خبر کوفہ والوں کو پہنچی تو اکٹھا کیا اُس میں سے بہت گروہوں نے اور لکھا جناب امام حسین علیہ السلام کو کہ آپ آکے ہمارے پاس ٹھہریں، ہم مدد کو جان اور مال سے حاضر ہیں - اور بہت مبالغہ اس میں کیا اور تار بندھا خطوں کا آپ کی طرف قریب ڈیڑھ سو خط کے ہر ایک فرقہ اور گروہ کی طرف سے -

جناب مسلم کا کوفہ جا کر شہید ہونا پھر روانہ کیا امام نے اُن کی طرف چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو اور اُن کو تاکید کی

اُمِّ وہب کا قتل اسی اثناء میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردستی حملہ کیا اور اس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دیئے۔ مگر کب تک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہو گیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جا چکے تھے

امر مسلم ومیل اهل الکوفة الیه وتغافل النعمان بن بشیر عنه۔ فعزل یزید النعمان وولی مکانه عبید الله بن زیاد وکان والیا علی البصرة فتوجه عبید الله ابن زیاد من البصرة الی الکوفة ودخلها لیلا من جهة البادیة فی لباس اهل الحجاز واوهم انه الحسین علیه السلام فاستقبله الناس فی ظلمة اللیل وسلموا علیه ومشوا بین یدیه وقالوا مرحبا بك یا ابن رسول الله۔ قدمت خیر مقدم۔ فسکت حتی دخل دار الامارة۔ فلما اصبح جمع الناس وقرء علیهم منشور الایالة وهددهم وحذرهم عن مخالفة یزید وفرق جماعة مسلم بن عقیل بالحیلة والتدبیر واختفی مسلم فی دار هانئ بن عروة۔ فارسل عبید الله محمد

مُسلم کی مدد اور حمایت پر۔ پھر جب پہنچے مسلم کوفہ میں اُترے گھر میں مختار بن عبید کے اور بیعت کی امام حسینؑ کی مُسلم کے ہاتھ پر بہت خلقت نے زیادہ بارہ ہزار آدمیوں سے (اور ایک روایت میں اٹھارہ ہزار اور ایک روایت میں تیس ہزار اور ایک روایت میں چالیس ہزار ۱۲ تحریر الشہادتین)۔ پھر اس کی خبر ہوئی نعمان بن بشیر کو جو کوفہ میں حاکم تھے یزید کی طرف سے اور تھے وہ صحابی، سو دھمکایا لوگوں کو اس بیعت سے لیکن فقط دھمکی پر ٹالا اور کسی کا تعرض نہ کیا تو (یعنی جب تغافل نعمان کا سب پر ظاہر ہوا ۱۲ تحریر) لکھ بھیجا مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو خبر مسلم کے حال کی اور رجوع اہل کوفہ کی اس کی طرف اور غفلت کرنا نعمان بن بشیر کا۔ سو معزول کیا یزید نے نعمان کو اور اس کی جگہ کوفہ کا حاکم کیا عبید اللہ بن زیاد کو، اور وہ پہلے حاکم تھا بصرے کا۔ پھر چلا عبید اللہ بن زیاد بصرے سے کوفہ کو (خلاصۂ حال یہ ہے کہ جب کوفیوں نے بیعت اور اطاعت حضرت مسلم کی اختیار کی اور حضرت امام حسینؑ کے آنے کے جان و دل سے مشتاق ہوئے اور آنحضرتؑ کے آنے کی خبر ہر طرف مشہور ہوئی اس کو سُن کے یزید پلید نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ اگر حسینؑ کوفہ میں آئے تو ایک ملکِ عراق ہمارے ہاتھ سے گیا بلکہ ساری سلطنت میں خلل پڑا۔ اُن مردودوں نے یہ صلاح بتائی کہ نعمان بن بشیر کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے ایسے کو حاکم کیا چاہیے کہ جماعت مسلم کو قتل کرے اور جڑ فتنہ و فساد کی کھودے۔ آخر سزاوار اس کام کا عبید اللہ

حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر الکلبی بھی جس کا ذکر اوپر گزر چکا تھا۔ اُس کی بہادر بیوی اُم وہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی اور اور یہ کہتی جاتی تھی "تجھے جنت مبارک ہو!" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔ (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ)۔

بن الاشعث مع فوج الی دارہ فاتوا بهانئ بن عروة فحبسه وحبس جميع رؤساء الكوفة عنده فی القصر واتی الخبر مسلما فنادی شعاره فاجتمع معه اربعون الفا واحاطوا حول القصر۔ فامر عبيد الله الاساری من رؤساء الكوفة ان يكلموا عشائرهم ويردوهم عن رفاقة مسلم فكلموهم۔ فتفرقوا كلهم وامسی مسلم فی خمس مائة۔ فلما اختلط الظلام ذهب اولئك ايضا وبقی مسلم وحده۔ فتردد فی الطريق فاتی منزل امرأة فاستسقاها فسقته وادخلته فی منزلها۔ وكان ابنها مولی محمد بن الاشعث فانطلق فاخبر محمد او اخبر محمد عبيد الله فبعث عبيد الله عمرو بن حريث صاحب الشرط و

بن زیاد تجویز ہوا۔ یزید نے اس کو لکھا کہ اپنے کو جلد تر بصرہ سے کوفہ میں پہنچا کے مسلم کو مع توابع اور لواحق مار ڈال۔ اور حسینؑ بیعت کریں تو بہتر ورنہ اُن کو بھی شربت شہادت پلا۔

ابن زیاد کا حاکم کوفہ ہونا جب نامہ ابن زیاد کے پاس پہنچا اُس نے اپنا قائم مقام اپنے کو بصرہ میں کر کے آپ عازم کوفہ کا ہوا۔ جب قادسیہ میں پہنچا اپنی فوج کو وہیں چھوڑا اور آپ حجازیوں کے لباس میں عمامہ سر پر باندھ کے ایک اونٹ پر سوار ہو کے چند آدمیوں کے ساتھ جس راہ سے کہ قافلہ حجازیوں کا آتا تھا مغرب اعشا کے درمیان کوفہ میں داخل ہوا۔

ابن زیاد کا کوفہ پہنچنا کوفہ والے کہ ہر وقت منتظر تشریف لانے امام حسینؑ کے رہتے تھے انھوں نے اس فریب سے دھوکا کھایا کہ یہ امام حسینؑ ہیں۔ سبھوں نے اس کا استقبال کیا اور اُسے سلام کیا اور مرحبا کہا اور اُس کے آگے دوڑتے چلے اور وہ کچھ نہ بولا یہاں تک کہ حاکم نشین مکان میں داخل ہو گیا۔ اور اُس کی غرض یہی تھی کہ لوگ اُس کو نہ پہچانیں اور ایک بار اُس پر غلبہ کر کے فتنہ اور فساد نہ کریں (۱۲ تحریر)۔ اور پہنچا وہاں رات کو جنگل کی طرف سے حجازیوں کے لباس میں اور دھوکا دے کر آپ کو حسین علیہ السلام بنایا۔ سو پیشوائی کی لوگوں نے اندھیری رات میں اور سلام کیا اُس کو اور چلے آگے آگے اُس کے اور کہتے تھے خوب آئے آپ اے فرزند رسول اللہ آنا تمھارا مبارک ہو۔ سو چپکا رہا یہاں تک کہ پہنچ گیا

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسینؑ سے عرض کیا: "دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا ہے - واللہ آپ اُس وقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب

محمد بن الاشعث فاحاطا بالدار فخرج مسلم بسیفه یقاتلهم فاتاه محمد بن الاشعث الامان. فجاء به الی عبید الله فضرب عنقه والقیٰ جثته الی الناس وصلب هانئا وکان ذلك لثلث خلون من ذی الحجة سنة ستین من الهجرة - و قتل عبید الله محمدا وابراهیم ابنی مسلم ایضا معه وفی ذلك الیوم خرج الحسین علیه السلام من مکة الی الکوفة - وقیل کان خروجه یوم الترویة - و کان سبب خروجه ان مسلم بن عقیل کان قد کتب الیه یلتمس قدومه. ولما تجهز بالخروج منعه عن ذلك ابن عباس وابن عمر وجابر وابو سعید الخدری وابو واقد اللیثی فلم یمتنع بمنعهم وقال انی سمعت ابی یقول سمعت

حاکم نشین مکان میں - پھر جب صبح ہوئی تو جمع کیا ابن زیاد نے لوگوں کو اور پڑھ رہے رو برو اُن کے اپنی حکومت کی سند اور بہت دھمکایا اور ڈرایا اُن کو یزید کی مخالفت سے اور پھوٹ ڈال دی جماعت مسلم بن عقیل میں حیلے اور تدبیر سے (یعنی فقط زبانی تقریر اور دھمکی سے مسلم کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ۱۲ تحریر) اور چھپ رہے مسلم گھر میں ہانی بن عروہ کے - پھر بھیجا عبید اللہ بن زیاد نے محمد بن اشعث کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ ہانی کے گھر پر - سو وہ پکڑ لائے ہانی بن عروہ کو پھر اُس کو قید کیا اور قید کیا سب رئیسوں کوفہ کو اپنے پاس ایک محل میں - اور جب مسلم کو یہ خبر پہنچی تو پکارا مسلم نے اپنے گروہ کو سو جمع ہو گئے اُس کے ساتھ چالیس ہزار اور گھیر لیا انھوں نے اُس محل کو - پھر حکم کیا عبید اللہ بن زیاد نے قیدی

کوفیوں نے حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا

رئیسوں کوفہ کو تا سمجھا دیں اپنے لوگوں کو اور پھیریں ان کو رفاقت سے مسلم کی - چنانچہ اُن کے سمجھانے سے تتر بتر ہو گئے سب لوگ اور شام تک ساتھ رہ گئے مسلم کے فقط پانسو آدمی - جب اندھیرا ہوا تو چمپت ہوئے وہ بھی اور مسلم اکیلے رہ گئے (منقول ہے کہ جب حضرت مسلم نے کوفہ کی مسجد میں نیت فرض مغرب کی باندھی تو آپ کے سا پانسو آدمی تھے اور جب سلام پھیرا ایک بھی نہ تھا - ایسی جلدی بھاگ گئے ۱۲ تحریر) تو متردد ہوئے راہ میں (یعنی ٹھکانے کی تلاش میں ۱۲) پھر پہنچے ایک عورت کے گھر پر (اس کا نام طوعہ تھا) پیاس کی شدت میں اُس سے پانی مانگا، اُس نے پانی پلایا ۱۲

نماز پڑھ کر ملوں جس کا وقت آگیا ہے"۔ یہ سُن کر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں"۔ مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگا دی تھی

رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان كبشا يستحل به مكة فلا اكون ذلك الكبش۔ و سار مع اثنين وثمانين نفسا من اهل بيته وشيعته و مواليه۔ فسمع فى اثناء الطريق بقتل مسلم وتفرق جماعته۔ فقصد الرجوع فقال بنو عقيل والله لا نرجع حتى نصيب بثارنا او نقتل فقال الحسينؑ لا خير فى الحيٰوة بعدكم۔ ثم سار نحو العراق حتىٰ اذا كان على مرحلتين من الكوفة لقيه الحر بن يزيد الرياحى ومعه الف فارس من اصحاب ابن زياد شاكى السلاح۔ فقال للحسين عليه السلام ان عبيد الله ابن زياد قد ارسلنى اليك و امرنى ان لا افارقك حتى اقدم بك اليه وانا والله كاره۔ فقال له الحسين عليه السلام

سعادت جان کر اپنے گھر میں رکھا ۱۲ تحریر)۔ اُس سے پانی مانگا سو اُس نیک بخت نے پانی پلایا اور چھپا رکھا مسلم کو اپنے گھر میں۔ اور تھا بیٹا اُس عورت کا چیلا محمد بن اشعث کا۔ اُس نے جا کر اپنے میاں کو خبر دی اور اُس نے عبید اللہ ابن زیاد سے یہ حال کہا۔ پھر بھیجا عبید اللہ بن زیاد نے عمرو بن حریث کو ذکے کوتوال کو اور محمد بن اشعث کو۔ اُس نے جا کر گھیر لیا گھر کو تو نکلے مسلم تلوار لے کر اور لڑنے لگے۔ پھر دی مسلم کو محمد بن اشعث نے امان اور لے گیا

حضرت مسلمؑ کی شہادت

پاس عبید اللہ بن زیاد کے۔ سو اُس شقی نے گردن ماری مسلم مظلوم کو اور اُن کی لاش ڈلوا دی لوگوں کے روبرو اور سولی دی ہانی کو اور تھا یہ واقعہ تیسری تاریخ ذی حجہ ۶۰ھ میں اور شہید کیا ابن زیاد نے محمد اور ابراہیم دونوں بیٹوں مسلم کو ساتھ اُن کے (کہتے ہیں جب عمرو بن حریث اور محمد بن اشعث نے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ گھر طوعہ کا گھیر لیا اور چاہا کہ مسلم کو گرفتار کر لیں مسلم نے گھر سے نکل کر تلوار لی اور بہتوں کو زخمی کیا اور بعض کو بجہنم سیاہ پہنچایا۔ ابن اشعث نے دیکھا کہ بنی ہاشم سے مقابلہ دشوار ہے، مسلم کو امان دے کر مع دونوں بیٹوں آں حضرتؑ کے ابن زیاد پاس لے چلا۔ اس شقی نے ملاقات سے پہلے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جب مسلم دروازے میں داخل ہوں اُن کا سر کاٹ بھیجو۔ چنانچہ دروازے کے دونوں طرف لوگ تلواریں کھینچے کھڑے ہوئے تھے کہ مسلم آیۂ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین پڑھتے ہوئے دروازے میں گھسے۔ ان شقیوں نے شربتِ شہادت کا

غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہو گئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد حُر بن یزید کی باری تھی، وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے ؎

آلیت لا اقتل حتے اقتلا   ولن اصاب الیوم الا مقبلا

(میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہوں گا جب تک قتل نہ کر لوں، اور مروں گا تو اسی حال میں مروں گا کہ آگے بڑھ رہا ہوں)۔

انی لما اقدم هذا البلد حتی
اتتنی کتب اهله وقدمت علی
رسلهم وانتم من اهل الکوفة
فان دمتم علی بیعتکم دخلت
مصرکم والا انصرفت۔ فقال
له الحر واللہ ما اعلم هذه الکتب
ولا الرسل ولا یمکننی الرجوع الی
الکوفة فلا افارقك او اقدم
بك الیه وطال الکلام بینهما
فانحرف الحسین عن طریق
الکوفة ونزل بکربلاء فی الیوم
الثانی من المحرم سنة
احدی وستین۔ ولما نزل بها
سال عن اسمها فقیل هذا
موضع یقال له کربلاء فقال
هذا موضع کرب وبلاء۔ فنزل
القوم وحطوا الاثقال ونزل الحر
وجیشه قبالة الحسین علیه السلام

آپ کے پیش کش کیا۔ بعد اُس کے محمد اور ابراہیم دونوں بیٹوں مسلم کو شہید کیا اور ہانی کو قتل کر کے سولی پر چڑھا اور اُن سب کے سروں کو نیزوں پر رکھ کر کوچہ بکوچہ اور در بدر کوفہ میں پھروایا ۱۲ (تحریر)

کوفہ کی طرف امام حسینؑ کی روانگی

اور جس دن مسلم شہید ہوئے اُس دن چلے جناب امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ کی طرف اور بعضوں نے کہا ہے کہ روانہ ہوئے آٹھویں ذی حجہ کو۔ اور سبب روانگی کا یہ ہوا کہ مسلم بن عقیل نے بہ تاکید لکھا تھا کہ یہاں تشریف لائیے (جب مسلم بن عقیل کوفہ میں پہنچے اور بہت سے لوگوں نے بیعت اُن کے ہاتھ پر کی اور اشتیاق حضرت امام حسینؓ کے تشریف لانے کا اظہار کیا تو انھوں نے بہ تاکید لکھ بھیجا کہ یہاں سب لوگ آپ کے قدوم میمنت لزوم کے منتظر ہیں۔ آپ جلد تشریف لا دیں۔ اسے دریافت کر کے امام حسینؓ نے عزم مصمم سفر کوفہ کا کیا ۱۲ تحریر)

امام حسینؓ نے اپنے اعزہ و احباب کی یہ بات کہ عراق نہ جائیے کیوں نہیں مانی؟

اور جب آپ نے تیاری کی چلنے کی منع کیا ان کو اس سفر سے عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور جابر اور ابو سعید خدری اور ابو واقد لیثی نے (ان صحابہ کا منع کرنا اس راہ سے تھا کہ امام حسینؓ کی شہادت کی خبر قدیم سے سنتے تھے اور کوفیوں کی بد عہدی اور بے وفائی اور امام حسینؓ کی بے سامانی

اضربهم بالسيف ضربا مقصلا   لا نا كلا عنهم ولا مهلا

(انھیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا!)

زہیر کی شہادت چند لمحے کی بات تھی، حُر زخموں سے چور ہو کر گرے اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

ارض کربلاء ثم کتب ابن زیاد کتابا الی الحسین علیه السلام یطالبه الی بیعته یزید۔ فلما ورد الکتاب علی الحسین فقرأه والقاه وقال علیه السلام للرسول ماله عندی جواب۔ فرجع الرسول الی ابن زیاد فاشتد غضبه وجمع الناس وجهز العساکر وجعل مقدمها عمر ابن سعد وکان والیا علی الری۔ فاستعفیٰ من خروجه الی قتال الحسین فقال له ابن زیاد اما ان تخرج واما ان تترک ولایة الری و تقعد فی بیتک فاختار ولایة الری وطلع الی قتال الحسین بالعساکر فما زال ابن زیاد یجهز مقدما ومعه طائفه من الناس الی ان اجتمع عند عمر ابن سعد اثنان وعشرون الفا ما بین فارس وراجل فنزلوا

اظہر من الشمس تھی۔ اور یہ سب صحابی آپ بھی کچھ سامان مقابلہ کا نہ رکھتے تھے۔ پر یہ نہ معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کی شہادت ہے ورنہ ایسے صحابی جلیل القدر آپ کی رفاقت سے کب باز رہتے ۱۲ مترجم سو نہ مانا امام نے اُن کے منع کو اور فرمایا کہ سُنا ہے میں نے اپنے والد علی مرتضیٰؑ کو کہ کہتے تھے کہ سُنا ہے میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ ایک مینڈھے کے سبب سے بے حرمتی کعبہ کی ہو گی (یعنی ایک شخص مکہ میں مارا جاوے گا اور اُس کے سبب بے حرمتی کعبہ کی ہو گی ۱۲ منہ) سو کہیں میں ہی نہ ہوں وہ مینڈھا (یعنی گو درجہ شہادت کا یوں بھی ہے پر میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے عزت مکہ میں خلل پڑے۔ اس حدیث کے مصداق آخر کو عبد اللہ بن زبیر ہوئے کہ اُن کے واسطے حجاج بن یوسف ثقفی ظالم نے کوہ ابی قبیس پر منجنیق کھڑی کی اور حرم کعبہ کو سنگسار کیا یہاں تک کہ ایک پتھر کے صدمہ سے حجر اسود کا ٹکڑا ٹوٹ گیا اور حرم شریف میں عبد اللہ بن زبیر کو شہید کیا اور بہت سے خون ناحق کیے ۱۲ تحریر)۔ اور کوچ کیا امام نے

امام حسینؑ کا لشکر بیاسی آدمیوں کے ساتھ کہ وہ آپ کے گھر والے اور خادم اور غلام تھے۔ پھر امام نے راہ میں خبر سُنی شہادت مسلم کی اور پھوٹ اُن کے گروہ کی تو آپ نے پلٹنے کا ارادہ کیا، سو کہنے لگے مسلم کے بھائی کہ واللہ ہم نہیں پلٹنے کے یہاں تک کہ ہم اپنا بدلہ پاویں یا مارے جاویں۔ تب فرمایا امام حسینؑ نے کچھ خوبی نہیں زندگی میں تمہارے بعد (یعنی جو حال تمہارا سو ہمارا حال ۱۲ منہ)

اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی، نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپ کے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے ؎

انا زهير وانا ابن القين   اذودهم بالسيف عن حسين

(میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے انھیں حسینؑ سے دور کردوں گا)

بشاطئ الفرات وحالوا بين الماء وبين الحسين عليه السلام واصحابه وكان اكثر من خرج معه لقتال الحسين عليه السلام هم الذين كاتبوا وبايعوا الحسين عليه السلام۔ فلما تيقن ان القوم مقاتلوه امر اصحابه فاحتفروا حفرة شبيهة بالخندق حول العسكر وجعلوا لها جهة واحدة يكون القتال منها وركب عسكر ابن سعد واحدقوا بالحسينؑ وزحفوا واقتتلوا ولم يزل يقتل من اهل الحسين عليه السلام واصحابه واحد بعد واحد الى ان قتل منهم ماينيف على خمسين رجلا فعند ذلك فصاح الحسين عليه السلام اما من مغيث يغيثنا لوجه الله اما من ذاب يذب عن حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم

پھر امام چلے عراق کی طرف یہاں تک کہ جب دو منزل رہ گیا کوفہ **لشکر حُر نے گھیر لیا** ملا امام کو حُر بن یزید اور اُس کے ساتھ ہزار سوار تھے ابن زیاد کے ساتھ والے ہتھیار بند۔ سو کہا حُر نے امام حسین علیہ السلام سے کہ مجھ کو عبیداللہ بن زیاد نے بھیجا ہے آپ کے پاس اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ نہ چھوڑوں آپ کو یہاں تک کہ اس کے پاس لے چلوں اور واللہ میں مجبور ہوں۔ تو فرمایا حسین علیہ السلام نے کہ میں نہیں اس شہر کو آیا یہاں تک کہ میرے پاس بہت سے خط اور پیغامی اس شہر کے پہنچے۔ اور تم کوفہ کے رہنے والے ہو۔ سو اگر تم قائم رہو اپنی بیعت اور اقرار پر تو میں چلوں تمھارے شہر میں اور نہیں تو پلٹ جاؤں۔ حُر نے کہا واللہ مجھے خبر نہیں ان خطوں کی اور پیغامیوں کی اور میں پلٹ بھی نہیں سکتا کوفہ کی طرف۔ سو میں اب نہیں چھوڑنے کا یہاں تک کہ آپ کو اُس کے پاس لے چلوں (اس واسطے کہ عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے تاکید شدید امام کے اسیر کرالانے کی ہے اور ملاقات کا امر بھی مخفی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُسی کے ہزار سواروں کے سامنے یہ معاملہ واقع ہوا ہے۔ جس وقت اسے بے اعتنائی ثابت ہوتی خدا جانے کیا سزا دے ۱۲ تحریر) اور بہت سی گفتگو درمیان میں رہی۔

حضرتؑ کا کربلا میں اُترنا (جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ

صفیں درہم برہم کر ڈالیں، پھر لوٹے اور حضرت حسینؑ کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے سہ

اقدم ھدیت ھادیا مھدیا فالیوم تلقی جدک النبیا

(بڑھ، خدا نے تجھے ہدایت دی۔ آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کرے گا) ۔

فاذا بالحر بن یزید الریاحی الذی تقدم ذکرہ قد اقبل علی فرسہ الیہ وقال یا ابن رسول اللہ انی کنت اول من خرج علیک وانا الآن فی حزبک فمرنی ان اکون مقتولا فی نصرتک لعلی انال شفاعۃ جدک غدا ثم کر علی عسکر عمر بن سعد فلم یزل یقاتلھم حتی قتل و قتل معہ اخوہ وابنہ ومولاہ ایضا فالتحم القتال حتی قتل اصحاب الحسین علیہ السلام باسرھم وولدہ واخوتہ و بنو عمہ وبقی وحدہ فبارز بنفسہ وسیفہ مصلت فی یدہ فلم یزل یقاتل ویقتل من برز الیہ حتی قتل منھم الکثیر فاثخنتہ الجراحات والسہام تأتیہ من کل جانب واقبل الشمر ذوالجوشن السکونی فی

اب نہ پھر سکتے ہیں نہ کوفہ کا جانا مناسب ہے تو کنارے ہو کر ایک جگہ اتر پڑنا چاہیئے ۱۲) تو مڑے امام حسینؑ کوفہ کی راہ سے اور کربلا میں جا کر اُترے دوسری تاریخ محرم سلتہ ہجری کو۔ اور جب وہاں اترے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے ؟ لوگوں نے کہا اس کو کربلا کہتے ہیں۔ فرمایا یہ جگہ ہے رنج اور بلا کی۔ پھر اُترے سب لوگ اور اُتار رکھے بوجھ اور اُترا حُر مع اپنے لشکر روبرو امام حسین علیہ السلام کے زمین کربلا پر (اور ترجمہ طبری میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا میں خواب دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ دشمن تیرے مارنے کے در پے ہیں، یہ لوگ قیامت کے دن شفاعت سے محروم ہیں اور نزدیک ہے کہ تو شہادت کے درجے کو پہنچے اور بہشت تیرے واسطے آراستہ ہوئی ہے اور ماں باپ تیرے منتظر ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک ہاتھ امام حسینؑ کے سینہ پر مارا اور فرمایا اللھم اعط الحسین صبرا واجرا۔ بار خدایا حسینؑ کو صبر اور اجر دونوں عطا فرما ۱۲ تحریر)۔ پھر لکھ بھیجا ابن زیاد نے ایک خط امام حسین علیہ السلام کو کہ بیعت کریجیے یزید کی پھر جب خط پہنچا امام حسین علیہ السلام کے پاس اور آپ نے اُسے پڑھا ہاتھ سے ڈال دیا اور فرمایا امام حسینؑ نے ایلچی سے کہ اس کا جواب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ سو پھر گیا ایلچی ابن زیاد پاس۔ تو یہ جواب سن کر بھڑک اُٹھا غصہ ابن زیاد کا اور لوگوں کو جمع کیا اور فوجیں تیار کیں اور ان کا سپہ سالار بنایا عمر ابن سعد کو اور لکھا

وحسنا والمرتضےٰ علیا وذا الجناحین الفتی الکمیا - واسد اللہ الشہید الحیا

(اور حسنؑ سے اور علی مرتضیٰؑ سے اور بہادر جوان جعفر طیار سے - اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہ سے)

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کر قتل ہو گئے -

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے

کتیبتہ فحالت بینہ وبین رحلہ وحرمہ فصاح الحسین علیہ السلام ویحکم یا شیعۃ الشیطان انا الذی اقاتلکم فما لکم تتعرضون للحرم فان النساء لم یقاتلنکم - فقال الشمر لاصحابہ کفوا عن النساء و اقصدوا الرجل فی نفسہ فمالوا بالسہام والرماح حتی سقط علی الارض شہیدا وجزراسہ نصر بن خرشۃ فلم یقدر علی قطع راسہ - فنزل خولی بن یزید فقطع راسہ وفی روایۃ فقال الشمر لاصحابہ ویلکم ما تنتظرون بالرجل وقد اثخنتہ الجراحات فتوالت علیہ السہام والرماح حتی وصل سہم شقی من الاشقیاء الی حنکہ فسقط عن الفرس وضربہ شمر علی وجہہ فادرکہ سنان بن انس النخعی فطعنہ برمح ونزل خولی بن یزید

عمر بن سعد کا سردار لشکر ہو کر کربلا آنا

عمر بن سعد ملک رے کا حاکم، سو اُس نے پہلو تہی کی امام کی طرف جانے کے واسطے لڑائی کے، تو کہا ابن زیاد نے یا تو لڑنے کو جا یا چھوڑ دے حکومت رے کی اور بیٹھ رہ گھر میں اپنے - سو اُس نے حکایت رے کی اختیار کی اور امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کو چلا فوج لیکر

دشمنوں کی فوج ۲۲ ہزار

سو ابن زیاد بدنہاد بھیجتا گیا ایک ایک سردار اور اُس کے ساتھ تھوڑا لشکر یہاں تک کہ جمع ہو گئے عمرو بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے اور اُترے کنارے دریائے فرات کے

حضرت پر پانی بند کر دیا گیا

اور حائل ہو گئے پانی میں اور امام حسین علیہ السلام کے لوگوں میں (ابن سعد نے مع لشکر ساتویں محرم کو کربلا میں پہنچ کر فرات کے کنارے ڈیرہ کیا اور امام حسینؑ کے لوگوں کو پانی لینے سے مانع ہوا یہاں تک کہ پیاس سے اہل بیت پر عرصہ زندگی کا تنگ ہوا اور اُس وقت یزید ہمدانی امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر عمر سعد کے پاس گیا اور کہا وائے اس اسلام پر کہ کتے اور سؤر تو فرات کا پانی پییں اور زن و فرزند اہل بیت رسول کو اُس سے مانع آئیں اور اُن کے قتل پر کمر باندھے - عمر بن سعد نے کہا سچ ہے پر حکومت رے کی مجھ سے چھوڑی نہیں جاتی - کہتے ہیں کہ جب پیاس سے کسی کو طاقت بات کرنے کی نہ رہی اور اہل بیت کا

چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھے ؎

قد علمت حقا بنو غفار ۔۔۔ وخندف بعد بني نزار

لنضرب معشر الفجار ۔۔۔ بكل عضب صارم بتار

یا قوم ذودوا عن بني الاحرار ۔۔۔ بالمشرفي والقنا الخطار

(بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔ اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!)

فقطع رأسه فارتعدت يداه فنزل اخوه شبل بن يزيد فقطع رأسه ودفعه الى اخيه خولي۔ ثم دخلوا على الحرم واسروا اثني عشر غلاما من بني هاشم۔ ومن كان من النساء وامر عمر بن سعد وتمي نفرا فركبوا خيولهم ووطئوا الحسين عليه السلام وارسلوا الراس المكرم مع بشير بن مالك وخولي بن يزيد الى ابن زياد۔ واستشهد مع الحسينؑ من اهل بيته العباس وعثمان ومحمد وعبد الله وجعفر بنو علي بن ابي طالب والقاسم وعبد الله وعمر وابو بكر بنو الحسن بن علي وقتل معه ابناه علي الاكبر فانه قاتل بين يدي ابيه حتى

حال تباہ ہوا تو امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو کئی آدمیوں کے ساتھ پانی لانے کو بھیجا۔ یزید والوں نے پانی نہ لینے دیا اور حضرت عباسؑ کے ساتھ والوں کو شہید کیا ۱۲ تحریر)۔ اور اکثر عمر سعد کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کو وہی آئے تھے جن لوگوں نے آپ کو خط لکھ بھیجے تھے اور بیعت کی تھی۔ پھر جب امام کو یقین ہوا کہ لوگ لڑتے ہی گے حکم دیا اپنے یاروں کو تو انھوں نے کھودا سن کر (یعنی کھائیں) بطور خندق گرد لشکر کے اور اس کا صرف ایک دروازہ رکھا کہ اس سے نکل کر لڑیں۔ دکھتے ہیں کہ کھائی گرد خیمہ اہل بیت کے کھود کے اس میں آگ جلا دی تھی تاکہ کوئی اشقی وہاں تک نہ جا سکے ۱۲ تحریر)

بروز عاشوراء لڑائی شروع ہو گئی

اور سوار ہوا لشکر ابن سعد کا اور نرغہ کیا گرد امام حسین علیہ السلام کے اور ہجوم کر کے قتل کرنا شروع کیا (دسویں محرم کو علی الصباح ادھر عمر بن سعد نے لشکر تیار کیا، ادھر جناب سید الشہداءؑ نے صبح کو نماز پڑھ کے اونٹ پر سوار ہو کر پہلے اپنے فضائل اور بے قصوری بیان فرمائی۔ پھر سبب مقابلہ کا پوچھا۔ جب کسی سے سوائے سرکشی کے کچھ نہ دیکھا اتمام حجت کر کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور

جابری لڑکوں کی فداکاری

ان کے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے، دونوں بھائی تھے زار قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی" انھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں روتے، ہم آپ پر روتے ہیں"

قتل شهيدا وعبد الله قتل صغيرا بكربلاء جاءه سهم شقي وهو في حجر ابيه فقتله وقتل معه محمد وعون ابنا عبد الله ابن جعفر وعبد الله وعبد الرحمن وجعفر وبنو عقيل بن ابي طالب رضي الله تعالى عنهم۔ وكانت شهادته يوم عاشوراء سنة احدى وستين من الهجرة وله يومئذ ستة وخمسون سنة و خمسة اشهر وخمسة ايام۔ وامر الشقي ابن زياد بالراس المكرم فدير به في سكك الكوفة ثم ارسله مع رؤس سائر الشهداء وسبايا اهل البيت الى يزيد بن معاوية مع شمر ذي الجوشن و كان بدمشق۔ ثم وجه ذرية الحسين عليه السلام ورأسه مع علي ابن الحسين الى المدينة۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

مقابلہ کا ارادہ کیا۔ اس میں سب بھائیوں اور فرزندوں اور ہمراہیوں نے عرض کی جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے آپ کو ہم لڑنے نہ دیں گے۔ اور ایک ایک نے نکل کر مقابلہ کیا اور فوج مقابل سے جو نکلا اس کو مارنا شروع کیا۔ ان مردوں نے جب دیکھا کہ یہ سب جان نثار کرنے پر تیار ہیں ایک ایک پر دس دس شخص تیروں کا مینہ برسانے لگے یہاں تک کہ امام کے لشکر سے جو جاتا تھا پھر زندہ نہ پھرتا تھا اور شہید ہونے لگے امام حسین کے گھر والے اور ساتھی ایک دوسرے کے بعد یہاں تک کہ شہید ہو گئے اُن میں زیادہ پچاس آدمیوں سے، پھر تو چلّا اُٹھے امام حسین علیہ السلام کہ کیا کوئی فریاد رس بھی ہے کہ اللہ کے واسطے ہماری فریاد کو پہنچے، کوئی ہے بچانے والا کہ بچاوے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (یہ فریاد اور استغاثہ بے استقلالی اور بے صبری سے نہ تھا بلکہ فقط واسطے اتمام حجۃ کے، اور اس واسطے کہ اسلام کے دعوے کرنے والوں میں سے دیکھیں اس وقت کون شریک مصیبت امام کا ہوتا ہے ۱۲ منہ)

حُر کا لشکر امام میں آجانا

سو یہ سُن کر ناگہاں حُر بن یزید ریاحی جس کا ذکر آگے ہو چکا آگے بڑھ کے آیا اپنے گھوڑے پر سوار امام حسینؓ کے پاس (یعنی آپ کی بیکسی دیکھ کے اور صدائے استغاثہ سُن کے بیتاب ہو گیا اور عنایت سرمدی نے

دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے " السلام علیک یا ابن رسول اللہ" آپ جواب دیتے " وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہو گئے۔

اُس کو چاہ ضلالت یعنی یزیدیوں کی رفاقت سے نکال کے امام کا جان نثار اور داخل شہداء کر دیا ۱۲ تحریر) اور کہنے لگا اے فرزند رسول اللہ! میں سب سے پہلے نکلا تھا آپ سے لڑنے کو۔ اور اب میں اس وقت سے آپ کے گروہ میں آگیا۔ سو مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں مارا جاؤں آپ کی مدد میں، شاید اس جان نثاری سے تمہارے نانا کی شفاعت قیامت میں مجھ کو نصیب ہو۔ یہ کہہ کے حملہ کیا لشکر عمر بن سعد پر۔ پھر خوب لڑتا رہا اُس گروہ بے دین سے یہاں تک کہ وہ آپ شہید ہوا اور اُس کے ساتھ اس کا بھائی اور بیٹا اور غلام سب شہید ہوئے۔ پھر خوب لڑائی ہوئی یہاں تک کہ مارے گئے ہمراہی امام حسین علیہ السلام کے سب کے سب اور اُن کے صاحبزادے اور بھائی اور چچیرے بھائی اور آپ تنہا رہ گئے۔

امام کی شہادت پھر خود مقابل آئے اور ننگی تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی۔ پھر خوب لڑتے رہے اور جو صف سے نکلتا تھا اُس کو آپ مارتے تھے یہاں تک کہ مارا اُن سے بہت لوگوں کو۔ پھر تو چور چور کر ڈالا آنحضرتؑ کو زخموں نے اور تیر برسنے لگے چاروں طرف، اور سامنے آیا شمر ذوالجوشن سکونی اپنی فوج کے ساتھ حائل ہو گیا درمیان امام اور خیمۂ اہل بیت کے۔ پھر للکارے امام حسین علیہ السلام کہ خرابی ہو تمہاری اے گروہ شیطان کے! میں تم سے لڑتا ہوں تم کو گھر والوں سے کیا کام؟ بی بیاں تو تم سے نہیں لڑتیں (یعنی یہ کیا نامردی ہے کہ بی بیوں بے گناہ سے

واما اخبار النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھذہ الواقعۃ الھائلۃ من جھۃ الوحی بواسطۃ جبرئیل وغیرہ من الملائکۃ فمشھور متواتر۔ من ذلک ما اخرجہ ابن سعد والطبرانی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف وجاءنی بھذہ التربۃ فاخبرنی انھا مضجعہ۔ ومنہ ما اخرجہ ابو داؤد والحاکم عن ام الفضل بنت الحارث ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا یعنی الحسینؑ واتانی بتربۃ من تربتہ حمراء۔ واخرج احمد ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال لقد دخل علی البیت ملک لم یدخل

خنظلہ بن اسعد کی شہادت

ان کے بعد خنظلہ بن اسعد حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور بآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمہیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہو جاؤ۔ اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کردے" بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی قبلها فقال لی ان ابنك هذا یعنی حسینا مقتول وان شئت اریتك من تربة الارض التی یقتل بها فاخرج تربة حمراء واخرج البغوی فی معجمه من حدیث انس رضی الله تعالی عنه قال استأذن ملك المطر ربه ان یزور النبی صلی الله علیه وآله وسلم۔ فاذن له والنبی صلی الله علیه وآله وسلم فی بیت ام سلمه فقال لام سلمة احفظی علینا الباب لا یدخل احد۔ فبیناهی علی الباب اذ دخل الحسین علیه السلام فاقتحم فوثب علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فجعل رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یلثمه ویقبله فقال له الملك اتحبه۔ قال نعم۔ قال ان امتك ستقتله وان شئت اریتك المکان الذی

تم معترض ہوتے ہو ١٢ تحریر)۔ یہ سن کر شمر نے اپنے لوگوں سے کہا نہ جاؤ عورتوں کی طرف اور اسی شخص کو مارو۔ سو وہ ظالم پھر پڑے امام پر تیر اور نیزے لے کر یہاں تک کہ گر پڑے آنحضرتؑ زمین پر شہید ہو کر اور سر مبارک کو کاٹنے لگا نصر بن خرشہ۔ سو نہ کاٹ سکا۔ تب اُترا خولی بن یزید تو اُس نے کاٹا (یعنی اگرچہ پہلے نصر بن خرشہ نے سر مبارک کے کاٹنے کا ارادہ کیا مگر صحیح روایت یہ ہے کہ یہ شقاوت ازل میں خولی بن یزید کی تقدیر میں لکھی تھی اس سے صادر ہوئی ١٢ تحریر) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کہا شمر ملعون نے اپنے ساتھیوں کو کم بختو! اب کیا راہ دیکھتے ہو۔ اب تو چور چور کیا ہے اس شخص کو زخموں نے۔ پھر یہ سنتے ہی تار بندھ گیا امام حسینؑ پر تیر اور نیزوں کا یہاں تک کہ پار ہو گیا ایک ظالم کا تیر تالو مبارک سے پھر گر پڑے آں حضرتؑ گھوڑے سے، اور اسی حال میں تلوار ماری شمر نامرد نے سر مبارک پر، پھر اُس پر سنان ابن انس نخعی نے نیزہ مارا۔

کس نے حضرت کا سر مبارک جدا کیا

اگرچہ امام حسینؑ کے قتل میں بہت سے ملعون شریک تھے، پر پرواز روح مبارک کا شمر کی تلوار اور سنان بن انس کے نیزہ لگنے کے ساتھ واقع ہوا، اسی جہت سے یہ دونوں قاتل مشہور ہیں ١٢ منہ) اور اترا خولی بن یزید سر کاٹنے کو سو کانپنے لگے اُس کے ہاتھ، پھر اُترا اُس کا بھائی شبل بن یزید، اُس نے کاٹا سر مبارک کو اور حوالہ کیا اپنے بھائی خولی کو۔

علی اکبر کی شہادت

غرضیکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا۔ اُن کا رجز یہ تھا ؎

انا علی بن حسین بن علی۔ نحن ورب البیت اولی بالنبی۔ تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

(میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں۔ قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کر سکے گا)۔

یقول بہ فارا فجاء بسہلۃ وتراب احمر۔ فاخذتہ ام سلمۃ فجعلتہ فی ثوبہا۔ قال ثابت کنا نقول انہا کربلاء۔ واخرجہ ایضا ابو حاتم فی صحیحہ وفی روایۃ ابن احمد فی زیادۃ المسند قال ثم ناولنی کفا من تراب احمر۔ واخرج الحاکم والبیہقی عن ام الفضل بنت الحارث قالت دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوما بالحسینؑ فوضعتہ فی حجرہ ثم حانت منی التفاتۃ فاذا عینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہریقان من الدموع فقال اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی تقتل ابنی ہذا واتانی بتربۃ من تربتہ حمراء۔ واخرج ابن راہویہ

اہل بیت کو قید کرلیا

بعد اس کے گھس پڑے اہل بیت کے خیمہ میں اور قید کر لیے بارہ لڑکے (یعنی نوجوان ۱۲ تحریر) بنی ہاشم سے اور جتنی بی بیاں تھیں۔ اور حکم کیا عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن نے لوگوں کو، سو گھوڑوں پر چڑھ کے اُن سنگ دلوں نے

لاشوں کو روند ڈالا

روند ڈالا لاش امام حسین علیہ السلام کو (کہتے ہیں کہ شمر اور ابن سعد کے کہنے سے بیس آدمیوں نے گھوڑوں کے سموں سے اس طرح لاش مبارک کو پامال کیا کہ استخوان شریف ریزہ ریزہ ہو گئے ۱۲ تحریر)

واقعہ شہادت کے بعد کیا ہوا

اور بھیجا سر مبارک بشیر ابن مالک اور خولی بن یزید کے ساتھ ابن زیاد پاس کوفہ میں۔ حاصل کلام جب سر مبارک امام حسینؑ تن سے جدا کیا قیس بن اشعث نے پیراہن شریف کو تن سے اُتار لیا۔ اور حبیب بن مرال نے آں حضرت کی تلوار اپنے قبضہ میں کیا، اور شمر نے مع ہمراہیوں کے آکے خیمہ اہل بیت اطہار کا لوٹ لیا۔ جب نظر اُس کی علی بن الحسینؑ یعنی امام زین العابدین بیمار پر پڑی چاہا کہ انھیں بھی شہید کرے، اُس میں ایک شخص نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ کافر کے لڑکے کو نہیں مارتے ہیں اور یہ تو مسلمان ہے اور بیمار۔ شمر نے کہا ابن زیاد کا حکم ہے کہ کوئی لڑکا آل عبا کا باقی نہ رہے۔ اُس نے کہا کہ

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مراو بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج۔ وہ چلّا رہی تھی "آہ بھائی! آہ بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا

والبیھقی وابونعیم عن ام سلمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضطجع ذات یوم فاستیقظ و ھو حاسر وفی یدہ تربۃ حمراء یقلبھا۔ قلت ماھذہ التربۃ یا رسول اللہ۔ قال اخبرنی جبرئیل ان ھذا یعنی الحسین یقتل بارض العراق وھذہ تربتھا واخرج البیھقی وابونعیم عن انسؓ قال استأذن الملک المطر ربہ ان یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذن لہ۔ فدخل الحسین فجعل یقع علی منکب النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم۔ فقال الملک اتحبہ قال النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نعم۔ قال فان امتک تقتلہ وان شئت اریتک المکان الذی یقتل فیہ فضرب بیدہ فاراہ ترابا احمر فاخذتہ ام سلمۃ فصرتہ فی ثوبھا فکنا نسمع انہ یقتل بکربلاء واخرج

تو ان سب کو ابن زیاد کے پاس بھیجا چاہیے کہ جیسا وہ چاہے کرے۔ جب اُس نے ان سب کو قید کر کے

بے پردہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ کو روانہ کیا

بی بیوں کو بے پردہ اونٹوں پر سوار کر کے اور علی ابن حسین رض کو ایک اونٹ پر ڈال کر کوفہ کو روانہ کیا، اور بعضے کہتے ہیں کہ ابن سعد نے ایک دن مقام کر کے

شہداء کی لاشیں بے دفن پڑی رہیں

اپنے جو لوگ مارے گئے تھے اُن کو دفن کیا۔ اور امام حسینؓ اور اُن کے ساتھ کے شہیدوں کی لاشیں تین دن تک ویسی ہی پڑی رہیں۔ تیسرے دن فرات کے کنارے ایک گاؤں ہے غاضرہ وہاں کے لوگوں نے جمع ہو کر امام حسینؓ کو ایک قبر میں دفن کیا اور بنی ہاشم کو یکجا اور باقی گنج شہیداں کو یکجا دفن کیا ۱۲ تحریر)

شہداء کربلا

اور شہید ہوئے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آپ کے اہل بیت میں سے (اور باقی لوگ اولاد، مہاجرین اور انصار میں سے امام کے ساتھ شہید ہوئے ۱۲) عباس اور عثمان اور محمد اور عبداللہ اور جعفر پانچ بیٹے حضرت علی ابن ابی طالب کے اور قاسم اور عبداللہ اور عمر اور ابوبکر چار بیٹے امام حسن علیہ السلام کے اور شہید ہوئے دو بیٹے خود امام حسین علیہ السلام کے۔ ایک تو علی اکبر کہ وہ اپنے باپ کے سامنے خوب لڑے یہاں تک کہ شہید ہوئے (جب علی اکبر شہید ہو چکے علی نے اور ان کا لقب زین العابدینؑ اور راستہ کربلا میں بیمار و نزار تھے امام کے آگے آ کے عرض کی کہ اجازت دیجئے

زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم"۔ لیکن حضرت حسین ؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور

تو آپ کے حضور میں لڑکے میں بھی شہید ہوں۔ آں حضرتؓ نے فرمایا کہ اب تم ہی یادگار رسولِ خدا کے اور بقیہ آل عبا کے ہو۔ اگر تم بھی مارے گئے تو نسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالکل قطع ہو جاوے گی۔ تم سے ابھی بہت کام ہیں اور بہت تم کو صبر کرنا ہے ۱۲ منہ) اور دوسرے عبد اللہ (جن کو علی اصغر بھی کہتے ہیں ۱۲) بچے ہی مارے گئے کربلا میں اپنے باپ کی گود میں بچے کرنا گہاں تیر آ لگا ایک شقی کا سو شہید ہوئے۔ اور امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے محمد اور عون دو بیٹے عبد اللہ بن جعفر طیار کے اور عبد اللہ اور عبد الرحمٰن اور جعفر تین بیٹے عقیل بن ابی طالب کے (یعنی مسلم کے بھائی ۱۲) راضی ہو اللہ تعالیٰ ان سب سے۔ اور امام شہید ہوئے دسویں تاریخ عاشورا محرم سنہ ۶۱ ہجری میں اور جب آپ کی عمر تھی چھپن برس اور پانچ مہینہ اور پانچ دن کی (اور صحیح معتمد یہ ہے کہ ولادت باسعادت آں حضرتؓ کی پانچویں شعبان سنہ ۴ ہجری میں واقع ہوئی ۱۲ تحریر)

حضرتؓ کا سر مبارک

اور ابن زیاد بد نہاد کے حکم سے سر مبارک کو پھرایا کوفہ کی گلیوں میں۔ پھر بھیج دیا سر مبارک کو اور شہیدوں کے سروں کے ساتھ اور اہل بیت کے قیدیوں کو یزید بن معاویہ کے پاس ساتھ شمر بن ذی الجوشن کے شہر دمشق میں۔ پھر روانہ کیا یزید نے اہل بیت اور سر مبارک حسین علیہ السلام کو ساتھ امام زین العابدینؓ کے مدینہ کی طرف (سر مبارک کے دفن میں اختلاف ہے، قرطبی نے لکھا ہے صحیح تر یہ ہے کہ یزید نے سر مبارک کو مدینہ منورہ میں بھیجا اور تجہیز کر کے جنت البقیع میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے پہلو میں دفن کیا۔ اور خلاصۃ الوفا میں لکھا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہے۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ یزید ہی کے خزانے میں رہا۔ آخر سلیمان بن عبد الملک نے اپنے عہد میں خوشبو لگا کر اور کفن دے کر نماز جنازہ کی پڑھ کر مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا۔ پر کسی صحیح روایت میں یہ نہیں ثابت ہوا کہ کربلا میں آ کے جسد مبارک کے پاس دفن ہوا ۱۲ تحریر) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم سب کو اسی طرف پھر جانا ہے۔

ابو نعیم عن ام سلمة قالت کان الحسن والحسین یلعبان فی بیتی فنزل جبرئیل فقال یا محمد ان امتك تقتل ابنك هذا من بعدك واومی الی الحسین و اتاه بتربة فشمها ثم قال ریح کرب وبلاء وقال یا ام سلمة اذا تحولت هذه التربة دما فاعلمی ان ابنی قد قتل فجعلتها

خیمہ میں پہنچا آئے ۔ پھر علی اکبر کی نعش اُٹھائی اور خیمہ کے سامنے لاکر رکھ دی ۔ (ایضاً)

واقعۂ کربلا کے متعلق حضرت رسولؐ کی پیشین گوئیاں

پر خبر دینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس واقعۂ ہولناک سے بواسطۂ وحی لانے جبرئیلؑ وغیرہ فرشتوں کے مشہور اور متواتر ہے ۔ ازآں جملہ وہ حدیث ہے کہ روایت کی ابن سعد نے اور طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو خبر دی جبرئیلؑ نے کہ میرا بیٹا حسینؑ مارا جائے گا میرے بعد زمین طف میں (طف نام ہے ایک جگہ کا کوفہ کے پاس کہ اب اس کا نام کربلا مشہور ہے ۱۲) اور میرے پاس یہ مٹی لائے جبرئیلؑ اور مجھے کہا کہ یہی ان کے لیٹنے کی جگہ ہے (یعنی جہاں شہید ہوں گے اور اُن کے مرقد ہوں گے وہیں کی یہ مٹی ہے ۱۲ تحریر) ۔ اور ازآں جملہ وہ حدیث ہے کہ روایت کی ابوداؤد نے اور حاکم نے ام فضل بنت حارث سے (یعنی عبداللہ بن عباس کی والدہ حضرت ام المومنین میمونہ کی ہمشیرہ ۱۲ تحریر) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس آئے جبرئیل علیہ السلام ، پھر مجھے خبر دی کہ میری امت قریب ہے کہ قتل کرے میرے اس بیٹے کو یعنی امام حسین علیہ السلام کو اور مجھے دی تھوڑی مٹی سرخ اُس زمین کی (یعنی زمین مقتل حسین علیہ السلام کی ۱۲) اور روایت کی امام احمد بن حنبل نے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بیشک میرے گھر میں آیا ایک فرشتہ کہ کبھی میرے پاس نہ آیا تھا اس سے پہلے ۔ سو کہا کہ آپ کا یہ بیٹا یعنی امام حسین علیہ السلام مارا جائے گا اور آپ چاہئے تو دکھاؤں آپ کو اُس زمین کی مٹی جہاں یہ مارا جائے گا ۔

کربلا کی سرخ مٹی

پھر نکالی تھوڑی سی مٹی سرخ ۔ اور روایت کی امام محی السنۃ بغوی نے اپنی معجم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں میں کہ کہا انس رضی اللہ عنہ نے اذن مانگا مینہ کے موکل فرشتہ نے اپنے پروردگار سے اس بات کا کہ زیارت کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سو اُس کو اجازت ہوئی ۔ اور اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضہ کے گھر میں تھے ، سو فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اے ام سلمہؓ دروازے سے خبردار ہو کوئی آنے نہ پاوے ۔ پھر اک

فی قارورۃ ۔ واخرج ابن عساکر عن محمد بن عمر بن حسن قال کنا مع الحسین بنھر کربلاء فنظر الی الشمر ذی الجوشن فقال صدق اللہ ورسولہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی اھل بیتی و کان شمر ابرص واخرج ابن السکن والبغوی فی الصحابۃ و ابونعیم من

ایک جوان رعنا
ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جاں فروش قتل

اثنا میں کہ دروازے پر نگہبان تھیں یکایک آکر امام حسین علیہ السلام بزور اندر چلے گئے۔ پھر کودنے لگے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ سو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو گود میں لے کر چومنے لگے۔ تب کہا آں حضرتؐ سے فرشتے نے آپ ان کو پیار کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ فرشتے نے کہا آپ کی امت عنقریب ان کو مار ڈالے گی اور آپ چاہیں تو آپ کو وہ مکان دکھا دوں جہاں یہ مارے جائیں گے۔ سو آپ کو لا نے دکھانے زرد ریگ بالو یا مٹی سرخ۔ پھر اس بالو کو حضرت ام سلمہؓ نے اپنے کپڑے میں لے لیا۔ ثابت نے کہا ہم کہا کرتے تھے کہ وہ زمین کربلا ہے۔ اور اسی کو روایت کیا ہے ابو حاتم نے اپنی صحیح میں اور امام احمد کے بیٹے نے کتاب زیادۃ المسند میں یوں روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خداؐ نے پھر مجھے ایک مٹی دی سرخ۔ اور روایت کی حاکم اور بیہقی نے ام الفضل بنتِ حارث سے کہ میں گئی پاس جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دن حسین علیہ السلام کو لے کر، سو رکھ دیا میں نے حسینؑ کو حضرتؐ کی گود میں۔ پھر جو میں دیکھوں (یعنی اور کام میں مشغول ہو گئی، پھر جو میری نظر پڑی تو کیا دیکھوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں ۱۲ تحریر) تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ پھر فرمایا حضرتؐ نے کہ مجھ کو جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میری امت شہید کرے گی اس میرے بیٹے کو اور دی ہے مجھ کو جبرئیل نے اس کے مقتل کی مٹی سرخ۔ اور روایت کی اسحاق بن راہویہ اور بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کروٹ سے سوتے تھے ایک دن، سو جاگ پڑے اور آپ غمگین تھے اور آپ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی کہ اس کو اُلٹتے پلٹتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا مٹی ہے یا رسول اللہ؟ حضرت نے فرمایا کہ خبر دی مجھ کو جبرئیل نے کہ حسینؑ مارا جائیگا عراق کی زمین پر اور یہ مٹی وہیں کی ہے۔ اور روایت کی بیہقی اور ابو نعیم نے انس سے کہا اجازت مانگی فرشتہ مینہ برسانے والے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کو۔ اس کو اجازت ہوئی۔ پھر آئے حسین علیہ السلام تو کودنے لگے مونڈھے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، سو پوچھا اُس فرشتے نے کہ آپ اس لڑکے کو پیار کرتے ہیں؟

طریق سحیم عن انس ابن الحارث قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ان ابنی ھذا یقتل بارض یقال لھا کربلاء فمن یشھد ذالک منکم فلینصرہ فخرج انس بن الحارث الی کربلاء فقتل بھا مع الحسینؑ واخرج البیھقی عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن ان الحسینؑ دخل علی النبی صلی اللہ علیہ

ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ وہ کرتا پہنے، تہبند باندھے

واله وسلم و عنده جبرئيل في مشربة عائشة فقال له جبرئيل ستقتله امتك وان شئت اخبرتك بالارض التي يقتل فيها و اشار جبرئيل بيده الى الطف بالعراق فاخذ تربة حمراء فاراه اياها و اخرجه من طريق أخر عن ابي سلمة عن عائشة موصولا واخرج البيهقي عن الشعبي قال ان ابن عمر قدم المدينة

فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاں۔ اس نے کہا آپ کی امت اس کو قتل کرے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو دکھلاؤں مکان جہاں یہ مارا جائیگا پھر اس نے اپنا ہاتھ مارا اور حضرت کو مٹی سرخ دکھلائی۔ پھر لے لیا مٹی کو حضرت ام سلمہؓ نے۔ پھر اپنے کپڑے میں پوٹلی باندھ رکھی۔ انسؓ نے کہا ہم سنا کرتے تھے کہ حسین شہید ہوں گے کربلا میں۔ اور روایت کی ابونعیم نے کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ حسنؓ اور حسینؓ میرے گھر میں کھیلتے تھے، پھر اترے جبرئیل علیہ السلام سو کہنے لگے یا محمدؐ آپ کی امت شہید کرے گی اس بیٹے کو آپ کے بعد اور اشارہ کیا طرف حسین علیہ السلام کے اور دی آپ کو تھوڑی مٹی، سو حضرت نے اس کو سونگھا پھر فرمایا اس میں بو آتی ہے رنج اور بلا کی۔ اور فرمایا اے ام سلمہؓ جب ہو جاوے یہ مٹی خون تو جانیو کہ میرا بیٹا شہید ہوا۔ پھر میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند رکھا (حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جس دن حسینؓ مارے گئے وہ مٹی خون ہو گئی ۱۲ تحریر)

شمر کے متعلق حضرت رسولؐ کی پیشین گوئی اور روایت کی ابن عساکر نے امام حسنؓ کے پوتے محمد سے انھوں نے کہا ہم تھے ساتھ حسینؓ کے کربلا کی دو منزل پھر دیکھا امام نے شمر ذی الجوشن کو سو فرمایا سچا ہے اللہ اور اس کا رسولؐ، فرمایا جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ گویا میں دیکھتا ہوں کہ ایک کتا ابلق منہ ڈالتا ہے۔ میرے اہل بیت کے خون میں اور شمر ذی الجوشن کو برص تھا (یعنی حضرت نے فرمایا تھا کہ قاتل اہل بیت کا سفید داغ والا ہوگا، سو وہ شخص یہی ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ) فی الواقع کہ یہ ملعون اور شقیوں کی نسبت زیادہ تر حریص خون اہل بیت کا تھا اس واسطے مخبر صادق نے اس کو کتا کہہ کر تعبیر کی ۱۲ تحریر

قاتلان امام حسینؑ کا ملعون ہونا حضرت ام سلمہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حسینؑ کی شب شہادت کو میں نے ایک آواز غیب سے سنی کہ کوئی کہتا تھا شعر

ایها القاتلون جهلا حسينا — ابشروا بالعذاب والتنكيل
لقد لعنتم على لسان بن داؤد — وموسى وحامل الانجيل

اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ

اے کشندوں حسینؑ کے نادانی سے مژدہ ہو تم کو عذاب اور ذلت کا، بے شک تم ملعون ہوئے سلیمانؑ کی زبان پر اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی زبان پر یعنی امام حسینؑ کے قاتلوں پر حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سب نے لعنت کی ہے ۱۲ تحریر (صواعق)

صحابہ سے حضرت رسولؐ کی وصیت کہ تم لوگ امام حسینؑ کی مدد ضرور کرنا

اور روایت کی ابن سکن اور بغوی نے کتاب الصحابہ میں اور ابو نعیم نے سحیم سے کہ انس بن حارث نے کہا کہ میں نے سنا جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ (یعنی حسین علیہ السلام ۱۲ منہ) بیٹا میرا مارا جائے گا اُس زمین میں جسکا نام کربلا ہے۔ سو جو شخص کہ تم لوگوں میں سے وہاں موجود ہو اُس کی مددگاری کرے۔ سو گئے انس بن حارث کربلا کو اور شہید ہوئے امام حسینؑ کے ساتھ۔ اور روایت کی بیہقی نے ابو سلمہ بن عبدالرحمان سے کہ حسین علیہ السلام آئے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ کے پاس جبرئیلؑ تھے حضرت عائشہؓ کے بالاخانے پر۔ تو کہا جبرئیل نے قریب شہید کرے گی اس کو آپ کی امت اور آپ چاہیں تو میں بتاؤں آپ کو وہ زمین جس میں یہ شہید ہوگا۔ اور جبرئیلؑ نے ہاتھ سے اشارہ کیا طرف چٹیل میدان عراق کے (جس کا نام کربلا ہے ۱۲ تحریر) پھر لے کر وہاں کی مٹی سرخ دکھلائی حضرت کو۔ اور بیہقی نے یہ حدیث ابی سلمہ سے انھوں نے عائشہؓ سے موصول بھی روایت کی ہے (جس حدیث میں اس صحابی کا نام مذکور ہو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے اس کو موصول کہتے ہیں، اور جس میں وہ مذکور نہ ہو وہ مرسل ہے۔ تو پہلی سند مرسل اور دوسری موصول ۱۲) اور روایت کی بیہقی نے شعبی سے کہا اُس نے کہ عبداللہ ابن عمرؓ آئے مدینہ میں پھر خبر پائی کہ جناب امام حسین علیہ السلام جاتے ہیں عراق کی طرف۔ سو جا ملے عبداللہ بن عمرؓ امام سے اُس مقام میں جہاں سے ربذہ دو منزل تھا (ربذہ نام ہے ایک جگہ کا تین منزل مدینہ سے عراق کی طرف کہ وہاں ابوذر غفاری کی قبر ہے ۱۲ تحریر)۔ پھر کہا عبداللہ بن عمرؓ نے امام سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اختیار دیا تھا دنیا اور آخرت میں۔ سو اختیار کیا حضرتؐ نے آخرت کو اور نہ چاہا دنیا کو۔ اور تم حضرت کے

فاخبر ان الحسینؓ قد توجہ الی العراق فلحقہ فی مسیرۃ لیلتین من الربذۃ فقال لہ ان اللہ تعالیٰ خیر نبیہ بین الدنیا والاٰخرۃ فاختار الاٰخرۃ ولم یرد الدنیا۔ وانکم بضعۃ منہ واللہ لا یلیہا احد منکم ابدا وما صرفہا اللہ تعالیٰ عنکم الا الذی ہو خیر لکم فارجعوا فابیٰ فاعتنقہ ابن عمر وقال استودعک اللہ تعالیٰ من قتیل۔

اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔

جگر پارہ ہو۔ واللہ نہ ملے گی دُنیا کسی کو تم میں سے کبھی اور جُدا جو کی ہے حکومت دنیا کی اللہ تعالیٰ نے تم سے تو اس میں کچھ بہتری چاہی ہے تمھارے واسطے سو لپٹ جانے پر امام نے پلٹنے کا ارادہ نہ کیا۔ تب امام سے گلے لگ کر ملے عبداللہ بن عمرؓ اور کہا تم کو سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے اے شہید ہونے والے۔ اور روایت کی حاکم نے عبداللہ بن عباس سے کہ کہا ہم شک تھی اور اہل بیت بکثرت تھے اس میں کہ حسینؓ شہید ہوں گے کربلا میں۔

جناب امیرؑ کی پیشین گوئی کہ امام حسینؓ یہاں شہید ہوں گے

اور روایت کی ابونعیم نے یحییٰ حضرمی سے کہا یحییٰ نے کہ میں نے سفر کیا حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کی طرف۔ پھر جب برابر پہنچے نینوا کے تو حضرت امیر علیہ السلام نے پکار کر فرمایا کہ صبر کیجیو اے ابا عبداللہ (یعنی امام حسین علیہ السلام) کنارے فرات کے میں نے عرض کیا یہ کیا آپ نے فرمایا؟ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہا ہے مجھ سے جبرئیلؑ نے کہ حسینؓ شہید ہوگا کنارے پر فرات کے اور دکھلائی مجھ کو مٹھی بھر مٹی وہاں کی۔ اور روایت کی ابونعیم نے اصبغ بن نباتہ سے کہا کہ ہم آئے تھے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ قبرگاہ حسین علیہ السلام پر سو کہا جناب امیرؑ نے کہ یہ شہیدوں کے اونٹ بندھنے کا مقام ہے اور یہ کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ اُن کے خون بہنے کا مقام ہے۔ کتنے جوان محمد کے اہل بیت اس میدان میں مارے جائیں گے

امام حسینؓ پر آسمان و زمین کا رونا

جن پر روئے گا آسمان اور زمین

امام حسینؓ کے بدلے خدا ایک لاکھ چالیس ہزار کو قتل کر ڈالے گا

اور روایت صحیح کی حاکم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ انھوں نے کہا کہ وحی بھیجی اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت پناہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ میں نے مارے یحییٰ بن زکریا کے عوض (قوم یہود میں سے ۱۲ تحریر) ستر ہزار اور مجھ کو مارنے ہیں تیرے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار (یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار) چنانچہ یہ امر مختار ثقفی اور سفاح عباسی کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا اور اس سے

واخرج الحاکم عن ابن عباس قال ماکنا نشك واهل البیت متوافرون ان الحسین یقتل بالطف واخرج ابونعیم عن یحیی الحضرمی انه سافر مع علی الی صفین۔ فلما حاذے نینوی نادے صبرا اباعبدالله بشط الفرات۔ قلت ماذا۔ قال ان النبی صلی الله علیه واله وسلم قال حدثنی جبرئیل ان الحسین یقتل بشط الفرات و ارانی قبضة

عمرو بن سعد ازدی نے اس کے سر پر تلوار ماری - نوجوان چلایا "ہائے چچا!" اور زمین پر

عظمت اور وجاہت جناب سید المرسلین کی اور شدت عذاب اخروی قاتلان حسین علیہ السلام کی معلوم کیا چاہیے ۱۲ تحریر الشہادتین -

امام حسینؑ کے سوگ میں حضرت رسول خدا صلعم کا تباہ حال

اور روایت کی احمد اور بیہقی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ انھوں نے کہا دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں ایک دن دوپہر کو بال بکھرے ہوئے گرد آلودہ - آپ کے ہاتھ میں شیشی ہے اس میں خون بھرا ہے - میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ خون حسین اور اُس کے ساتھیوں کا ہے میں اُٹھاتا ہوں اسے آج صبح سے - ابن عباس کہتے ہیں کہ یاد رکھا میں نے اُس وقت کو پھر خبر پہنچی مجھ کو کہ حسینؑ شہید ہوئے اُسی دن (یعنی جس دن یہ خواب دیکھا تھا ۱۲)

اور روایت کی حاکم اور بیہقی نے ام سلمہؓ سے کہا انھوں نے کہ میں نے دیکھا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں کہ آپ کا سر اور ڈاڑھی خاک آلودہ ہے میں نے کہا کہ یہ کیا حال ہے یا رسول اللہؐ؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں گیا تھا مقتل حسینؑ پر ابھی -

امام حسینؑ کے سوگ میں آسمان و زمین کی حالتِ زار

اور روایت کی بیہقی اور ابونعیم نے بصرہ ازدیہ سے کہا جب شہید ہوئے حسین علیہ السلام تو برسا آسمان سے خون - پھر جب صبح کی ہم نے تو ہمارے مٹکے اور گھڑے اور تمام برتن ہمارے لبالب تھے خون سے -

آسمان سے خون برسنا - زمین پر خون بہنا

اور روایت کی بیہقی اور ابونعیم نے زہری سے کہا زہری نے مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ جس دن شہید ہوئے حسینؑ جو پتھر کہ اُٹھایا جاتا تھا بیت المقدس میں اُس کے تلے نکلتا تھا خون تازہ سرخ (جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ حضرت عباس بن عبد المطلب حالت کفر میں جب اسیر ہوئے تھے تو اُن کی صدائے آہ و نالے سے تمام شب جناب رسالت مآب نے آرام نہ فرمایا تھا - اور وحشی قاتل امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت سے باوصف اسلام لانے اور توبہ کرنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متنفر تھے

من تربته واخرج ابونعيم عن اصبغ بن نباتة قال اتينا مع علي عليه السلام على موضع قبر الحسينؑ فقال ههنا مناخ ركابهم وموضع رحالهم ومهراق دمائهم فتئة من آل محمد يقتلون بهذا العرصة تبكي عليهم السماء و الارض واخرج الحاكم وصححه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال وحى الله تعالى الى محمد صلى الله عليه وسلم انى قتلت بيحيى

گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؓ بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے

ابن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتك سبعین الفا و سبعین الفا اخرج احمد والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی النوم ذات یوم نصف النہار اشعث اغبر بیدہ قارورة فیها دم فقلت ماهذہ قال دما لحسینؓ و اصحابه لم ازل التقطه منذ الیوم فاحصی ذلك الوقت فوجدت

اب غور کیا چاہیے کہ عترتِ طاہرہ کی تشنگی اور نونہالان باغ نبوت علی الخصوص جناب سیدالشہدا کے قتل اور قمع اور بعد انکے اہل بیت کا بے پردہ اور بے سایہ اونٹوں پر دھوپ میں سوار کرنے جانا وغیرہ واقعاتِ کربلا سے کیا کیا رنج اور صدمہ عنصر لطیف روح شریف کو نہ ہوا ہوگا؟ کہ عقل بشر اسکے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ شاہد اس حال کا ہے جو کچھ کہ عبداللہ بن عباس اور حضرت ام سلمہؓ نے رویائے صادقہ میں صورت مثالی روح مقدس کو دیکھا کہ منہ پریشان اور چہرہ غبار آلودہ ہاتھ میں شیشہ خون شہداء سے بھرا ہوا مقتل امام حسینؓ سے تشریف لائے ہیں حقیقت یوں ہے کہ ایسا سانحہ ہوش ربا حضرت آدمؑ کے وقت سے اس دم تک کسی نبی کے اہل بیت پر نہیں گزرا۔ خون رونا آسمان اور زمین کا اور سیاہ ہونا تمام دنیا کا تین دن تک اور ٹپکنا خون کا ہر درخت اور پتھر اور دیوار اور در سے کیا تعجب ہے؟ اگر اسی دم حشر برپا ہوتا اور ہر شقی اپنی سزائے اعمال میں اسی وقت سے گرفتار ہوجاتا تو کچھ تعجب نہ تھا۔ پر قیامت قریب ہے اور حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کیا ہے اور تین دن دنیا اندھیری رہی اور روایت کی بیہقی نے ام حبان سے کہا جس دن شہید ہوئے حسینؓ اندھیرا رہا ہم پر تین دن۔ اور نہیں جس نے زعفران منہ پر اس کا منہ جل گیا اور جو اٹھایا پتھر بیت المقدس کا نکلا اس کے نیچے خون تازہ سرخ (اور بعضے روایتوں میں آیا ہے کہ تمام دنیا میں جہاں کا پتھر اس دن اٹھایا اس کے نیچے خون تازہ سرخ تھا ۱۲ مترجم) اور روایت کی بیہقی نے جمیل بن مرہ سے کہا کہ پکڑے گئے یزید کے لشکر والے کئی اونٹ لشکر حسینؓ سے جس دن شہید ہوئے حسینؓ۔ پھر ذبح کیا ان کو اور پکایا سو وہ ایسے کڑوے ہوئے جیسے اندرائن کا پھل۔ پھر ان کو کوئی نہ کھا سکا۔ اور روایت کی بیہقی نے اور ابونعیم نے سفیان سے کہا یوں نقل کیا مجھ سے میری دادی نے کہ دیکھا میں نے ورس کا راکھ ہوجانا ورس کو کہ ہوگئی راکھ۔ اور دیکھا میں نے گوشت جیسے اس میں آگ بھری ہے جس دن شہید ہوئے حسینؓ (صواعق محرقہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ایک قافلہ والے ورس بھر کے یمن سے عراق کو جاتے تھے۔ تھوڑی راہ میں ان کا اور یزید کے لشکر کا ساتھ رہا۔ یزیدیوں کی شامت سے اس کی ورس سب راکھ ہوگئی۔ اور بعضے

بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اڑ چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے

کہتے ہیں جو ورس کہ لشکر یزید میں تھی راکھ ہوگئی اور جب اونٹ کو ذبح کیا اُس میں سے آگ نکلتی تھی ۱۲ تحریر)۔ اور روایت کی بیہقی نے علی بن مسہر سے کہا اُس نے سُنا میں نے اپنی دادی سے کہ تھی میں جب شہید ہوئے تھے حسین لڑکی نوجوان۔ سو چند روز

آسمان کا امام حسینؑ پر رونا آسمان رویا کیا امام پر (یعنی خون برسا۔ اور نشانی اُس کی یعنی سرخی کناروں آسمان پر چھ مہینے تک رہی۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ آسمان سات دن تک ایسا خون رویا کہ اُس کے اثر سے دیواریں اور عمارتیں ہم رنگ لحاف گُلِ انار کے ہو گئی تھیں۔ اور جو کپڑا اُس سے رنگین ہوا اُس کی سرخی ٹکڑے ٹکڑے ہونے تک نہ گئی ۱۲۔

آسمان کے شفق کی سرخی فائدہ۔ ابن سیرین اور سعد سے منقول ہے کہ سرخی شفق کی کناروں آسمان پر امام حسینؑ کی شہادت کے پہلے اس کا وجود نہ تھا۔

فائدہ۔ ابن جوزی نے کہا ہے آسمان کی سرخی کا بھید یہ تھا کہ جب کوئی غضبناک ہوتا ہے خون جوش میں آتا ہے۔ اور اُس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ جسم اور عوارض جسمانی سے منزہ ہے۔ تو اُس نے اپنے غضب کے اظہار کے واسطے تمام آسمان کو سرخ کر دیا۔

عاشورا کو سورج گہن اور یہ بھی روایتوں میں آیا ہے کہ امام حسینؑ کے قتل کے دن سورج گہن اس طرح کا ہوا کہ دوپہر کو تارے نظر آنے لگے اور لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید قیامت آج ہی قائم ہوئی ۱۲ تحریر)

اور روایت کی ابو نعیم نے کہ سنا سفیان نے اپنی دادی سے کہ اس نے کہا دو آدمی

دو قاتلوں کی سزا جو قتل امام حسینؑ میں شریک تھے سو ایک کا اتنا بڑھ گیا تھا آلۂ تناسل کہ اپنی کمر سے باندھ لیتا تھا (اور بعضے روایتوں میں ہے کہ اپنی گردن میں رسی کی طرح لپیٹ لیتا تھا ۱۲ تحریر) اور دوسرے کو اتنی پیاس تھی

قد قتل ذلك اليوم واخرج الحاكم والبيهقي عن ام سلمة قالت رأيت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في المنام وعلى رأسه ولحيته التراب۔ فقلت ما لك يا رسول الله۔ قال شهدت قتل الحسين أنفا۔ واخرج البيهقي وابو نعيم عن بصرة الازدية قالت لما قتل الحسين مطرت السماء دما فاصبحنا

روند ڈالا ۔ راوی کہتا ہے جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسینؑ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آپ فرما رہے ہیں" ان کے لئے ہلاکت ہو جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے ۔ قیامت کے دن

وحبابنا و جرارنا وکل شئ لنا ملان دما ۔ واخرج البیھقی وابو نعیم عن الزھری قال بلغنی انہ یوم قتل الحسین لم یقلب حجر من احجار بیت المقدس الا وجد تحتہ دم عبیط و اخرج البیھقی عن ام حبان قالت یوم قتل الحسین اظلمت علینا ثلاثا ولم یمس منا احد من زعفرانھم شیئا

کو پی جاتا تھا ساری کھال کی کھال اور پیاس نہ بجھتی تھی (یہ سب واقعے اور سانحے واسطے عذاب پانے قاتلوں کے اور عبرت پکڑنے سننے والوں کے ہیں ۱۲ منہ رح)

امام حسینؑ پر جنات کا نوحہ و ماتم

اور روایت کی ابو نعیم نے حبیب ابن ثابت سے کہا اس نے کہ میں نے سنا جنوں کو کہ روتے تھے حسینؑ پر پڑھ کے شعر ؂

اُس جبیں کو نبیؐ نے چوما تھا بھی چمک کیا ہے اس کے چہرے پر
اُس کے ماں باپ تھے قریش کی جان، اُس کے نانا جہان سے بہتر

اور روایت کی ابو نعیم نے طریق حبیب بن ثابت سے کہ حضرت ام سلمہ رضی نے کہا میں نے نہیں سُنا جنوں کا جب سے انتقال ہوا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مگر آج کی رات ۔ تو میں نے جانا کہ میرا بیٹا حسینؑ شہید ہوا ۔ پھر کہا ام سلمہؓ نے اپنی لونڈی سے تو گھر سے نکل کر پوچھ ۔ تو پھر معلوم ہوا کہ حسینؑ شہید ہوئے اور جن یہ کہہ کر رونے لگے ۔ شعر

ہو سکے جتنا روئے تو اے چشم ۔۔۔ کون روئے گا پھر شہیدوں کو
پاس ظالموں کے کھینچے پر لائی ۔۔۔ موت لے والے ان عزیزوں کو

اور روایت کی ابو نعیم نے مزیدہ بن جابر حضرمی سے اُس نے اپنی ماں سے کہ اُس نے کہا سُنا میں نے جنوں کو روتے حسین علیہ السلام پر اور وہ کہتے تھے شعر

ہوئے شہید سُناؤں تمھیں بہ دیدۂ تر ۔۔۔ حسینؑ کو وہ رضا اور حسینؑ کے اختر

امام حسینؑ کے سر کا کہنا کہ میرا قتل اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب ہے

اور یہ روایت کی ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے کہا کہ میں نے واللہ دیکھا سر مبارک حسینؑ کو کہ اُس کو لئے جاتے تھے نیزے پر اور میں دمشق میں تھا اور آگے سر مبارک کے ایک شخص پڑھتا جاتا تھا سورۃ کہف ۔ جب اس آیت پر پہونچا کہ کیا تو نے جانا کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں قدرت سے عجوبے تھے

تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے، یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے! افسوس،

تو گویا کر دیا اللہ نے سرِ مبارک کو بزبان فصیح۔ پھر کہا سرِ مبارک نے کہ عجب تر ہے اصحاب کہف کے قصہ سے میرے قتل کا اور اٹھائے لیے پھرنا (یعنی اصحاب کہف کو کافروں نے فقط ستایا تھا، اور امام کو نانا کے کلمہ گویوں نے پامال مصائب کر کے شہید کیا اور سر کو نیزے پر رکھ کے شہروں شہروں پھرایا اور اصحاب کہف جو سو کر بعد سالہا سال کے بولے تھے تو بھی آخر وہ زندہ تھے، روح بدن میں موجود تھی۔ اور امام کے سرِ مبارک نے کٹنے کے بعد کلام کیا تو درحقیقت جس قدر تعجب امام کے قصے میں ہے اتنا اصحاب کہف کی قید میں نہیں ۱۲ منہ) اور روایت کی ابو نعیم نے طریقِ ابن لہیعہ سے اُس نے ابی قُنبل سے کہا کہ جب شہید ہوئے حسینؑ اور سرِ مبارک کاٹ کر شام کی طرف روانہ ہوئے اور پہلی منزل میں بیٹھے پیتے تھے خرمے کا شیرہ کہ اتنے میں نمودار ہوا غیب سے ایک آہنی قلم اُس نے لکھا خون سے یہ شعر

غیب سے لوہے کے قلم کا ایک شعر لکھ دینا

شبیرؑ کے قاتل کیا فرمائے قیامت میں
اُمید بھی رکھتے ہیں نانا کی شفاعت کی

(اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب سرِ مبارک مع اسیران اہل بیت یزید پاس لے چلے تو پہلی منزل میں ایک دیر میں جا اُترے۔ دیکھیں تو اُس کی دیوار کے پتھر پر یہ بیت لکھی ہے۔ وہاں کے راہب سے پوچھا کہ یہ بیت کس نے لکھی؟ راہب نے کہا کہ میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ بیت اس دیوار پر تمھارے نبیؐ سے پانچ سو برس پیشتر سے لکھی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ دیر کی دیوار پھٹ کر ایک ہاتھ نکلا اُس میں قلم آہنی تھا۔ اور بعضے روایتوں میں ہے کہ راہب نے دس ہزار درم دے کر سرِ مبارک رات بھر اپنے پاس رکھا اور اُس کو غسل دیا اور عطر لگایا اور اپنے زانوں پر رکھ کر تمام رات روتا رہا۔ اور انوارِ رحمتِ خدا کے جو سرِ مبارک پر نازل ہوتے تھے مشاہدہ کرتا رہا۔ اور یہی باعث اُس کے اسلام لانے کا ہوا۔

سب درہم ٹھیکریاں ہو گئے

اور اُن شقیوں نے جب بانٹنے کو تھیلیوں کا

يجعله على وجهه الا احترق ولم يقلب حجر ببيت المقدس الا وجد تحته دم عبيط. واخرج البيهقي عن جميل بن مرة قال اصابوا ابلاً في عسكر الحسين يوم قتل فنحروها و طبخوها فصارت مثل العلقم فما استطاعوا ان يسيغوا منها شيئا. و اخرج البيهقي وابو نعيم عن سفيان قال حدثتني جدتي قالت

تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور دوست باقی نہ رہے!" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھائی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینے سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ

نے منہ کھولا دیکھا کہ سب ٹھیکریاں ہو گئی تھیں اور ایک طرف اُن کے لکھا تھا وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ۔ اور دوسری طرف وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ تحریر (صواعق محرقہ)

متعلقہ سیر الشہادتین مدینہ کی تاراجی اور ویرانی

فائدہ:- جب یزید قتل امام حسینؑ اور ہتک حرمت اہلبیت نبوی سے فارغ ہوا تو اس غرور سے اُس کی شقاوت اور قساوت اور زیادہ ہوئی۔ چنانچہ زنا اور لواطت اور بھائی بہن سے بیاہ اور سود وغیرہ منہیات شرعیہ کو اُس نے اپنے عہد میں علانیہ رواج دیا۔ اور مسلم بن عقبہ کو بارہ ہزار یا بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ واسطے تاخت و تاراج مدینہ منورہ بھیجا۔ تین دن تک اُس شہر مطہر کے رہنے والے قتل اور لوٹ میں گرفتار رہے۔ اور سات سو صحابی قریشی صاحب وجاہت اور عوام الناس اور لڑکے ملا کے دس ہزار آدمیوں سے زیادہ شہید کئے۔ اور لڑکوں کو بندی کر لیا اور عورتوں کو لشکر والوں پر مباح کر دیا۔ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا گھر لوٹ لیا اور مسجد نبوی کے ستونوں میں گھوڑے باندھے۔ چنانچہ گھوڑوں نے منبر اور قبر شریف کے درمیان کا مکان پیشاب اور لید سے نجس کیا۔ اور تین دن تک مسجد شریف میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہوئے۔ فقط سعید بن مسیب دیوانے بن کے وہاں حاضر رہے۔ اور کیا کیا اعمال قبیح کہ اُس مسجد مقدس اور شہر مطہر میں یزید والوں نے کیے کہ زبان قلم کی اُس کی تفصیل سے عاجز ہے۔

خانہ کعبہ کو سنگسار کرنا

اور منجنیق سے کعبہ معظمہ کو سنگسار کیا کہ صحن حرم محترم کا پتھروں سے بھر گیا۔ اور ستون مسجد الحرام کے ٹوٹ گئے اور لباس خانہ کعبہ کو جلا دیا اور کعبہ کے دروازے کے پردے کو اُتار کے تنور میں جلا دیا۔ کتنے دن بیت اللہ بے لباس رہا اور وہاں کے رہنے والے نہایت ایذا اور ہراس میں رہے۔ بالجملہ وہ بدبخت تین برس اور سات مہینے تخت حکومت پر سلطنت کر کے پندرھویں ربیع الاول ۶۴ھ ہجری کو

لقد رأيت الورس عاد رمادا ولقد رأيت اللحم كان فيه النار حين قتل الحسين واخرج البيهقي عن علي بن مسهر قال حدثتني جدتي قالت كنت ايام قتل الحسين جارية شابة۔ فكانت السماء اياما تبكي له۔ واخرج ابونعيم من

اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب!"

جس دن اُس پلید کے حکم سے کعبے کی بے حرمتی ہوئی اُسی دن شہر حمص میں شام کے شہروں میں سے اُنتالیس برس کی عمر میں واصل جہنم ہوا۔

کوفہ میں مختار علیہ الرحمہ کی حکومت

فائدہ۔ جب مختار بن ابی عبید ثقفی عبدالملک کی سلطنت میں کوفہ پر غالب ہوا پہلے اپنے خواص خاص کو عمرو بن سعد کے بلانے کو بھیجا۔ ابن سعد کا بیٹا حفص نامی حاضر ہوا۔ مختار نے پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ اُس نے کہا کہ خانہ نشین ہے۔ مختار نے کہا کہ اب کیونکر حکومت ری سے دست بردار ہو کے گھر میں بیٹھا ہے امام حسینؑ کے قتل کے دن کیوں خانہ نشینی نہ اختیار کی؟

عمر ابن سعد کی گرفتاری اور قتل

بعد اُس کے حکم دیا کہ عمر بن سعد اور اُس کے بیٹے اور شمر کی گردن ماریں اور اُن کے سروں کو حضرت محمد بن حنفیہ پاس بھیج دیا۔

شمر کا قتل

پھر حکم عام دیا کہ جو کوئی معرکۂ کربلا میں شریک عمرو بن سعد تھا اُس کو جہاں پاؤ مار ڈالو۔ یہ حکم سن کے سب کوفہ والے بصرہ کو بھاگے اور لشکر مختار نے اُن کا تعاقب کیا اور اُسکی لاش کو جلا دیا اور اُسکا گھر لوٹ لیا

خولی کی سزا

جب خولی بن یزید کو قید کر کے مختار پاس لائے اُس نے پہلے اُس کے چاروں ہاتھ پیر کاٹ ڈالے۔ پھر اُس کو سولی چڑھا دیا۔ پھر اُس کے بدن کو آگ میں جلا دیا۔ اسی طرح سے ہر ایک لشکر ابن سعد کو طرح طرح کے عذاب سے مارا۔ صواعق محرقہ میں لکھا ہے مختار نے چھ ہزار کوفہ والوں کو جو شریک امام حسینؑ کے قتل میں تھے طرح طرح سے عذاب کر کے مارا۔

عبید اللہ بن زیاد کا قتل

فائدہ۔ جب مختار، ابن سعد اور شمر اور خولی بن یزید اور اُن کے ہمراہیوں کو قتل کر چکا عبید اللہ بن زیاد کی فکر میں ہوا۔ اور ابن زیاد اُن دنوں موصل میں جا رہا تھا اور اُس کے ساتھ بیس ہزار سوار اور پیادے تھے چنانچہ ابراہیم بن مالک اشتر کو فوج ہمراہ کر کے ابن زیاد کے مقابلے کو بھیجا۔

ابراہیم بن مالک اشتر اور ابن زیاد کی جنگ

جب ابراہیم سرحد موصل میں پہنچا ابن زیاد نے دریا کنارے پندرہ کوس پر موصل سے اُس سے مقابلہ کیا صبح سے شام تک خوب لڑائی ہوئی۔ قریب شام کے ابراہیم کی فوج نے لشکر ابن زیاد کو شکست دی۔ جب

طریق سفیان عن جدته قالت شهد رجلان قتل الحسين فاما احدهما فطال ذكره حتى كان يلفه واما الآخر فكان يستقبل الراوية بفيه حتى يأتي على آخرها فما يروى واخرج ابو نعيم عن حبيب بن ثابت قال سمعت الجنة تنوح على الحسين وهي

مولود تازہ کی شہادت حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ عین اُس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے

ابن زیاد کے ہمراہی بھاگے ابراہیم نے حکم دیا کہ جس کسی کو فوج مخالف سے پاویں ذبح کریں

ابن زیاد کا قتل چنانچہ بہتوں کو جان سے مار ڈالا۔ ابن زیاد بھی مارا گیا۔ ابن زیاد کا سر کاٹ کے لشکر والوں نے ابراہیم پاس حاضر کیا۔ ابراہیم نے مختار کو کوفہ میں بھیج دیا۔ جب سر ابن زیاد کا کوفہ میں پہنچا مختار نے دار الامارۃ کوفہ میں محفل کو آراستہ کرکے کوفہ والوں کو جمع کیا۔ اُس وقت سر نامبارک ابن زیاد کا منگوا کے کہا اے اہل کوفہ دیکھو کہ خون ناحق امام حسین علیہ السلام نے ابن زیاد کو زندہ نہ چھوڑا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مختار کی لڑائی میں ستر ہزار اہل شام مارے گئے۔ اور یہ واقعہ ۶۷ھ ہجری میں چھ برس واقعہ کربلا کے بعد عاشورے کے دن واقع ہوا۔

ابن زیاد کے نتھنوں میں سانپ کا گھسنا اور نکلنا فائدہ۔ ترمذی کی صحیح روایت میں وارد ہے کہ جب ابن زیاد اور اُس کے سرداروں کے سر مختار پاس لا کے رکھے گئے یکایک ایک سانپ بڑا سا ظاہر ہوا کہ لوگ اُسے دیکھ کے ہٹ گئے۔ رہا یہ سب سروں میں سے خبیث شر ابن زیاد کے سر پاس آکے اُس کے نتھنوں میں گھسا اور تھوڑی دیر ٹھہر کے اُس کے مُنہ سے نکلا۔ پھر اُس کے مُنہ میں گھسا اور نتھنے سے نکلا۔ اسی طرح تین بار سانپ نے آمد و رفت کی پھر غائب ہوگیا۔

قاتلین امام حسینؑ کے سر اور لاشے الحاصل ابن زیاد اور ابن سعد اور شمر ذی الجوشن اور قیس بن اشعث کندی اور خولی بن یزید اور سنان بن انس نخعی اور عبد اللہ بن قیس اور یزید بن مالک اور باقی اشقیا طرح طرح کی عقوبتوں سے قتل ہوئے اور ان کی لاشوں کو اس طرح گھوڑوں کے سموں سے روندا کہ ہڈیاں چور چور ہوکر خاک سے برابر ہوگئیں۔ بہ تاریخ والوں کو اس امر میں اختلاف ہے کہ ابن سعد اور شمر وغیرہ ابن زیاد سے پہلے مارے گئے یا پیچھے۔ بہر نہج سے جو حاکم کی حدیث میں وعدہ منتقم حقیقی کا گزرا کہ امام حسینؑ کے عوض میں ستر ہزار اور ستر ہزار شقی مارے جاویں گے، سو محقق ہوا۔

مختار کا قتل آخر مختار کے عقیدے میں فساد آیا اور اُس کو یہ خبط ہوا کہ اس کی طرف

نقول شعر ؎
مسح النبی جبینه
فله بریق فی الخدود
ابواه فی علیا قریش
وجده خیر الجدود
واخرج ابونعیم
من طریق حبیب
بن ثابت عن
ام سلمة قالت
ما سمعت نوح الجن
منذ قبض النبی
صلی الله علیه و
آله الا اللیلة
وما اری ابنی
الا قد قتل تعنی
الحسین - فقالت
لجاریتها اخرجی
فاسئلی فاخبرت
انه قد قتل و
اذا الجنة تنوح
شعر ؎ الا یا عین
فاجتهلی بجهد -

کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچے کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ بچے کی روح اُسی وقت پرواز کر گئی۔ آپ نے تیر اُس کے حلق سے کھینچ کر نکالا، خون سے چلو بھرا

وحی آتی ہے۔ اور حضرت محمد بن الحنفیہ ہی مہدی موعود ہیں۔ اور جب قبضہ اُس کا کوفہ اور اُس کے اطراف اور جوانب پر خوب ہوگیا تو اُس کو داعیہ لڑائی کا عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ پیدا ہوا۔ جب عبداللہ بن زبیر کو یہ حال معلوم ہوا اُنھوں نے بھی اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو جو بصرے کے حاکم تھے اُس کے مقابلے کے واسطے معین کیا۔ جب مصعب بصرہ سے لڑائی کے ارادے پر روانہ ہوئے تو مصعب اور مختار میں خوب جدال اور قتال ہوا۔ آخر الامر فتح مصعب بن زبیر کو نصیب ہوئی اور مختار معرکہ میں مارا گیا

مصعب کا بھی قتل

اور مصعب بن زبیر کوفہ پر قابض ہوئے۔ آخر کو عبدالملک مصعب بن زبیر پر چڑھ آیا اور مصعب بن زبیر اور ابراہیم بن مالک اشتر کو ۷۱ھ میں قتل کیا۔

کوفہ کے دارالامارۃ کی نحوست

فائدہ۔ عبدالملک بن عمرو لیثی سے روایت ہے کہ عجب اتفاق ہے کہ میں نے دارالامارۃ کوفہ میں پہلے امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک دیکھا کہ عبیداللہ بن زیاد کے سامنے داہنی طرف ایک سپر پر رکھا تھا۔ وہیں ابن زیاد کا سر دیکھا کہ آگے مختار کے رکھا تھا۔ پھر وہیں مختار کا سر دیکھا کہ مصعب بن زبیر کے سامنے رکھا تھا۔ پھر وہیں مصعب بن زبیر کا سر دیکھا کہ عبدالملک کے روبرو رکھا تھا۔ ابن عمرو لیثی نے کہا جب میں نے یہ حال عبدالملک کے آگے بیان کیا وہ کہنے لگا خدا تجھ کو یہاں پانچواں سر نہ دکھاوے اور اُس دارالامارۃ کی شامت سے ڈر کر اُسی وقت اُسے کھُدوا ڈالا۔ قصہ کوتاہ جب عبدالملک نے مصعب بن زبیر پر فتح پائی چاہا کہ عبداللہ

حجاج کا خانہ کعبہ میں ابن زبیر کو قتل کرنا

ابن زبیر کے مقابلہ کو فوج مکہ میں بھیجے۔ لوگوں نے عذر کیا کہ حرم محترم میں جدال و قتال حرام ہے۔ وہاں جا کر کیونکر لڑیں۔ آخر ایک دن حجاج بن یوسف نے عبدالملک کے سامنے آ کے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کا سر میں نے کاٹ لیا۔ عبدالملک نے جانا کہ حجاج کہ جانے کو عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں تیار ہے۔ اُس نے

ومن یبکی علی الشھداء بعدی + علی رھط تقودھم المنایا - الی متجبر فی ملك عھدی + واخرج ابونعیم عن مزیدہ ابن جابر الحضرمی عن امه قالت سمعت الجن تنوح علی الحسین وھی تقول شعر انعی حسینا ھبلا - کان حسین جبلا + واخرج ابن عساکر عن المنھال بن عمرو قال انا واللہ رأیت راس الحسین حین حمل وانا بدمشق وبین یدی الراس رجل یقرأ سورۃ الکھف حتی بلغ قوله تعالیٰ

اور اس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے " واللہ ! تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے ، اور محمد خدا کی نظر میں صالحؑ سے زیادہ افضل ہیں ! الٰہی ! اگر تو نے ہم سے

جلد ایک لشکر حجاج کے پاسے نام کر کے مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔ حجاج اصل طائف کا رہنے والا تھا۔ اُس نے وہاں آ کے اور فوج جمع کر کے متوجہ مکہ ہو وہاں سرگرم قتال اور جدال کا ہوا اور بالکل آداب مکہ معظمہ اور حرم محترم کے چھوڑ کے نہایت بے ادبیوں اور بیحد گستاخیوں پر کمر باندھی۔ یہاں تک کہ تمام حرم محترم کو شہیدوں کے خون سے رنگین کیا اور عبداللہ بن زبیر کو بھی ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں شہید کیا۔ بعد اُس کے سُولی چڑھایا۔ پھر سُولی سے اُتروا کے یہودیوں کی قبروں میں ڈلوا دیا۔ بعد طے کرنے اس مرحلہ کے حکومت مروانیوں کی شام اور عراق اور حجاز میں جم گئی اور سب سلطنت اُن کی تراسی ۸۳ برس چار مہینے رہی تحریر الشہادتین اور صواعق محرقہ اور اشاعۃ الاشراط الساعۃ ۔

ام حسبت ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا۔ فانطق اللہ الراس بلسان ذرب فقال اعجب من اصحاب الکھف قتلی وحملی۔ و اخرج ابونعیم من طریق ابن لھیعۃ عن ابی قنبل قال لما قتل الحسین احتز راسہ و قعد وافی اول مرحلۃ یشربون النبیذ فخرج علیھم قلم من حدید فکتب سطرا بدم شعر ؎

اترجوا امۃ قتلت حسینا۔ شفاعۃ جدہ یوم الحساب

تمت

خاتمۃ الطبع

حمد و ثنا ایسے خالق کو زیبا ہے کہ محمد مصطفےٰ سا رسول پیدا کیا۔ اور کمال شہادت اُن کے دونوں بیٹوں کو دیا کہ یہ رسالہ سر الشہادتین تصنیف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور ترجمہ اُردو مولوی خرم علی اور ترجمہ مولانا محمد سلامۃ اللہ کہ نام اُس ترجمہ کا تحریر الشہادتین ہے اور مرزا حسن علی مرحوم کے فوائد صواعق محرقہ و اشراط الساعۃ و روضۃ الاحباب وغیرہ سے زیب حاشیہ کیا ہے۔ اور یہ نسخہ اسبر کہ چند بار چند مطابع میں یعنی مطبع مصطفائی میں اول بار۔ مطبع نظامی میں دوسری بار۔ مطبع اسدی میں تیسری بار۔ مطبع فیض آثار اودھ اخبار میں چوتھی بار۔ مطبع منشی نول کشور میں پانچویں بار چھپا اور خریداران شائق نے خرید کیا۔ اب چھٹی بار پھر بسعی بلیغ بفرط تمنائے خریداران بامر جناب فیض مآب والا ہمم صاحب مروت و ہمم متبع سنت سید المرسلین میاں چراغ الدین سراج الدین اُثبتہما اللہ علی الصدق والیقین کے حلیہ صحت و لباس خوش خطی سے متحلی ہو کر ۱۳۰۹ھ میں مطبوع طبائع اہل جہاں ہوا۔ فقط

اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے!" (یعقوبی وابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہلبیت شہید ہو گئے ان میں سے

قول ناقل واضح ہو کہ مطبع مصطفائی لاہور میں ۱۳۰۹ھ ہجری میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا جو قابل قدر رسالہ ۱۳۰۹ھ میں چھپا ہے اُس کا اُردو ترجمہ بھی عربی عبارت کی ہر سطر کے نیچے چھپا ہے اور ہر صفحہ میں بات بات پر حاشیہ بھی اُردو میں چھپا ہے۔ ہم نے اصل عربی عبارت اور اس کے ترجمہ کو لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے۔ ہم نے اصل یا ترجمہ میں ایک لفظ بھی نہ بڑھایا ہے نہ گھٹایا ہے نہ بدلا ہے۔ اور ہر صفحہ میں جو حاشیہ ہے اُس کی بھی اکثر عبارتیں بریکٹ میں اس طرح ( ) نقل کرتے گئے ہیں۔ جو عبارت اس بریکٹ سے باہر ہے وہ لفظ بہ لفظ سر الشہادتین کی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اور جو عبارت بریکٹ میں ہے وہ بھی مشہور عالم اہلسنت جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کی تحریر الشہادتین سے اُسی رسالہ سر الشہادتین کے حاشیہ پہ چھپا ہے۔

رسالہ سر الشہادتین پر تبصرہ ہندوستان کے علماء اہلسنت میں کسی کا اتنا بڑا درجہ نہیں مانا گیا ہے جو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا تسلیم کیا گیا۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعوں کے خلاف جیسی زبردست کتاب تحفہ اثنا عشریہ ممدوح نے لکھی ویسی نقصان پہنچانے والی اور کُھلم کُھلا سُنی شیعہ کے درمیان تعصب کی آگ بھڑکانے والی کوئی کتاب کسی عالم اہل سنت نے نہیں لکھی۔ انھیں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا رسالہ سر الشہادتین اُردو ترجمہ کے ساتھ آپ حضرات نے پڑھا۔ اس کا ہر لفظ قدر کے قابل اور ہر مضمون سونے سے لکھنے کے لائق ہے۔ ہم ان چند باتوں کی طرف ناظرین کتاب "شہادۃ عظمیٰ" کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے جس جس جگہ حضرت رسول خدا صلعم کا نام لیا ہے ان میں سے اکثر جگہ درود اس طرح لکھتے گئے ہیں: صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یعنی خدا حضرت پر اور حضرت کی اولاد پر درود وسلام نازل کرتا رہے۔ ملاحظہ ہو سر الشہادتین صفحہ ۱۰ سطر ۱ و صفحہ ۲۵ سطر ۸ و صفحہ ۲۶ سطر ۱ و ۴ و ۷ و صفحہ ۲۸ سطر ۱ (دو مرتبہ) و سطر ۴ و ۵ و صفحہ ۲۸ سطر ۱ و ۱۱ و صفحہ ۲۹ سطر ۱ و ۱۱ و صفحہ ۳۰ سطر ۳ و صفحہ ۳۱ سطر ۱۰ و صفحہ ۳۲ سطر ۹ و صفحہ ۳۳ سطر ۲ و صفحہ ۳۵ سطر ۳۔ اور اس کے اُردو ترجمہ میں تو تقریباً ہر جگہ صلی اللہ علیہ و آلہ ہی لکھا ہے۔ اب اس زمانہ میں جو لوگ حضرت رسول خدا کے ساتھ صرف صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں اور آل کو نکال دیتے ہیں وہ حکم رسول کے خلاف تو کرتے ہی ہیں (کیونکہ حضرت نے مسلمانوں کو بہ تاکید اس طرح درود بھیجنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد کیا ہے لا تصلوا علیّ الصلوۃ البتراء تم لوگ مجھ پر آدھا۔ ناقص۔

ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں :- (۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل - (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل - (۳) عبداللہ بن عقیل - (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل - (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ

ادھورا درود صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھیجا کرو بلکہ پورا درود (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا کرو - اپنے اتنے بڑے مذہبی پیشوا جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور مولوی خرم علی صاحب کے خلاف بھی کرتے ہیں کہ آل کو نکال دیتے ہیں حالانکہ ہر درود میں حضرت رسول خدا صلعم کی آل کو بھی شریک کرنا ضروری ہے -

(۲) جناب شاہ صاحب کی پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو شہادت کے شرف سے محروم رکھا تھا اور حضرت امام حسنؑ و امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو یہ درجہ ملا۔ گویا حضرت امام حسین کی شہادت بالکل حضرت رسول خدا صلعم کی شہادت ہے - تو اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حاکم وقت یزید سے بغاوت کی - وہ در پردہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے یزید سے بغاوت کی -

کیا حضرت رسول صلعم پر بغاوت کا الزام کسی اصول سے ہوسکتا ہے؟

اب ہر مسلمان کو غور کرنا چاہیے کہ کیا حضرت رسول خدا صلعم پر بغاوت کا الزام کسی طرح قائم ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں، تو حضرت امام حسینؑ پر بھی نہیں ہوسکتا - دنیا میں کوئی شخص کسی سے بغاوت کرکے قتل کیا جائے تو وہ کیا شہید کہا جاسکتا ہے؟ خوب سمجھئے اور اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے کہ اگر کوئی شخص باغی ہے تو وہ شہید نہیں کہا جاسکتا - اور اگر وہ شہید ہے تو اس کو کسی شریعت میں باغی نہیں کہہ سکتے - دونوں میں وہی فرق ہے جو سیاہ و سفید، حق و باطل، روشنی اور اندھیرے میں ہے - اگر کوئی چیز سیاہ ہے تو اس کو اسی وقت سفید نہیں کہہ سکتے - اور اگر کوئی چیز کسی وقت حق ہے تو اس کو اسی وقت باطل نہیں کہہ سکتے - اسی طرح اگر حضرت امام حسین علیہ السلام باغی تھے تو معاذ اللہ وہ مجرم تھے، قصوروار تھے - گردن زدنی تھے - قتل کے مستحق تھے اور قتل ہونے کے بعد حضرت مقتول کہے جائیں گے - ذبیح کہے جائیں گے لیکن شہید نہیں کہے جاسکتے کیونکہ شہید خاص اُس مقتول اور مذبوح کو کہتے ہیں جو بے قصور قتل کیا جائے، جو بے خطا ذبح کیا جائے، جو بے جرم مارا جائے - ان وجوہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک ہی صفت سے یاد کرسکتے ہیں - خواہ باغی کہئے خواہ شہید - دونوں صفتوں سے حضرت کو یاد نہیں کرسکتے - حضرات اہلسنت کے پیشوائے اعظم جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے اپنی کتاب کا نام سر الشہادتین (امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی شہادتوں کا بھید یا راز) رکھ کر یہی ثابت کردیا کہ ان دونوں بزرگوں کا قتل کسی جرم، کسی قسم کی بغاوت،

بن جعفر۔ (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر۔ (۸) عباس بن علی۔ (۹) عبداللہ بن علی۔ (۱۰) عثمان بن علی۔ (۱۱) محمد بن علی۔ (۱۲) ابوبکر بن علی۔ (۱۳) ابوبکر بن الحسن۔ (۱۴) عبداللہ بن الحسن۔

کسی فعل کی سزا میں نہیں واقع ہوا بلکہ قاتلوں نے محض عداوت سے، محض اپنے نفع کے لیے، محض اپنی سلطنت قائم کرنے اور اپنی دنیا بنانے کے لیے ان حضرات کو قتل کیا۔ اسی وجہ سے ان دونوں بزرگوں کے قتل کو شہادت قرار دیا اور اسی وجہ سے اپنی کتاب کا نام سرّ القتلین (دونوں قتلوں کا راز یا بھید) یا سرّ الذبحتین (دونوں ذبحوں کا بھید یا راز) نہیں رکھا بلکہ سرّ الشہادتین (دونوں شہادتوں کا بھید یا راز) رکھا۔ اور محض اپنی کتاب کا یہ نام رکھ کر ہی شاہ صاحب نے امام حسینؑ سے بغاوت کے الزام کو رفع نہیں کیا بلکہ حضرت کی شہادت کو بعینہٖ حضرت رسول خدا صلعم کی شہادت ثابت کرکے واضح کردیا کہ کسی شخص کو حضرت کی شہادت، حضرت کی بے قصوری، حضرت کی مظلومی میں ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہو اور کسی پاگل کے دماغ میں بھی یہ وسوسہ نہ پیدا ہو کہ ممکن ہے حضرت ہی نے بغاوت کی ہو بلکہ وہ یقین کرلے کہ حضرت امام حسینؑ بالکل ویسے ہی بے قصور تھے جیسے بے قصور حضرت رسول خدا صلعم تھے۔ ویسے ہی بے خطا تھے جیسے حضرت رسول خدا صلعم تھے۔ ویسے ہی مظلوم تھے جیسے حضرت رسول خدا صلعم تھے۔ اور حضرت کا قتل بالکل ویسا ہی قتل تھا جیسا حضرت رسول خدا صلعم کا ہوتا۔ اب اگر حضرت رسول خدا صلعم کسی دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جانے سے باغی کہے جاتے تو حضرت امام حسینؑ کو بھی خوشی سے باغی کہو۔ اگر تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا کوئی جرم تھا اور حضرت رسول خدا صلعم اُس کے مجرم تھے تو حفاظت اسلام کا فرض ادا کرنا بھی جرم تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام اُس کے مجرم تھے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت رسول خدا صلعم کے قتل ہونے سے حضرت شہید کہے جاتے تو حضرت امام حسین علیہ السلام بھی قتل ہوکر شہید ہی تھے اور معلوم ہے کہ کوئی شہید کبھی باغی نہیں کہا جاسکتا۔ حضرات اہلسنت کے پیشوا جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کی اس عبارت کو ناظرین پھر پڑھیں، غور سے پڑھیں اور خوب یاد رکھیں۔ لکھا ہے "الغرض کسی طرح ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے سر دفتر امام برحق امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلیہ السلام کی بغاوت نہیں ثابت ہو سکتی۔ حاشا وکلّا! اور اسی طرح بقیہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام بھی اس تہمت اور بہتان سے بالکل بری ہیں۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے بھی ہرگز کسی سے بغاوت نہیں کی۔ آپ تو کسی سے لڑے بھی نہیں۔ اسی جنگ وقتال اور خوں ریزی کے خیال سے خود خلافت سے کنارے ہوکر (باوجود من کل الوجوہ احق ہونے کے) خلافت سونپ دی جس کا ذکر تمام کتب تاریخ

(۱۵) قاسم بن الحسن۔ (۱۶) علی بن حسین۔ (۱۷) عبداللہ بن حسین۔

ایک بچے کی شجاعت ان سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں

وسیر و حوادیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ دیکھو بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۵۳" (رسالہ شہادت حسین صفحہ ۶۹)

امام حسینؓ ہرگز باغی نہیں تھے یہی جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی پھر تحریر فرماتے ہیں "اسی طرح سیدنا مولانا امیرالمومنین حضرت امام ہمام جناب امام حسین (علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بھی ہرگز بغاوت نہیں کی۔ آپ ہرگز باغی نہ تھے بلکہ مظلوم شہید ہوئے۔ خوارج و نواصب اور بعض چھپے ناصبی نعوذ باللہ من ذلک آپ پر بغاوت کا الزام لگاتے ہیں اور اُن کے زعم باطل وگمان فاسد میں یہ ہے کہ یزید پلید خلیفہ وقت تھا اور خلیفۂ وقت سے مخالفت و سرکشی بغاوت ہے۔ اس بناء پر حسین مظلوم باغی ہوئے۔ لیکن یزید نہ تو کسی طرح خلافت کا مستحق تھا اور نہ ہرگز خلیفہ ہونے کے قابل تھا۔ اور نہ کسی طرح اس کی خلافت ثابت ہوتی ہے کیونکہ امیرالمومنین سیدنا امام حسنؓ نے امیر معاویہ کو خلافت سپرد کرتے ہوئے یہ شرط کر دی تھی کہ تمہارے بعد خلافت پھر ہماری ہی طرف لوٹ آئے گی اور تمہیں کسی کو اپنا خلیفہ و ولی عہد بنانے کا ہرگز حق نہ ہوگا لیکن ہمارے معظم و مکرم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بالکل خلاف معاہدہ یزید کو خلیفہ و ولی عہد کیا جیسا کہ بالتفصیل اوپر بیان ہو چکا"

سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس بحث پر کیا خوب ریمارک Remark کیا ہے۔ جلد ہشتم صفحہ ۱۲۶ میں فرماتے ہیں۔ وابوبکر بن العربی المالکی علیہ من اللہ تعالیٰ ما یستحق اعظم الفریۃ فزعم ان الحسین قتل بسیف جدہ صلعم وله من الجهلة موافقون علی ذلك۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا۔ قال ابن الجوزی فی کتابه السر المصون من الاعتقادات العامة التی غلبت علی جماعة منتسبین الی السنة ان یقولوا ان یزید کان علی الصواب وان الحسین اخطأ بالخروج علیه ولو نظروا فی سیر لعلموا کیف عقد البیعة فقد بدت منه بوادکلها توجب فسخ العقد ولا یمیل الی ذلك الا کل جاهل عامی المذهب یظن به انه یغیظ بذلك الی الرافضة الخ۔ یعنی ابوبکر بن عربی مالکی نے اُس پر خدا کی طرف سے وہ نازل ہو جس کا وہ مستحق ہے سخت بہتان و افترا کیا ہے جو اس نے یہ گمان کیا اور یہ کہا کہ حسینؓ اپنے نانا کی تلوار سے قتل کیے گئے یعنی بغاوت کی تھی۔ اس لیے اُن کی گردن ماری گئی۔ اور بعض جہلاء اس ابن عربی کے

تنہا کھڑے تھے، دشمن یلغار کر کے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے لیکن شمر بن الجوشن نے لوگوں کو

ہمنیال ہیں۔ لیکن یہ بڑی ہی سخت بات ہے جو اُن کے مُنہ سے نکلتی ہے، نرا ہی جھوٹ بکتے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب سر المصنون میں فرماتے ہیں ایک عام خیال و اعتقاد باطل جو ایک فرقہ میں غالب ہوگیا ہے اور وہ فرقہ اس خیال کے ساتھ اہل سنت کی طرف منسوب ہے یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں یزید بر سر حق تھا اور حسینؓ نے غلطی کی جو اُس پر خروج کیا۔ لیکن اگر کاش یہ لوگ تاریخ و سیر پر انصاف کی نظر ڈالتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ یزید کی بیعت کس طرح سے منعقد ہوئی اور کن مجبوریوں سے لوگوں نے اس کی بیعت کی۔ اور اُس کی بیعت لوگوں سے زبردستی قبول کرانے میں کیسی کیسی نامراد قبیح کارروائیاں کی گئیں۔ پھر اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے صحت عقد بیعت کو اُس کے قبول بھی کرلیں تو یزید سے ایسی کھلی کھلی بُرائیاں سرزد ہوئیں جن سے لوگوں پر اُس کی بیعت کا فسخ واجب و ضروری ہوگیا تو ایسی صورت میں امام حسینؓ معاذ اللہ کس طرح باغی ہو سکتے ہیں؟ بس اس قبیح خیال بغاوت سیدنا حسینؓ کی طرف کوئی مائل نہیں ہو سکتا۔ سوائے اُن عامی المذہب جاہلوں کے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان باتوں سے رافضیوں اور شیعوں کو غیظ و غضب میں لاتے ہیں اور انھیں چڑاتے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ کا یہ آخری جملہ ٹھیک اس وقت .... صادق آتا ہے ...... کے متبعین بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں ہم شیعوں کو چڑانے کے لیے بولتے ہیں۔ اور اس بحث میں امام المتکلمین مولانا حیدر علی لکھنوی رحمۃ اللہ کی ابصارت العین اور ازالۃ الغین نہایت عمدہ کتاب ہے جس میں پُر زور دلائل سے شہادت امام حسینؓ ثابت کی گئی ہے اور یزید کا اہل سنت کے نزدیک کفر و فسق و لعن محقق مسئلہ بتایا گیا ہے۔ یہ تھے ہمارے اہلسنت کے اگلے مناظرین جو تولائے اہل بیت میں سرشار تھے اور ایک آج کل جناب .... صاحب مناظر ہیں جو تمام اہلسنت ہی کو گمراہ تصور کرتے ہیں اور اہل بیت اطہار کو باغی خیال فرماتے ہیں۔ افسوس! کاش ...... ان کتابوں کے ترجمے ...... دیکھ سُن لیتے تو شاید ایسی لغزشوں میں نہ پڑتے۔ اب بھی وقت نہیں گیا ہے اور توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

ناظرین! یہاں پر ہمیں اپنے مبحث سے کسی قدر الگ ہو کر یہ دریافت کرنا ہے کہ سید الشہداء دل و جان مصطفیٰ حضرت سیدنا امام حسینؓ تو آپ کے نزدیک باغی ٹھہرے مگر نہیں معلوم کہ جناب حضرت عبداللہ بن زبیر جو خلیفہ اول امیر المومنین جناب حضرت ابو بکر صدیق کے نواسے اور سید المرسلین رحمۃ للعالمین

برانگیختہ کرنا شروع کیا - ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا ۔ اہلبیت کے خیمے میں عورتیں اور چند
کم عمر لڑکے رہ گئے تھے ۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے

سرورِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی جناب حضرت زبیر بن العوام
جو جنگ جمل میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کے مرد مقابل ومحارب تھے کے صاحبزادے تھے اور جو
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی گود میں پلے تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ آپ کے نزدیک کیا ہیں؟
وہ بھی آپ کے نزدیک باغی وطاغی وغیرہ معاذ اللہ ہیں یا نہیں ؟ کیونکہ وہ تو آپ کے امیر المومنین حضرت
معاویہ کے صاحبزادے یزید کے پورے حریف اور مرد مقابل تھے - پھر انھیں آپ کیا فرماتے ہیں - بینوا و
توجروا ۔ (رسالہ شہادت حسین صفحہ ۲) -

باقی نو امام بھی باغی تھے یا نہیں؟ اس کے بعد جناب شاہ صاحب ممدوح تحریر فرماتے ہیں

" خیر اس جملہ معترضہ کے بعد اصل مطلب کی بات اور بارہ اماموں کی بغاوت کا حال سُنیے! آپ معلوم
کر چکے کہ دوازدہ (بارہ) امام علیہم السلام میں سے اُن کے سر دفتر جناب مولا علیؓ اور امام حسنؑ اور
امام حسینؑ اس تہمت سے اور اس سراسر بہتان سے بالکل الگ اور علیحدہ ہیں اور کسی طرح ان کی بغاوت
ثابت نہیں - بس اسی طرح بقیہ ائمہ اثنا عشرؑ امام زین العابدینؑ سے لے کر امام حسن عسکری علیہم السلام تک
ان پاک نفس پیشواؤں میں سے کسی نے بھی ہرگز اور کبھی کسی زمانے میں بغاوت نہیں کی - سید الساجدین امام
زین العابدین حضرت علی ابن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام تو یزید کے زمانہ ہی میں گوشہ نشین
ہو چکے تھے - اور نہ یزید کی بیعت کی تھی نہ حضرت عبد اللہ بن زبیر کی - اور اسی طرح حضرت سیدنا امام باقر
حضرت سیدنا امام جعفر صادق - حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم - حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا - حضرت سیدنا
امام محمد جواد تقی - حضرت سیدنا امام علی نقی - حضرت سیدنا امام حسن عسکری علیہم السلام بھی ان جھگڑوں سے
بالکل الگ اور علیحدہ رہے اور بغاوت کی جھوٹی وناپاک تہمت سے بالکل پاک ہیں - امام عسکری گیارھویں
امام ہیں اور بارھویں حضرت سیدنا امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام ہیں جو قرب قیامت میں تشریف لائیں گے
جن کی تعریف ومحاسن ومحامد اور فضائل سے تمام کتب احادیث بھری ہیں - ...... غرض کسی زمانے میں
کسی تاریخ وسیر سے دوازدہ امام کا بغاوت کرنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اور ان کے مطہر دامن ان تمام داغوں
سے بالکل پاک وصاف ہیں اور ان مقدس پیشواؤں کو تمام اہل سنت والجماعت ہمیشہ سے اپنا سرتاج پیشوا
مانتے آئے ہیں بالخصوص حضرات صوفیائے کرام قدست اسرارہم انھیں اپنا روحانی امام ومقتدا

بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی سے لے کر دوڑ پڑا - راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے

آئے ہیں اھ۔ اُن کے نزدیک ان حضرات میں خلافت باطنیہ درجہ بدرجہ تھی اور اکابر و علما و صوفیہ نے مثل حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی و حضرت مجدد صاحب و حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ و قدست اسرارہم کے فرمایا ہے کہ یہ حضرات ائمہ قطب الاقطاب تھے اور قطب الاقطاب سوائے سادات کرام کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت سیدنا امام حسن عسکریؓ تک تو یہ سلسلہ درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے پہنچا مگر اُن کے بعد پھر اُس عہدہ و درجہ پر کوئی مستقل طور سے مشرف نہ ہوا...... یہاں تک کہ حضرت سیدنا امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام تشریف لائیں گے اور یہ قطبیت مستقل طور سے انھیں ودیعت ہوگی اور وہ مستقل ہوں گے۔ شرح قصیدہ ہمزیہ ابن حجر مکی صفحہ ۲۲۰ چھاپہ مصر ملاحظہ ہو...... ہم اس رسالہ میں ان مباحث کو ہرگز نہ چھیڑتے مگر چونکہ...... حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کو باغی لکھا اور لگے متعقدین شہادت کے قاعدے پر سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بغاوت ثابت کرنے۔ لہذا میں ان مباحث کے لکھنے پر سخت مجبور ہو گیا۔" (رسالہ شہادت حسین صفحہ ۱۴۳)

کیا یزید کی خلافت صحیح ہو سکتی ہے؟

جناب ممدوح یعنی مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ یزید کی خلافت کسی طرح صحیح اور جائز بھی کہی جا سکتی ہے یا محض باطل تھی۔ لکھا ہے: "تمام کتب تاریخ سیر وغیرہ سے ثابت ہے اور تمام علماء محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت صرف اُن کی حیات تک کے لیے سپرد کی تھی اور اسی شرط پر اُن کو خلافت سونپ دی تھی کہ تمھارے بعد پھر خلافت ہماری ہی طرف لوٹے گی تم کو ہرگز یہ حق نہ ہوگا کہ کسی کو اپنا ولی عہد بناؤ یا اس کو میراث سمجھ کر کسریٰ و قیصر کی سلطنت بناؤ۔ علامہ ابن عبدالبر اندلسی استیعاب جلد اول صفحہ ۱۴۴ میں فرماتے ہیں ولا خلاف بین العلماء ان الحسن انما سلم الخلافۃ لمعاویۃ حیاتہ لا غیر ثم یکون لہ من بعدہ و علی ذلک العقد بینہما ما العقد فی ذلک باتفاق عام علماء اہل سنت کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ امام حسن نے امیر معاویہ کو صرف ان کی حیات تک کے لیے خلافت سپرد کی تھی نہ مابعد کے لیے بھی اور اسی پر ان دونوں کے مابین صلح ہوئی تھی۔ اور اصابہ فی تمیز الصحابہ صفحہ ۶۷ میں ہے...... علی ان یجعل العہد لہ من بعدہ یعنی...... اس بات پر ...... کہ خلافت ان کے بعد پھر انھیں کے سپرد ہو۔

اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ (لابن قتیبہ دینوری) صفحہ ۱۵۰ جزو اول میں ہے۔ فاصطلح معاویۃ

ہل رہے تھے - یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا - حضرت زینب کی نظر پڑ گئی،

علی ان لمعاویۃ الامامۃ ماکان حیا فاذا مات فالامر للحسن یعنی امام حسن نے امیر معاویہ صاحب سے اس بات پر صلح کی کہ امامت (خلافت) امیر معاویہ کے لیے ہے جب تک وہ زندہ رہیں - پھر جب وہ مر جائیں تو اُن کے بعد خلافت و امامت حسنؑ کی ہوگی - غرض یہ امر محقق و مسلم ہے کہ امام حسنؑ نے خلافت حضرت امیر معاویہ کو صرف اُن کی حیات تک کے لیے سونپی تھی اور ہرگز امیر معاویہ کو یہ حق نہ تھا کہ کسی شخص کو بھی اگرچہ وہ لائق و قابل خلافت ہی کیوں نہ ہو اپنا ولی عہد و خلیفہ بنائیں لیکن افسوس انھوں نے خلاف معاہدہ یزید کو خلیفہ و ولی عہد کر دیا جو قطع نظر خلاف معاہدہ و خلاف شرط صلح نامہ ہونے کے کسی طرح بوجہ اپنے فسق و فجور کے لائق و قابل خلافت نہ تھا۔ اور نور نظر مصطفےٰ سیدنا و مولانا امیر المومنین حضرت امام حسن مجتبےٰ کے رہتے ان کی زندگی ہی میں پوشیدہ طور پر یزید کی خلافت کی کارروائیاں کیں اور محبت پدری اور مصلحۃ ملکی اُن کو اسی پر مجبور کرتی تھی اور امام حسنؑ کی رحلت کے بعد اس امر میں اور بھی مستعد اور منہمک ہو کر چند دنیا طلب، حریص جاہ و مال شامیوں کو بلا کر ان سے صلاح و مشورہ کر کے کھلم کھلا یزید کو خلیفہ و ولی عہد کر دیا جیسا کہ کتب تواریخ سے ظاہر و باہر ہے - استیعاب جلد اول صفحہ ۱۴۵ میں موجود ہے وکان معاویۃ قد اشار بالبیعۃ الی یزید فی حیات الحسن وعرض لہا ولکن لم یکشفہا ولا عزم علیہا ولا بعد موت الحسن یعنی امیر معاویہ نے سبط رسول حسنؑ کی حیات ہی میں یزید کی بیعت کا اشارہ کیا اور اس امر کو پیش کیا تھا لیکن اس کو علی العموم ظاہر نہ کیا - اور ان کا اس پر قصد مصمم نہ ہوا مگر سید شباب اہل الجنۃ - دلِ مصطفےٰ - جان مرتضیٰ - ابن زہرا - سیدنا امام حسن مجتبیٰ کی وفات کے بعد - اور اسی لیے امام حسن علیہ السلام کا زہر کے ذریعہ سے کام تمام کرایا گیا اور اس عالم سے وہ جلد رخصت کرا دیئے گئے، اب یزید نے زہر دلوایا ہو یا جس نے - اہل فہم اور تاریخ و سیر کے جاننے والے انصاف پرست اس کا خود فیصلہ کر سکتے ہیں ..... بس یہیں سے واضح ہو گیا کہ امام حسین علیہ السلام کی بغاوت ...... ثابت کرنے کے لیے جو تقریر آپ نے اٹھائی ہے وہ سرے سے غلط اور ایک سخت مغالطہ ہے ...... کیا خوب خلافت بھی میراث ہو گئی کہ نسلاً بعد نسل اس کی وراثت ہو اور باپ کے بعد بیٹے کو ملے جیسا کہ حضرت معاویہ صاحب... نے کیا - جناب! یہ چغتائیوں اور مرزائیوں کی سلطنت نہ تھی ..... یہ خلافت رسولِ خداؐ کی اور امامت مسلمانوں کی تھی - اس کا مستحق وہ ہوتا ہے اور اس کا استحقاق اس کو ہونا چاہیئے جو اس کی قابلیت و لیاقت رکھتا ہو اور جو مسلمانوں کا خلیفہ ہو سکتا ہو اور خلافت و امامت کے شروط مثل عدالت وغیرہ کے اس میں پائے جاتے ہوں اور عامۂ مسلمین و اہل حل و عقد اس کو اس قابل سمجھیں اور منتخب کریں - اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں کہ اُس وقت

دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسین نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رہو۔ آنے نہ پائے مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر

خلافت کا مستحق و احق امیر المومنین سیدنا و مولانا حضرت امام حسین علیہ السلام سے بڑھ کر اور اس کے قابل و لائق سبط رسول سید شباب اہل الجنۃ جگر گوشۂ رسول الثقلین شاہ کربلا حضرت امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ ہرگز کوئی بھی نہ تھا۔ اصحاب کبار میں لو تو، اہلبیت اطہار میں لو تو، اخیار میں لو تو، ابرار میں لو تو علم و فضل میں بزرگی و افضلیت میں، توقیر و عزت میں، قدر و منزلت میں، ہر طرح سے سب کے سب سردار اور سب سے مقدس آپ ہی تھے ..... امیر معاویہ نے عہد شکنی کی اور امام حسنؑ کے عہد نامہ کو توڑا اور ناجائز طور سے یزید کو ولی عہد کیا ..... امام حسن کے ساتھ اس عہد بلکہ صلح نامہ کی کسی ایک شرط کا بھی ایفا نہ ہوا، اور سالانہ جس قدر امام حسنؑ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے وعدہ کیا گیا تھا ..... اُسے کا حقہ پورا نہ کیا گیا جیسا کہ کتب تواریخ و سیر اس پر شاہد ہیں۔ تاریخ کامل جلد سوم صفحہ ٢٠٥ ملاحظہ ہو:۔ وکان الذی طلب الحسن من معاویۃ ان یعطیہ ما فی بیت المال الکوفۃ ومبلغہ خمسۃ الاف الف وخراج دارابجرد من فارس وان لا یشتم علیاً فلم یجبہ الی الکف عن شتم علی۔ فطلب ان لا تشتم وھو یسمع فاجابہ الی ذالک ثم لم یف بہ ایضاً۔ واما خراج دارابجرد فان اہل البصرۃ منعوہ منہ وقالوا ھو فیئنا لا نعطیہ احداً وکان منعھم بامر معاویۃ ایضاً۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خلافت سپرد کرتے وقت امام حسنؑ نے اُن سے یہ شرط کی تھی کہ کوفہ کے بیت المال میں جو کچھ ہے مجھے دیدو۔ اور فارس کے دارابجرد کا خراج ہر سال مجھے دیا کرو اور یہ کہ میرے والد علی مرتضیٰ کو گالیاں نہ دیا کرو۔ اس پچھلی بات یعنی شتم علی کو امیر معاویہ نے قبول نہ کیا۔ تب امام حسنؑ نے کہا کہ اچھا اتنا کرو کہ میرے سامنے علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم نہ ہو۔ امیر معاویہ نے بصورت تو اُسے منظور کر لیا مگر پیچھے کو اس عہد کو بھی وفا نہ کیا۔ رہا خراج دارابجرد تو اس کے بارے میں اُنھوں نے اہل بصرہ کو سکھا دیا کہ حسن کو نہ دینا چنانچہ وہ بھی آپ کو نہ ملا فقط۔ جب امام حسن کے ساتھ یہ ہوا تو امام حسینؑ کو کون پوچھتا ہے؟ غرض کسی طرح بھی امام حسین علیہ السلام کی بغاوت ..... ہرگز ہرگز ثابت نہیں ..... امیر معاویہ جب مدینہ میں آئے تو ..... صحابہ نے یزید کی بیعت ..... ہرگز خوشی سے یا بلا اعتراض اور بلا کسی دباؤ کے ..... نہ کی بلکہ بڑے بڑے اعتراضات اور بہ جبر و اکراہ ڈرا اور دھمکا کے ذریعہ اور طرح طرح کے حیلے حوالے سے اُن کی بیعت لی گئی کسی کو روپیہ پیسہ دے کر راضی کیا گیا اور کسی کو کوئی عہدہ دے کر۔ کسی کو کہیں کسی کو کہیں کی حکومت دیکر خوش کیا گیا۔ وغیرہ ذالک۔ اور حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے مکہ یا مدینہ میں کہیں بھی یزید کی بیعت نہ کی تھی۔ اور یہ ہرگز ان لوگوں کی غلطی نہ تھی بلکہ یہی لوگ

تلوار اُٹھائی، لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کرنے گا"۔ سنگ دل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے

اُس وقت جلیل القدر صحابۂ کرام میں سے تھے۔ اور یہی حضرات اصحاب حل وعقد تھے۔ اُنہیں کا بیعت کرنا اور کسی کو خلیفہ تسلیم کرنا یا نہ کرنا قابل اعتبار تھا۔ نہ کہ عوام کا۔ اور اُن میں اکثروں کا یہ جبر و تخویف و فریب وغیرہ ان مذکورہ بالا امور پر کتب معتبرۂ تواریخ وسیر کامل وطبری وتاریخ الخلفاء وغیرہ وغیرہ شاہد ہیں دیکھو تاریخ کامل جلد سوم۔ ذکر البیعۃ لیزید بولایۃ العھد از صفحہ ۲۵۲ تا ۲۵۶ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴ اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ جز اول از صفحہ ۲۷۷ تا ۳۰۲ وغیر ذلک۔ اگر یہ کتابیں آپ کو نہ مل سکیں تو شرح قصیدہ ہمزیہ ابن حجر مکی صفحہ ۲۲۳ چھاپۂ مصر ملاحظہ کر لیجئے۔ صاف صاف لکھا ہے۔ والبیعۃ لہ مکرھون علی البیعۃ یعنی یزید سے جس کی اُس نے بیعت کی تھی وہ محض اکراہ و جبر کی بیعت تھی" ار سالۂ شہادت حسین صفحہ ۴۷)

یزید کی بیعت کرنی محض دین کو دنیا سے بیچنا تھا

جناب محترم مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں "اور خاص حرمین شریفین مکۂ معظمہ و مدینہ منورہ میں صرف معدودے چند اصحاب رسولؐ اس وقت زندہ تھے مثلاً (۱) قیس بن سعد بن عبادہ انصاری (۲) ابو واقد لیثی (۳) ربیعہ بن کعب بن مالک اسلمی (۴) رافع بن خدیج انصاری (۵) عبد اللہ بن عمر (۶) ابو سعید خدری (۷) جابر بن عبد اللہ (۸) مسور بن مخرمہ (۹) عبد اللہ بن عباس (۱۰) عبد اللہ بن زُبیر (۱۱) عبد اللہ بن جعفر (۱۲) عبد اللہ بن عمرو بن عاص۔ (۱۳) عبد الرحمان بن ابی بکر (۱۴) حسین بن علی (۱۵) ابو الطفیل رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے صرف دو چار عثمانی تھے باقی سب علوی کہلاتے اور اصحاب علی رضؓ میں تھے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں سے جن لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی انھوں نے کس طرح اور کن مجبوریوں سے بیعت کی ہوگی۔ کتب تواریخ وسیر کے واقف کار دل پر یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ محض دھوکا و فریب اور تخویف و تہدید اور جبر و اکراہ سے اُنکی بیعت لی گئی اور دل سے وہ ہرگز اس بیعت کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور ان مذکورہ بالا بزرگوں میں سے ان اصحاب نے جو اُس وقت صحابۂ رسولؐ میں سربرآوردہ و ممتاز و معزز اور اصحاب حل وعقد تھے علم کھلا اس بیعت سے انکار کر دیا اور ہرگز بیعت نہ کی۔ جیسے (۱) حضرت امام حسین ابن علی مرتضیٰ (۲) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ (۳) حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق (۴) حضرت عبد اللہ بن عباس (۵) حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار اور (۶) حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صاف انکار کیا اور اس امر میں امیر معاویہ سے سخت اختلاف کیا اور یزید کی ولی عہدی قبول نہ فرمائی اور بیعت نہ کی۔ اور حضرت مسور بن مخرمہ بھی انھیں بزرگوں کے ساتھ تھے۔ اور جب یزید خبیث پلید کی فوج نے مکہ و بیت اللہ پر چڑھائی کی اور ابن زبیرؓ کو ہلاک کرنے کیلئے حرم میں منجنیق پھینکا تو اس کے صدمہ سے مسورؓ نے انتقال فرمایا۔ دیکھو استیعاب جلد اول صفحہ ۲۶۹ حضرت امیر معاویہ نے ان اصحاب میں بعضوں کے ساتھ

چھوڑ دی، اُس نے ہاتھ پر روکی، ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اُسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا، صبر کر۔ اے ثواب

سلوک کرکے اپنے سے ملانا چاہا مگر انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم دنیا سے اپنے دین کو بیچنا ہرگز پسند نہیں کرتے۔ استیعاب جلد دوم صفحہ ۵۴ وغیرہ میں موجود ہے کہ جب حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے بھی حسین بن فاطمہ بنت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما وغیرہما کے ساتھ یزید کی ولی عہدی و خلافت و بیعت کے انکار فرمایا اُن کو ملانے کے لیے اور یزید کی خلافت منوانے کے لیے اُن کے پاس ایک لاکھ درم بھیجے گئے۔ وہ سمجھ گئے اور انھیں قبول نہ فرمایا اور کہا ابیع دینی بدنیای۔ کیا میں دین کو دنیا کے لیے بیچ دوں؟ غرض اُن معدودے چند اصحاب رسول کریمؐ میں سے بھی اکثر نے یزید کی بیعت سے صاف اور قطعی انکار کیا جنھوں نے بیعت کی وہ محض جبر و اکراہ اور فریب و دھوکے سے۔ یہ ہے ہمارے اگلے مورخین و محققین کی تحقیق۔ (شہادت حسین صفحہ ۴۸)

یزید کا کافر ہونا جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے رسالہ سرالشہادتین سے جو باتیں پیدا ہوتی ہیں اُن سے دو لکھی گئیں کہ (۱) ممدوح نے حضرت رسولؐ پر درود بھیجتے وقت اکثر مقام پر وآلہ بھی لکھا ہے اس طرح صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) دوسری یہ کہ ان کا اپنے رسالہ کا نام ہی سرالشہادتین شہادتوں کا راز یا بھید رکھنا ثابت کر دیتا ہے کہ امام حسینؑ کا یزید کے مقابلے پر آنا بغاوت نہیں تھا بلکہ حضرت کا ویسا ہی ایمانی فرض تھا جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کا ابوسفیان کے مقابلے میں آنا یا جس طرح رسولؐ کے چچا حضرت حمزہ کا جنگ احد میں ابوسفیان وغیرہ کے مقابل آکر شہید ہونا۔ کیونکہ اسلام اور اہل اسلام اسی مقتول اور مذبوح کو شہید کہتے ہیں جو حق پر اور بے قصور قتل کیا جائے۔ اگر کوئی شخص باطل پر ہو کر یا کسی قصور کی سزا میں قتل ہوتا ہے تو اس کو شہید نہیں کہتے۔ اب تیسری بات جو جناب شاہ صاحب دہلوی کے رسالہ سے ثابت ہوتی ہے اور جو نہایت اہم، نہایت مفید اور بالکل یقینی ہے یہ ہے کہ یزید ہرگز مسلمان نہیں تھا بلکہ نرا کافر تھا۔ کسی اصول اور قاعدے سے وہ مسلمان ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔ اس دعوی پر گھبرانے اور تعجب کرنے کی ضرورت نہیں عقل سے فیصلہ کیجیے کہ کیا یزید کسی طرح بھی مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت یزید کو مسلمان کہتی اور حضرت رسولؐ کا خلیفہ تک مانتی ہے لیکن یہ مسلمانوں کی بدیہی غلطی ہے جس طرح کروڑوں لوگوں کے پتھر کے بت کو دیوتا یا معبود مان لینے سے وہ پتھر کے بت اُن کا دیوتا یا خدا یا معبود نہیں ہو سکتے اُسی طرح کروڑوں لوگوں کے ماننے سے یزید مسلمان ثابت ہو سکتا ہے نہ رسولؐ کا خلیفہ۔ یزید کے کافر ہونے کے بارے میں پہلے ہم دوسروں کا قول لکھ لیں تب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی کتاب سے اس کا کافر ہونا ثابت کریں گے۔

خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہونچائے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی ابن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسنؑ بن علی تک

اور اہل انصاف اس کو ضرور مان لیں گے۔ ہم نیا دعویٰ نہیں کرتے کہ یزید کافر تھا۔ ہرگز مسلمان نہیں تھا کسی قاعدے سے اسکا اسلام ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ مسلمانوں کے صرف کہہ دینے سے وہ مسلمان مان لیا جائے گا۔ خلیفہ ہونا تو الگ رہا۔

اہلسنت کے علما محققین ہی یزید کو کافر کہتے آئے ہیں

بلکہ ہم پرانی بات پیش کرتے ہیں کہ انصاف پسند، ہوش و گوش والے اور صاحب عقل علماء اہلسنت بھی یزید کو کافر ہی کہتے آئے ہیں جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے "ہم سنیوں کو یزید کے اصلی حالات کی کیا خبر..... ہم لوگ تو اس کے انھیں حالات و عادات سے واقف ہیں جو تمام کتب معتبرۂ تاریخ و سیر وغیرہ میں موجود ہیں۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ ان کی معاشرت ایسی پاکیزہ تھی اور ان کے عادات شریفہ ایسے اچھے تھے کہ حج وغیرہ کرنے کیلئے اپنے پدر بزرگوار کے وقت میں جب مکہ و مدینہ آئے تو وہاں بھی شراب کباب سے باز نہ آئے۔ چنانچہ تاریخ کامل جلد چہارم صہ میں موجود ہے:- حج یزید فی حیاۃ ابیہ فلما بلغ المدینۃ جلس علیٰ شرب لہ فاستاذن علیہ ابن عباس والحسین فقیل لہ ان ابن عباس ان وجد ریح الشراب عرفہ فحجبہ واذن للحسین فلما دخل وجد رائحۃ الشراب مع الطیب۔ فقال للہ در طیبک ما اطیبہ فما ھذا قال ھو طیب یصنع بالشام ثم دعا بقدح فشربہ ثم دعا باٰخر فقال اسق یا ابا عبد اللہ۔ فقال لہ الحسین علیہ شرابک ایھا المرء لا عین علیک منی فقال یزید ؎ الا یا صاح للعجب * دعوتک ذا فلم تجب الی الفتیات والشھوا * ت والصہباء والطرب۔ خلاصہ یہ کہ یزید نے اپنے والد کے وقت میں حج کیا۔ تو جب مدینہ پہونچے تو شراب (و کباب) کا دور چلا۔ جناب ابن عباسؓ اور سیدنا حسینؓ ملاقات کو گئے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یاروں نے کہا اگر ابن عباس آئے اور انکو اسکی بو محسوس ہوئی تو پہچان جائیں گے۔ چنانچہ ابن عباسؓ ٹال دیئے گئے اور حسینؓ بلائے گئے۔ جب آپکی ناک میں شراب کی بو خوشبو کے ساتھ آئی تو یزید سے فرمانے لگے کیا اچھی بو ہے بھئی یہ کیا ہے؟ یزید بولا ایک مفرح شربت ہے جو شام میں بنتا ہے۔ پھر اس نے ایک قدح منگایا اور پی گیا۔ پھر دوسرا جام طلب کیا اور امام حسینؓ کے آگے بڑھایا ابو عبد اللہ پیو۔ امام حسینؓ نے فرمایا مجھے تو معاف کرو تم پیو! میں کسی سے کچھ کہونگا نہیں۔ تب یزید نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ دوست! میں نے تمہیں دعوت دی تم نے رد کردی۔ میں نے تمہیں عیش و طرب کی طرف بلایا لیکن تم نے قبول نہ کیا الخ۔ بس ہم سنیوں کو جہاں تک معلوم ہوا اور جہاں تک تواریخ و سیر و دیگر کتب سے پتہ لگا ہو وہ مردود انتہا کا منہمک فی المعاصی تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرؓ[1]، ابو عبد اللہ حسین سبط رسول وغیرہم اکابر

[1] عبد اللہ بن عمرؓ نے کتاب اللہ و رسول پر بیعت کی تھی اور وہ بھی رفع فتنہ و حقن دماء مسلمین کے لحاظ سے۔

حضرت حسینؑ کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے زغنہ شروع ہوا۔ آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور

اہل حل و عقد) رضی اللہ عنہم (قطع نظر اس کے خلافت کا مستحق ہونے کے) اُسے خلافت کے لائق نہ جانا اور اس کی بیعت نہ کی۔ اور یہی سبب ہوا کہ اہل مدینہ نے خلع بیعت طاس پر خروج کیا جیسا کہ صواعق محرقہ و تاریخ الخلفاء وغیرہ میں موجود ہے وکان سبب خلع اهل المدينة ان يزيد اسرف فى المعاصى، واخرج الواقدى من طرق ان عبد الله بن حنظلة بن الغسيل قال والله ما خرجنا على يزيد حتى خفنا ان نرمى بالحجارة من السماء ان رجلا ينكح امهات الاولاد والبنات والاخوات ويشرب الخمر ويدع الصلاة وقال الذهبى ولما فعل يزيد باهل المدينة ما فعل مع شربه الخمر واتيانه المنكرات اشتد عليه الناس وخرج غير واحد الخ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۳) خلاصہ یہ ہے کہ اہل مدینہ کے خلع بیعت و خروج کا یہی سبب ہوا کہ یزید نے معاصی اور منکرات کا حد سے زیادہ ارتکاب شروع کیا۔ اور واقدی نے بطرق متعددہ روایت کی ہے کہ عبداللہ حنظلہ بن غسیل نے کہا بخدا ہم لوگوں نے ایسی حالت میں اور اُس وقت یزید پر خروج کیا جب کہ ہمیں خوف ہو گیا تھا کہ ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگے (غضب ہے کہ) انسان امہات الاولاد والبنات والاخوات سے نکاح کرے اور شراب پیے اور نماز چھوڑے (یعنی ان حرکات کا یزید مرتکب تھا) اور ذہبی رح کہتے ہیں کہ جب یزید اہل مدینہ کے ساتھ اس بری طرح پیش آیا اور اس پر طرہ کہ شراب پیتا تھا ہی اور بھی ہزاروں منکرات کا ارتکاب کرنے لگا تو عام طور سے لوگوں میں سخت برہمی پھیلی اور بہتیروں نے اس پر خروج کیا۔ یہ یزید کے حالات کا مُشتے نمونہ از خروارے جس کے ذہبی جیسے محقق و معتمد گواہ ہیں اور تاریخی روایات شاہد ہیں ..... واقعی یہ تاریخ وسیر اور ذہبی و واقدی و ابن حجر و سیوطی و دمیری و ابن کثیر و ابن خلکان اور دیگر تمام محققین و علماء اہلسنت ..... اُسے ایسا بتلاتے ہیں ..... خدا ..... ہم لوگوں کا حشر سبط رسول سید شباب اہل الجنۃ حسین ابن علی رضؓ کے ساتھ ہو آمین ؎

جس کا جی چاہے ہو یزید کے ساتھ میں ہوں اور دامن جناب حسینؑ ..... اور لعن یزید کی بحث حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں بھی موجود ہے جناب ممدوح نے پاس خاطر ابن یزید کی خوب خبر لی اور صاف لکھ دیا کہ از روئے تحقیق و انصاف۔

کفریت و ملعونیت سے بھی اس خبیث مردود کا درجہ بڑھا

چڑھا ہے اور ہرگز ہرگز اُس مرید پلید کو مغفرت و ترحم سے یاد نہ کرنا چاہیئے" (دیکھو مجموعہ فتاویٰ جلد سوم ص ۸ فرماتے ہیں۔ بعضے در شان وے براہ افراط و مولاۃ رفتہ می گویند کہ وے بعد ازاں کہ باتفاق مسلمانان امیر شد اطاعتش بر امام حسین واجب شد و ندانستند کہ وے باوجود امام حسین امیر شود؟ اتفاق مسلمانان کے شد؟ جماعتے از صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعت او بودند و بر شخصے کہ حلقہ اطاعت او گردن انداختند چون حال او از شرب خمر و ترک صلوٰۃ و زنا و استحلال محارم معائنہ کردند بمدینہ منورہ باز آمدند و

تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار جو خود اس جنگ میں شریک تھا روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور اُنکے پاؤں کے قریب

خلع بیعت کردند۔ و بعضے گویند کہ وے امر بقتل امام حسین نکردہ و نہ بداں راضی بود و نہ بعد از قتل وے و اہلبیت وے مستبشر شد۔ و ایں سخن نیز باطل است۔ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیہ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین الی قولہ مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا۔ و بعضے دیگر گویند کہ قتل امام حسین گناہ کبیرہ است نہ کفر۔ ولعنت مخصوص بکفار است۔ زنازم برفطانت ایشاں نہ دانستند کہ کفر یکطرف خود ایذائے رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ الآیۃ۔ و بعضے دیگر گویند کہ حال خاتمہ وے معلوم نیست شاید کہ وے بعد از ارتکاب ایں کفر و معصیت توبہ کردہ باشد دلیل غزالی در احیاء العلوم بایں طرف است۔ مخفی مباد کہ احتمال توبہ در جرع از معاصی احتمالی است والا آں بے سعادت آنچہ دریں اُمت کردہ ہیچ کس نکردہ باشد۔ الی قولہ و پسرش معاویہ بر سر منبر زشتی حال پدر خود بیان کرد۔ و بعضے بے باکانہ لعن آں شقی تجویز می سازند از سلف و اعلام امت امام احمد و امثال ایشاں بروئے لعنت کردہ اند۔ و بعضے توقف کردہ اند۔ و ابن جوزی کہ کمال عصبیت در حفظ سنت و شریعت می دارد در کتاب خود لعن وے را از سلف منقول کردہ و علامہ تفتازانی بکمال جوش و خروش بروئے و بر انصار و اعوان وے لعنت کردہ اند (یعنی یزید کے بارے میں جو لوگ افراط و موالاۃ کی راہ اختیار کرکے کہتے ہیں کہ جب وہ مسلمانوں کے اتفاق سے خلیفہ ہو گیا تھا اور امام حسین پر اُس کی اطاعت واجب ہو گئی تھی۔ مگر ایسا کہنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ کیا امام حسین کے ہوتے ہوئے یزید کسی طرح خلیفہ ہو سکتا بھی تھا؟ یزید پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا صحابہ اور اولاد صحابہ کی ایک جماعت تو زمرہ کی اطاعت سے باہر ہی تھی۔ اور کچھ لوگوں نے جو اس کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈال رکھا تھا جب اسکا حال دیکھ لیا کہ شراب پیتا۔ نماز چھوڑے رہتا۔ زنا کرتا۔ اور اپنی محرمات کو حلال سمجھتا ہے مدینہ منورہ میں واپس آئے اور اسکی بیعت توڑ ڈالی۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسین کے قتل کا حکم نہیں دیا اور اس پر راضی تھا اور نہ حضرت امام حسین اور آپ کے اہلبیت کے قتل سے خوش ہوا مگر ان لوگوں کا یہ سب قول باطل ہے۔ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفیہ میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ امام حسینؑ کے قتل سے یزید کا خوش ہونا ان باتوں سے ہے جن کا معنی متواتر ہے اگرچہ ان کی تفصیلیں احاد ہیں۔ اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ امام حسینؑ کا قتل گناہ کبیرہ ہے مگر کفر نہیں ہے اور لعنت کرنا خاص کافروں کے لیے ہے۔ میں ان لوگوں کی چالاکی کے قربان ہو جاؤں۔ ان کو اس کی بھی خبر نہیں کہ کفر الگ رہا خود حضرت رسول خدا صلعم کو اذیت پہنچانیکا کیا پھل ہوتا ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں خدا اُن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کرتا رہتا ہے۔ اور دوسرے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یزید کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں ہے۔ شاید

پہونچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے لیکن وہ جس طرف مُڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتا پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل

اس نے اپنے اس کفر اور گناہ کے بعد توبہ کر لی ہو چنانچہ امام غزالی رہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں یہی شبہ ظاہر کیا ہے مگر یہ بات چھپی نہیں ہے کہ یزید کے توبہ کرنے اور گناہوں سے باز آنے کا خیال محض وہم ہی وہم ہے۔ ورنہ اس بے سعادت نے اہل بیت اسلام میں جو کفر کے کام کئے وہ کسی نے بھی نہیں کیے یہاں تک کہ خود اس کے بیٹے معاویہ نے منبر کے اوپر سب کے سامنے اپنے باپ کی برائیاں بیان کر دیں۔ اور بعض علماء بالکل بے تکلف ہو کر اس شقی پر لعنت کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ بزرگان دین اور سرداران اسلام سے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس پر لعنت کی ہے اور بعضوں نے توقف کیا ہے۔ اور علامہ ابن جوزی جو سنت اور شریعت کی حفاظت میں بہت سخت تھے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ سابق علماء اور پیشوایان دین یزید پر لعنت کرتے تھے۔ اور علامہ تفتازانی نے پورے جوش وخروش سے یزید پر اور اس کے مددگاروں اور حمایتیوں پر لعنت کی ہے۔

(شہادت حسین صـ۳۵)

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب سے یزید کا کافر ہونا

اب جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے رسالہ سر الشہادتین پر بھی اچھی طرح غور فرمایئے۔ موصوف نے حضرت رسول خدا صلعم کے بارے میں فرمایا ہے کہ "آپ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کی ذات میں حاصل نہ تھا یعنی شہادت ..... سو حکمت الٰہی نے چاہا کہ ہر کمال جاے یہ بڑا کمال حضرت حضرت صلعم کے کمال میں بعد آپ کی وفات کے ...... بواسطہ اُس شخص کے جو بہت ہی قریب ہو حضرت کے اقرباء میں اور نہایت ہی عزیز ہو آپ کی اولاد میں"۔ معلوم ہوا کہ حضرت رسول صلعم کو شہادت کا درجہ امام حسینؑ کی شہادت سے حاصل ہوا۔ گویا حضرت امام حسین ع کی شہادت بعینہ حضرت رسول خدا صلعم کی شہادت تھی۔ یعنی یزید نے حضرت رسول خدا صلعم ہی کے قتل کا حکم دیا۔ ابن زیاد نے حضرت رسول خدا صلعم ہی کی جان لینے کے لئے فوجیں بھیجیں۔ عمر ابن سعد حضرت رسول ہی سے لڑنے کے لئے کربلا میں آیا۔ کوفیوں اور یزیدی فوج نے حضرت رسول خدا صلعم ہی پر کھانا پانی بند کر دیا۔ قاتلوں نے حضرت رسول خدا صلعم ہی پر تلواروں، نیزوں تیروں اور پتھروں سے حملہ کیا۔ دشمنوں نے حضرت رسول ص ہی کو گھوڑے سے گرایا۔ رسول ہی کے سینے پر سوار ہوئے۔ رسولؐ ہی کی گردن کاٹی۔ رسول ص ہی کا سر جدا کیا۔ رسولؐ ہی کی لاش پامال کر دی۔ رسولؐ کے سر مبارک ہی کو نیزے پر نصب کر کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک پھرایا۔ رسول ص ہی کے دانتوں پر چھڑی لگائی۔ رسول ص ہی کے سر کو لٹکایا۔ غرض جو کچھ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ درحقیقت حضرت

کو جس کا گھر کا گھر خود انکی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو ایسا شجاع، ثابت قدم مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جسطرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ علیہا السلام

رسول خدا کے ساتھ کیا۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ حضرت رسول کے ساتھ یہ سب ظلم وستم کرنے والے مسلمان ہو سکتے ہیں یا کافر۔ یہ انہی کا یہ کام ہے۔ اگر حضرت رسول خدا صلعم کا قتل کرنے والا مسلمان ہو سکتا ہے تو ہم بھی شوق سے یزید۔ ابن زیاد۔ عمر بن سعد وغیرہ کو مسلمان کہیں۔ لیکن اگر حضرت رسول خدا کا سر جدا کرنے والا۔ حضرت کو جام شہادت سے سیراب کرنے والا۔ حضرت پر تلوار نیزے۔ تیر لگانے والا یقیناً کافر اور خدا اور رسول کا کھلم کھلا دشمن اور فرعون وقت تھا تو یزید۔ ابن زیاد عمر بن سعد وغیرہ بھی یقیناً کافر تھے اور ان کے کافر ہونے میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہونا چاہئیے۔ کیونکہ ہر نبی کا قاتل کافر گزرا ہے۔ تو آنحضرت کا قاتل بھی کافر ہی تھا۔

کوفہ والوں کا امام حسینؑ کو بلانا چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ امام حسینؑ خود کوفہ نہیں گئے بلکہ کوفہ والوں نے بلایا اور بہت مبالغہ اس میں کیا اور تار بندھا خطوں کا آپ کی طرف قریب ڈیڑھ سو خط کے ہر ایک فرقہ اور گروہ کی طرف سے۔ "اگر کوئی کہے کہ کوفہ والوں کے بلانے پر امام حسینؑ نے ان کی باتیں مانیں کیوں؟ وہاں تشریف کیوں لے گئے؟ وہاں جانے سے انکار کیوں نہیں کر دیا؟" تو ایسا کہنے والے کو سمجھنا چاہئیے کہ حضرت امام حسینؑ نے وہی کیا جو حضرت رسول خدا صلعم نے عمل کر کے دکھایا تھا۔ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم مکہ میں مقیم تھے اسی طرح حضرت امام حسینؑ بھی مکہ میں مقیم ہے۔ اور جس طرح حضرت رسول کو مدینہ والوں نے اپنی ہدایت کے لئے بلایا۔ بالکل اسی طرح کوفہ والوں نے حضرت امام حسینؑ کو بھی بلایا۔ اور جسطرح حضرت رسول خدا صلعم مدینہ والوں کی طلب پر وہاں تشریف لے گئے بالکل اسی امام حسینؑ بھی کوفہ والوں کی طلب پر وہاں تشریف لے گئے۔ اب جو اعتراض امام حسینؑ پر کیا جاتا ہے وہی اعتراض یعنی حضرت رسولؐ پر بھی کرنا چاہئیے کہ کیوں مدینہ والوں کی دعوت قبول فرمائی لیکن اگر حضرت رسولؐ کا فرض تھا کہ مدینہ والوں کی ہدایت کے لئے وہاں تشریف لے جائیں تو حضرت امام حسینؑ پر بھی واجب تھا کہ کوفہ والوں کے اصرار پر وہاں جائیں۔ ورنہ سب الزام دیتے کہ نائب رسولؐ ہو کر ہدایت نہیں کی۔

حضرت مسلم کا کوفہ بھیجنا پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ امام حسینؑ نے خود کوفہ جانے سے پہلے اپنے بھائی حضرت مسلم کو وہاں بھیجا۔ یہ کام بھی حضرت نے بالکل حضرت رسولؐ کی طرح کیا کیونکہ حضرت نے بھی پہلے مصعب بن عمیر کو مدینہ روانہ کر دیا تھا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔ "دوسرے سال ۱۲ شخص مدینہ سے آئے اور خواہش کی احکام اسلام سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ آنحضرت نے مصعب بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ وہ مدینہ آکر روزانہ ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۹۳)۔ اسی طرح اگر حضرت امام حسینؑ کا جناب مسلم کو کوفہ بھیجنا

السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے!"۔ یہ وہ موقع تھا جب کہ عمر بن سعد حضرت حسین سے بالکل قریب ہو گیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا۔ "اے عمر! کیا ابو عبداللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے۔؟"

قابل اعتراض ہو سکتا ہے تو وہی اعتراض پہلے حضرت رسولؐ پر کرنا چاہیے کہ کیوں حضرت نے خود مدینہ تشریف لے جانے سے پہلے مصعب بن عمیر کو وہاں بھیجا تھا۔ لیکن اگر حضرت رسولؐ کا فعل درست اور قابل قدر تھا تو حضرت امام حسین کی پیروی کو برا کون مسلمان منہ آ سکتا ہے۔؟

حضرتؑ نے اپنے اعزہ کی بات کیوں نہیں مانی

چھٹی بات شاہ صاحب کی تحریر سے یہ بھی واضح طور پر معلوم ہو گئی کہ حضرتؑ نے اپنے اعزہ کی بات اس وجہ سے نہیں مانی کہ "حضرت رسولؐ سے سن چکے تھے کہ ایک مینڈھے کے سبب کعبہ کی بے حرمتی ہو گی۔ اسی حدیث کو بیان کر کے حضرتؑ نے اپنی مجبوری ظاہر کر دی کہ "سو کہیں میں ہی نہ ہوں وہ مینڈھا" یعنی گو درجہ شہادت کا یوں بھی ہے پر میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب عزت مکہ میں خلل پڑے"۔ اگر دنیا سے عقل ختم نہیں ہو گئی اور انصاف اٹھ نہیں گیا تو ہر شخص پکار اٹھے گا کہ امام حسین کو وہ اقدام کرنا ہی چاہیے تھا جو حضرتؑ نے کیا۔ حضرتؑ نے ایسا کر کے نہ صرف اسلام کی عزت باقی رکھی بلکہ خدا پر احسان عظیم کیا کہ اس کے گھر کی حرمت بچا لی۔ گو نہیں آپ نے وہی جگہ شہید ہونا یقینی تھا لیکن اگر حضرت کعبہ ہی میں بیٹھے رہتے تو اسی میں خونریزی ہوتی۔ اسی میں کشتوں کا انبار لگ جاتا۔ اسی میں گھوڑوں اونٹوں اور خچروں کے فضلے جمع ہوتے اور خانہ کعبہ کچھ دنوں کے لیے تو ضرور قابل نفرت ہو جاتا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں ٹوٹ جاتیں۔ حجر اسود پارہ پارہ ہو جاتا اور ممکن تھا کہ خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیے مسمار ہو جائے۔

امام حسینؑ کا لشکر

ساتویں بات یہ معلوم ہوئی کہ امام حسینؑ نے کوفہ کی طرف صرف ۸۲ شخصوں کے ساتھ کوچ کیا کہ وہ آپ کے گھر والے اور خادم اور غلام تھے۔ یہ تعداد بھی طے کر دیتی ہے کہ امامؑ ہرگز دنیا حاصل کرنے، حکومت لینے اور بادشاہ وقت بننے کے خیال سے نہیں نکلے تھے۔ اگر اس قسم کا ذرہ برابر بھی ارادہ ہوتا تو حضرتؑ ایک بڑی فوج لے کر جاتے۔ راستہ میں لشکر طیار کرتے ہوئے روانہ ہوتے۔

رسولؐ کا خواب میں حکم

آٹھویں بات وہ معلوم ہوئی جو اس شہادت کا گویا سنگ بنیاد کہی جا سکتی ہے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں صرف یہ دیکھا تھا کہ وہ حضرت اسمعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا تھا کہ خدا ایسا فرما رہا ہے۔ یا کوئی فرشتہ یہ پیغام پہنچا رہا ہے بلکہ صرف یہ دیکھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہا ہوں۔ بس اتنی ہی سی بات کو حضرت ابراہیمؑ خدا کا صاف حکم سمجھ کر حضرت اسمعیلؑ کی ذبح پر آمادہ ہو گئے۔ بالکل اسی طرح امام حسینؑ نے کربلا میں خواب میں دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ دشمن تیرے مارنے کے درپے ہیں۔ یہ لوگ قیامت کے دن شفاعت سے محروم ہوں گے۔ نزدیک ہے کہ تو شہادت کے درجے کو پہنچے اور بہشت تیرے واسطے آراستہ ہوئی ہے اور وہاں اہل بہشت تیرے منتظر ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا ہاتھ امام حسینؑ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا اللھم اعط الحسین صبرا و اجرا۔ بار خدایا حسینؑ کو صبر و اجر دونوں عطا فرما۔ جو لوگ امام حسینؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے اپنے کو ہلاکت میں کیوں ڈالا؟ وہ بتائیں کہ امام حسینؑ کیا کرتے؟ کیا ممکن تھا کہ آپ خدا و رسولؐ کے احکام ٹال دیں اور حضرت اس حکم کی تعمیل نہ کریں یا عذر فرمائیں؟ حضرت رسولؐ نے خواب میں امام حسینؑ کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ بیٹا یزید کی بیعت کر لو۔ بیٹا ابھی وقت ہے تم تقیہ کر لو۔ بیٹا بہتر ہے تم بھی صلح کر لو۔ بیٹا تم اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بیٹا تم

عمر نے منھ پھیر لیا۔ مگر اس کے رخسار اور ڈاڑھی پر آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں

ٹھہرو ولولہ ختم کرو۔ عباس کی حفاظت کرو۔ علی اکبر کو بچاؤ۔ علی اصغر کو زندہ رہنے دو۔ اپنے اہلبیت کو اسیری کا موقع نہ دو۔ اپنے جاں نثاروں کو جان دینے سے روکو۔ اسلام کو اس حادثہ کا شکار نہ ہونے دو۔ حضرت نے یہ سب تو کچھ نہیں کیا بلکہ یزید کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ شہادت قبول کرنے کی رائے دی، جنت کے آراستہ ہونے کی خوشخبری دی، جناب سیدہ اور حضرت امیر المومنین کو آپ کا انتظار کرنے والا بتایا۔ امام حسینؑ کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر خدا سے دعا کی کہ اے خدا حسین کو صبر اور اجر دونوں عطا فرما۔ صبر ایسی بات پر تو کہ آپ اس مصیبت کو برداشت کر لیں۔ آپ مردانہ وار اس کا مقابلہ کریں۔ آپ بھاگیں نہیں آپ شکست نہ مانیں۔ آپ ہتھیار نہ ڈالیں۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ امام حسینؑ کے دشمن جو اعتراضات حضرت پر کرتے ہیں یہ سب درحقیقت حضرت رسول پر ہیں بلکہ درحقیقت خدا کو ان اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں کیونکہ حضرت رسولؐ نے اپنی زندگی میں ایک لفظ جو کچھ جس سے بھی فرمایا وہ سب حکم خدا کے مطابق تھا جس کی تصریح خود خدا نے قرآن مجید میں کی ہے کہ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ میرے رسول اپنی خواہش سے کبھی کوئی بات بولتے ہی نہیں بلکہ جو کچھ زبان سے ارشاد فرمائیں گے سب وحی ہوگا جس کی ان پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔ پھر اس نے واضح کر دیا کہ خود خدا نے حضرت امام حسینؑ سے فرمایا کہ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اے مطمئن نفس اپنے پروردگار کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو اب ہمارے خاص بندوں میں شامل ہو ہماری بہشت میں جا داخل ہو (پارہ ۳۰ ع ۱۴)۔ اگر خدا امام حسینؑ کے اس اقدام کو پسند نہ کرتا۔ اگر خدا حضرت کی شہادت سے خوش نہ ہوتا۔ اگر اسلام کی حفاظت کے لیے خدا حضرت کے قتل کو ضروری نہیں جانتا۔ اگر دین حق کی حمایت کے لیے واقعہ کربلا خدا کو مفید نظر نہیں آتا۔ اگر خدا بھی امام حسینؑ کے اس کارنامہ کو بنا ہوا نہیں سمجھتا تو حضرت رسول خدا صلعم کو خواب میں حضرت امام حسینؑ کے پاس آنے ہی نہیں دیتا۔ بہشت کے کھلنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اور آپ کے دہن مبارک سے امام حسینؑ تک حکم نہیں پہونچاتا کہ بیٹا اسلام کے لیے اس کو قبول کر لو۔ دین خدا کے لیے اس کو برداشت کرو اگر رسول خواب میں امام حسینؑ کو صریح حکم نہ دیتے اور امام حسینؑ تنہا اپنی رائے سے اس پر آمادہ ہوتے تب بھی حضرت پر کوئی الزام نہیں دے سکتا تھا کیونکہ کفر و اسلام کا مقابلہ تھا اور اسلام بغیر امام حسین کی اس قربانی کے زندہ رہ ہی نہیں سکتا تھا لیکن جب خدا اور رسول ہی نے امام کو اس کا حکم دیا تو اب امام حسین سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں حضرت سے کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں۔ اب تو جو کچھ کہنا ہے خدا سے کہنا چاہیے کہ کیوں اس نے حضرت ابراہیم کو خواب میں حکم دیا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر ڈالو کیوں اسی نے بالکل حضرت ابراہیم کی طرح خواب ہی میں حضرت رسولؐ کے ذریعہ امام حسینؑ کو بھی شہادت قبول کرنے کا حکم دیا اور کیوں ساتھ ہی ساتھ اس کا اجر بھی بتا دیا۔ تیرے واسطے بہشت آراستہ ہوئی ہے اور اس بات کا بھی اضافہ کیا کہ "تمہارے ماں باپ تمہارے منتظر ہیں" کیوں حضرت کے شوق شہادت کو بڑھا دیا۔ جب خدا ہی نے رسول صلعم کے ذریعہ سے آپ کو جناب امیر المومنین اور جناب سیدہ کے انتظار کا مژدہ سنا دیا تو کیا امام حسین علیہ السلام کے لیے ممکن تھا رسولؐ کی اس فرمائش کو ٹھکرا دیں۔؟ بہشت کی آراستگی سے منھ موڑ لیں۔؟ اور جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام

ہوست ہوگیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر آپ نے ہاتھ منھ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے کے ساتھ کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

جناب امیر کے انتظار کی پرواہ کریں؟ امام حسینؑ تو فرزند رسولؐ، امام زمانہ اور خلیفہ وقت تھے اگر کسی معمولی بلکہ گنہگار مسلمان کو بھی رسولؐ خواب میں کوئی حکم دیں تو اسکا بھی فرض ہے کہ فوراً اس حکم کی تعمیل کرے جیسا کہ

برہان نظام شاہ کا شیعہ ہو جانا

ریاست دکن (ہندوستان) کے احمد نگر کے بادشاہ برہان نظام شاہ کا واقعہ ہوا جو حضرت رسول خدا کی وفات سے تقریباً ایک ہزار برس کے بعد ہوا۔ یہ بہت مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ برہان نظام شاہ والی احمد نگر کا پیارا بیٹا شاہزادہ عبدالقادر سخت بیمار رہا۔ بادشاہ نے کل حکیموں، ویدوں وغیرہ سے علاج کرائے پھر برہمنوں کے بت خانوں میں صدقے بھجوائے۔ ہندو مسلمان سب سے دعا کرائی مگر بے سود۔ اس وقت مذہب شیعہ اثنا عشری کے ایک زبردست عالم مولانا شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ نے جو ایران سے آئے اور تقیہ میں بسر کرتے تھے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور نذر کریں کہ اگر شاہزادے کو آج شفا ہو جائے تو زر خطیر سادات کو پہونچائیں گے اور بارہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھوا کر ان کے مذہب شیعہ اثنا عشری کی ترویج میں کوشش کریں گے۔ بادشاہ نے اسی وقت شاہ طاہر کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر عہد و پیمان کیا۔ پھر بادشاہ اس رات کو شاہزادے کے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ ہر چند شاہزادے کو لحاف اڑھانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر وہ بے چینی سے ہاتھ پاؤں مار کر لحاف پھینک دیتا تھا بادشاہ نے ناچار لحاف اڑھانے سے منع کر دیا اور کہا بس اسی رات کا مہمان معلوم ہوتا ہے۔ اب اور تھوڑی دیر دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ صبح ہوتے بادشاہ پٹی پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت اس کے سامنے آئے اور ان بزرگ کے داہنے بائیں بارہؑ دوسرے بزرگ بھی ہیں۔ برہان نظام شاہ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور حضرت کے داہنے بائیں بارہؑ امام ہیں۔ پھر حضرت رسولؐ نے بادشاہ سے فرمایا کہ خدا نے ان بارہ اماموں کی برکت سے عبدالقادر کو شفا بخشی۔ اب تم پر لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر کے کہنے کے خلاف نہ کرو۔ اور مذہب شیعہ کو خوب پھیلاؤ۔ برہان نظام شاہ خواب سے جاگا تو شاہزادے کو بالکل تندرست پایا بس فوراً مذہب شیعہ اثنا عشری اختیار کر کے اس کو خوب ترقی دیتا رہا (تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۰۔ فتاوے عزیزی جلد ۱ صفحہ ۔ وغیرہ) یہ واقعہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے اور فرشتہ ہندوستان کا مشہور فاضل مورخ تھا جس قدر انگریزی، ہندی، بنگلہ اور اردو زبان میں ہندوستان کی تاریخیں لکھی گئی سب کا ماخذ یہی کتاب رہی ہے۔ اسی طرح کتاب سر الشہادتین کے مصنف جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اپنی کتاب فتاوے عزیزی میں لکھا ہے کہ ہاں یہ واقعہ صحیح ہے اور برہان نظام شاہ حضرت رسول خدا کو خواب میں

تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ئیست شمر کو سرزنش:-	پھر آپ نے خیمہ کیطرف لوٹنے لگے تو شمر اور اس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے

خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا" اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں تو کم سے کم دنیاوی

دیکھنے کے بعد شیعہ ہو گیا تھا۔ اور اس کی سلطنت میں جو ہزاروں سنی علماء، فضلاء، سردار فوج، لشکر وغیرہ تھے اس نے کسی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ کیوں؟ اسی وجہ سے تو کہ اس نے خواب میں حضرت رسولؐ کو دیکھا اور حضرت کا یہ حکم سنا کہ تم شیعہ مذہب اختیار کرکے اس کو ترقی دو جب ہندوستان کے ایک صوبہ کا گناہ گار بادشاہ حضرت رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھ کر یقین کرتا ہے کہ واقعاً حضرت ہی ہیں اور حضرت کے خواب والے حکم پر یقین کر لیتا ہے کہ بےشک یہ حضرت ہی کا صحیح فرمان ہے (حالانکہ حضرت رسول صلعم کو انتقال کیے تقریباً ایک ہزار سال کا زمانہ گزر گیا تھا) تو حضرت امام حسینؑ کیلئے کیا یہ ممکن تھا کہ خواب میں حضرت رسولؐ کو دیکھیں اور حضرت کا حکم سنیں پھر اس کی تعمیل نہ کریں؟ اس کے خلاف کرنا جب کسی صحابی رسولؐ کیلئے بھی حلال اور جائز نہیں ہوتا تو حضرت امام حسینؑ کے لیے کیوں کر جائز ہو سکتا تھا! کہ اس حکم کو ٹھکرا دیں، اور شہادت سے منھ موڑ لیں! حضرت تو امام تھے، معصوم تھے، نانا کی زبان چوس چوس کر پرورش پائی تھی؛ نانا کی آغوش میں پلے تھے، نانا کے سینہ پر سوار ہوتے تھے، حضرتؐ کی پوری تعلیم حضرت ہی سے پائی تھی، ہر حق کو سنا تھا حضرت کی کل خوبی آپ میں موجود تھی۔ حضرتؐ نے تمام علوم و معارف سے آپکے دل و دماغ کو بھر دیا تھا۔ نبوت و رسالت کے تمام اوصاف حسنہ اور اخلاق کریمہ سے آپ کو آراستہ کر دیا تھا، ہر طرح آپکو اپنا سچا جانشین اور مکمل خود بنا دیا تھا۔ کفر کا مقابلہ کرنے، اسلام کو بچانے، دین کی حفاظت کرنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر آپ میں بھر دیا تھا پھر یہ کس طرح ممکن ہوتا کہ آپ یزید سے ڈر جاتے۔ یزیدی زجر کا خوف کھانے لگتے۔ بنی امیہ کی فرعونیت سے مرعوب ہو جاتے اور رسول بلکہ خدا ہی کے حکم کے خلاف اپنی جان بچانے کا سامان کرنے لگتے۔ حضرت تو بہر صورت امام تھے ہم تو دیکھتے ہیں کہ آپ کے بزرگوں میں وہ حضرات جو امام نہ تھے نہ معصوم خواب میں خدا کا کوئی حکم جان لیتے تھے تو جب تک اس پر عمل کی پوری کوشش نہیں کر لیتے دم نہیں لیتے تھے۔ مثلاً حضرت رسول خداؐ کے دادا جناب عبدالمطلب ایک روز حطیم کعبہ میں سوتے تھے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکالو۔ عبدالمطلب نے عرض کی کہ طیبہ کہاں ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اور خواب میں آواز دینے والا اس جگہ کا نئے نام لیتا رہا۔ جناب عبدالمطلب نے چوتھے روز پھر خواب میں دیکھا کہ حکم ہوتا ہے زمزم کو کھود دو۔ انھوں نے زمزم کا پتہ پوچھا تو جواب ملا قریۃ النمل کے متصل۔ جناب عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ خدا ہی یہ حکم دے رہا ہے۔ اس وجہ سے آپ صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیے اس موقع پر پہونچے اور کھودنا شروع کر دیا۔ تین روز تک دونوں باپ بیٹے برابر کھودتے رہے چوتھے روز ایک پختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا۔ عبدالمطلب کا خواب سچا ہوا۔ وہ زمزم کھودنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نعرۂ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا: ھذا الطوی اسمعیل (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۸ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵ و تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۹) اگر دنیا سے عقل کا خاتمہ

شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمہ کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو۔" شمر نے جواب دیا "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔"

آخری تنبیہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا مگر

نہیں ہو گیا اور انصاف کا جنازہ بھی نہیں نکل چکا بلکہ دونوں زندہ ہیں تو فیصلہ کرنا چاہیے کہ جناب عبدالمطلب کو خدا خواب میں ایک مشکل کام کا حکم دیتا رہا اور وہ اس کے انجام دینے پر آمادہ ہو گئے وہی خدا حضرت امام حسینؑ کو بھی خواب ہی میں حکم دیتا ہے کہ شہادت قبول کر لو۔ اسلام کو بچا لو۔ دین کی حفاظت میں قربانی پیش کرو۔ اپنے اور اپنی اولاد کے خون سے اپنے نانا کے مذہب کو بچا دو۔ اب جنت کی زینت بنو۔ اپنے منتظر والدین کی زیارت کو چلے آؤ۔ صبر کے جوہر دکھاؤ۔ اجر عظیم کا استحقاق پیدا کرو۔ تو کیا رسولؐ کے نواسے حضرت علیؑ کے فرزند اور جناب سیدہ کے لال سے کسی کو یہ توقع ہو سکتی تھی یا ہو سکتی ہے کہ ایسے صریح و واضح یقینی حکم خدا و رسول کی مخالفت کر کے اپنی جان کو بچا لیتے اور اسلام کو مردہ ہو جانے دیتے؟ لا واللہ۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جاتی مگر امام حسینؑ سے تو یہ نہیں ہو سکتا تھا۔

جناب عبدالمطلب کے نذر کا واقعہ یہ تو وہ خاندان تھا جس کے خواب میں کسی حکم خدا سے مکلف ہونے کا کیا ذکر ہے جب کوئی شخص خود اپنی خوشی مراد اپنی رائے اپنے ارادے سے کسی بات کی نذر کر لیتا تھا تو اس کام کو بغیر انجام دیئے زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔ گو پھر مخالف ہو جاتا تھا پھر سخت کرتا ہو عمریں تک رہا ہی مجاہدے میں مگر وہ اپنے عزم سے منہ نہیں موڑتے تھے انہیں جناب عبدالمطلب کا مشہور تاریخی واقعہ ہے جب جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ بار بار قریش آپ کی مخالفت کرتے اور آپ سے نزاع کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو اپنی تنہائی سے متاثر ہوئے اور خدا سے نذر کی کہ اگر آپ کو دس لڑکے مرحمت ہوں جو بالغ ہو کر لوگوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد اور حمایت کریں تو آپ خدا کے یہاں تقرب حاصل کرنے کے لیے ایک لڑکے کو بطور قربانی ذبح کر دیں گے۔ خدا کے ہاں آپ کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ فوراً دعا قبول ہوئی اور خدا نے واقعا پورے دس لڑکے آپ کو عنایت فرما دیئے۔ مولوی شبلی صاحب نے اس کو اس طرح لکھا ہے "انھوں (عبدالمطلب) نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے۔ تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لے کے قربان گاہ کو چلے عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے عبداللہ کو چھوڑ دیجئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ پھر عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہونچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان کیے اور عبداللہ بچ گئے" (سیرۃ النبی جلد اول)(۱۲۱)

انصاف پسند دنیا آنکھیں کھول کر جناب عبدالمطلب کی اطاعت خدا کی یہ حالت اچھی طرح دیکھ لے کہ آپ کی نذر کے مطابق جب آپ کو دس لڑکے مل گئے تو ایک کو ذبح کر دینے پر تل گئے اس کے لیے کوئی حیلہ نہیں تراشا۔ کوئی عذر نہیں کیا۔

بےگناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا "تمہارا برا ہو! کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟" اب ہر طرف سے پھر زغہ ہوا۔ آپ نے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل

کسی بہانے کا سہارا نہیں لیا۔ پھر جب ذبح کا قرعہ آپ کے سب سے زیادہ پیارے فرزند عبداللہ پر نکلا تو بغیر کچھ پس و پیش کیے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ذبح کرنے لے چلے۔ جو لوگ امام حسینؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر علی اکبر ایسے فرزند علی اصغر ایسے پھول اور عباس ایسے برادر کو قربان کرنے کے لئے زمین کربلا پر پہونچ گئے وہ حضرت رسول خدا صلعم کے دادا جناب عبدالمطلب کو دیکھیں کہ آپ صرف اپنی نذر پوری کرنے کو خدا سے جو عہد کر چکے تھے اسکے انجام دینے کے لئے کس عزم و استقلال سے مستعد ہو گئے۔ پھر لوگوں کے اصرار پر راضی ہوئے کہ اچھا عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا جائے مگر قرعہ برابر عبداللہ ہی پر پڑتا رہا اور جناب عبدالمطلب زیادہ قوت نفس سے ان کے ذبح پر آمادہ ہوتے گئے۔ جب سو اونٹ ہو گئے تو اب قرعہ اونٹوں پر پڑا۔ اس پر لوگ فوراً بول اٹھے اے عبدالمطلب بس خدا تم سے راضی ہو گیا اور بجائے عبداللہ کے اس نے سو اونٹوں کی قربانی منظور کر لی مگر جناب عبدالمطلب کی تشفی نہیں ہوئی فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا جب تک سو اونٹ اور عبداللہ میں قرعہ ڈالا نہ جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا اور جناب عبداللہ کے ذبح سے باز آئے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲)۔ غرض ہم لوگوں کو اپنے اوپر ان بزرگوں کا قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ وہ حضرات مرضی خدا کے مقابلہ میں اپنی جان کی کوئی حیثیت سمجھتے ہیں نہ اپنی اولاد کی اور خواب میں جو دیکھتے ہیں اسے خدا کا قطعی حکم سمجھتے ہیں۔ حضرت یوسف ابھی کم سن ہی تھے اور درجۂ نبوت

حضرت یوسف کا خواب

پر سرفراز نہیں ہوئے تھے کہ خواب میں دیکھا جس کا ذکر خدا نے قرآن مجید میں فرمایا اذ قال یوسف لابیہ یا ابت انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتہم لی سٰجدین قال یا بنی لا تقصص رءیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا ان الشیطان للانسان عدو مبین وکذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمتہ علیک وعلی ال یعقوب کما اتمہا علی ابویک من قبل ابراہیم واسحاق ان ربک علیم حکیم یعنی ایک وقت تھا کہ یوسف نے اپنے باپ یعقوب سے کہا کہ ابا جان! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو خواب میں دیکھا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب نے کہا بیٹا! کہیں اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے نہ کہہ بیٹھنا کہ وہ سن پائیں گے تو تم کو کسی نہ کسی آفت میں پھنسانے کی تدبیر کرنے لگیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے وہ ان کو بہکائے بغیر نہیں رہیگا اور جیسا کہ تم نے خواب میں دیکھا ہے ویسا ہی ہوگا کہ تمہارا پروردگار تم کو تمہاری نسل میں برگزیدہ کرے گا اور تم کو خواب کی باتوں کی تعبیر سکھائے گا اور جس طرح خدا نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا پردادا اسحاق و ابراہیم پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور یعقوب کی اولاد یعنی میری نسل پر پوری کرے گا البتہ تمہارا پروردگار سب کے حال سے واقف اور حکمت والا ہے (پارہ ۱۲ ع ۱۱) ان آیات پر بھی اچھی طرح غور کرنا چاہئے کہ حضرت یوسف کے خواب پر حضرت یعقوب نے یہ جواب نہیں دیا کہ بیٹا! خواب کا کیا ذکر کرتے ہو خواب خیال کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا نہ ان پر کوئی حکم مترتب ہوتا ہے بلکہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسف کے خواب کو ویسا ہی صحیح و حق اور یقینی سمجھا جیسا کہ کوئی بیان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ اس خواب کو چھپاؤ۔ یہ تمہیں خدا کی طرف سے خوشخبری ہو کہ بڑے درجہ کے گیارہ آدمی تمہارے سامنے جھکیں گے اور ایسے لوگ بھی جن کا درجہ گویا آفتاب و ماہتاب کے برابر ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ تمہارے بھائی اس خواب کو سن لیں گے

پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا۔"

شہادت | مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر

تو تمھیں کسی مصیبت میں ڈال دیں گے۔ اسی خواب سے حضرت یعقوب نے سمجھ لیا کہ خدا کے ہاں حضرت یوسف کا درجہ بھی بہت بلند ہوگا اور ان کی نسل کو بہت بڑے مرتبہ پر پہنچائے گا۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ ابن عباس رض نے کہا پیغمبروں کا خواب سچ ہوتا ہے۔ یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا اس وقت ان کی عمر بارہ یا سات سال کی تھی۔ گیارہ ستاروں سے ان کے گیارہ بھائی تھے اور سورج اور چاند سے باپ اور ماں مراد تھے ۔۔۔ سجدے سے مراد زمین پر پیشانی لگانا ہے۔ بعضوں نے کہا سجدے سے مراد صرف جھکنا ہے۔۔۔۔۔

حضرت یعقوب علیہ السلام خواب سنتے ہی سمجھ گئے کہ یوسف کو ایک نہ ایک دن سرداری اور بادشاہت ملے گی اور ماں باپ بھائی سب مل کر آداب شاہانہ بجالائیں گے اور انھوں نے خیال کیا کہ اگر یوسف کے بھائی یہ خواب سنیں تو وہ بھی یہی تعبیر سمجھ لیں گے اور یوسف کی خرابی کے درپے ہوں گے" (تفسیر وحیدی حصہ ۳)

جناب ام سلمہ کا خواب | سب جانتے ہیں کہ جناب ام سلمہ نہ نبی تھیں۔ نہ رسول۔ نہ امام۔ نہ معصوم۔ نہ کسی رسول کی بیٹی۔ نہ نبی کی۔ نہ کسی امام کی ماں نہ بیٹی۔ بس حضرت حضرت رسول خدا صلعم کی زوجہ محترمہ اور ام المومنین تھیں۔ مگر موصوفہ نے بھی جو خواب دیکھا اس کو جھوٹ نہیں جانا۔ غلط نہیں سمجھا۔ مہمل نہیں قرار دیا۔ ردی کی خیالی ٹوکری میں نہیں ڈال دیا بلکہ اس کو بالکل سچ۔ حق اور مطابق واقع یقین کر لیا اور اسی کے موافق عمل بھی کیا۔ کتاب جامع ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ سلمیٰ قالت دخلت علی ام سلمۃ وھی تبکی فقلت ما یبکیک قالت رأیت رسول اللہ تعنی فی المنام وعلی راسہ ولحیتہ التراب فقلت ما لک یا رسول اللہ قال شہدت قتل الحسین آنفا۔ یعنی سلمیٰ کہتی تھیں کہ میں حضرت ام سلمہ رض کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمایا کہ ابھی خواب میں میں نے حضرت رسول خدا صلعم کو دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک غبار آلودہ ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا کہ ابھی حسین کے مقتل میں گیا تھا۔ (جامع ترمذی باب مناقب الحسن والحسین ص ۵۳۹)۔ اس خواب سے اتنی باتیں معلوم ہوئیں جو شہادت کا فلسفہ اچھی طرح سمجھا دیتی ہیں۔ جناب ام سلمہ نے خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کو دیکھا مگر ہنستا ہوا یا خوشی کرتا ہوا نہیں دیکھا بلکہ سر و ریش مبارک کو غبار آلودہ دیکھا۔ یہ خواب دیکھ کر جناب ام سلمہ رو رہی تھیں اور سمجھ گئیں کہ امام حسین یقیناً قتل کر دیے گئے۔ یعنی انھوں نے رسول کے خواب میں یہ کچھ کر یہی فیصلہ کر لیا کہ خدا نے حضرت کو ان کے خواب میں بھیج دیا کہ جناب ام سلمہ کو شہادت امام حسین ع کی خبر کر دیں۔ ام سلمہ نے خواب دیکھ کر سمجھ لیا کہ حضرت رسول ص کی جو حالت ہے وہ بالکل درست اور صحیح ہے اور رسول نے خواب میں جو کچھ فرمایا وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے اپنی زندگی میں بیداری کے عالم میں فرماتے۔ اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم کا غبار آلودہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ حضرت نے بھی امام حسین ع کو بالکل بے قصور بے خطا مجبور اور مظلوم سمجھا اگر ذرہ برابر بھی امام حسین ع کی خطا ہوتی تو حضرت رسول ص نہ خواب میں جناب ام سلمہ کے پاس تشریف لاتے نہ غمگین ہوتے نہ لٹے ہوئے مصیبت زدہ شخص کی صورت میں تشریف لاتے۔ پھر امام حسین جن کا درجہ جناب ام سلمہ سے سیکڑوں مرتبہ بڑھا ہوا تھا جو رسول ص کے نواسے۔ جناب سیدہ کے فرزند۔ حضرت امیر المومنین کے صاحبزادے۔ خود امام۔ خود ہادی۔ خود معصوم۔ معصوم زادے اور نو اماموں ہادیوں اور معصوموں کے بزرگ ہونے والے تھے حضرت رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھ کر کیوں اس خواب کو غلط سمجھتے؟ اور خواب میں حضرت نے آپ کو جو حکم دیا تھا کیونکر اس کے خلاف عمل کرتے؟ پھر کیا خدا آپ سے نہیں پوچھتا کہ تم نے اپنے نانا کا حکم کیوں نہیں مانا؟ تم نے اپنے خواب پر کیوں عمل نہیں کیا؟ تم نے بھی حضرت اسمٰعیل کی طرح اپنے کو ذبح کے لیے کیوں نہیں پیش کر دیا؟ تم نے اسلام سے زیادہ اپنی جان کو کیوں سمجھا؟ تم نے دین حق پر اپنے کو اور اپنی اولاد اور اپنے اہلبیت کو کیوں ترجیح دی ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل نے جو اپنے زمانہ میں نہ نبی تھے نہ ہادی۔ نہ پیشوا نہ امام اپنے باپ کے خواب کو سن کر فوراً سر جھکا دیا تھا اور ذبح ہونے پر آمادہ ہو گئے تھے جس کو تم میری کتاب قرآن مجید میں مدت العمر تلاوت کرتے رہے کہ فلما بلغ معہ السعی قال یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ فلما اسلما

شمر نے پر تلوار ماری۔ آپ کم زوری کے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے"

وتلہ للجبین ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم۔ پھر جب اسمٰعیل اپنے باپ حضرت ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو حضرت ابراہیم نے ان سے کہا کہ بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم بھی تو اپنی جگہ سوچ کر تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے بے تامل اس کی تعمیل کیجئے ان شاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں باپ بیٹے تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے ذبح کرنے کے لئے بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑ دیا تو ہم کو ان دونوں کی فرماں برداری نہایت پسند آئی اور ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا اب ہم تم کو بڑے بڑے مراتب دیں گے اور نیک بندوں کو ہم ایسا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ دیا (پارہ ۲۳ ع ۷)

تو تم نے بھی خواب میں اپنے کا حکم سن کر اس کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ حالانکہ تم اپنے زمانہ میں امام ہادی، پیشوا، معصوم اور اسلام کی حفاظت کے ذمہ دار تھے تم کو اسلام کا مٹ جانا گوارا ہوا، تم کو دین حق کا پائے مال ہونا پسند ہوا۔ تم کو کفر کا پلٹ آنا اچھا معلوم ہوا۔ تم کو اپنے نانا کی ریاضتوں کا مٹی میں مل جانا قبول ہوا!!! شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے "بی بی ام سلمہ کا انتقال شوال کے مہینہ ۵۹ھ ہجری میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس کی تھی۔ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں ان ہی کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال سے کچھ پہلے ۶۱ھ ہجری میں حسین رض بن علی رض موضع کربلا میں شہید ہوئے۔ بی بی ام سلمہ نے مدینہ میں اسی روز اس واقعہ کی خبر شائع کر دی تھی۔ چنانچہ ترمذی میں ابو رافع کی بیوی سلمیٰ سے روایت ہے کہ میں ایک روز بی بی ام سلمہ کے پاس گئی۔ دیکھتی ہوں کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں میں نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں میں نے ابھی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس وحشت ناک حالت میں دیکھا کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے تمام بال خاک آلودہ ہو رہے تھے۔ فرمایا ام سلمہ میں ابھی ابھی مقتل حسین میں گیا تھا اور وہیں سے آ رہا ہوں۔ سلمیٰ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سنا کہ قتل حسین ع کی خبر مدینہ کے ہر چہار طرف گشت کر رہی ہے (امہات الامہ ص ۱۲۱) جناب ام سلمہ کا یہ خواب کوئی معمولی خواب نہ تھا۔ یہ ایک ایسا معتبر اور صحیح اور سچا خواب تھا کہ جب واقعہ منطبق ہو گیا اور جو دیکھا تھا ظاہر ہوا تو لوگ حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسین علیہ السلام کی تعزیت کرنے آنے لگے چنانچہ عن شھر بن حوشب قال اتیت ام سلمۃ اعزیھا علی الحسین بن علی فقالت الخ یعنی شہر بن حوشب کہتے تھے کہ جب امام حسین کی شہادت کی خبر ملی تو میں حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسین ع کی تعزیت کے لیے گیا تو آپ نے ان کے مناقب بیان فرمائے (معجم صغیر طبرانی ص ۳۳)

جناب ابن عباس کا خواب

حضرت عبد اللہ بن عباس بھی نہ رسول تھے نہ نبی تھے نہ امام نہ معصوم صرف حضرت رسول خدا صلعم کے چچا زاد بھائی اور محترم صحابی تھے ان کے خواب کا واقعہ بھی قابل غور ہے۔ امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے عن ابن عباس انہ قال رأیت النبی فی ما یرۃ النائم بنصف النھار وھو قائم اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیھا دم فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہ ما ھذا؟ قال ھذا دم الحسین واصحابہ لم ازل التقطہ منذ الیوم فاحصینا ذلک الیوم فوجدوہ قتل فی ذلک الیوم (مسند جلد ۱)

وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اُترا۔ آپ کو ذبح کیا اور سر تن سے جُدا کر لیا!

فرماتے تھے کہ ایک دن دوپہر کو میں نے حضرت رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ آپ کے بال بہت پریشان ہیں اور اس پر گرد و غبار پڑی ہے اور حضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہے۔ میں نے عرض کی میرے باپ ماں حضور پر فدا ہو جائیں اے رسول خدا صلعم یہ حضور کے ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا یہ میرے فرزند حسینؑ کا اور انکے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج برابر اُٹھا رہا ہوں۔ میں نے اُس دن کو یاد رکھا۔ جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آئی اور اُس دن تاریخ سے اُس کو ملایا تو معلوم ہوا کہ واقعاً حضرت امام حسینؑ اسی روز شہید ہو گئے تھے" (مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ۲۸۳، مشکوۃ جلد ۸ صـ۱۴۰) موصوفؓ نے حضرت رسول صلعم کو خواب میں دیکھا تو اس کو جھوٹا نہیں سمجھا۔ غلط نہیں مانا۔ مہمل نہیں قرار دیا بلکہ بالکل یقین کر لیا کہ واقعاً امام حسینؑ شہید ہو گئے اور حضرت رسولؐ پر اس حادثہ کا نہایت درجہ صدمہ ہے اور حضور شہدائے کربلا کا خون شیشی میں جمع کر رہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اُس وقت مدینہ میں نہیں تھے بلکہ مکہ معظمہ میں تھے اور وہیں یہ خواب تھا۔ اب جائے انصاف ہے کہ جناب ام سلمہ نے خواب میں حضرت رسول خداؐ سے جو کچھ سُنا اُس پر ایمان لائیں۔ اُس کو حق سمجھا اور اسکے مطابق عمل کیا۔ پھر جناب ابن عباس نے خواب ہی میں آنحضرتؐ جو کچھ سُنا اُس پر پورا ایمان لائے۔ اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کیا۔ اُس سے ذرہ برابر لاپروائی نہیں برتی بلکہ ایک ایک حرف کو سچ جانا اور اُسی کے مطابق کام بھی انجام دیا۔ پھر کیا امام حسینؑ جناب ام سلمہ اور جناب ابن عباس سے بھی ایمان میں گھٹ جاتے؟ معرفت میں پست ہو جاتے؟ یقین میں کمتر ثابت ہوتے؟ لا واللہ حضرت سے تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔

خواب کا ایمانی درجہ

کیونکہ حضرت کو خوب معلوم تھا کہ خواب کا کیا درجہ ہے۔ خواب کے ذریعہ سے خدا کس طرح لوگوں کو اپنے احکام پہونچاتا ہے۔ خواب سے کیونکر خدا لوگوں کی ہدایت کرتا رہتا ہے۔ خدا نے خواب کو بالکل ریڈیو کی طرح بہی خبر رسانی کا ایک آلہ بنا دیا ہے۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری تک میں ہے کہ باب رویا الصالحین و قولہ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق یعنی اچھے لوگوں کے خواب کے بیان میں اور اللہ کے اس قول کے مطلب میں کہ اللہ نے اپنے رسول کے سچے خواب کو سچ کر دکھایا (صحیح بخاری پارہ ۲۸ صـ۴۷۶) اسلام نے خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ عن انس بن مالک ان رسول اللہ قال الرؤیا الحسنۃ عن الرجل الصالح جزء من ستۃ و اربعین جزء من النبوۃ یعنی حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ اچھے شخص کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس ۴۶ جزوں میں سے ایک جزو ہے (صحیح بخاری پارہ ۲۸ صـ۴۷۶)۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدأ بہ رسول اللہ من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم۔ بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صـ۱۲۴) جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے "ناظرین! رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواب کی نسبت

جعفر ابن علی ابن محمد سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے	
قاتل	سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا قتل کے وقت جب اس کی عجیب

فرمایا ہے جزء من اجزاء النبوۃ مگر مرزا صاحب اس کو بے وقعت بے اصل بتاتے ہیں۔ خواب اگر بالکل بے اصل بے وقعت چیز ہوتی تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو تعبیر کا فن کیوں عنایت ہوتا؟ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب کیوں قرآن میں مذکور ہوتا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال میں یہ کیوں لکھا جاتا کہ اول ما بدء بہ من الوحی الرؤیا الصادقۃ (یعنی حضرت رسول خدا صلعم پر سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ سچا خواب تھی) سبحان اللہ ام المومنین کا خواب اور خواب میں بھی سرور کائنات علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ الف الف صلوات وتحیات کو دیکھنا اور پھر ان کا اس خواب کے واقعہ کی تصدیق کرکے اس پر گریہ وزاری کرنا کیا یہ معمولی اور بے وقعت شے ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا..... بھلا ایسے سچے اور معتبر خواب کو بے اعتبار بتانا کون سی انسانیت اور کون سی عقل ودانش ہے؟ جو شخص ایسے روحانی بزرگوں کے خواب کو بے وقعت بتائے وہ ضرور نجبط میں گرفتار ہوتا ہے" (شہادۃ حسینؑ صہ۱)۔

جب جناب ام سلمہ اور جناب ابن عباس کے خوابوں کی یہ عظمت ہے تو امام حسینؑ کے خواب کی جن کے بارے میں حضرت رسولؐ کی مشہور حدیث ہے حسین منی وانا من الحسین۔ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہیں۔ کیا شان بیان کی جاسکتی ہے!!! غرض امام حسینؑ کا خواب اور خواب میں بھی سرور کائنات کو دیکھنا کیا معمولی اور بے وقعت شے ہو سکتی ہے؟ اگر جناب ام سلمہ کو رسول صلعم خواب میں حکم دیتے کہ تم اسلام کی حفاظت کے لئے قیدی بننا گوارا کرو۔ دین حق کے بچانے کے واسطے تین دن تک بھوکی پیاسی رہو۔ خدا کا نام بلند رکھنے کے لئے دُرّے کھاؤ، تیرے کھاؤ۔ بازوؤں میں رسیاں بندھوالو تو جناب ام سلمہ کیا کرتیں؟ کیا اپنے خواب کو جھوٹا کہہ دیتیں؟ کیا حضرت رسول خدا صلعم کے قول کو ہذیان سمجھ لیتیں؟ کیا حضرت کے حکم سے منہ پھیر لیتیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر امام حسینؑ اسی خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کا حکم پانے کے بعد اس کی نافرمانی کی جرأت کیسے کر سکتے تھے؟ اسی طرح اگر جناب ابن عباس بھی خواب میں حضرت رسولخدا صلعم کا یہ حکم پاتے کہ اسلام کے لئے قتل ہو جاؤ۔ دین حق کے لئے شہادت قبول کرلو۔ حق کے لئے جان دو۔ صدق کے لئے مرمٹو۔ تو وہ کیا کرتے؟ کیا خواب سے بیدار ہو جانے کے بعد لوگوں سے کہہ دیتے کہ ان الرجل لیھجر یہ شخص (رسولؐ) میرے خواب میں آکر ہذیان بک رہا تھا؟ کیا وہ اپنی جان بچا لیتے؟ کیا وہ شہادت سے منہ موڑ لیتے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ لیکن اگر وہ ایسا ہی کرتے تو سچے اسلام ماننے والوں میں انکی کوئی عزت بھی باقی رہتی؟ وہ مسلمانوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی رہتے؟ کیا ان کو ایسی حالت میں چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا بہتر نہیں ہوتا؟ جب ام سلمہ اور ابن عباس کی یہ حالت ہوتی تو اب سمجھنا چاہیئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے کس طرح ممکن تھا کہ خواب میں رسول برحق کا صریح۔ بالکل صاف اور بے جھول حکم شہادۃ پانے کے بعد خاموش بیٹھ جائیں؟ اپنی جان کو عزیز سمجھیں؟ اپنی اولاد کی محبت میں قول خدا کی کوئی بات ذکر نہ کریں؟ اپنے اعزا کو اسلام سے زیادہ قیمتی جانیں؟ اپنے اصحاب کو ایمان سے زیادہ پیارا مانیں؟ اپنے اہلبیت کو اسلام کی حمایت سے روک دیں؟ اسلام کی تباہی بربادی دیکھتے رہیں اور دم نہ ماریں؟ حق اور صدق کو ذبح ہوتے دیکھیں اور آرام کی نیند

حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا، وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا اُن کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی ابن یزید اصبحی کے حوالہ کیا اور

سوتے رہیں؟ بنائے لا الٰہ الا اللہ کو کھدتے دیکھا کریں اور دم نہ ماریں؟ ایمان کو دنیا سے مٹتے ہوئے دیکھیں اور ہاتھ پر ہاتھ دیئے بیٹھے رہیں؟ جس طرح غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدود کے حملہ سے پورا کفر پورے اسلام کے مقابلہ میں امنڈ آیا تھا اسی طرح کربلا میں یزیدی فوج کے حملہ سے پورا کفر پورے ایمان کے نیا منیا کر دینے پر آمادہ ہو گیا تھا پھر نائبِ رسول سے کیونکر ممکن تھا کہ مُنہ تکتا رہتا۔ اسلام دم توڑتا رہتا اور وہ بیٹھا تماشہ دیکھتا رہتا۔ ایمان آخری ہچکیاں لیتا رہتا اور وہ دم بخود رہتا۔ حق او صدق کا چراغ ہمیشہ کیلئے بجھایا جاتا اور وہ اپنی عافیت۔ اپنے اطمینان اور اپنی زندگی کی خیر مناتا رہتا۔ پھر تو آپ امام حسین نہیں ہوتے۔ کوئی اور شخص کہے جاتے۔ اُسوقت آپ کو نواسۂ رسولؐ ہونا زیب ہی نہیں دیتا۔ ایسی حالت میں آپ فرزند رسول نہیں سمجھے جاسکتے تھے ایسے لڑکے کو نہ حضرت علیؑ اپنا بیٹا کہتے نہ جناب سیدہ اپنا دل کہتیں بلکہ خدا ہمیں معاف کرے اگر یہ سچی بات ہم علی الاعلان کہدیں کہ اگر خواب ہی کے ذریعہ خدا و رسول کا ایسا صریح حکم قبول شہادت پانے کے بعد امام حسین بیٹھے رہتے تو اُسوقت آپ کو بھی درگاہ خدا سے وہی خطاب ملتا جو فرزند نوحؑ کو عطا ہوا تھا کہ "انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح (یہ فرزند تمہارے اہل و عیال میں داخل نہیں کیونکہ اسکے عمل اچھے نہیں ہیں پارہ ۱۲ ع ۴)

کیا امام حسینؑ کا درجہ ابتدائی مسلمانوں سے بھی کم مانا جائیگا؟

سب جانتے ہیں کہ واقعہ کربلا حق و باطل کی جنگ تھی۔ باطل کی طرف یزید اور حق کی طرف امام حسینؑ تھے۔ آپ پر زیادہ سے زیادہ اعتراض یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ آپ کے ساتھی کم تھے۔ آپ کی فوج مختصر تھی۔ آپ کے پاس نہ خزانہ تھا۔ نہ کھانے پینے کا سامان۔ تو آپ باطل کے آگے جھک کیوں نہیں گئے؟ آپنے یزید کی بیعت کیوں نہیں کرلی؟ آپنے یزید کی باتیں کیوں نہیں مان لیں؟ آپنے یزید کے ظلموں کو کیوں گوارا کیا؟ اور اپنی مختصر فوج کا خاتمہ کس طرح پسند کیا؟ یہ اعتراض کرنے والے ذرا ابتدائے اسلام کے حالات پر بھی غور کریں کہ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے تھے وہ بت پرستی، کفر، الحاد کو باطل اور اسلام کو حق سمجھ ہی کر تو مسلمان ہوتے تھے۔ پھر اس حق پرستی کی وجہ سے اُن مسلمانوں پر جو جو ظلم ہوئے اُنکو اُن لوگوں نے کیوں برداشت کیا؟ اور حق (اسلام) کو چھوڑ کر باطل (کفر) کی طرف کیوں واپس نہیں چلے جاتے تھے؟ ذرا ان بیچاروں کی حالت بھی مختصر طور پر سُن لیجئے "اسلام جب پھیلنا شروع ہوا تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر اُن غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا..... قریش نے انکو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ میں اسکی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے..... قریش نے جو ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کیے "جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے۔ وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اُس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے..... ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھا دئے، اُس پر چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ..... بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی خباب

خود عمر ابن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو چلایا:-

اوقر رکابی فضۃ وذھبا انا قتلت الملک المحجبا

مجھے چاندی سونے سے لاد دو میں نے بڑا پادشاہ مارا ہے

قتلت خیر الناس اما وابا وخیرھم اذ ینسبون نسبا

میں نے اُسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے

جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمد کا انکار نہ کرو گے ایک کوڑی نہ ملے گی۔ یہ کہتے کہ نہیں جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں۔

حضرت بلال..... جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینے پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں۔ ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ۔ ورنہ یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائیگا لیکن اُسوقت بھی اِن کی زبان سے احد کا لفظ نکلتا۔ جب کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالہ کیا۔ وہ ان کو شہر کے اِس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَدٌ اَحَدٌ۔ عمارؓ..... قریش اِن کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اسقدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے، انکے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ سُمیہ حضرت عمار کی والدہ تھیں۔ انکو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہو گئیں۔ یاسر حضرت عمار کے والد تھے۔ یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اُٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔ صہیب..... قریش انکو اسقدر اذیت دیتے تھے کہ انکے حواس مختل ہو جاتے تھے..... ابو فکیہہ..... ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں..... امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ انکے سینے پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ انکی زبان نکل پڑی۔ لبینہ۔ یہ بیچاری ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمر اس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے "میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں" وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اسکا انتقام لے گا۔ زنیرہ..... حضرت عمر انکو بھی کھول کر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ انکی آنکھیں جاتی رہیں۔ نہدیہ اور ام عبیس..... اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں..... یہ وہ لوگ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہونچائیں۔ ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو اور طرح طرح سے ستاتے تھے۔ حضرت عثمان..... جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود انکے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔ حضرت ابوذر جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا۔ حضرت زبیر بن العوام..... جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے..... سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمر نے اُن کو رسیوں سے باندھ دیا۔ سعد بن وقاص..... کفار کے ستم سے محفوظ نہ تھے۔ بنو اسد، اسلام کے جرم پر ان کو سخت سزائیں دیتے تھے، لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلّادانہ بے رحمیاں۔ یہ عبرت خیز سفاکیاں ایک

عمر بن سعد نے اندر بلا لیا۔ بہت خفا ہوا۔ کہنے لگا" واللہ تو مجنون ہے!" پھر اپنی لکڑی سے مار کر کہا" پاگل! ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!"
(ابن جریر)

مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک نصرانی مؤرخ نے نہایت سچ لکھا" عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے..... جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے، اُن کا نشۂ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے...... برعکس اس کے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا (اپالوجی گاڈفری ہیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶ و ۶۷ از سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۷۰) ان واقعات کے شروع کرنے سے پہلے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" رسوخ عزم، قوت ارادہ، شدت عمل انسان کے اصلی جوہر ہیں اور داد کے قابل ہیں۔" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۶ جلد ۱)۔

اس کتاب کے ناظرین انصاف سے بتائیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کے مصائب اور اذیات کی جو تصویر اوپر کھینچی گئی ہے اس سے ان مسلمانوں کی مدح نکلتی ہے یا مذمت؟ ان تیرہ سو تراسی (۱۳۸۳) سال کی مدت میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا ہوا جس نے اُن ابتدائی زمانے کے مظلوم مسلمانوں پر اعتراض کیا ہو کہ وہ کیوں اسلام پر جمے رہے؟ وہ کیوں مسلمان باقی رہے؟ انھوں نے کیوں حضرت رسول خدا صلعم کی بات مانی؟ وہ کیوں دین حق پر مستقل مزاج رہے؟ انھوں نے اسلام چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ انھوں نے ظالموں کی بات کیوں نہیں مان لی؟ انھوں نے صاحب اقتدار کافروں کی اطاعت کیوں نہیں کر لی؟ انھوں نے رؤسا قریش کی بیعت کیوں نہیں کر لی؟ انھوں نے ایمان سے مُنہ کیوں نہیں موڑ لیا؟ انھوں نے اپنے کو ہلاکت میں کیوں ڈال دیا؟ وہ رسولؐ کی کمزوری اور صنادید عرب کی طاقت دیکھتے تھے۔ پھر صنادید عرب سے ٹکرائے کیوں؟ ان کو خوش کیوں نہیں کر دیا؟ اُن کو راضی کیوں نہیں رکھا؟ اپنی جان اور مال کو اُن کے ظلموں سے بچا کیوں نہیں لیا؟ اپنے کو ان کے جور و ستم کا نشانہ کیوں بنائے رکھا؟ اپنی تباہی کو اسلام کے مقابلے میں کیوں پسند کیا؟ صبر کے جوہر کیوں دکھاتے رہے؟ رسوخ عزم کی صفت اپنے میں کیوں پیدا کر لی؟ قوت ارادہ کے وصف سے اپنے کو کیوں آراستہ کئے رکھا؟ شدت عمل کی خوبی کے کیوں دلدادہ بنے رہے؟ حق اور باطل کا خیال ہی کیوں اپنے دماغ میں آنے دیا؟ خدا کی مرضی کے جویاں کیوں ہوئے؟ بہشت اور دوزخ کا تصور ہی کیوں کرتے رہے؟ آخرت کے درجات کا لحاظ ہی کیوں کیا؟ دنیا ہی کو سب کچھ کیوں نہیں جانا؟ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے) کو کیوں سچ جانا؟ اَحَد اَحَد کیوں کہتے رہے؟ ایک ہی خدا کے ماننے پر کیوں اڑے رہے؟ بہت سے بتوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ بہت سے خداؤں سے کیوں علیحدگی اختیار کر لی؟

لوٹ کھسوٹ قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے۔ پھر آپکے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہونچا

اپنے باپ دادا کے دین سے کیوں الگ ہو بیٹھے؟ اپنے خاندانی مذہب کو چھوڑ کر نئے مذہب کے پیرو کیوں بن گئے؟ قرآن مجید کو خدا کی کتاب کیوں مان لی؟ اس کے احکام پر کیوں اعتقاد کر لیا؟ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا ساتھ کیوں دیا؟ اگر سابق زمانے کے مسلمانوں سے اس قسم کے سوالات نہیں کئے جا سکتے، اگر اُن مصیبت زدوں پر ان اعتراضات کی بوچھار نہیں کی جا سکتی۔ اگر اُن مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اُن آفت رسیدوں کے خلاف زبان نہیں کھولی جا سکتی تو امام حسینؑ اور شہدا کربلا نے کیا قصور کیا ہے؟ ان حضرات نے بھی تو وہی کیا جو سابق مسلمانوں نے کر دکھایا تھا۔ کربلا والوں سے بھی تو یزید، ابن زیاد، عمر بن سعد اور شمر وغیرہ کو وہی جواب دیا جو ابتدائی عہد کے مسلمانوں نے ابوسفیان، ابوجہل، اُمیہ بن خلف، صفوان بن امیہ وغیرہ کے ساتھ کیا تھا۔ پھر یہ کیا انصاف اور کس عقل کا فیصلہ ہے کہ جو کام ابتدائی عہد کے مسلمانوں نے کفار قریش کے مقابلے میں کیا وہ تو بڑی مدح و ثنا کا ہو گیا اور وہی کام کربلا والوں نے اپنے زمانے کے کافروں کے مقابلے میں کیا تو آپ پر اعتراضات کئے جائیں؟ دنیا میں کوئی صاحب عقل ہے جو ہمیں سمجھا دے کہ ابتدائی عہد کے مسلمانوں کے گیت کیوں گائے جاتے اور امام حسینؑ پر طعن و تشنیع کس اصول کے ماتحت کی جاتی ہے۔ جس طرح خباب، بلال، عمار، سمیہ، صہیب وغیرہ اسلام کے ابتدائی محسن مانے گئے اُسی طرح امام حسینؑ اور شہداء کربلا بھی اسلام کے انتہائی محسن بلکہ اسلام کے زندہ کرنے والے اسلام کے بچا لینے والے، اسلام کا قیامت تک جھنڈا بلند رکھنے والے اور اسلام کی بنا مضبوط کرنے والے بھی کیوں نہیں مانے جائیں؟ ابتدائی مسلمانوں پر سختیاں کم تھیں۔ اس وجہ سے اُنکا صبر بھی ہلکا رہا۔ کربلا والوں پر سختیوں اور ظلموں کی آندھیاں آئیں اس وجہ سے اُن کا صبر بھی ویسا ہوا جو صبر ایوبؑ سے بھی بڑھ گیا ورنہ دونوں ایک ہی اصول کے پابند رہے۔ دونوں ایک ہی مقصد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تھے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ آگ میں پھینکے گئے مگر خدا کو نہیں چھوڑا۔ جس طرح ابتدائی عہد کے مسلمان اچھی طرح ستائے گئے مگر باطل کے آگے سر نہیں جھکایا بالکل اسی طرح کربلا والے بھی تلواروں نیزوں، تیروں کے زخم کھاتے رہے۔ بھوک پیاس کی اذیت میں مبتلا کئے گئے۔ فوجوں کے ریلوں سے پیسے گئے لیکن حق کو نہیں چھوڑا بلکہ یہی کہتے گئے کہ انحن نخلی عنك فبما نعتذر الی اللہ فی اداء حقك لا واللہ حتی اطعن فی صدورهم برمحی واضربهم بسیفی ما ثبت قائمہ فی یدی ولو لم یکن معی سلاح اقاتلهم بہ لقذفتهم بالحجارۃ واللہ لانخلیك حتی یعلم اللہ انا قد حفظنا غیبۃ رسول اللہ فیك۔ اما واللہ لو علمت انی اقتل ثم احیی ثم احرق حیا ثم اذری یفعل ذلك بی سبعین مرۃ ما فارقتك حتی القی حمامی دونك فکیف لا افعل ذلك وانما هی قتلۃ واحدۃ ثم هی الکرامۃ التی لا انقضاء لها ابدا۔ کیا ہم سے

اور کہنے لگا " اسے بھی قتل کیوں نہ کر ڈالیں ؟" لیکن اُس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی اور کہا " کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے ؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آ گیا اور حکم دیا " کوئی عورتوں کے خیمے میں

نہ ہو سکتا ہے کہ حضور کے قدم مبارک سے جدا ہو جائیں ؟ پھر حضور کا حق نہ ادا کرنے کی وجہ سے ہم خدا کو کیا جواب دیں گے ؟ کون سا عذر پیش کر سکیں گے ؟ نہیں ! نہیں !! خدا کی قسم یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم اس وقت تک جدا نہیں ہو سکتے جب تک ان کافروں کے سینوں میں اپنے نیزے نہ ماریں اور اُن پر اپنی تلواروں کے وار نہ کر لیں اُن کا قبضہ ہمارے ہاتھوں میں اور اُن کے پھل اُن کے سروں پر نہ پڑ لیں۔ اگر لڑتے لڑتے ہمارے ہتھیار ختم ہو جائیں گے جب بھی ہم منہ موڑنے والے نہیں ہیں بلکہ پتھروں کو اُٹھا اُٹھا کر ان سے لڑتے رہیں گے۔ خدا کی قسم ہم حضور کے قدم مبارک چھوڑ نہیں سکتے نہیں سکتے یہاں تک کہ خدا بھی اس بات کو جان لے کہ ہم نے حضرت رسول خدا کی غیبت میں حضور کے حقوق کی پوری حفاظت کا فرض ادا کر دیا سب لوگ اچھی طرح سُن لیں خدا کی قسم اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم قتل کئے جائیں گے۔ پھر زندہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر زندہ جلا دیئے جائیں گے۔ پھر ہماری خاک تمام پھیلا دی جائے گی۔ اسی طرح ہمارے ساتھ ستر مرتبہ بھی ظلم وجور کیا جاتا رہے گا جب بھی ہم حضور کے قدم سے الگ نہیں ہو سکتے۔ ہاں جب حضور کے سامنے ہماری موت ہی ہو جائے تب مجبور ہو جائیں گے۔ یہ تو حضور فرمائیں کہ ہم کیوں نہ اس شرف شہادت کو حاصل کریں حالانکہ یہ ایک ہی دفعہ کا تو شہید ہونا اور اُس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کی وہ بزرگی، عزت، شرف اور کرامت ہے جس کا کبھی خاتمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کربلا والے یہ بھی کہتے گئے واللہ لوددت انی قتلت ثم نشرت ثم قتلت حتیٰ اقتل ھکذا الف مرۃ وان اللہ یدفع بذالک القتل عن نفسک وعن انفس ھؤلاء الفتیان من اھل بیتک۔ خدا کی قسم ہماری دلی تمنا اور عین آرزو تو یہ ہے کہ ہم حضور کی حمایت میں قتل کر دیئے جائیں۔ پھر دوبارہ زندہ کئے جائیں۔ پھر قتل کئے جائیں۔ پھر زندہ کئے جائیں یہاں تک کہ اسی طرح ہزار مرتبہ قتل ہوتے رہیں اور ہماری قربانی سے حضور اس مصیبت سے بچ جائیں اور حضور کی آل و اولاد سب محفوظ رہ جائیں۔ یہ بھی کربلا والے کہتے گئے اکلتنی السباع حیا ان فارقتک۔ اے امام حسینؑ اگر ہم حضور کے پاس سے ہٹ جائیں تو خدا درندوں کو ہم پر مسلط کر دے کہ وہ سب ہمیں پھاڑ چیر کر کھا جائیں اور لقمہ اجل بنا لیں۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی ان جان نثاروں کے مذکورہ بالا بیانات سننے کے پہلے ہی ان کل فدائیوں کے بارے میں فرما دیا تھا اما بعد فانی لا اعلم اصحابا اوفیٰ ولا خیرا من اصحابی ولا اھل بیت ابر ولا اوصل من اھل بیتی فجزاکم اللہ عنی خیرا۔ خدا کی حمد و شکر بجا لانے کے بعد ہم بانگ دہل کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اصحاب سے زیادہ وفادار اصحاب اور ہمارے اہل بیت سے بہتر اور پسینہ پر خون گرانے والے اہلبیت کسی کو بھی نہیں ملے۔ اور حضرت نے بالکل صحیح فرمایا۔ ذرہ برابر شک نہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم کے اصحاب ہی کو دیکھ لیا جائے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ کتنی جاں نثاری کی اور اُن سے ہزاروں درجہ بڑھی ہوئی جاں نثاری امام حسینؑ کے اصحاب نے حضرت کے ساتھ کی یا نہیں ؟ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ جب خدا کی رضی، رسول خدا کی خوشنودی۔ اسلام کی حمایت۔ ایمان کی حفاظت۔ دین حق کی نصرت۔ باطل سے نفرت میں

نہ گھسے، ان کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے"۔ زین العابدینؑ نے یہ سُن کر اپنی بیمار آواز سے کہا "عمر بن سعد! خدا تجھے جزائے خیر دے! تیری زبان نے ہمیں بچالیا!"

حضرت امام حسینؑ کے اصحاب ہی حضرت رسولِ خداؐ کے اصحاب سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے تھے تو خود امام حسینؑ کیوں نہیں بڑھ جاتے؟ اس وجہ سے حضرت کا تو مقابلہ ہی اصحابِ رسولؐ سے بے کار ہے۔ ہاں حضرت کا مقابلہ جناب ایوبؑ سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے ہو سکتا ہے۔ حضرت زکریاؑ سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب یحییٰؑ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جناب اسمٰعیلؑ کا نام پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ کل حضرات پکار کر زبانِ حال سے کہہ اٹھیں گے ع واللہ اے حسینؑ کہ کارے کردی۔ یہ حضرات خود فیصلہ کر دیں گے کہ امام حسینؑ اُن سب سے بڑھ گئے۔ اُن سب سے اونچے درجے پر پہونچ گئے۔ اُن سب سے افضل مرتبہ پا گئے اور سید الشہدا ہو گئے۔ افضل الشہدا ہو گئے اور قیامت تک کے لئے حضرت ہی بنا لا الٰہ کے تاج سے سرفراز کر دیئے گئے۔

امام حسینؑ فرزندانِ یعقوب نہیں بلکہ فرزند من یشری نفسہ تھے

دنیا میں اولاد دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اچھی اور بُری۔ عام لوگوں کا کیا ذکر ہے انبیاء و مرسلین کی اولاد بھی ایک ہی طرح کی نہیں ہیں۔ حضرت آدمؑ کے دو بیٹے ہوئے قابیل اور ہابیل۔ قابیل بُرا ہوا اور جناب ہابیل نیک پرہیزگار تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ کے متعدد فرزند ہوئے مگر حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائی ایک درجے کے نہیں ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے باپ کو ہمیشہ خوش رکھا اور نبوت کے درجے پر پہونچے لیکن دوسرے گیارہ بھائیوں نے باپ کو ستایا اور خدا کو ناراض رکھا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسولِ خداؐ اور جناب امیر علیہ السلام کے کیسے فرزند ہوئے۔ اگر آپ میں اپنے والد کی خوبیاں نہیں تھیں یا نہیں ہوتیں تو آپ کسی طرح خدا کے محبوب نہیں ہو سکتے تھے لیکن اگر آپ نے بھی علاوہ سب فضائل و کمالات دکھائے جو جناب امیر علیہ السلام کا طرۂ امتیاز تھے تو حضرت پر کسی قسم کا اعتراض کرنا کسی صاحبِ عقل کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ "جب کفارِ عرب نے حضرت رسولِ خدا صلعم کے قتل کا ارادہ کیا تو جناب امیر سے فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ یہ سخت خطر کا موقع تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہؐ کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتحِ خیبر کے لئے قتل گاہ فرشِ گل تھا" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۹۸) حضرت علیؑ نے یہ حکم پا کر سجدۂ شکر ادا کیا اور جب بسترِ نبوی پر سوئے تو خدا نے جبرئیلؑ و میکائیلؑ کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں رشتۂ برادرانہ قائم کیا۔ تم میں کون اپنی جان اپنے بھائی پر نثار کرتا ہے؟ دونوں نے انکار کیا۔ تب خدا نے انکی طرف وحی کی کہ کیا تم دونوں علی کی طرح نہیں ہو سکتے؟ دیکھو اسوقت علیؑ بسترِ نبی پر اس غرض سے لیٹے ہیں کہ اپنی جان اپنے بھائی پر فدا کریں۔ اور جناب امیرؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد ہمارا ایسا بندہ بھی ہے جو خدا کی خوشی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان دیدیتا ہے (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۲۶)۔ پھر اسلام کا عظیم الشان واقعہ کہ قرآن مجید کتب تفسیر کتب حدیث کتب تاریخ اسکے ذکر سے بھری ہوئی ہیں شیعوں کی کتابوں میں تو موجود ہی ہے۔ ہزاروں معتبر کتب اہلسنت

نعش روندڈالی عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسینؑ کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اس نے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون تیار ہے؟" دس آدمی تیار ہوگئے

میں اس کا بیان بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ جو لوگ امام حسینؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں اسلام کی حفاظت کیلئے اپنی اور اپنے اصحاب و اعزا کی جانیں ضائع و برباد کردیں وہ بتائیں کہ کیوں اسلام کے سردار اور خدا کے آخری پیغمبر کی حفاظت کے لئے جناب امیرؑ اپنی جان دینے پر مستعد ہوگئے؟ کیا خدا کو حضرت امیرالمومنینؑ کی جان پیاری نہیں تھی؟ کیا اُس کو جناب امیرؑ کی زندگی عزیز نہیں تھی؟ کیا اُس کے خیال میں جناب امیر کا وجود بےبکار تھا؟ اگر نہیں بلکہ حضرت اسلام کے لئے نہایت ضروری تھے تو خدا نے آپ کو یہ حکم کیوں دیا کہ رسولؐ کے بستر پر سو رہیں اور اگر کفار حملہ کریں تو انکے نشانہ بن جائیں؟ سب کا جواب یہی ہوگا کہ اُس وقت حضرت رسولخدا صلعم کی حفاظت کیلئے آپ کا آمادہ قتل ہوجانا ضروری تھا اس وجہ سے خدا نے حکم دیا۔ رسولخدا صلعم نے اس حکم کو پہونچا دیا جناب امیرؑ کو اس سے مطلع فرمادیا اور حضرت نے اس حکم کی تعمیل کے لئے نہ اپنی جان کی پروا کی۔ نہ اپنے گھر والوں کی۔ نہ اپنے اعزا کی۔ نہ اپنی نسل کی۔ بس بالکل اسی طرح یزید کے زمانے میں بھی اسلام کے ذبح ہوجانے کا وقت آگیا تھا۔ یزید کی حکومت میں بھی دین حق کے ختم ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس کے عہد میں ایمان کے مردہ ہوجانے کے اسباب جمع ہوگئے تھے۔ حق کے گلے پر کند چھری پھر جانے کا سامان ہو رہا تھا اس وجہ سے پھر مشیت ایزدی نے چاہا کہ جس طرح حضرت علیؑ نے رسولؐ کی حفاظت کیلئے اپنی جان کی قربانی پیش کردی تھی بالکل اُسی طرح اسلام کی حفاظت کیلئے انکے فرزند رشید، خلف صالح، اور قائم مقام بھی اپنی جان کی پروا نہ کریں۔ اپنی اولاد کو عزیز نہ رکھیں اپنے اعزا کو دین حق پر ترجیح نہ دیں اور اپنے اصحاب کو نہ بچائیں۔ بلکہ سب کو خدا کے حضور میں تلوار، نیزے، تیر کے سامنے کردیں۔ اسی وجہ سے خدا نے بہشت سے حضرت رسولخدا صلعم کی روح مبارک کو بھیجا کہ جاکر مدینہ میں اور پھر کربلا میں خواب کے ذریعہ امام حسینؑ کو اس حکم سے مطلع فرمادیں اور بتادیں کہ بیٹا ہے وہ قدم بہ قدم ہو جو باپ کے۔ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بیٹا وہی ہے جو اپنے باپ کا پورا فوٹو ہوجائے) اس وجہ سے کربلا میں امام حسینؑ نے بھی وہی کیا جو شب ہجرت مدینہ میں آپ کے پدر بزرگوار نے کرکے دکھا دیا تھا۔ آپ نے بھی حکم رسولؐ کی (جو خواب میں آپ کو رسولؐ سے ملا تھا) اُسی طرح تعمیل کی جس طرح ہجرت کی رات میں جناب امیرؑ نے فرمان رسولؐ پر عمل کرکے نمونہ قائم کردیا تھا۔ اب جو لوگ امام حسینؑ کے بیعت یزید نہ کرنے۔ کربلا کی طرف روانہ ہونے اور درجہ شہادت قبول کرنے پر مُنہ آتے ہیں وہ اپنی ہی جگہ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور فیصلہ کریں کہ امام حسینؑ نے نئی کون بات کی؟ آپ نے تو وہی کیا جو خدا کی مرضی کیلئے آپکے پدر بزرگوار کرچکے تھے۔ تو حضرت پر اعتراض کرنے سے پہلے اس اعتراض کا رُخ نفس رسولؐ برادر رسولؐ، خلیفہ رسولؐ، ولی خدا مولائے مومنینؑ امام متقین حضرت امیرالمومنینؑ کی طرف پھیر دینا چاہیے کہ حضرت نے بھی کیوں خدا کا حکم سُنا؟ کیوں اس کی تعمیل پر آمادہ ہوگئے؟ کیوں حضرت رسول خدا صلعم کی بات مان لی؟ کیوں حضرت کو خوش رکھنے کے لئے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے؟ کیوں اسلام کی حمایت کی اور کیوں دین حق کی حفاظت کیلئے

اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا سے

چوں بگزرو نظیری خونیں کفن بہ حشر خلقے فغاں کنند کہ ایں دادہ خواہ کیست

اس جنگ میں حضرت حسینؓ کے بہتر آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے اٹھاسی قتل ہوئے۔
(ابن جریر، کامل دیقوبی)

فرش رسول پر سو رہنا خوشی سے منظور کر لیا؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ کفر کے مقابلہ میں ابتدائی زمانے کے مسلمان اپنی جانوں پر کھیلتے رہے، اپنے آرام سے بے پروائی ظاہر کرتے رہے، اپنی زندگی کو بے حقیقت سمجھتے رہے۔ تو ان کی مدح وثنا کے پل باندھے جاتے ہیں۔ (اور بہت صحیح باندھے جاتے ہیں)۔ ان کی قربانیوں کے گیت گائے جاتے ہیں (اور بہت درست گائے جاتے ہیں)۔ انکے صبر، استقلال، اطمینان اور بے نفسی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے (اور بہت ٹھیک پیٹا جاتا ہے) مگر اسی کفر کے مقابلہ میں فرزند رسول سردار جوانان اہل بہشت اپنی قربانی پیش کرتا ہے تو آپ طعن و اعتراض کے ہدف بنائے جاتے اور آپ کے کارنامہ کو بدنما دکھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا جاتا ہے۔ خود حضرت کے والد ماجد امیر المومنینؑ قدم قدم پر دین حق کے بچانے، اس کو مضبوط کرنے اور اسلام کی حمایت کا فرض انجام دینے کی غرض سے اپنے کو تلواروں کی چھاؤں میں رکھ دیتے ہیں، اپنی جان کو دشمنوں کے زغہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اپنی زندگی کو مخالفین کے حملوں کا نشانہ بنا دیتے ہیں تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ایک شخص بھی اس پر حرف نہیں رکھتا۔ ایک بات بھی حضرت کے خلاف نہیں بنائی جاتی۔ مگر امام حسینؑ پر کبھی بغاوت کا الزام قائم کیا جاتا ہے کبھی طلب دنیا کیلئے جان دینے کا پروپگنڈا کیا جاتا ہے کبھی اعزا و اقربا کے مشوروں سے منہ موڑنے کا طعن کیا جاتا ہے کبھی ضد اور خود رائی کا اعتراض کیا جاتا ہے کبھی لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی مخالفت بتائی جاتی ہے اور کبھی حکومت میں رخنہ ڈالنے کا شبہ وارد کیا جاتا ہے لطف یہ کہ جہاد کی جس قدر آیتیں اور کفر کا مقابلہ کرنے کے جتنے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں انکا نام بھی نہیں لیا جاتا اور نہیں بتایا جاتا ہے کہ امام حسینؑ ان آیتوں اور خدائی احکام کو کیا کرتے مثلاً (۱) قل ان کان اٰباءکم وابناءکم واخوانکم

کافروں سے جہاد کرنے کے لئے خدائی احکام

وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔ اے رسول! تم کہدو کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بی بیاں اور تمہارے کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کما کے رکھ چھوڑے ہیں اور وہ تجارت کہ جس کے مندا پڑ جانے کا تمھیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر تمھیں خدا سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو تم ذرا ٹھہرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (عذاب) موجود کر دے اور خدا نافرمان لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا (پارہ ۱۰ ع ۹)۔ اگر امام حسینؑ بھی یزیدیوں سے جہاد نہیں کرتے تو کیا اس آیہ مبارکہ کے ایک ایک لفظ کے مصداق نہیں قرار پاتے؟ کیا اس صاف وعید عذاب کے مخاطب نہیں سمجھے جاتے؟ کسی طرح بھی آپ اس حکم سے نکل سکتے تھے؟ (۲) کتب علیکم القتال وھو کرہ

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا، اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ حمرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں

لکم و عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم و عسےٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ اے مسلمانو! تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اگرچہ تم پر شاق ضرور ہے اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز (جہاد) کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور خدا تو جانتا ہی ہے مگر تم نہیں جانتے (پارہ ۲ ع ۱۰)۔ (۳) وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا ان اللہ سمیع علیم۔ اور اے مسلمانو! خدا کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ خدا ضرور سب کچھ سنتا اور جانتا ہے (پارہ ۲ ع ۱۵)۔ (۴) وان منکم لمن لیبطئن فان اصابتکم مصیبۃ قال قد انعم اللہ علیّ اذ لم اکن معھم شھیدا ولئن اصابکم فضل من اللہ لیقولن کان لم تکن بینکم وبینہ مودۃ یالیتنی کنت معھم فافوز فوزا عظیما۔ فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نوتیہ اجرا عظیما وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا الذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطان ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ اور تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو جہاد سے ضرور پیچھے ہٹیں گے۔ پھر اگر اتفاقاً تم پر کوئی مصیبت آ پڑی تو کہنے لگے خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا کہ میں ان مسلمانوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اور اگر تم پر خدا نے فضل کیا اور دشمن پر غالب آئے تو اس طرح اجنبی بن کے کہ گویا تم میں اور اس میں کبھی کی محبت ہی نہ تھی یوں کہنے لگا کہ اے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ پس جو لوگ دنیا کی زندگی (جان تک) آخرت کے واسطے دے ڈالنے کو موجود ہیں اُن کو خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہیئے۔ اور جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا پھر شہید ہوا تو گویا غالب آیا تو (بہرحال) ہم تو عنقریب ہی اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ اور مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان کمزور، بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کو کفار کے پنجے سے چھڑانے کے واسطے جہاد نہیں کرتے جو خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے کسی طرح اس جگہ سے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں ہمیں نکال اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا اور تو خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنا۔ پس دیکھو! ایمان والے تو خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے مرتے ہیں۔ تو اے مسلمانو! تم شیطان کے ہوا خواہوں سے لڑو کیونکہ شیطان کا مکر تو کمزور ہے (پارہ ۵ ع ۷)۔ فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المومنین الآیہ تم خدا کی

بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر اُن کے قریب پہونچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا "اے محمدؐ! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسینؑ ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہے! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے! تیری بیٹیاں قیدی ہیں، تیری اولاد مقتول ہے! ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہے!" راوی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُنکے بین سے رونے نہ لگا ہو۔ (ابن جریر)

راہ میں جہاد کرو اور تم اپنی ذات کے سوائے کسی کے ذمہ دار نہیں اور ایمان والوں کو بھی جہاد پر آمادہ کرو (پارہ ۵ ع ۸) وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون اور خدا کی راہ میں جہاد کرو تاکہ حقیقی کامیابی تم ہی کو حاصل ہو (پارہ ۶ ع ۱۰) وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین! اور مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب مل کر اُن سے لڑو اور یہ جان لو کہ خدا تو یقیناً پرہیزگاروں کے ساتھ ہے (پارہ ۱۰ ع ۱۱) وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرو اگر تم کچھ جانتے ہو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے (پارہ ۱۰ ع ۱۲) جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنم وبئس المصیر۔ کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانا تو جہنم ہی ہے اور وہ بری جگہ ہے (پارہ ۱۰ ع ۱۶)۔ یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔ اے ایمان والو! کافروں سے جو لوگ تمھارے آس پاس کے ہیں اُن سے لڑو اور چاہیئے کہ وہ لوگ تمھاری طاقت محسوس کریں اور جان لو کہ بے شبہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (پارہ ۱۱ ع ۵) وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج جہاد کرنے کا جو حق ہے خدا کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو۔ اُسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی (پارہ ۱۷ ع ۱۷)۔ والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم سیھدیھم ویصلح بالھم ویدخلھم الجنۃ عرفھا لھم یا ایھا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم والذین کفروا فتعسا لھم واضل اعمالھم ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ان کی کارگزاریوں کو خدا ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔ ان کو جلد ہی منزل مقصود تک پہونچائے گا اور ان کا انجام بہت اچھا کرے گا اور ان کو بہشت میں جگہ دے گا جس کا انھیں مشتاق کر رکھا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم خدا کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے

بہتر سر پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر ذی الجوشن بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزرہ بن قیس، یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرتؑ کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حسینؑ کا سر ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی، ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم چلا اُٹھے (بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا۔ منہاج السنۃ ۱۲) ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی میری ان دونوں آنکھوں نے

اور ان کے اعمال بے راہی کے ہیں (پارہ ۲۶ ع ۵)

انہیں احکام خدا کی تعمیل میں حضرت رسولؐ نے بھی کفار مکہ سے جہاد کیا۔ انہیں آیات کی تعمیل میں جناب امیرؑ نے بھی بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر وغیرہ میں رسولؐ کے ساتھ اور جمل، صفین و نہروان میں اپنے دشمنوں سے جہاد کیا اور انہیں احکام خدا کی تعمیل میں جناب امام حسینؑ نے بھی دین خدا کے مخالفین سے کربلا میں جہاد کا فرض ادا کر دیا۔ اور کیوں ذکرتے کہ بیٹا ہے وہ قدم بہ قدم ہو جو باپ کے۔ جب یزیدی فوج کا سردار عمر بن سعد کربلا میں آیا تو کوشش کرنے لگا کہ امام حسینؑ سے صلح ہو جائے۔ اس کی خبر کوفہ میں شمر کو ہوگئی۔ اس نے ابن زیاد کو عمر بن سعد کے خلاف بھڑکا دیا کہ جب حسین قبضہ میں آگئے تو اب صلح کیسی؟ یا بیعت کریں یا قتل ہوں۔ ابن زیاد نے اسی مضمون کا حکم نامہ عمر بن سعد کے نام لکھ کر شمر کے ساتھ بھیج دیا۔ اس کو دیکھ کر عمر بن سعد نے شمر سے کہا کہ تو نے بڑا فساد کر دیا۔ میں کوشش کرتا تھا کہ صلح ہو جائے۔ تو چاہتا ہے کہ امام حسینؑ یزید کی بیعت کرلیں حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ان نفسا ابیۃ لبین جنبیہ یقیناً امام حسینؑ کے دونوں پہلوؤں کے درمیان بڑا عزت والا اور شریف دل ہے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۶) یعنی جو ذلیل اور کمینہ دل والا ہوگا وہی یزید کی بیعت کر سکتا ہے۔ امام حسینؑ ایسے نہیں ہیں۔ اور ایک روایت ہے کہ اس نے کہا واللہ لا یستسلم الحسین ابدا واللہ ان نفس ابیہ لبین جنبیہ خدا کی قسم حسین کبھی بیعت نہیں کریں گے کیونکہ یقیناً ان کے دونوں پہلوؤں کے درمیان وہی نفس اور دل ہے جو ان کے باپ کا تھا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۳)۔ غالباً مطلب یہی ہوگا کہ جس طرح حضرت علیؑ نے اپنے زمانے میں حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔ پھر حضرت عمر کی بیعت نہیں کی۔ پھر حضرت عثمان کی بیعت نہیں کی اسی طرح امام حسینؑ بھی یزید کی جو انھیں حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کی طرح خلیفہ بن بیٹھا ہے کبھی بیعت نہیں کر سکتے اور زبردستی کروگے تو وہ جہاد کرکے رہیں گے چاہے سب شہید ہو جائیں!!!

خود مولوی ابوالکلام آزاد صاحب بھی اپنی دوسری تحریر میں امام حسینؑ کے جہاد کی مدح کرچکے ہیں لطف یہ ہے کہ یہی مولوی ابوالکلام آزاد صاحب اپنی ایک دوسری تحریر میں امام حسینؑ کے جہاد، قربانی اور

دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اوران کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہہ کر وہ زاروقطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہوگیا "خدا تیری آنکھوں کو رُلائے! واللہ تو بوڑھا ہوکر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن ماردیتا"۔ زید ابن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے

شہادت کی پوری مدح کرچکے ہیں۔ لکھنؤ سے ایک مشہور روزانہ اخبار حقیقت نکلتا ہے۔ اس میں ممدوح کا یہ مضمون چھپ چکا ہے:-

"فلسفۂ شہادت" (از امام الاحرار مولانا ابوالکلام صاحب آزاد۔ منقول از اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۵ ار و ۱۶ / محرم ۱۳۵۱ھ)

ے شمہا بردہ ام از صدق بخاک شہدار | تا دل و دیدہ خوننابہ فشانم دادند

آئیے سب سے پہلے آج ایک بھولی ہوئی صحبت ماتم کو پھر تازہ کریں۔ کتنے دن گزر گئے کہ راہ و رسم ماتم و شیون سے ناآشنا ہیں۔ نہ صدائے ماتم کی فغاں سنجی ہے اور نہ چشم خوں بار کی اشک فشانی۔ کاروبار غم کی رونق افسردہ ہوچلی ہے اور بازار درد کی چہل پہل مدت سے موقوف ہے ے

ز داغ تازہ می خارد نہ زخم کہنہ می کارد | بدہ یارب دل کیں صورت بے جاں نمی خواہم

.......ارباب درد و غم کے لئے ایک ایسی داستان الم صدیوں سے موجود ہے جو کبھی بھلائی نہیں جاسکتی۔ اور اگر لوگ بھلا بھی دیں تو بھی ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن تازگی زخم کہن کے لئے آموجود ہوتے ہیں جو از سر نو ایک ہزار ڈھائی سو (۱۲۵۰) برس بیشتر کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کردیتے ہیں ے

وقتست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی | سر زد نفس نوحہ گر از تلخ نوائی
وقتست کہ آں پردگیاں کز رہ تعظیم | بر درگہ شاں کردہ فلک ناصیہ سائی
از خیمۂ آتش زدہ عریاں بدر آمد | چوں شعلۂ دخاں بر سر شاں کردہ ردائی
جانہا ہمہ فرسودۂ تشویش اسیری | دلہا ہمہ خوں گشتۂ اندوہ رہائی
تنہاست حسین ابن علی در صف اعدا | اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی

سچ یہ ہے کہ جن مُردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو۔ جن ارباب درد کو روح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو۔ جن کی زبانیں آہ و فغاں کو محبوب، اور جن کی آنکھیں خونابہ فشانی کو اپنا مطلوب و مقصود سمجھتی ہوں ان کی صحبت ماتم و الم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامان غم اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے بڑے بڑے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہہ جائیں اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات حرکت جنبش میں آجائیں جب بھی ان کی ندا احال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی جو اس کے ایک ایک لفظ کے اندر سے توصیہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔ لیکن آہ! کتنے دل ہیں جنھوں نے اس

اے عرب! آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کرلی۔ خدا انھیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں!" بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی۔

واقعہ کو حقیقی بصائر و معارف کے اندر دیکھا ہے؟ اور کتنی آنکھیں ہیں جو حسینؑ ابن علیؑ شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتی ہیں جو اس حادثۂ عظمیٰ کے اندر موجود ہے؟ فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تا کہ پیروان اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اس کے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کردے۔ پس جو بے خبر ہیں ان کو رونا چاہیئے۔ وان لم تبکوا فتباکوا اور جو روتے ہیں اُن کو صرف رونے ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ اُن کے سامنے سید شہداء نے اپنی قربانی کا ایک اُسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے اور کسی روح کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسینؑ کی مدعی ہو جب تک کہ وہ اُسوۂ حسینی کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے۔ ضرورت تھی کہ ایک مبسوط مقالہ "اسوۂ حضرت سید الشہداء" کے عنوان سے لکھا جاتا اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس حادثۂ ہائلہ شہادت پر نظر ڈالی جاتی اور سب سے پہلے اس کی تاریخی حیثیت نمایاں کی جاتی۔ دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے لیکن خون شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

لیکن افسوس کہ میں شرح و بسط کے لئے اس وقت مستعد نہیں صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کروں گا

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

(۱) سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے "دعوت الی الحق" اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔ بنی اُمیّہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ انھوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجماع امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر، خدع (فریب، دھوکا) پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اور ان کا نظام حکومت شریعت الٰہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراض نفسانیہ اور مقاصد سیاست۔ ایسی حالت میں ضرور تھا کہ

ابن زیاد اور حضرت زینب | راوی کہتا ہے "جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبیداللہ کے سامنے پہونچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں اُنھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبیداللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہے"؟ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!" عبیداللہ شماتت کی

ظلم وجبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔ حضرت سیدالشہداؑ نے اپنی قربانی کی مثال قائم کرکے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی۔ اور جس حکومت کی بنیاد ظلم وجبر پر تھی اس کی اطاعت اور وفاداری سے انکار کر دیا۔ بس یہ نمونہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ و جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر وظلم پر ہو۔ مقابلہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ تمھارے پاس قوت وشوکت مادی کا وہ تمام ساز وسامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسین ابن علی کے ساتھ چند ضعفا و مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق وصداقت کی راہ نتائج کی فکر سے بے پروا ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمھارا کام نہیں۔ یہ اُس قوت قاہرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد و نگوں سار کرتی ہے وکم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله۔ ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہے جو فی نفسہ اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں؟ آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا مثال مقدسہ و محترمۂ جہاد سے قطع نظر تمھارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں و ساز وسامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی بھی کیا جائے؟ میں سچ کہتا ہوں کہ حسینؑ ابن علیؑ نے صرف بہتر یا باسٹھ بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہرہ و جابرانہ کا مقابلہ کیا جس کی حدود سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے۔ اور گو یہ سچ ہے کہ اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا اور پھر ایک ایک کرکے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک و خون میں تڑپا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔

راہ سے چلایا" "اُس خدا کی ستایش جس نے تم لوگوں کو رُسوا اور ہلاک کیا اور تمھارے نام کو
بہ لگایا"۔ اس پر حضرت زینب نے جواب دیا" ہزار ستایش اُس خدا کے لئے جس نے ہمیں
محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا۔ نہ کہ جیسا تو کہتا ہے۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے
منہ کو بٹہ لگتا ہے"۔ ابن زیاد نے کہا" تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان کے ساتھ کیا سلوک
کیا؟" حضرت زینب بولیں" اُنکی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی اسلئے مقتل میں پہونچ گئے۔ عنقریب
خدا تجھے اور اُنھیں ایک جگہ جمع کردے گا اور تم باہم اُس کے حضور سوال وجواب کروگے!" ابن زیاد

اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ پینے کے لئے پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کے لئے اپنی غذا حاصل
کر سکا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک وہ زخموں سے چور ہوا اور اس خلعت شہادت
لالگوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا تاکہ اس کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہونچے جو دوستوں کو خاک
خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ ارید وصاله ویرید قتلی! تاہم فتح اس کی تھی اور
فیروزمندی و کامرانی کا تاج صرف اُسی کے زخم خوردہ سر پر رکھا جا چکا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک خون میں لوٹا۔
پر اپنے اس خون کے ایک ایک قطرے سے جو عالم اضطراب میں اُس کے زخموں سے ریگ و سنگ پر بہتا تھا
انقلاب و تغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی۔
نہ حجاج کی بے امان خونخواری۔ اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست۔ وہ بڑھتے اور بھڑکتے رہے ظلم و جبر کا
بانی تیل بن کر ان کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کر ان کی ایک ایک چنگاری کو
آتشکدۂ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آگیا۔ اور جو کچھ ۶۱ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ
سب کچھ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالم اسلامی کے اندر ہوا۔ صاحبان تخت و تاج خاک و
خون میں تڑپے اُن کی لاشیں گھوڑوں کے سُموں سے پامال کی گئیں۔ فتحمندوں نے قبریں اکھاڑ ڈالیں
اور مُردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور اس طرح سیعلم الذین ظلموا ای
منقلب ینقلبون کا پورا ظہور ہوا۔ (۲) پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور
ابومسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا؟ کیا یہ اُسی خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا
تھا؟ پھر یہ فتح مندی تو جب ظاہر ہے جس کے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا۔ ورنہ
فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے اُسی وقت اپنی معنوی فتحمندی حاصل کر لیتا ہے۔ (۳) بہر حال
یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن حضرت سید الشہداء کا
اُسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظالم کی جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے
حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اور اُسے ہونا ہی چاہیئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر مؤثر
نہیں ہو سکتا۔ اور ظالم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اُسکے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اسکی اطاعت ہی کرلی جائے

غضب ناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے! یہ تو محض ایک عورت ہے، عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیئے" کچھ دیر کے بعد ابن زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا" اس پر حضرت زینب اپنے نہیں

ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔ (۴) حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے دامن کھینچتے ہیں لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ یہ نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر کھا کر گرنے لگے ع جرم راایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست اُس قتیل جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا اُس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں۔ ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ تمھیں آزمائشوں میں ڈالے گا وہ ہر حالت خوف و ہراس بھوک اور پیاس، نقصان مال و جان اور ہلاکت اولاد و اقارب میں مبتلا کر کے تمہارے صبر و استقامت کو آزمائیگا۔ پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے اُن کے لئے جن کے ثبات و استقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے تمام معاملات کو یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور اُسی کی طرف جائیں گے۔ (پارہ ۲ ع ۳)۔ خوف و ہراس، بھوک و پیاس، نقصان اموال و متاع و قتل انفس و اولاد کیا ہے؟ یہی چیزیں انسان کے لئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ان ہی چیزوں کو راہ الٰہی کے لئے آزمائشیں قرار دیا گیا۔ لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پا کر آرام و راحت و اطاعت کا عہد کر لیتا اور حق و صداقت سے روگردانی کے لئے مصلحت وقت کی تاویل پر عمل کرتا۔ پر اُس نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی اور حق کا عشق زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا۔ اُس نے اپنا سر دے دیا کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی ایک آخری متاع ہے۔ پر اطاعت و انقیاد و وفاداری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق و عدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ (۵) سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظیمہ کی لسان حال اس کی ترجمانی کرتی ہے راہ مصائب و جہاد حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ دوسری جگہ کہا فاستقم کما امرت۔ وللہ در من قال

روئے کشادہ باید پیشانی فراخ   آں جا کہ لطمہ ہائے بلا دم بدم زنند

فی الحقیقت اس شہادت عظیمہ کی سب سے بڑی مزیت و خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تمام عزیز و اقارب اہل و عیال

سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا "واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑ اکھاڑ دی! اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ٹھنڈا ہو جائے۔" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی

اور فرزند و احباب کے ساتھ دشت غربت و مصائب میں محصور اعدا ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدت عطش و جوع سے آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا، پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا حتیٰ کہ اپنے طفل شیر خوار کو بھی تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پانا۔ مگر با ایں ہمہ راہ عشق صداقت میں جو پیمان صبر و استقامت باندھا تھا اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشر دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا بلکہ حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا کہ رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علیٰ بلائہٖ ؎

پیکان ترا بہ جان خریدار   من مرہم دیگران نہ خواہم

دوست کے ہاتھ سے جام زہر بھی ملتا ہے تو تشنہ کامان زلال محبت اسے غیروں کے جام شہد و شکر کو ترجیح دیتے ہیں ع   اے جفاہائے تو خوش تر ز وفائے دیگراں

آج بھی اگر گوش حقیقت نیوش باز ہو تو خاک کربلا کا ایک ایک ذرہ توصیہ فرمائے صبر و استقامت ہے ؎

شدیم خاک و لیکن بہ بوئے تربت ما   تواں شناخت کزیں خاک مردے خیزد

افسوس کہ تفصیل مطالب کا ارادہ نہیں اور وقت و گنجایش مقتضی اجمال و ایجاز۔ اگر صبر و استقامت کے اسوۂ حسنہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو خدا را اسفار تاریخ کی طرف توجہ کرو۔ صرف ایک روایت یہاں لکھوں گا تاکہ جو لوگ خاندان نبوت اور عترت حضرت رسالت کی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ غور کریں کہ ادعائے محبت بغیر متابعت بیکار ہے۔ ان المحب لمن یحب مطیع۔ حضرت امام علیؑ بن الحسینؑ الشہیر بہ زین العابدین کہتے ہیں انی لجالس فی العشیۃ التی قتل ابی الحسین فی صبیحتھا وعمتی زینب تمرضنی اذ دخل ابی وھو یقول ؎

یا دھر اف لک من خلیل   کم لک فی الاشراق والاصیل

من طالب وصاحب قتیل   والدھر لا یقنع بالبدیل

وانما الامر الی الجلیل   وکل حی سالک السبیل

ففہمت ما قال وعرفت ما ارادہ فخنقتنی عبرتی فرددت دمعی وعرفت ان البلاء قد نزل بنا۔ فاما عمتی زینب فانھا لما سمعت والنساء من شانھن الرقۃ والجزع فلم تملک نفسھا ان وثبت تجر ثوبھا وانھا لحاسرۃ وھی تقول واثکلاہ لیت الموت اعدمنی الحیوۃ۔ الیوم ماتت فاطمہ وعلی والحسن بن علی اخی۔ فنظر الیھا الحسینؑ فردد غصۃ ثم قال

شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار ہے؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں کچھ کہہ رہی ہوں یہ تو دل کی آگ ہے"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن حسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے انکا نام پوچھا۔ انھوں نے کہا "علی بن الحسین" ابن زیاد نے تعجب سے کہا کہ "کیا اللہ نے علی

یا اختی اتقی اللہ فان الموت نازل لا محالة۔ فلطمت وجہہا۔ فقد مالیہا فصب علی وجہہا الماء وقال لہا یا اختاہ تعزی بعزاء اللہ فان لی ولکل مسلم اسوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تاریخ یعقوبی مطبوعہ لیڈن جلد دوم صفحہ ۲۹۰)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام کہتے ہیں جس رات کی صبح کو میدان شہادت گرم ہونے والا تھا عین اُسی شب کا واقعہ ہے کہ میں بیمار پڑا تھا۔ میری پھوپھی زینب میری تیمارداری میں مصروف تھیں۔ اتنے میں حضرت امام حسینؑ داخل ہوئے۔ وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جنھیں سُن کر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ کیا ہے؟ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاء الٰہی نازل ہو گئی ہے۔ اب اس سے چارہ نہیں۔ مگر حضرت زینب ضبط نہ کر سکیں کیونکہ قدرتی طور پر عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں۔ وہ ماتم کناں چلا اُٹھیں کہ واحسرتا وامصیبتا! الیوم ماتت فاطمة وعلی والحسن بن علی! لیکن جب حضرت حسینؑ نے یہ حالت دیکھی تو اُن کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے بہن! یہ کیا بے صبری اور کیا جزع فزع ہے؟ اللہ سے ڈرو کہ موت یقیناً ایک آنے والی چیز ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن حضرت زینب شدت غم وحزن سے مضطر تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعات خونیں کے ساتھ طلوع ہو گی۔ فرط غم میں انھوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا۔ گریبان پھاڑ ڈالا اور وا ویلا واحسرتا پکارتی ہوئی بیہوش اپنے بھائی پر گر پڑیں۔ حضرت حسینؑ نے یہ حالت دیکھ کر اُن کے مُنہ پر پانی ڈالا اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا اے بہن! یہ کیا غم وحزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمھیں چاہیے کہ اللہ کے حکم و فرمان کے مطابق جو طریق عزا وحزن وغم ہے اُسے اختیار کرو کیونکہ میرے لئے اور ہر ایک مسلم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال و افعال میں اتباع اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے!!

اللہ اکبر! خاندان نبوت کے اس مرتبۂ رفیع اور درجۂ عظیم کو دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کس طرح ان کے سامنے تھا (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة) کے حکم کے آگے کس طرح انھوں نے اپنے جذبات اور خواہشوں کو قربان کر دیا تھا؟ ایسے سخت اور زہرہ گداز موقع پر بھی اپنی بہن کا جزع فزع انھیں گوارا نہ ہوا اور بجائے عام الفاظ صبر و تشفی کہنے کے فرمایا تو یہ فرمایا کہ فان لی ولکل مسلم اسوۃ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(منقول از اخبار حقیقت لکھنؤ ۵ و ۷ محرم ۱۳۵۱ھ)

بن الحسین کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟" انھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مار ڈالا۔" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں خدا نے مارا ہے!" اس پر زین العابدین نے یہ آیۃ پڑھی اللہ یتوفی الانفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ (خدا ہی موت کے وقت جان لیتا ہے)

مولود تازہ کی تحقیق اگرچہ اب ہمارے اور مولوی ابوالکلام آزاد صاحب مصنف کتاب شہید اعظم کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہیں رہا کیونکہ ممدوح نے اپنے مضمون بالا مندرجہ اخبار حقیقت لکھنؤ میں وہ سب باتیں خود ہی بیان کر دیں جو اس وقت تک ہم بیان کرتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے "مولود تازہ کی شہادت۔ حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اُس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا۔" یہ بھی بالکل نرالا بیان کیا گیا ہے تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ ابوالفدا۔ بحارالانوار وغیرہ سیکڑوں کتب اہلسنت وشیعہ سے کسی میں بھی نہیں ہے۔ غالباً یہ روایت حضرت علی اصغر کی شہادت کو ہلکی کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے جو امام حسینؑ کے ساتھ ۲ محرم ہی کو کربلا میں آچکے تھے اور اپنی والدہ محترمہ کی گود میں پرورش پا رہے تھے۔ تمام مورخین نے ان کو رضیع لکھا ہے کہ وہ شیر خوار تھے۔ شکر ہے کہ مولوی ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے مضمون مندرجہ اخبار حقیقت لکھنؤ میں بھی تسلیم کیا ہے کہ "حتیٰ کہ اپنے طفل شیر خوار کو بھی تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پایا" اور صحیح بھی یہی ہے کہ حضرت نے اپنے طفل شیر خوار (نہ مولود تازہ) کو تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پایا۔ اگر آپ کہیں کہ تاریخ یعقوبی میں مولود تازہ ہی لکھا ہے تو اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ حدیث میں ہے واترک الشاذ الذی لیس ھو بمشھور (جو بات شاذ و نادر ہوا کرے اس کو چھوڑ دو۔ کتاب انوار اللغۃ۔ نہایہ ابن اثیر۔ مجمع بحار الانوار وغیرہ)

ایک جرمنی محقق کا فیصلہ اگرچہ اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک جرمنی محقق کے قابل قدر مضمون کے چند جملے بھی نقل کر دیئے جائیں

"کلکتہ کے مشہور فارسی اخبار حبل المتین مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۲۸ھ نے فارسی میں ڈاکٹر سیو ماربین جرمنی کی ایک تحریر شائع کی تھی جو اُس نے اپنے رسالہ سیاست اسلامیہ میں لکھی تھی چونکہ یہ حکیم لیڈن کا ایک مشہور اور نامور مورخ تھا اور اُس نے نہایت غائر نظر سے واقعہ شہادت کو دیکھا ہے اس وجہ سے اُس کا فیصلہ بہت کچھ انصاف پر مبنی مانا جائے گا۔ وہ لکھتا ہے "ساتویں فصل

فلسفہ مذہب شیعہ کے بیان میں حسین بن علی ...... وہ تمام اخلاق اور صفات جو اُس وقت عرب میں اچھے سمجھے جاتے تھے ان میں موجود تھے ...... اپنے نانا کے احکام کو تمام مسلمانوں سے زیادہ جانتے تھے ......

کوئی بھی بغیر اُسکے اذن کے مرنہیں سکتا)۔ اس پر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی ان ہی میں سے ہے"۔ پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا انھیں قتل کر ڈالے لیکن زینب بے قرار ہو کر چیخ اٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال"۔ امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے ذرا

بالاتفاق تمام مسلمان حسین کو اچھا سمجھتے تھے...... اُن کی کتابیں آپ کے محاسن صفات اور مناقب سے مملو ہیں..... حسین کے حق میں اگر ہم ایسی بات کے قائل ہونا چاہیں جو ہرگز قابل انکار نہ ہو سکے تو وہ یہ ہے کہ حسین اپنے زمانے میں سیاست میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ارباب دیانات میں سے کسی شخص نے ایسی موثر سیاست اختیار نہیں کی جیسی آپ نے اختیار فرمائی...... عرب میں بنی امیہ اور بنی ہاشم عزیز اور محترم اور صاحب سیادت تھے۔ بنی امیہ باعتبار ثروت اور ریاست کے اور بنی ہاشم بلحاظ علم اور روحانیت کے۔ ابتدائے اسلام میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کے مابین نفاق اور کدورت ایک اعلیٰ پیمانے پر پہنچ گئی تھی یہاں تک کہ محمدؐ نے مکہ کو فتح کیا اور تمام قریش اور بنی امیہ کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لیا۔ یہ وجہ تھی کہ عرب میں بنی ہاشم کو طبعاً بزرگی مل گئی اور بنی امیہ بھی ان کے مطیع ہو گئے۔ یہ واقعہ بنی امیہ کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکائے رکھتا تھا اور بنی ہاشم سے اُس کینۂ دیرینہ کے سبب سے انتقام لینے کی تاک میں رہتے تھے۔ تا ایں کہ محمدؐ کی رحلت کے بعد موقع پا کر انھوں نے اچھی طرح کوشش کی کہ محمدؐ کی جانشینی ولی عہدی کے اصول کے موافق نہ ہونے پائے۔ انجام کار الکشن کے اصول پر کثرت آرا سے جانشینی کا فیصلہ قرار دے دیا۔ اور بنی امیہ کی مخالفانہ قوت نے ایسا موقع نہ دیا کہ بنی ہاشم کی طرف کثرت آرا ہونے پائے۔ اس میدان میں بنی امیہ کامیاب اور بنی ہاشم پر غالب آ گئے۔ اس خلیفہ تراشی کی مناسبت سے بنی امیہ نے مقام بلند حاصل کر لیا اور اپنے امور کے لئے راہ کو صاف کر لیا اور ہر روز محمدؐ کے جانشینوں اور خلفاء کے نزدیک اپنے مراتب و مناصب بڑھا بڑھا کر سلطنت اسلام کے امور میں خود بھی رکن رکین بن گئے۔ یہاں تک کہ محمدؐ کی تیسری خلافت بنی امیہ میں مسلّم ہو گئی اور ہر مقام میں اور ہر کام میں بنی امیہ عام طور پر نظم و نسق کے مختار ہو گئے اور آئندہ کے لئے بھی انھوں نے اپنی جگہ کو محکم کر لیا۔ یہ لوگ اُس دیرینہ عداوت و کدورت کے سبب سے اور اُن خونوں کے معاوضہ طلبی میں جو رسم عرب کے مطابق بنی امیہ خاندان بنی ہاشم کے ذمہ رکھتے تھے (کیونکہ بہت سے غزوات میں حضرت رسول خدا صلعم کے ماننے والوں نے جن کا فردوں کو قتل کیا تھا اُن میں بنی امیہ کے ممتاز افراد بھی تھے) پاک نیت اور خلوص عقیدت اسلام کے ساتھ بہت کم ظاہر کرتے تھے اور باطن میں انھیں کیا معلوم ہوتا تھا کہ دین پر تو سکہ بنی ہاشم کا ہو اور یہ اُس کی پیروی کریں۔ لیکن اس وقت چونکہ مسلمان بہت تھے اور یہ لوگ بھی اس دینا کی پیروی کے سایہ میں حصول مطلب کو منحصر سمجھے ہوئے تھے

کی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول کے
ان سے برتاؤ کرے۔" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا
"رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی
ہے۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔" (ابن جریر، کامل وغیرہ)

ظاہر بظاہر مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ اسی دین کی پیروی کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ جب انھوں نے
دیکھا کہ عزت کا اعلیٰ زینہ اور ترقی کا بلند مقام اُن کے ہاتھ آگیا اور اپنے جاہ و جلال کو مستحکم کر چکے
تو کھلم کھلا احکام سے تمرد اور سرکشی شروع کر دی اور عام دربار میں اُس دین پر جسے بنی ہاشم لائے تھے
تمسخر اور استہزاء کے کلمات کہنے لگے۔ بنی ہاشم نے بھی جیسے رنگ دیکھا اور بنی امیہ کے خیالات
اُن کی سمجھ میں آنے لگے تو بیکار نہیں بیٹھے۔ محمدؐ کے تیسرے خلیفہ کی حرکتوں کو عجیب و غریب پیرایہ میں
لوگوں کو سمجھانے لگے اور مسلمانوں کو مخالفت خلیفہ سوم پر برانگیختہ کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں کے مختلف
طبقات کے جو رئیس و سردار تھے سب نے شرکت کر کے محمدؐ کے تیسرے خلیفہ کو جس کا نام عثمان تھا اور وہ
بنی امیہ سے تھے قتل کر ڈالا اور کثرت آراء کے اصول کے موافق علیؑ جو تھے خلیفہ و جانشین بنائے گئے۔
یہ دیکھ کر بنی امیہ نے یقین کر لیا کہ بنی ہاشم پھر اُسی عظمت و ریاست کے پایہ پر پہنچ جائیں گے جو دورۂ محمدؐ
میں اُنھیں حاصل تھی۔ یہ سبب تھا کہ معاویہ نے جو مدت سے پہلے خلفاء کی طرف سے شامات کا حاکم اور
اور بہت مقتدر اور ہوشیار اور دور بین آدمی تھا یہ بہانہ کر کے کہ عثمان کا قتل علیؑ کے اشارہ سے تھا مخالفت کا
جھنڈا کھڑا کر دیا اور مسلمانوں میں اختلاف ڈال دیا کہ جاہلیت کے اصول کے مطابق عرب میں پھر تلوار
کھنچ گئی۔ اب متعدد لڑائیوں میں اگرچہ معاویہ علیؑ پر غالب نہ آیا مگر مغلوب بھی نہ ہوا۔ یہ وجہ تھی کہ بنی ہاشم
کی ریاست سے بنی امیہ کی سرتابی کو کچھ زیادہ طول نہ ہوا تھا کہ علیؑ کو بھی قتل کر دیا۔ پس اس وقت معاویہ کو
پورا غلبہ ہو گیا اور حسنؑ نے جو حسینؑ کے بڑے بھائی اور محمدؐ کے پانچویں خلیفہ تھے صلح کر لی۔ اور محمدؐ کی خلافت
دوبارہ بنی امیہ میں مسلم ہو گئی۔ ادھر تو معاویہ کو اقتدار حاصل ہوا اور اُدھر اُس نے بنی ہاشم کی قوتوں کو ضعیف
کرنے کے لئے عملی کوشش شروع کی اور اُن کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نابود کرنے کے واسطے کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہیں کیا۔

حسینؑ اُس وقت اگرچہ اپنے بڑے بھائی حسنؑ کے فرمانبردار تھے تاہم بنی امیہ کی اطاعت میں
شریک نہ تھے اور مصلحتاً ظاہر بظاہر اُن (بنی امیہ) کی مخالفت بھی نہیں کرتے تھے۔ حسینؑ نے بالاعلان
کہہ دیا تھا کہ میں خدا کی راہ میں عنقریب قتل کیا جاؤں گا اور میں باطل کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا۔
اس وجہ سے بنی امیہ کو اُن کی جانب سے اندیشہ تھا۔ یہاں تک اس کشمکش نے طول کھینچا کہ وہ زمانہ آگیا۔

ابن عفیف کا قتل اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی "جس نے حق ظاہر کیا، حق والوں کو فتحیاب کیا، امیرالمومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب آئی، اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی

کر حسن اور معاویہ نے رحلت کی۔ اور یزید معاویہ کا جانشین قرار پایا یعنی بطور اصول ولی عہدی کے اس کی جانشینی ہوئی۔ علی کے بعد سے الکشن (انتخاب) کا طریقہ خلافت کے بارے میں موقوف کر دیا گیا تھا۔ ولی عہد کے مقرر کرنے کے بعد صرف ایک رضا نامہ بزرگوں سے حاصل کرتے یعنی رؤسا قوم سے بیعت لیتے تھے۔ حسینؑ نے ایک جانب تو یہ دیکھا کہ بنی امیہ کی حرکتیں جنھیں عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی اور روحانی ریاست پر بھی وہ مسلط ہو چکے تھے عنقریب **مسلمانوں کے عقیدہ کو اُن کے جد کے دین سے متزلزل کر دیں گے** اور دوسری جانب انھیں اس بات پر یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کریں یا نہ کریں ہر حالت میں بنی امیہ اپنی دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے فنا کر دینے میں کسی قسم کی فروگذاشت نہ کریں گے۔ اور اگر تھوڑے دنوں بھی یہ حالت باقی رہی تو دنیا میں بنی ہاشم کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے بنی امیہ کے برخلاف اسلام میں ایک ایوولیوشن قائم کرنے کا مصمم قصد فرما لیا تھا۔ چنانچہ جس وقت سے

یزید خلیفہ معویہ یا اس کا جانشین ہوا اُس وقت سے آپ (امام حسینؑ) نے اس کی اطاعت سے انکار کو اپنے واسطے واجب سمجھ لیا۔ اور آپ اپنی اس مخالفت کو کسی سے پوشیدہ نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر یزید بھی آپ سے بیعت لینے اور آپ کا اپنا مطیع بنانے کے واسطے مُصر اور کوشاں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے دیدہ و دانستہ اس اعلیٰ خیال کے واسطے جو آپ کے دماغ میں موجود تھا اپنے لئے موت کو گوارا کیا اور اسلامی دنیا میں ایک اعلیٰ ایوولیوشن قائم کرنے کی جہت سے آپ نے شہید ہونے پر پیش قدمی کی۔ جو شخص اُس زمانے کے حالات اور بنی امیہ کا طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہوں پر اُن کا غالب آجانا اور مسلمانوں کی سُست اعتقادی اِن تمام باتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ

حسینؑ نے اپنی جان دے کر اپنے نانا کے دین اور اسلام کی شریعت کو زندہ کر دیا اور اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور حضرت کے شہید ہو جانے سے مسلمانوں کی آنکھیں نہ کھل جاتیں اور اُن میں مادۂ بصیرت پیدا نہ ہو جاتا تو **ہرگز اسلام اپنی موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا** اور چونکہ ابھی اس کا ابتدائی زمانہ تھا اسلئے یہ بات ممکن تھی کہ اسلام کے آداب و شرائع بالکل

اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا!" یہ سُن کر عبد اللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تو ہے نہ کہ حسین بن علی!" ابن زیاد نے یہ سُن کر ان کو قتل کروا ڈالا۔

فنا ہو جاتے۔ چونکہ حسینؑ کو اپنے والد کے انتقال کے بعد سے اس اعلیٰ مقصود کے پورے کر ڈالنے کا پختہ ارادہ تھا اسی لئے آپ نے یزید کے جانشین معاویہ ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس بناء پر

مدینہ سے سفر اختیار کیا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے مقامات (مکہ و عراق) میں پہنچ کر اپنے اس اعلیٰ مقصد کو منتشر فرمائیں۔ یہ آپ کی

سیاست کا مقدمہ تھا کہ جہاں آپ قدم رکھتے تھے وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں بنی امیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی۔ چونکہ یزید بھی ان باریکیوں سے بے خبر نہ تھا اسلئے جانتا تھا کہ اگر کسی بات یا ایک چھوٹے مقام میں بھی اُن کا خیال کارگر ہو گیا اور آپ نے علمِ مخالفت بلند کر دیا تو بلحاظ اُس نفرت کے جو مسلمانوں کے دلوں میں بنی امیہ کے چال چلن اور حکومت نے پیدا کر دی ہے اور بلحاظ اُس قلبی توجہ کے جو مسلمانوں کو حسین کے ساتھ اس وقت میں موجود ہے نہایت سرعت کے ساتھ آپ کا وہ خیال تمام اسلامی ملکوں میں پھیل جائے اور جاری و ساری ہو جائے گا۔ اور سلطنت

بنی امیہ کا قلع و قمع ہو جائے گا یہی سبب تھا کہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام باتوں سے پہلے

حسین کے قتل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا بنی امیہ کی سیاسی غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی یہی تھی اور یہی ایک ایسی سیاسی خطا تھی کہ جس کے سبب سے اپنے نام و نشان کو

بنی امیہ نے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا سب سے بڑی دلیل اس بات پر کہ حسین قتل ہو کر گئے اور

ہرگز اُن (حسین) کا قصد سلطنت و ریاست حاصل کرنے کا نہ تھا یہ ہے کہ حسین اپنے اس علم و سیاست اور تجربہ سے جو انھیں انکے والد اور بھائی کے زمانے سے بنی امیہ کے ساتھ جنگ و جدل کرنے کے متعلق حاصل تھا خوب جانتے تھے کہ یہ حالت نہ مہیا ہونے اپنے اسباب کے اور بسبب اُس دنیوی اقتدار و عظمت کے جو یزید کو حاصل ہو گئی تھی اُس کے ساتھ مقابلہ کسی طرح ممکن نہیں ہے دوسرے یہ کہ

حسین اپنے والد ماجد کے قتل ہونے کے بعد اپنے قتل ہونے کی پیشین گوئی بھی ہمیشہ کرتے رہتے تھے اور جس وقت سے کہ مدینہ سے آپ نے حرکت کی صاف صاف اور بہ آواز بلند کہتے تھے کہ میں

مقتول ہونے کیلئے جا رہا ہوں اور اپنے سب ہمراہیوں سے بھی محض اتمام حجت کے لئے یہی بیان کرتے تھے تاکہ جو کوئی جاہ و جلال کی حرص و طمع میں ہمراہی چاہتا ہو جدا ہو جائے

یزید کے سامنے اسکے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؑ کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے
ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہنچا میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔
یزید نے اس سے سوال کیا "کیا خبر ہے؟" قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ حسین
بن علی اپنے اٹھارہ اہلبیت اور ساٹھ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا

اور برابر یہی بات اُن کے ورد زبان رہتی تھی کہ
قتل گاہ کا راستہ میرے سامنے ہے اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ حسین کا اگر یہ قصد نہ ہوتا یعنی
وہ غور و فکر اور علم و ارادہ کے ساتھ مقتول ہو جانے پر آمادہ نہ ہوے ہوتے تو
اس طرح اپنا قتل گوارا نہ کرتے اور لشکر کے جمع کرنے میں بقدر امکان کوشش عمل میں لاتے نہ یہ کہ
جو حضرت کے ساتھ چلے آرہے تھے
انھیں بھی پراگندہ کر دیتے چونکہ کوئی قصد سوا مقتول ہو جانے کے کہ جو اُن عالی خیالات اور
اُس مقدس ایوولیوشن کا مقدمہ تھا اُنکے مدنظر نہ تھا اسلئے اُنھوں نے یہی سمجھ کر کہ بہت بڑا ذریعہ اس کا
بےکسی اور مظلومیت ہے اسی کو اختیار کیا تاکہ اُنکی مصیبت دلوں میں زیادہ پُر تاثیر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ
وہ محبوبیت کا درجہ جو اُس زمانہ میں حسینؑ کو مسلمانوں میں حاصل تھا اگر اُسکے ساتھ وہ اپنی قوت بڑھانی چاہتے تو ایک
بڑا لشکر فراہم کر سکتے تھے مگر اس صورت میں اگر وہ مقتول بھی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت و بادشاہی
کی کوشش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا نتیجہ عظیم الشان ایوولیوشن تھا حاصل نہ ہوتا۔ کہ اپنے پاس
سوائے اُن لوگوں کے جن کی جُدائی امکان سے باہر تھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا مثل فرزند و برادر
اور بھتیجوں اور چند مخصوص اصحاب باوفا کے یہاں تک کہ حضرت نے اُن سے بھی فرما دیا کہ
تم لوگ بھی مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ مگر اُن لوگوں نے منظور نہیں کیا۔ اور وہ بھی ایسے حضرات تھے کہ مسلمانوں
کے نزدیک تقدس اور جلالت قدر کے اوصاف رکھتے تھے اور اُن کا
حسین کے ساتھ قتل ہو جانا اس واقعہ کی زیادہ عظمت و تاثیر کا سبب ہو گیا حسین نے اپنے علم و سیاست کی قوت کے ساتھ بنی امیہ کے ظلم و ستم کے افشا میں اور اُن خیالات کے اظہار میں جو
بنی ہاشم اور آل محمد کی عداوت میں اُن لوگوں کے دلوں میں تھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا
اہلبیت کے ساتھ لے جانے کی سیاست اُن میں سے ایک بات یہ ہے کہ چونکہ بنی امیہ کی عداوت کو آپ
اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ جان چکے تھے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ میرے قتل کے بعد بنی ہاشم کی عورتیں اور بچے
جو کہ آل محمد تھے اسیر و مقید کئے جائیں گے اور یہ واقعہ مسلمانوں میں علی الخصوص عرب میں اس درجہ پُر تاثیر ہوگا
جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بنی امیہ کی ظالمانہ حرکت اور اُن کا بے رحمانہ سلوک جو اُنھوں نے
اپنے نبی کے حرم (مخدرات) اور اطفال کے ساتھ کیا اس قدر مسلمانوں کے دلوں میں تاثیر کر گیا جو کسی طرح حسینؑ اور

کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ انھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڈھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں پھر ہم نے اُن سب کا قلع قمع کر دیا۔ اِس وقت اُنکے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُنکے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ اُنکے

اُن کے ہمراہیوں کے قتل ہو جانے سے کم نہ تھا۔ جس نے خاندان محمدؐ کے ساتھ بنی امیہ کی دشمنی کو اور اسلام کے ساتھ ان کے عقائد کو اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کے برتاؤ کو اچھی طرح واضح کر دیا۔ یہ سبب تھا کہ حسینؑ اپنے اُن دوستوں سے جو اُنھیں اِس سفر سے منع کرتے تھے صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ میں مقتول ہو جانے کے لئے جا رہا ہوں۔ چونکہ اُن لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسینؑ کے مقاصد عالیہ پر انھیں اطلاع نہ تھی اس سفر سے ممانعت میں اصرار کرتے تھے جس کا آخری جواب حسینؑ کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے اور میرے نانا نے مجھے یہی حکم فرمایا ہے اور جب وہ یہ اصرار کرتے تھے کہ آپ مقتول ہو جانے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیے۔ تو جواب دیتے تھے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میرے عیال اسیر اور مقید ہوں اور حسین کے یہ کلمات اُس وقت چونکہ روحانی ریاست کی حیثیت سے تھے لاجواب تھے یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی۔ اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حسینؑ سوائے اُن عالی مقاصد اور خیالات کے جو اُنکے دماغ میں تھے کوئی دوسری غرض خیال میں لاتے ہی نہ تھے اور ظاہر ہے کہ یہ مصائب انھوں نے سلطنت اور بادشاہی کے لئے برداشت نہیں کئے اور نہ بغیر سمجھے ہوئے اس مہلکہ عظیم میں انھوں نے اپنے قدم رکھے تھے جیسا ہمارے بعض مورخین نے خیال کر لیا ہے۔ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص اصحاب سے جن کا دماغ روشن اور عقل سلیم تھی اِس واقعہ سے سالہا سال پیشتر اپنی مصیبتوں سے تسلی دینے کی غرض سے کہا کرتے تھے کہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اور ان جانکاہ مصائب کے گزر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کر لیں گے اور ہماری قبروں کی زیارت کریں گے اور ہماری مصیبتوں پر روئیں گے اور دشمنان آل محمدؐ کو اچھی طرح ہلاک کریں گے یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کریں گے اور میں اور میرے جد بزرگوار اُنھیں دوست رکھیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ محشور ہوں گے۔ اگر حسینؑ کے کلمات وحرکات میں باریک بین

رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ اُن کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گِدوں کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا راوی کہتا ہے یزید نے یہ سُنا تو اُس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سُمیّہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگزر کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے"

نگاہ سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ بہ حیثیت سیاست انھوں نے بنی امیہ کے قبائح و شنائع اور بنی ہاشم کے ساتھ اُن کی قلبی عداوت اور نیز

اپنی مظلومیت ظاہر کر دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور یہ بات ان کے لئے

حد درجہ کی سیاست اور اطمینان قلب اور اپنے مقصد عالی کے پورا کرنے میں خود رفتگی کو ثابت کر رہی ہے۔ حسین ؑ نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے طفل شیر خوار کے باب میں وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفہ کی عقلوں کو متحیر کر دیا یعنی اُس وقت آخر میں اُن جانکاہ مصائب کے ہجوم میں اُن افکار کثیرہ کے تلاطم میں اُس تشنگی میں، اُس کثرت جراحات میں بھی اپنے مقصد عالی سے چشم پوشی نہیں کی۔ اور باوجودیکہ جانتے تھے کہ اُن کے فرزند صغیر پر بنی امیہ رحم نہ کریں گے محض اس غرض سے کہ اپنی مصیبتوں کی عظمت بڑھا دیں اور یہ مصائب زیادہ تر عظیم الشان ہو جائیں۔

اُس بچے کو اپنے ہاتھ پر بلند کر کے سب سے اُسکے لئے پانی کی خواہش کی اور زبان تیر سے اُس کا جواب سُنا۔ گویا اس عمل سے حسین ؑ کی غرض یہ بھی کہ تمام اہل لشکر واقف ہو جائیں کہ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم کے ساتھ کس حد کی تھی اور تصور کر لیں کہ یزید دفاع کے لئے

ایسے ظلم و ستم کرنے پر مجبور نہ تھا اس لئے کہ شیر خوار بچے کا ایسی حالت میں اُس وحشت ناک طریقے سے قتل کر دینا سوائے وحشیت اور بہیمانہ عداوت کے جو ہر دین و مذہب و قانون و قاعدے کے منافی ہے اور کچھ ظاہر نہ کرتا تھا۔ اور یہی ایک نکتہ قبائح اعمال اور نیات فاسدہ اور عناد بنی امیہ کا پردہ اچھی طرح فاش کر دیتا ہے اور تمام اہل عالم علی الخصوص مسلمانوں پر ظاہر کر دیا کہ

بنی امیہ فقط احکام اسلام کی ہی مخالفت میں ایسی حرکات نہیں کرتے بلکہ جاہلانہ تعصبات کی وجہ سے کوشاں ہیں کہ ایک متنفس بھی بنی ہاشم میں کا خصوصاً عترت محمدؐ کا باقی نہ چھوڑیں۔ ان خیالات عالیہ کے ساتھ جو حسین ؑ کے مدنظر تھے بوجہ اُس عقل عالی اور کمال درجہ کی سیاست کے جو اُنکے لئے مسلّم تھی جب تک مقتول نہوں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ بنی امیہ اس کے دور کرنے میں مجبور رہیں۔ یہاں تک کہ باوجود اس اقتدار کے جو مسلّم تھا اور باوجود کمال بااثر ہونے کے بلاد اسلامیہ میں سے

کسی ایک شہر پر بھی حسین ؑ نے قبضہ نہیں کیا اور نہ مملکت یزید سے کسی حکومت پر حملہ کیا اور انجام میں قبل اس کے کہ حسین ؑ سے کوئی مخالفانہ یا غیر ملایمانہ حرکت یا شورش و بلوہ ظاہر ہونے پائے

قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔ (ابن جریر، کامل، تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تاثر یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ جب .... حضرت حسین کے سر اور اُنکے اہلبیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُس نے یہ شعر پڑھا ؎

یفلقن هاما من رجال اعزة — علینا وهم کانوا اعق واظلما

انھیں ایک بیابان بے آب وگیاہ میں محاصرہ کر لیا۔

حسین نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ میں بادشاہ ہوں گا یا میں بادشاہی کا طالب ہوں۔ فقط بنی امیہ کے اعمال قبیحہ کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ **بنی امیہ کی وضع وطرز رفتار باعث اضمحلال اسلام ہے** اور اپنے مقتول ہونے کی خبر دی تھی اور اپنی مظلومیت پر خوش و مسرور تھے۔ اور جب اُنھیں جنگل میں گھیر لیا گیا تھا اُسوقت بھی وہ کہتے تھے کہ اگر مجھے چھوڑ دو تو میں آمادہ ہوں کہ اپنے عیال واطفال کو لے کر سلطنت یزید یعنی مملکت اسلامیہ سے باہر چلا جاؤں۔ اسی ایک نکتہ نے جس سے **حسین کی سلامت نفس (معصومیت)** واضح ہے مسلمانوں کے دلوں میں برخلاف بنی امیہ کے انتہا درجہ کا اثر کیا۔ حسینؑ سے پہلے بھی بہت سے رؤسا روحانی اور ارباب دیانات بحالت ظلم قتل کئے گئے ہیں اور اُنکے قتل کے بعد ہی ایوولیوشن ہوا ہے اور اُنکے تابعین نے اُنکے دشمنوں پر تلوار کھینچی ہے جس طرح بنی اسرائیل میں مکرر اتفاق ہوا ہے اور (حضرت) یحییٰ کا قصہ بڑے بڑے تاریخی واقعات میں سے ایک بڑا واقعہ ہے۔ اور اسی طرح جو سلوک یہود نے حضرت مسیح کے ساتھ کیا اُس کی نظیر اس زمانے تک واقع نہیں ہوئی تھی مگر تمام واقعات پر **حسین کے واقعہ نے فوقیت پیدا کر لی** تاریخ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ روحانیین اور ارباب دیانات میں سے کسی شخص نے بھی خیالات عالیہ متاخرہ کی وجہ سے اپنے علم وارادہ سے **اپنی ذات کو قتل کرا دیا ہو** یعنی ارباب دیانات سے جو شخص بھی قتل ہوا اُسکے دشمنوں نے غفلت میں اس پر حملہ کر کے مظلومیت میں اُسے قتل کر دیا اور اُنکی مظلومیت کے مطابق ہی ایوولیوشن بھی اُنکے بعد پیش آیا مگر **حسین کا واقعہ عالمانہ، حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا اور دنیا کی تاریخ میں اُسکی نظیر نہیں** ہے۔ کتنے برس تک حسین اپنے مقتول ہونے کا انتظام اور تہیہ کرتے رہے اور نہایت بلند اور اعلیٰ مقصد اُن کے پیش نظر تھا۔ اور تاریخ میں کہیں پتا نہیں ہے کہ کسی نے گزشتہ زمانے میں اپنے دین کی ترویج کے لئے اپنے علم اور ارادہ سے اپنی جان دی ہو سوائے حسین کے۔

جو مصیبتیں کہ حسین نے اپنے نانا کے دین زندہ کرنے میں برداشت کیں گزشتہ ارباب دیانات پر پوری فوقیت رکھتی ہیں اور سابقین میں سے کسی پر بھی واقع نہیں ہوئیں۔ اور بالفرض اگر کہا بھی جائے کہ اور لوگوں نے بھی دین کیلئے اور دین کی راہ میں جان دی ہے مگر یہ یقینی ہے کہ حسین کے طرز و انداز پر ہرگز نہیں ہو سکا۔

تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ در اصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔ پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہلبیت دمشق میں حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہلبیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلہ کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر

حسین نے اپنی جان شیریں دی، اپنے عزیز فرزند اپنے بھائی اپنے بھانجے اپنے دوست اقربہ سب دے دیئے۔ مال دیا اپنے عیال کی اسیری تک گوارا کر لی

اور یہ مصیبتیں ایک دفعہ ناگہاں اور نادانستہ واقع نہیں ہوئیں کہ مجموعی حیثیت سے ایک مصیبت کا کل پر اطلاق ہو سکے بلکہ فاصلہ بہ فاصلہ ہو کر یکے بعد دیگرے یہ سب مصیبتیں پیش آئیں اور وارد ہوئیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے مصائب کا پے در پے ہجوم کرنا

حسین کے ساتھ خاص ہے یہی سبب تھا کہ حسین کے قتل ہوتے ہی اور ان دردانگیز واقعات کے پیش آتے ہی اور اُن کی عورتوں اور بی بیوں کے اسیر ہوتے ہی

بنی امیہ کے باطن کا حال طشت از بام ہو گیا اور ان کے اعمال ناشائستہ کے قبائح عالم پر روشن ہو گئے۔ سیاسی احساس اور ایوولیوشن کا مادہ مسلمانوں میں پیدا ہو گیا اور سلطنت یزیدی اور بنی امیہ کے برخلاف ایوولیوشن شروع ہو گیا اور

بنی امیہ کو اسلام کا برباد کرنے والا جان کر اُن کی بدعتوں اور اختراعی امور کو رد کرنے لگے اور

انھیں ظالم اور غاصب کہنے لگے اور اسکے برعکس بنی ہاشم کو مظلوم اور مستحق ریاست جاننے لگے اور حقیقی روحانیت اسلام ان میں سمجھی گئی گویا مسلمانوں نے حیات تازہ اور نئی زندگی

حاصل کی۔ اور اسلام کی روحانیت کے لئے نئی رونق پیدا ہو گئی۔ اسلام کی روحانی ریاست جو دفعۃً زائل ہو گئی تھی اور مسلمان جو کہ اسلام کے جذبۂ روحانیت کو فراموش کر بیٹھے تھے ایک خاص روحانیت اور شان کے ساتھ اسکی تجدید ہو گئی۔ جس طرح حسین کے مصائب کی عظمت تمام روحانیین سلف کے مصائب پر مسلم تھی اُسی طرح اُن ایوولیوشنس کی عظمت بھی جو حادثۂ حسین کے بعد پیش آئے تمام سابق ایوولیوشنس سے بڑھ گئے اور زمانہ بھی اُن کا زیادہ اور تاثیرات بھی اُن کی زیادہ تھیں۔ ان وجوہ سے

محمد کے باقی ماندگان کی مظلومیت تمام عالم میں مشتہر ہو گئی پہلا نتیجہ اس ایوولیوشن کا یہ ہوا کہ روحانی ریاست جو عوام بات میں بڑی اہتم بالشان چیز ہے از سر نو بنی ہاشم اور خصوصاً اعقاب حسینی (یعنی حضرت ائمہ اطہار) میں مسلم ہو گئی۔ اب تک بھی بنی ہاشم اور خاص کر وہ لوگ جو نسل حسین سے ہیں ایک نظر روحانیت سے تمام مسلمانوں میں دیکھے جاتے ہیں اور چند سال بھی گزرے تھے کہ باوجود اُس اقتدار اور وسعت کے خاندان

یزید و معاویہ سے سلطنت نکل گئی اور ایک قرن سے بھی کم میں تمام بنی امیہ سے بادشاہی

خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلایا: "میں امیر المومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سُن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا: "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور امام زین العابدین پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہلبیت کو بھی

زائل ہوگئی۔ اور وہ اس طرح مضمحل اور نسیاً منسیاً ہو گئے کہ آج اُنکے نام و نشان کا بھی پتا نہیں اور جب کبھی کتابوں میں اُنکا نام آجاتا ہے مسلمان ایک کلمۂ شماتت اُسکے ساتھ منضم کر دیتے ہیں اور یہ سب حسینی سیاست و تدبیر کے نتائج ہیں کہ کہا جا سکتا ہے کہ ارباب دیانات و روحانیین میں سلف سے آج تک

ایسا انجام بین، عاقبت اندیش و مستقل مزاج سرگزشت کے ساتھ تاریخ نے یادگار میں نہیں چھوڑا۔ ابھی حسین کے قیدی اہل بیت یزید کے پاس تک بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ خون خواہیٔ انتقام کے علم بلند ہو گئے اور یزید کی مخالفت میں ایوولیوشن شروع ہو گیا۔ حسین کی مظلومیت نے

بنی امیہ کے تمام سر بستوں کو کھول دیا اُن کی نیتوں کا پردہ فاش کر دیا۔ باوجود اس کے کہ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حسین اور خاندان علی کا نام یزید کے قریب اور اُسکے مخصوصین کے سامنے خیر و خوبی کے ساتھ لے سکے۔ اِس واقعہ کے ہوتے ہی دربار عام اور خلوت و جلوت میں حسین اور خاندان علی کا نام تقدس و عظمت و مظلومیت کے ساتھ مجبوراً

یزید کو سننا پڑتا تھا اور باوجودیکہ اِن باتوں کا سننا اُس پر بہت گراں ہوتا تھا سوائے سکوت کے اُس کو کوئی چارہ نظر نہیں آتا تھا بلکہ بعض اوقات اِن مظالم و اعمال سے اپنی برأت ظاہر کرتا تھا اور اس الزام کو اپنی سلطنت کے امرا کی گردن پر ڈالتا تھا۔ چونکہ یزید نے اس واقعہ کے بعد حسین کے محامد و فضائل بہت کثرت سے سُنے تو ایک دن کہنے لگا کہ

حسین کا بادشاہ ہو جانا مجھ پر بہت آسان تھا بمقابلہ اس تعظیم و تقدیس کے کہ جس کے ساتھ آل نبی اور بنی ہاشم یاد کئے جاتے ہیں۔ انجام کار حسین کے تابعین نے پے درپے ان ایوولیوشنس سے پورا فائدہ حاصل کیا اور بنی ہاشم کی قوت و عظمت بھی بڑھتی جاتی تھی اور ایک قرن سے بھی کم ہی زمانہ گزرا ہوگا کہ بنی ہاشم میں وسیع اسلامی سلطنت قائم ہو گئی اور اس طرح

بنی امیہ کو نیست و نابود کر دیا کہ اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا فقط چند قرن تک چند آدمی اُن میں کے یکے بعد دیگرے اُندلس میں حکومت کرتے رہے۔ اب اُس بزرگ خاندان سے جو سالہا سال وسیع اور عظیم الشان سلطنت پر متصرف رہا

ایک آدمی بھی اگرچہ گمنام ہی ہو نظر نہ آتا اور اگر اتفاقاً کہیں نظر بھی آئے تو حد درجہ مطعون و ذلیل ہے تاہم یہاں تک کہ اپنے حسب و نسب کو بھی مخفی رکھتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ سلاطین قاجاریہ جو اب ایران میں سلطنت رکھتے ہیں بنی امیہ سے ہیں مگر وہ خود بھی اب اس شہرت کے منکر ہیں اور اس سے اپنی برات ظاہر کرتے ہیں۔ ایک قرن کے بعد بھی جو

بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی، اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو" امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی "ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأها ان ذلك علی الله یسیر لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور"

بنی ہاشم سلطنت کے مالک ہوئے تو وہ حسین کے بنی اعمام تھے نہ ان کی اولاد اس لئے کہ **حسین کی اولاد (ائمہ اطہار) نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی** اور اسلام کی روحانی ریاست علی الاطلاق انھیں میں مسلّم ہوگئی تھی۔ حسین کے بنی اعمام (بنی عباس) نے اگرچہ یہ سلطنت حسین کے تابعین کے ایوولیوشن ہی کی برکت سے پائی۔ مگر سلطنت پانے کے بعد اس خوف سے کہ سلطنت پر کچھ زوال نہ آجائے ایوولیوشن والے لوگوں پر نہایت تشدد کرنے لگے کہ مبادا اسلامی سلطنت رفتہ رفتہ خاندان حسین میں کہیں منتقل نہ ہوجائے۔ ادھر تو بنی عباس کا تشدد بہت تھا۔ دوسرے بنی امیہ کے قلع قمع ہوجانے سے اور ایوولیوشنس کا جو مادہ تھا اس کے زائل ہوجانے سے رفتہ رفتہ ان ایوولیوشنس کی تیزی گھٹتی گئی۔ حسین اور علی کے تابعین نے جب یہ دیکھا کہ مانع بہت قوی اور سست ہے سمجھ گئے کہ بنی ہاشم کے بادشاہوں سے جو بہت قوی اور زبردست ہیں اور عام خیالوں کے پریشان ہوجانے کی وجہ سے اب ایوولیوشنس سے ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے لہٰذا ایوولیوشنس کا طریقہ ظاہری طور پر چھوڑ کر در پردہ اس کی صورت اس طرح بدل دی کہ ایک جگہ باہم جمع ہوکر ان واقعات و **مصائب کا جو حسین پر وارد ہوئے تھے ذکر شروع کردیا** اور وہ اس طریقہ سے اس بہت عظیم ایوولیوشنس کے مادہ کو زندہ اور تازہ رکھتے تھے۔ سلاطین بنی عباس جب اس مطلب کو سمجھے اور حسین کے تابعین کی یہ تدبیر ان کے ذہن میں آگئی تو پہلے سے بھی زیادہ انھوں نے تشدد اور مخالفت و مزاحمت لازم سمجھی۔ اور اس میں اسقدر زیادتی کی کہ علی و حسین کی پیروی جس شخص سے بھی ظاہر اور آشکار ہوتی تھی تو جس طرح ملکی جرائم میں بڑے سنگین مجرم میں سزا دی جاتی ہے اس سے زیادہ ایسے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے اور اس جرم میں **حسین کے تابعین سے ہزاروں آدمی مقتول و مجروح و مغلوب** و محبوس ہوگئے مگر باوجود اس سختی و تشدد کے بھی ایوولیوشن کا یہ مادہ علی کے تابعین سے دور نہ کرسکے۔ اور جس قدر انھوں نے سختی کی اسی قدر قوت اور شدت ان لوگوں کی بڑھتی گئی۔ تا این کہ انجام میں انھیں پیروان حسین کی تدبیروں سے اس طبقہ بنی عباس کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور کچھ زمانہ تک سلطنت حسین کی اولاد میں گردش کرتی رہی (مصر کے خلفاء فاطمیین مراد معلوم ہوتے ہیں)۔ حسین کے بعد اسلام کی روحانی ریاست انھیں کی اولاد (ائمہ طاہرین) میں یکے بعد دیگرے رہی۔ یہ لوگ بھی **حسین کی عزاداری کو مذہب کا جزو اعظم** قرار دیتے رہے اور جس قدر اس کے نتائج سے علی کے تابعین میں قوت پیدا ہوتی گئی مصائب حسین کا ذکر زیادہ آشکارا ہونے لگا

تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اسلئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تب یزید نے خالد سے کہا کہتا کیوں نہیں ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر (جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے) پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انھیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ ان کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھکر متاسف ہوا اور کہنے لگا خدا ابن مرجانہ کا برا کرے۔ اگر تم سے اس کا رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا۔

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔ اور میری طرف اشارہ کیا۔ اسوقت میں کمسن اور

اور جس قدر ان لوگوں نے اس باب میں زیادہ کوشش کی اسی قدر ان کی قوت اور ترقی بڑھتی گئی۔ کم از کم وہ لوگ جو مقتضائے وقت کے رموز کو اچھی طرح پہچانتے ہیں مصائب حسین کے ذکر کا طریقہ بدلکر، بار بار اس طریقہ و پیرایہ میں ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ آج کے دن جہاں کہیں کہ کوئی مسلمان بھی ہے حسین کی تعزیہ داری وہاں عظیم نمود کے ساتھ موجود ہے اور دوسری قوموں اور مذہبوں میں بھی رفتہ رفتہ اس نے سرایت کی ہے۔ علی الخصوص ماچین اور ہندوستان میں۔ اور اہل ہند میں اس کی تاثیر کا بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے عزاداری کا طریقہ اپنے مراسم عزا سے مشابہ قرار دیا ہے۔ حسین کی عزاداری کو ہندوستان میں پورے طور پر اور آشکار طریقہ سے شائع ہوئے۔ سو برس سے زیادہ نہیں گزرے۔ اس قلیل مدت میں ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک عزاداری پھیل گئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر روز ترقی پر ہے ہمارے بعضے مورخین اس رسم و رواج کی کیفیت و کمیت سے ناواقفیت کی حالت میں بے خبری کے طور پر کلام کر گئے ہیں۔ اور پیروان حسین ع کی ماتم داری کی وضع کو بلفظ مجنونانہ لکھ گئے ہیں اور وہ بالکل ملتفت نہیں ہوئے۔

خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں، زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہو نہیں سکتی۔ انھوں نے پکار کر کہا تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے! اس جرات پر یزید کو غصہ آگیا کہنے لگا تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ مجھے حق حاصل ہے۔ اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں۔ زینب نے کہا ہرگز نہیں۔ خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ۔ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔ یزید اور بھی خفا ہوا کہنے لگا دین کو تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے۔ زینب نے بلا تامل جواب دیا اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے۔ یزید چلایا اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے۔ زینب بولیں تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضب ناک آواز میں اسے ڈانٹ بتائی دور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے۔

کیا عزاداری مجنونانہ فعل ہے؟

ہیں اور نہیں سمجھے ہیں کہ اس مسئلہ نے اسلام میں کیا کیا تغیر و تبدل پیدا کر دیا۔ ملکی احساس جنبش و ہیجان مذہبی کے ساتھ جو تعزیہ داری سے اس قوم میں پیدا ہوا ہے کسی قوم میں نظر نہیں آتا۔ جو شخص پیروان علی کی صد سالہ ترقیوں کو ہندوستان میں غور کرے جنھوں نے عزاداری کو اپنا شعار قرار دے لیا ہے وہ ضرور اس بات کی تصدیق

عزاداری کی دنیوی برکتیں

کرے گا کہ وہ ترقی، قوت، کثرت، اور عروج کے بہت بڑے نکتہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ سو برس پہلے علی اور حسین کے پیرو اس ملک ہندوستان میں انگلیوں پر گننے کے قابل تھے اور آج اس درجہ ترقی کر گئے کہ ہندوستان میں اپنی تعداد کے اعتبار سے تیسری قوم قرار پا گئے۔ اور دوسرے ملکوں میں بھی ان کی یہی شان دار حالت ہوتی چلی جا رہی ہے ہم جس وقت اپنے مشنری لوگوں (یعنی مسیحی تبلیغ کرنے والوں) کا پروگرام دیکھتے ہیں اور عزاداری کے کام کرنے والوں سے اس کا موازنہ کرتے ہیں تو اس کے اعلان میں کوئی عذر نہیں کر سکتے کہ باوجود اس کثرت سے قوت و دولت خرچ کرنے کے اس فرقہ (عزاداران حسین ع) کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں کر سکے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے

یزید کا مشورہ کرنا دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤساء و امراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا اُن لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان بن بشیر نے کہا ان کے ساتھ وہی کیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس حال میں دیکھکر کرتے۔ حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوگئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کردیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم اس اثناء میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا امیرالمومنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟ یزید نے کہا ہاں تم خوب رو دو۔ بین کرو۔ رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے۔

حسین کی اجتہادی غلطی اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے انھوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں۔ اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں۔ اس لئے حکومت کا بھی یزید کی

(عیسائیوں کے) مذہبی علماء بھی حضرت مسیح کے مصائب کا ذکر کرکے لوگوں کے دلوں میں کافی اثر اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتے ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کا یہ ذکر اس وضع و اسلوب و شان اور اس شکل پر نہیں ہوتا جیسا کہ پیروان حسین ع میں اچھی طرح رواج پاگیا ہے۔ اور غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت مسیح کے مصائب حسین ع کے مصائب اور مظلومیت کے مقابلہ میں اس قدر موثر دردناک اور دلگداز نہیں بھی نہیں۔ ان وجوہ سے ہماری رائے ہے کہ ہمارے مورخین کو چاہئے کہ بیگانہ قوموں کے رسم و رواج کو صاف صاف مجنونانہ نہ لکھیں۔ بلکہ اس پر اچھی طرح غور و فکر کرکے اس کے مصالح اور نتائج کے سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش کیا کریں۔

شہادۃ امام حسین ع سے اسلام کی حفاظت راقم کے نزدیک قانون محمدی (اسلام) کی حفاظت اسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی اشاعت یہ سب حضرت حسین کے ان بے دردی کے ساتھ قتل ہوجانے کا

زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی تو بلا شبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح انکا یہ کہنا کہ ان کے نانا میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بھول گئے۔ اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر (ایضاً)

پھر اہلبیت کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں، خاندان معاویہ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اس سے کہا اے یزید کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیاں کنیزیں ہوگئیں؟ یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا"؟۔ فاطمہ نے کہا "بہ خدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی"۔ یزید نے کہا تم لوگوں کا جتنا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ تمھیں دوں گا۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دوگنا تگنا دے دیا گیا۔

ان واقعات رحادثات کے پیدا ہو جانے سے ہی ہے۔ اسی طرح (پولٹیکل) ملکی دماغ اور ایوولیوشن کا احساس جس سے مراد ظلم و ستم کی اطاعت نہ کرنا ہے جو حکمائے سیاست کے نزدیک نہایت عمدہ طریقہ اور بہت ہی مبارک سعادت ہے اور ہر آدمی کی صفات ممدوحہ میں شمار کیا جاتا ہے اس قوم (عزاداران سید الشہداء) میں حضرت حسین کی ہی عزاداری کی بدولت پیدا ہو گیا ہے اور جب تک وہ اس عمل کو اپنا ملکہ قرار دیئے رہیں گے اور اس سلسلہ کو پابندی سے قائم رکھیں گے کبھی پستی اور زیردستی کیطرف جا ہی نہیں سکتے۔ (بلکہ روز بروز لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے رہنے کے ذریعہ پر قبضہ رکھیں گے)

مجالس امام حسینؑ کی اہمیت ذرا غور سے اُن مجالس کو بھی دیکھنا چاہیے جو حضرت حسینؑ کی عزاداری کے سلسلہ میں ہر جگہ اور ہر سال منعقد ہوتی ہیں کہ کیسے کیسے دقیق اور حیات بخش نکتے ایک دوسرے کے کان تک پہنچاتے اور باطن تعلیم دیتے ہیں۔ راقم (جرمن مورخ) چند مرتبہ اسلامبول (قسطنطنیہ) میں ایک مخصوص مترجم کے ساتھ گیا جہاں مرثیہ اور ذکر

یزید کا دستور تھا روز صبح وشام کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت حسن کے کمسن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا " تو اس سے لڑے گا ؟" اور اپنے خالد کیطرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا " یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو اور ایک چھری اسے دو پھر ہماری لڑائی دیکھو !" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹالیا اور کہا " سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے "

یزید کی زود پشیمانی یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا " کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسین کو اپنے گھر میں اپنے پاس رکھتا۔ اُن کے مطالبہ پر غور کرتا۔ اگرچہ اسکی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی لیکن اس سے رسول اللہ کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جس نے حسین کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دینگے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات نہ مانی اور قتل کر ڈالا۔ ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر۔ خدا کا غضب ابن مرجانہ پر !

مصائب ہوتا تھا اور میں نے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ حسین جو ہمارے پیشوا اور امام تھے اور ان کی اطاعت و پیروی ہمکو واجب ہے یزید کی زیادتی و زبردستی وظلم میں مطیع نہیں ہوئے اور حفظ شرف اور علوئے حسب اور مقام بزرگ حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنا مال دیا' اپنی جان دی' اپنی اولاد دی اور اپنے عیال دے دیئے۔ اسکے عوض دنیا میں نیک نام اور آخرت میں مرتبہ شفاعت و تقرب بارگاہ خدا حاصل کیا۔ اور ان کے دشمن خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہوئے۔ اس سے ہم نے خوب جان لیا کہ وہ لوگ درحقیقت ایک دوسرے کو تعلیم دیتے ہیں کہ اگر تم حسین کی پیروی کرتے ہو، اگر شرف رکھتے ہو اگر سرداری اور افتخار حاصل کرنا چاہتے ہو تو تم بھی لوگ یزیدیوں کی زبردستی اور اطاعت اختیار کرکے جور وظلم برداشت کرنا اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دینا کہ دنیا اور آخرت میں نیک نام اور رستگار رہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ جس قوم کو عہد سے لحد تک یعنی بچپنے سے وقت مرگ تک ایسی تعلیم دی جائے گی اُن میں کیسے عمدہ ملکات اور کیسے عالی خصائل حاصل ہو جائیں گے۔ ہر طرح کی سعادت و شرافت اُن میں پیدا ہو جائے گی۔ سب کے سب حقیقی سرفروش قومی عزت اور نوعی افتخار کے

اہلبیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے اکیلے میں کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو مجھ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا۔ جو ضرورت بھی پیش آئے خبر دینا۔ بعد میں حضرت سکینہ کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا"۔

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہلبیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیجے اور کہا "یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں۔" اُس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا۔"

مالک ہو جائیں گے۔ آجکل کے ملل متفرقہ کے تمدن حقیقی کا یہی ایک نکتہ ہے۔ یہ تعلیم ہے حقوق شناسی کی۔ یہ معنی ہیں ڈپلوماتی تعلیمات کے۔ ہم اہل یورپ بہ مجرد اس کے کہ کسی قوم کی ظاہری حرکات کی وضع مذہبی یا ملکی مراسم میں اپنے اصول کے منافی دیکھتے ہیں مجنونانہ سمجھ کر وحشیانہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب اُن کے اصلی مقصود تک غور کر کے پہنچیں تو وہ حرکات عاقلانہ اور سیاسیانہ معلوم ہوں گی اور ہمیں ایسا ہی سمجھنا اور کہنا ہوگا۔ چنانچہ اس فرقہ اور قوم (شیعہ) میں جو کچھ ہم نے کہا اس کے نتائج اچھی طرح ظاہر ہیں مناسب ہے کہ قوم و مذہب کے رسم و رواج کی حقیقت پر ہم نظر ڈالیں ورنہ ایشیائی لوگ بھی ہماری بہت سی رسمیں ناپسند کرتے اور ہماری بعض حرکتوں کو اپنے آداب کے خلاف جانتے اور غیر مہذب بلکہ وحشیانہ سمجھتے ہیں اسی طرح عام جلسوں میں مرد اور عورتوں کا باہم ناچنا) علاوہ سیاسی منافع کے جن کا ہم نے ذکر کیا کہ ان کا اثر طبعی ہے مسلمان اس عمل میں (یعنی حسین کی تعزیہ داری میں) آخرت کے بڑے بڑے درجات کا حاصل ہونا اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو شخص تاریخ سے آگاہ اور ایشیا کے رہنے والوں کی طبیعت پر مطلع ہے وہ تصدیق کرے گا کہ اخلاق کی اصلاح اور پولیٹیکل امور کی تعلیم اہل ایشیا میں بالفعل بلکہ اور دو قرن تک سوائے مذہب کے اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں ہے۔ چاہئے کہ اہل ایشیا سے محبت قومی و وطنی کے ثمرات مذہب کے سایہ میں حاصل کئے جائیں جس طرح چند قرن

مدینہ میں ماتم اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جاں گسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں ؎

ماذا تقولون ان قال النبی لکم۔ ماذا فعلتم وانتم خیر الامم۔ بعترتی وباھلی بعد مفتقدی۔ منھم اساریٰ ومنھم ضرجوا بدم

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخر امت ہو۔ تم نے میری اولاد و خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ انہیں سے بعض قیدی ہیں اور بعض میں نہائے پڑے ہیں۔

تمت بالخیر

پیشتر یورپ کی حالت تھی۔ بالفعل ممکن نہیں کہ کوئی شخص اہل ایشیا سے یورپ کی طرح نوعی اور وطنی خد مات کے نام سے خدمت لے سکے۔ ہاں مذہب کے ذریعہ سے اُن سے ایسی خدمتیں لی جا سکتی ہیں جن کے ثمرات قوم اور وطن تک بھی پہنچ جائیں آج تین سو ملین نفوس اسلامی میں سوائے پانچ ملین کے صاحب استقلال معلوم نہیں ہوتے۔ پس اگر مسلمان مذہب سے قطع نظر کرکے اور مذہب کو پس پشت ڈال کر قومیت کے نام سے سیاسی ترقی کرنا چاہیں (یعنی اپنی پولٹیکل زندگی از سر نو کریں) تو بجائے نفع انھیں نقصان پہنچے گا اس لئے کہ پانچ حصّہ مسلمانوں کے دوسری قوموں کے فشار میں اور دیگر مذاہب میں مضمحل ہو رہے اور اگر وہ قومیت کے نام سے ترقی چاہیں گے تو پانچ حصّہ اُس کی سیاسی زندگی سے محروم رہیں گے۔ ہاں اگر وہ اسلام کے اسم جامع کے ذریعے سے ترقی کرنا چاہیں گے تو جمیع افراد اہل اسلام میں پولٹیکل روح نمودار ہو جائے گی اور روحانی سلسلہ اور رابطہ کے ذریعہ سے وہ تمام ملل اسلامیہ جو دوسری قوموں کے فشار میں ہیں اضمحلال سے محفوظ رہیں گے اور روحانی مادے جو آج مسلمانوں میں مروج ہیں ان میں سے حسین کی تعزیہ داری کے سوائے کوئی چیز بھی پولٹیکل احساس مسلمانوں میں پیدا نہیں کرسکتی۔ اور اگر دو قرن تک مسلمانوں میں اسی طرح تعزیہ داری کو شیوع رہے اور تمام مقامات میں عمومیت حاصل ہو تو مسلمانوں میں تازہ طور پر پولٹیکل زندگی پیدا ہو جائے گی۔ آج بھی مسلمانوں میں جو استقلال باقی رہ گیا ہے اسمیں نصف اعلیٰ اسی نکتہ کی پیروی کا نتیجہ ہے (سلطنت اہل تشیع مقصود ہے) اور میں اُس دن کو گویا دیکھ رہا ہوں کہ اسلامی سلطنتیں اسی رابطہ کے سایہ میں قوت پکڑ جائیں۔ اور تمام عالم کے مسلمان

اسی ذریعے ایک علم اتحاد کے نیچے جمع ہو جائیں اس لئے کہ اسلامی فرقوں میں کوئی فرقہ ایسا نظر نہیں آتا کہ ازراہ دیانت دینی حیثیت سے مصائب حسین کے ذکر کرنے کا منکر ہو اور اس سے نفرت کرتا ہو بلکہ اس مذہبی رسم کے ادا کرنے میں عام طور پر سب لوگ طبعی رغبت رکھتے اور دل سے اعزاز کھنچے چلے آتے ہیں اور مختلف العقیدہ مسلمانوں کے درمیان سوائے اسی نکتہ اتحادیہ اور وسیلۂ اتفاقیہ کے اور کوئی چیز ایسی معلوم نہیں ہوتی۔ حسین تمام روحانی پیشواؤں میں زیادہ تر حضرت مسیح سے مشابہ ہیں مگر ان کے مصائب شدید تر اور سخت تر تھے۔ اور ابتدائے پیش رفت تابعان حسین بھی پیروان مسیح کے قرون اولیہ کی طرح تھے۔ اگر مسیحی لوگ بھی حسین کے پیروان اور تعزیہ داران کے اصول اولیہ کی پیروی اختیار کر لیتے یا جو موانع خود مسلمانوں میں پیدا ہو گئے ہیں پیروان حسین کو ایک عمل سے نہ روکتے اور ان کی مخالفت نہ کرتے تو انھیں دونوں مذہبوں سے ایک مذہب عالم کے قرون عدیدہ تک عالمگیر ہو جاتا۔ چنانچہ پیروان حسین کی روک تھام کے موانع جب اٹھ گئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب تمام طبقات اسلامی کو اور تمام دیگر مذاہب کو سیل کی طرح احاطہ کئے لیتا ہے۔ جرمن کے مذکورہ بالا مورخ کے مضمون کا اردو ترجمہ یہاں تک ختم ہوا۔ اس کے علاوہ حسین مظلوم کی عزاداری کے متعلق چند باتیں اور بھی لائق گزارش نگار پیش ہیں فقط (سید محمد) (مترجمہ از مشہور فارسی اخبار حبل المتین کلکتہ مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۲۰ھ)

خُلاصہ خدا کے فضل و کرم سے کتاب شہادۃ عظمیٰ ختم ہوئی۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاصہ بھی چند صفحوں میں درج کر دیا جائے۔ مولوی ابوالکلام آزاد صاحب دہلوی کے رسالہ "شہید اعظم" کا ایک ایک حرف اس کتاب میں خط کھینچ کر اس کے اوپر نقل کر دیا گیا ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی کم نہیں کیا گیا۔ نہ کوئی حرف اپنی طرف سے اضافہ کیا گیا۔ خط کے نیچے اس کی کل باتوں کا جواب اپنی کتاب شہادت عظمیٰ میں درج کیا گیا ہے۔ چونکہ خدا کے فضل سے شہادت کربلا کے کافی مضامین اس کتاب میں جمع ہو گئے اور وہ متفرق صفحوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان سب کو سمیٹ دینے کیلئے یہ مختصر حصہ اضافہ کیا جاتا ہے۔

رسالہ شہید اعظم میں اشاروں کنایوں سے کن باتوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے	پہلے اس کو سمجھ لیجئے تب شہادت عظمیٰ کے مضامین کا ابطال پڑھنا بہت مفید ہوگا ان میں سے چند باتیں حسب ذیل

ہیں (۱) اہلبیت اور خاصکر امام حسین علیہ السلام حضرت رسول خدا کے مقرر کردہ خلیفہ ہرگز نہیں تھے نہ اسکی کوئی وجہ تھی

تو اپنی غلطی سے شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے (۲) امام حسین کی شہادت کا سبب معاویہ کے مرنے ہی پر پیدا ہوا۔ اس کے قبل سے کوئی تعلق نہیں ہے (۳) معاویہ کے مرنے پر رسول کی خلافت کی جگہ خالی ہو گئی اور کوئی خلیفہ برحق نہیں تھا (۴) البتہ یزید پہلے سے ولی عہد اور اس وجہ سے وہی رسول کا خلیفہ برحق ہو سکتا تھا بلکہ واقعا تھا (۵) اس نے اپنی خلافت برحق کا اعلان کر دیا اور امام حسینؑ سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا جو اس کے لئے ضروری تھا۔ اور بیعت طلب کرنے میں اُس نے نہ کوئی زیادتی کی۔ نہ اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی خلافت قائم ہو چکی اور صحیح ہوئی تھی (۶) امام حسینؑ نے اس کی بیعت نہ کر کے اُس سے بغاوت کی۔ (۷) حضرت کے اعزہ و اقربہ و احباب نے بھی حضرت کو بہت سمجھایا مگر حضرت نہیں مانے اور اپنی ضد پر قائم رہے (۸) امام نے غلطی کی اور حکم خدا لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (تم لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کیخلاف کیا (۹) حضرت امام حسینؑ سلطنت کے لالچ اور بادشاہت کی طمع میں کوفہ کی طرف گئے۔ اس میں حضرت کی کوئی مذہبی غرض ہرگز شامل نہیں تھی (۱۰) یزید نے قتل امام حسینؑ کا حکم ابن زیاد کو ہرگز نہیں دیا۔ اس کا دامن اس دھبے سے بالکل پاک ہے (۱۱) یزید کو تو حضرت کی اتنی محبت تھی کہ یہ خبر سُنی تو رونے لگا اور ابن زیاد پر لعنت کی اور خفا ہوا کہ اس نے قتل کیوں کر دیا (۱۲) ابن زیاد نے صرف امام حسین کو قتل کرایا۔ اہلبیت پر نہ کوئی ظلم کیا نہ ان کی کوئی ذلت کی (۱۳) یزید نے بھی اہلبیت کو نہ قید کیا نہ اُن کی ذلت کی بلکہ بہت محبت اور عزت کا برتاؤ کیا (۱۴) امامؑ اگر یزید کی بیعت کر لیتے تو کسی کا کچھ بھی نہ بگڑتا۔ نہ اتنے معزز مومنین کا خون ہوتا۔ نہ یزید کے طرفدار ہی مارے جاتے (۱۵) ابن زیاد کے انتظام سے فوراً فتنہ رفع اور دنیائے اسلام میں امن قائم ہو گیا (۱۶) یزید نے اپنی برات اور امام کی غلطی کا ثبوت قرآن مجید ہی سے دے دیا۔ جو بالکل حق تھا اور اس کا جواب کسیطرح ہو ہی نہیں سکتا۔

ان اشارات و کنایات پر تبصرہ
(۱) اہلبیت کا حقدار خلافت ہونا

پہلی بات کہ اہلبیت اور خاص کر امام حسینؑ شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے بالکل صحیح ہے۔ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم اپنی عمر کے چالیسویں سال سے اپنے کو رسول، برحق نبی اور خاتم المرسلین سمجھتے تھے اور کفار مکہ کی مخالفت، عداوت، مظالم، اور ایذائیں حضرت کے اس خیال کو بدل نہ سکیں اور نہ حضرت کے اس دعوے کو مٹا سکیں کیونکہ خدا حضرت کو اپنا رسول اور نبی مقرر کر کے حضرت پر بار بار اس کی وحی کر چکا تھا یہاں تک کہ کفار مکہ کے مظالم سے پریشان ہو کر حضرت رسولؐ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور تین سال

تک اس کی مصیبتیں برداشت کرتے رہے لیکن ان آفات و آلام کی وجہ سے بھی حضرت نے خدا کو نہیں جھٹلایا ایک دفعہ بھی نہیں کہا کہ میں رسول نہیں ہوں۔ ایک بار بھی یہ نہیں ظاہر کیا کہ خدا نے مجھے نبی نہیں مقرر کیا ایک مرتبہ بھی کافروں کی بات نہیں مانی۔ بلکہ پورے مکہ نے حضرت کے ہلاک کر دینے کا انتظام کر لیا تب بھی حضرت اُن کے مطیع نہیں ہوئے۔ غزوہ بدر و احد میں حضرت کے پیارے اعزہ قتل کر دیئے گئے تب بھی حضرت اپنے دعوائے رسالت سے باز نہیں آئے۔ اسی طرح حضرات اہل بیت بھی اپنے کو خلافت کا زیادہ حق دار نہیں بلکہ واقعاً تنہا خلفاء رسول اور صحیح جانشین نبی آخر الزمان سمجھتے تھے اور ان کے اس یقین کو کوئی بدل نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ خدا اور رسول نے انھیں حضرات اہل بیت کی خلافت بلافصل کا بار بار اعلان کر دیا تھا (دیکھو یہی کتاب صفحہ ۸ تا ۲۹)

(۲) کیا امام حسین کی شہادت کا سبب معاویہ کے مرنے پر پیدا ہوا یا حضرت رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی پیدا کیا گیا تھا؟

یہ بہت ضروری بحث ہے اور ہر شخص کو اس کی تحقیق کرنی ضروری ہے محققین کا قطعی فیصلہ ہے کہ حضرت کی شہادت کا سامان سقیفہ بنی ساعدہ ہی سے شروع کر دیا گیا تھا۔ (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۲۹ تا ۵۴ و ۹۴ تا ۱۲۱)

(۳) کیا معاویہ کے مرنے پر کوئی خلیفۂ رسول نہیں تھا؟

یہ کہنا ویسا ہی ہے جیسا یہ کہنا کہ حضرت رسول خداؐ کے انتقال کے وقت حضرت کا کوئی خلیفہ نہیں تھا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی تب وہ خلیفہ ہو گئے۔ حالانکہ خدا نے تو حضرت رسولؐ کی خلافت کا انتظام ۲۱ سال پہلے ہی خود مکہ میں کر دیا اور حضرت رسولؐ سے اس کا اعلان سنہ بعثت ہی میں کرا دیا تھا اور پھر اس انتظام کو کبھی بھی نہ منسوخ کیا نہ بدلا (تفصیل اس کتاب کے صفحہ ۱۱ میں دیکھو)

(۴) کیا یزید واقعاً پہلے سے ولی عہد تھا؟

جب معاویہ کی خلافت ہی صحیح نہیں تھی تو اسکو اپنا ولیعہد مقرر کرنے کا حق بھی نہیں تھا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے تو اپنا خلیفہ حضرت علی کو اور ان کے بعد امام حسن اور ان کے بعد امام حسینؑ کو مقرر کر کے بار بار اعلان کر دیا تھا جس کو نہ خدا نے بدلا نہ رسول نے (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۱۳ تا ۲۹) جس سے صاف ثابت ہوا کہ انتقال رسول کے وقت حضرت علی حضرت کے خلیفہ بلافصل تھے۔ پھر حضرت کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن اور حضرت کی شہادت کے بعد امام حسینؑ۔ تو یزید کی ولی عہدی کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اس کو نہ برحق خلیفۂ رسول امام حسن نے ولی عہد کیا اور نہ برحق خلیفہ رسول امام حسینؑ نے۔ اور ظاہر ا بھی یزید کی ولیعہدی

صحیح نہیں تھی کیونکہ اسلام کے بہت معتبر اور قابل قدر مورخین نے لکھا ہے "ایک دن معاویہ نے یزید سے کہا کہ
جو چیز تجھے سب سے زیادہ پسند ہو طلب کر۔ یزید نے کہا اے امیر المومنین! مجھے جہنم سے نجات دیجئے
کیونکہ جو شخص تین دن بھی امت پر حکمراں رہے اللہ تعالےٰ اُسے جہنم سے بری کرتا ہے۔ معاویہ نے یزید کا
منہ چوم لیا اور کہا مجھے منظور ہے" (کامل ابن اثیر۔ یزید کی ولیعہدی) معاویہ امام حسنؑ کی حین حیات
ہی سے یزید کو ولی عہد بنانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے اس نے امام حسنؑ اور عبدالرحمٰن
بن خالد کو زہر سے ہلاک کر دیا تھا۔ تمام پخت و پز کے بعد اُس نے پہلے اہل شام سے پھر اہل عراق سے یزید کی
ولیعہدی کی بیعت لے لی۔ اور ۵۶ھ میں حجاز میں آکر اہل مدینہ اور اہل مکہ سے تلوار کا ڈراوا دے کر جبراً
بیعت لے لی۔ مگر حسین بن علی۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بیعت نہ کی۔
معاویہ نے جھوٹ موٹ مشہور کر دیا کہ انھوں نے بھی بیعت کر لی [1]... یزید ظالم، بے رحم اور دغاباز تھا
گانے، بجانے۔ ناچ، رنگ اور شراب خواری کا عادی تھا۔ اس کے مصاحب کمینہ اور بدکار تھے
علماء دین کی توہین اس طرح کرتا تھا کہ جہاں جاتا ایک سجے ہوئے شاہی گدھے پر ایک بندر کو علماء کے
کپڑے پہنا کر ساتھ لئے پھرتا۔ دربار میں شرابیں اڑنے لگیں تو یہ ہونا ہی تھا کہ دار الخلافہ کی گلی کوچوں میں
بھی اس کی تقلید ہونے لگی۔ تخت پر بیٹھتے ہی اپنے مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ کو حکم بھیجا کہ حسین بن علی
اور عبداللہ بن زبیر سے ہماری بیعت لو۔ اگر انکار کریں تو سر روانہ کر دو (سعادت الکونین وغیرہ)۔
امام حسینؑ بہ کمال درجہ کے پابند شریعت اپنے نانا کے دین کے محافظ یزید کی بدکاریوں سے سخت نفرت کرتے اور
بیزار رہتے تھے۔ انھوں نے معاویہ کے تشدد پر اس کی ولی عہدی کی بیعت تو کی ہی نہ تھی۔ اب کا ہے کو بیعت
کرنے والے تھے؟۔ اُن سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ فرزند رسول ہو کر ایک فاسق و فاجر کی بیعت کر کے ایک نمونہ
قائم کر دیں۔ اور دین اسلام کو خاک میں ملا دیں۔ عبداللہ بن زبیر حضرت ابوبکر کے نواسے خود خلیفہ بننے
کی فکر میں تھے۔ غرض دونوں صاحب جب اُن سے بیعت یزید کے واسطے کہا گیا ۲۸ رجب کو مدینے سے

[1] انہی عبارت اصل کتاب کے صفحہ ۱۱۳ میں بھی نقل ہو چکی ہے۔ اور مشہور علامہ اہلسنت مولوی وحید الزماں
صاحب نے لکھا ہے "معاویہ جب مدینہ میں آئے تو ننگی تلواریں دے کر سپاہیوں کو کھڑا کر دیا اور کہا کہ میں
خطبہ پڑھتا ہوں۔ جو کوئی میری کسی بات کا انکار کرے اس کی گردن اُڑا دو۔ اور جھوٹ موٹ لوگوں کے
کہہ دیا کہ امام حسینؑ اور سب لوگوں نے یزید کی بیعت قبول کر لی۔ اب جان کے ڈر کے مارے بات کون کرتا ہے
سب خاموش رہے اور عام لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ جب امام حسینؑ نے یزید سے بیعت کر لی تو ہم کو بھی عذر نہ

نکل کر اس خیال سے مکہ میں آرہے کہ خانہ خدا میں کسی کو ستانا منع ہے۔ یہاں امن ملے گا۔ مکہ میں آکر عبداللہ بن زبیر تو خلافت حاصل کرنے کی ترکیبوں میں لگ گئے۔ اور امام حسین کے پاس کوفیوں کے بے شمار خطوط آنے شروع ہوگئے جنھوں نے بنی اُمیہ کے ظلم وستم سے مخلصی حاصل کرنے اور آپ کو اپنا امام پیشوا بنانے کی غرض کو طلب کیا۔ آپ نے اُن خطوط کا جواب نہ دیا۔ مگر جب کوفیوں نے آپ کو لکھا کہ یا ابن رسول اللہ ہم بنی اُمیہ کے ظلم وستم سے عاجز ہوگئے ہیں اور یزید کی بدکاریوں اور خلاف شریعت اعمال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ تشریف لاکر ہماری امامت قبول کیجئے۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو پیش خدا آپ کے گریباں گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کی نظر سے بلایا اور آپ نہیں تشریف لائے۔ جب اس مضمون کے خط پہونچے تو آپ پر کوفہ جانا واجب ہوگیا کیونکہ اُنھوں نے حجت تمام کردی۔ پھر باوجودیکہ آپ یہ جانتے تھے کہ کوفی غدار و بے وفا ہیں اور محمد بن حنفیہ۔ ابن عباس اور عبداللہ بن عمر وغیرہ اعزہ واقرب واحباب نے بھی بہت سمجھایا اور کوفہ جانے سے منع کیا مگر بروایت تاریخ الخمیس آپ نے فرمایا۔ مجھے رسول اللہ نے عالم خواب میں ایک حکم دیا ہے۔ اور اس کا بجالانا ضروری ہے آپ اُن کے روکے نہ رک سکے اول اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا جن سے ۱۸ ہزار کوفیوں نے بیعت کرلی۔ پھر ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو آپ بھی اہل وعیال کو ساتھ لیکر مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں سُنا کہ مسلم بن عقیل کی بیعت اہل کوفہ نے توڑ ڈالی ہے۔ اور عبیداللہ بن زیاد نے جس کو اسوقت کوفہ کی حکومت مل گئی تھی اُن کو ۹ ذی الحجہ کو شہید کرادیا۔ مگر آپ کو حکم رسول کی تعمیل ضروری تھی۔ آپ آگے نہ پھرے یہانتک کہ کربلا پہنچے۔ یہاں یزید کے حکم کے موافق عبیداللہ بن زیاد کی فوج نے جس کا سردار عمر بن سعد بن ابی وقاص تھا آپ کو گھیر لیا۔ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ یوم جمعہ کو کہ یوم عاشورا تھا صبح سے لڑائی ہوئی۔ عصر کے وقت تک امام حسین مع اپنے بہتر رفقا کے جن میں ۱۸ بنی ہاشم بھی تھے تین دن کے بھوکے پیاسے شہید ہوگئے۔ آپ کو شمر ذی الجوشن نے مثل گوسفند کے ذبح کرڈالا۔ اہل حرم اور عابد بیمار کو گرفتار کرکے اول کوفہ اور پھر دمشق پہنچادیا۔ یزید نے کچھ دنوں انکو قید رکھا پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں آل رسول کی تائید میں ہنگامہ نہ برپا ہوجائے اُن کو رہا کرکے مدینہ پہنچوادیا۔ کربلا کے بیگناہ قتل نے اسلام میں ایک تہلکہ ڈالدیا خصوصاً ایران میں ایک قومی جوش پیدا کردیا جس نے بعد میں بنی عباس کو بنی اُمیہ کے غارت کرنے میں بڑی مدد دی۔ چونکہ یزید تارک الصلوٰۃ اور شارب الخمر تھا اور

ہونا چاہیئے۔ اور اس حیلہ سے اکثر لوگوں سے بیعت لے لی (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۳۴۲) تمام دنیا کی تاریخیں ایسی مکاری، ایسے ظلم اور ایسے جعل وفریب کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہینگی ۱۲

بیٹی بہن سے نکاح کرتا اور کتوں سے کھیلتا تھا اس کی ملحدانہ حرکتوں اور امام حسینؑ کے شہید کرنے سے مدینہ میں اس قدر جوش پھیلا کہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کی معطلی کا اعلان کر دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بنا کر یزید کے گورنر عثمان بن محمد ابن ابوسفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ ابن حنبل کہتے ہیں کہ ہم نے اسوقت تک یزید کی خلافت سے انکار نہیں کیا جب تک ہمیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ آسمان سے پتھر برس پڑیں گے۔ غضب ہے کہ لوگ ماں بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کریں۔ علانیہ شرابیں پئیں اور نماز چھوڑ بیٹھیں۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو جو خون ریزی کی کثرت کے سبب مسرف کے نام سے مشہور ہے فوج دیکر اہل مدینہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے باب طیبہ کے قریب مقام حرہ پر شامیوں کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا مسلمانوں کی تعداد شامیوں سے بہت کم تھی، باوجودے کہ انھوں نے داد مردانگی دی مگر آخر شکست کھائی مدینہ کے چیدہ چیدہ بہادر، رسول اللہؐ کے بڑے بڑے صحابی، انصار و مہاجر اس ہنگامۂ آفت میں شہید ہو گئے۔ شامی لشکر میں گھس گئے۔ مزارات کو اُن کی زینت و آرائش کی خاطر مسمار کر دیا۔ ہزاروں عورتوں سے بدکاری کی۔ ہزار باکرہ کا ازالۂ بکارت کر ڈالا۔ شہر کو لوٹ لیا۔ تین دن قتل عام کرایا۔ دس ہزار سے زیادہ باشندگان مدینہ جن میں سات سو مہاجرین و انصار اور اتنے ہی حاملان و حافظان قرآن و علماء و صلحاء و محدث تھے اس واقعہ میں مقتول ہوئے۔ ہزاروں لڑکے لڑکیاں غلام بنائے گئے اور باقی لوگوں سے بہ شرط قبولی غلامی یزید کی بیعت لی گئی۔ مسجد نبوی اور حضرت کے حرم محترم میں گھوڑے بندھوائے گئے یہاں تک کہ لید کے انبار لگ گئے۔ یہ واقعہ جو تاریخ اسلام میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے ۲۷ یا ۲۸ ذی الحجہ کو ہوا تھا اس موقع پر مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ "کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا۔ ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ اسکا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لئے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ بقیہ تمام مدینہ کو یزید کا غلام بنایا گیا جس نے انکار کیا اُس کا سر اتارا گیا۔ ۔ ۔ اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا" (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۶) یہی سب باتیں کتاب سر الشہادتین سے بھی پہلے نقل کی جا چکی ہیں (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۲۸۴) قند مکرر کے خیال سے تاریخ اسلام سے بھی یہ عبارت نقل کر دی گئی

(۵) کیا یزید کی خلافت قائم ہو چکی اور صحیح ہوئی تھی؟

اس کے متعلق حضرات اہلسنت کے پیشوائے اعظم اور شیعوں کے مشہور بہت بڑے مہربان اور کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے جلیل القدر مصنف جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی تحقیق قابل دید ہے (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۲۴۰) سچ یہ ہے کہ موصوف سے بہتر کسی کو بھی اس کے فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہو سکتا۔

(۶) کیا امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہ کر کے اس سے بغاوت کی؟ اس کا جواب اس کتاب کے صفحہ ۳۲، ۵۸، ۶۷، ۷۸، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۶۳ تا ۱۶۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۲، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۲، ۲۳۹، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۴، بلکہ بہت کثرت سے صفحوں میں قابل دید ہے، خاصکر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے جواب کو ناظرین کتاب کے صفحہ ۲۳۹ تا ۲۴۳ سے حفظ کر ڈالیں۔

(۷) حضرت کے اعزہ و اقربہ و احباب نے بھی بہت سمجھایا مگر حضرت اپنی ضد پر قائم رہے؟ اس کی حقیقت بھی متعدد صفحات میں ظاہر کر دی گئی ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۶۳، ۳۰۳، ۳۰۵ وغیرہ۔ کل اخیار و مرسلین و ہادیان دین کا یہی اصول رہا ہے کہ وہ صرف حکم خدا کے پابند رہتے اور اس کے مقابلہ میں نہ اپنے اعزہ کی کچھ سنتے تھے۔ نہ اقربہ کے مشورہ پر عمل کرتے تھے اور نہ احباب کی رایوں پر چلتے تھے۔

(۸) کیا امام نے غلطی کی اور حکم خدا ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ کے خلاف کیا؟ اس کی بحث بھی متعدد جگہ کر دی گئی ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۹۸، ۳۰۵، ۳۰۶ وغیرہ۔ اگر حضرت امام حسین نے معاذاللہ ایسا کیا تو حضرت رسولخدا صلعم کے لئے میں کیا کہا جائے گا کیونکہ حضرت تو ۱۳ برس تک مکہ معظمہ میں بالکل وہی کرتے رہے جو امام حسینؑ نے صرف پانچ ماہ دس دن میں کیا۔ اعتراض کرنے والے حضرت رسول خدا صلعم کے حالات زندگی کو پیش نظر رکھ لیا کریں تو ان کی ہر بات کا جواب امام حسینؑ کے نانا ہی نے دے دیئے ہیں اور تشفی کرنے کے لئے کافی ہیں کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہو گی۔ خدا نے بھی فرما دیا ہے ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اے مسلمانو! رسول کی ذات میں تمہارے لئے بہت اچھا نمونہ موجود ہے۔

(۹) کیا حضرت امام حسینؑ سلطنت کے لالچ اور بادشاہت کی طمع میں کوفہ کی طرف گئے؟ یہ خیال بھی بالکل جاہلوں بلکہ محض پاگلوں کا ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت کا یہ ارادہ ہوتا تو مدینہ سے اپنے سب اعزہ کو لے کر روانہ ہوتے۔ یا کوفیوں کے خطوط آنے کے بعد مکہ معظمہ سے بہت بڑی فوج لیکر چلتے۔ یا جب حرؑ کے لشکر نے آپ کو گھیر لیا تو اسوقت اپنی کم تعداد دیکھکر اور اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر یزید کی بیعت کر لیتے۔ یا جب کربلا میں پہونچ گئے اور اپنے ۸۲ ساتھیوں کے مقابلہ میں ۲۲ ہزار کوفیوں کو اپنے خون کا پیاسا دیکھ لیا تو اُس وقت یزید کی بیعت کر لیتے۔ یا جب حضرت پر ۷ محرم سے پانی بند کر دیا گیا اور سب پیاس سے تڑپنے لگے حضرت بھی ابن زیاد کی اطاعت کر لیتے۔ ان

سب کے عوض حضرت اُلٹا اپنے ساتھیوں کو اپنے سے جُدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ خاص طور پر مولوی ابوالکلام آزاد صاحب کی کتاب شہید اعظم ہی کی وہ عبارت پڑھ لی جائے جو اس کتاب کے صفحہ ۲۲۹ میں نقل کی جاچکی ہے جس میں حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا "تم سب خاموشی کے ساتھ نکل جاؤ۔ میں تمھیں خوشی سے رخصت کرتا ہوں" اس کے عوض حضرت نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بھائیو! میں تو سلطنت حاصل کرنے اور بادشاہت پر قبضہ پانے کی امید پر تم لوگوں کو یہاں تک لایا تھا۔ اب تو حکومت میں کامیاب ہونے کی ذرہ برابر امید باقی نہیں رہی۔ یقیناً ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے اب میں بھی یزید کی بیعت کر لیتا ہوں تم لوگ بھی کرلو اور زندہ رہو پھولو پھلو۔ مگر اس قسم کا کلام کہیں بھی حضرت نے نہیں فرمایا بلکہ جب ۹ محرم کو یزیدی فوج حملہ کرنے کو بڑھی تو اُس وقت حضرت شب بھر کی مہلت بھی عبادت کے لئے نہیں لیتے بلکہ یقین کر لیتے کہ اب زندگی کی امید نہیں رہی جب زندہ ہی نہیں رہیں گے تو بادشاہت کی امید کیوں کریں؟ لیکن حضرت تو اسلام کے بچانے ہی کو مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اُسی مقصد پر ۱۰ محرم کے عصر تک قائم رہے اس کے سوائے حضرت کی کوئی غرض تھی ہی نہیں۔

(۹) کیا یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم ابن زیاد کو نہیں دیا؟ اس کا دامن اس دھبے سے پاک اور صاف ہے؟

اگر اس نے نہیں دیا تو بڑے بڑے علماء اہلسنت نے یزید کو کافر کیوں کہا؟ اس کتاب کے صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۹ و ۲۹۹ تا ۳۰۳ وغیرہ کو دیکھ جاؤ (۲) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے کہ ان خبروں کے سننے سے یزید غضب ناک ہوا اور ولید حاکم مدینہ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ عبداللہ بن زبیر کی تلاش چھوڑ دو۔ وہ میرے غضب سے کہاں بھاگ سکیں گے؟ البتہ حسین بن علی کا سر جواب خط کے ساتھ روانہ کردو (روضۃ الاحباب نسخہ قلمی) (۳) مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد رشید شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ یزید پلید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔ اس فعل پر راضی ہوا۔ اور اس واقعہ سے مطمئن ہو کر خوش ہوگیا۔ جمہور اہلسنت کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد کتابوں میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاۃ۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی مناقب السادات علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین صفحہ ۷۰) پھر لکھا ہے یزید جب حسینؑ کو قتل کر کے

خوش ہوگیا۔ (الیضا صفحہ ۱۰۱) و (۴) پھر لکھا ہے علامہ شبراوی نے لکھا ہے "کوئی شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اس نے اہلبیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا دیئے۔ اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا۔ امام کو تو قتل کیا اور آپ کے اہل وعیال کو قیدی بنایا۔ (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸) (۵) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے یزید پر لعنت جائز ہے کیونکہ جب اس نے امام حسین کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہوگیا۔ حق یہ ہے کہ قتل امام حسینؑ پر یزید کا راضی اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہلبیت کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے۔ (شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۸۵) (۶) بالکل یہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۸۱ میں بھی ہے (۷) علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے پھر یزید نے اپنے حاکم عراق ابن زیاد کو لکھا امام حسین سے قتال کرو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۰) (۸) مورخ جلیل علامہ مسعودی نے لکھا ہے "جب بنی عباس نے بنی امیہ کو تباہ و برباد کر کے اُن سے سلطنت چھین لی تو بنی عباس کے ایک سردار نے خلفاء بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیوں کو گرفتار کر کے سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس بھیجا۔ جب وہ دربار میں داخل ہوئیں تو بڑی لڑکی نے صالح بن علی سے کہا حضور ہم لوگوں پر رحم فرمائیں اور ہمیں آزاد کردیں۔ صالح بن علی نے جواب دیا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ کیا تمھارے باپ دادا نے آج سے پہلے میرے بھتیجے کو قتل نہیں کیا؟ کیا ہشام نے حضرت زید کو قتل نہیں کیا؟ کیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید نے امام حسینؑ کو حضرت کے بکثرت عزیزوں اور ساتھیوں کے ہمراہ قتل نہیں کیا کیا یزید کے حکم سے عمر سعد نے حضرت رسولؐ کے حرم کو قید کر کے یزید کے پاس اور ان مخدرات عصمت وطہارت کے لانے کے پہلے امام حسین کے سر کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا؟ اس طرح کہ حضرت کا سر نیزہ کی نوک پر نصب تھا۔ اسی طرح لوگ اس سر کو یزید کے پاس دمشق میں لائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی مشرک کا سر لایا گیا ہے۔ پھر حضرت رسولؐ کے حرم کو اسی طرح قیدی بنا کر وہاں کھڑا کرایا کہ اہل شام کے بدمعاش شیطان لشکر والے ان بیچاریوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے تکتے اور گھورتے تھے اور یزید سے سوال کرتے تھے کہ حرم رسول کی لڑکیاں ان کو دے تاکہ وہ لونڈی بنائیں۔ یہ سب کارروائی حضرت رسول کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے اور خدا سے ڈھٹائی اور اس کی نعمتوں سے کفران کر کے انجام دی گئی (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲) اس سے واضح ہوا کہ بنی عباس کے خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی نے مروان کی بیٹیوں سے کہا کہ یزید ہی نے امام حسین کو قتل کیا اور رسول کے اہل بیت کو قیدی بنا کر دربدر پھرایا۔ اور بنی امیہ کی شاہزادیوں نے کسی الزام سے بھی انکار نہیں کیا کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی گواہی ہوسکتی ہے؟ (۹) اسی علامہ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب لوگوں کو یزید اور اس کے عمال کے جور وستم نے گھیر لیا اور اس کا ظلم عام ہوگیا اور اس کا فسق کھل گیا کہ اس نے حضرت رسولؐ کے

نواسے اور آپ کے انصار کو قتل کر دیا اور اسکی شراب خواری اور فرعونی روش کے واقعات ظاہر ہوگئے (بلکہ فرعون تو اپنی رعیت میں یزید سے کہیں زیادہ عادل اور منصف مزاج تھا) تب مدینہ والوں نے یزید کے عامل مدینہ کو اپنے یہاں سے نکال دیا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۲۶) (۱۰) پھر لکھا ہے یزید وغیرہ کی عجیب خبریں اور بڑی بڑائیاں ہیں۔ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسول کو قتل کر دیا خانہ کعبہ کو ڈھایا۔ اس میں آگ لگا دی۔ لوگوں کے خون بہا دیئے۔ اور دوسرے فسق و فجور اس کثرت سے کئے جن کے متعلق خدا کا یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ ان گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ جس طرح خدا کا یہی وعدہ ان لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جو خدا کی توحید کا انکار اور اس کے رسول کی مخالفت کریں۔ غرض یزید اور کفار سب برابر ہیں۔ (مروج الذہب جلد ۳ صفحہ ۱۵۲) (۱۱) علامہ احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ نے لکھا ہے کہ جب یزید کے مرنے پر ابن زیاد عراق سے بھاگا تو اس کے ساتھی نے کہا شاید آپ اسلئے پریشان ہوں کہ کیوں امام حسین کو قتل کیا تو ابن زیاد نے جواب دیا کہ امام حسین کو قتل کیا تو اسوجہ سے کہ مجھے یزید نے اسکا حکم دیا تھا کہ امام حسین کو قتل کر دو اب اگر یہ خطا تھی تو اسکا الزام یزید پر۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۸۳) (۱۲) علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا میں نے امام حسین کو قتل کیا تو اسوجہ سے کہ یزید نے مجھکو اشارہ کیا کہ حضرت کو قتل کر دوں۔ اگر قتل نہیں کر دوں گا تو یزید مجھ ہی کو قتل کر دے گا۔ اس وجہ سے میں نے امام حسین ہی کا قتل کر دینا پسند کیا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۵) اس سے معلوم ہوا یزید نے ابن زیاد پر اتنی سختی کی کہ اسکو دھمکی دی تھی اگر تو امام حسین کو قتل نہیں کرے گا تو میں تجھ ہی کو قتل کر دوں گا۔ (۱۳) خود یزید نے اپنے اشعار میں اقرار کیا کہ میں نے امام حسین کو قتل کیا۔ اور حضرت کے سر کو سامنے رکھے ہوئے کہتا تھا۔ کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر مجھکو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لیا۔ میں نے ان کے چنے ہوئے بزرگوں کو قتل کیا اور جنگ بدر کا پورا عوض لے لیا۔ اگر میں رسول کی اولاد سے اس طرح انتقام نہ لیتا تو اپنے خاندان میں شمار ہی نہیں ہوتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ ان کے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی (رسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۹۹۔ الامتحان صفحہ ۱۸۔ مفتاح النجاۃ، شہادۃ حسین صفحہ ۵۹ و تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸) (۱۴) حضرت رسولؐ کی پیشنگوئی تھی کہ یزید امام حسینؑ کو قتل کرے گا۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آنحضرت کا۔ آپ نے یزید مردود و ملعون کی خبر دی کہ وہ امام حسین کو قتل کرائے گا۔ ایسا ہی ہوا اس یزید پلید خبیث ناپاک ملعون نے امام حسین کو مع اولاد و اعزہ و رفقاء بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ و پیاسا رکھکر قتل کرایا لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر" (انوار اللغۃ

پارہ ۱۰ صفحہ ۱۴) (۱۵) جب واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لینی شروع کی اور جناب عبداللہ ابن عباس نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا جس کی خبر یزید کو ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ ابن عباس نے ابن زبیر کی بیعت اس وجہ سے نہیں کی ہے کہ وہ (ابن عباس) اسی (یزید) کی بیعت پر ہیں اور اسی کو خلیفہ جانتے ہیں تو اس نے بڑی خوشی میں ایک خط جناب ابن عباس کو لکھا جس میں تحریر کیا (صرف ترجمہ نقل کیا جاتا ہے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ملحد عبداللہ بن زبیر نے تم سے اپنی بیعت کی فرمائش کی۔ مگر تم اپنی وفاداری کی وجہ سے میری بیعت پر قائم رہے اور اسکی بیعت سے انکار کر دیا۔ صلہ رحم کرنے والوں، اپنی قرابت کا لحاظ رکھنے والوں اور اپنے عہد پر باقی رہنے والوں کو خدا جو جزا عطا کرے گا اس سے بھی بہتر جزا تم کو عطا فرمائے کہ تم نے اپنی قرابت کا خوب پاس کیا۔ اب چاہے دنیا کی اور باتوں کو میں بھول جاؤں مگر تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ بلکہ تمہارے اس صلہ رحم کا خاطر خواہ اور تمہاری شان کے لائق بدلہ بہت جلد تمکو دوں گا۔ اپنی تیرا احسان عظیم کروں گا۔ جاگیر، عہدہ، حکومت سب ہی عطا کردوں گا۔ اسوقت دیکھیو وہاں دُور دُور سے جو لوگ آئیں جن پر ابن زبیر نے اپنی زبان سے جادو کر دیا جو ان سب کو اسکے کچے چٹھے کی خبر کر دو۔ کیونکہ وہ لوگ تمہاری بات سب سے زیادہ سنیں گے۔ اور اس موقع و محل پر تمہاری اطاعت سب سے زیادہ کریں گے...... اس کے جواب میں جناب عبداللہ بن عباس نے یزید کو جو خط لکھا اس کا ترجمہ یہ ہے "مجھے تیرا خط ملا۔ میں نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت سے جو انکار کیا تو خدا کی قسم اس وجہ سے نہیں کہ میں تیری مہربانی اور انعام کی امید رکھوں یا تو میرا شکریہ ادا کرے بلکہ اس سے میری جو غرض ہے اسکو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ تو نے مجھے لکھا ہے کہ "تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا" اسکا جواب یہ ہے کہ اے مردک! تو اپنے انعام سے مجھے معاف رکھ۔ میں خود بھی اپنی مہربانی تجھ سے روکے رہونگا تو نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں لوگوں کو تیرا دوست اور ابن زبیر کا دشمن بنا دوں۔ اور انکو ابن زبیر سے الگ کر دوں کہ پھر وہ اُن کا ساتھ نہ دیں۔ مگر یہ نہیں ہونے کا ہے نہ میں پسند کرتا ہوں۔ نہ یہ شریفوں کا کام ہے اور تو کس عقل سے مجھ سے ان باتوں کی امید رکھتا ہے؟ حالانکہ تو ہی نے امام حسینؑ اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین و ایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے تیرے ہی حکم سے تیری فوج نے ان سب کو ایک ہی زمین پر ذبح کر کے چھوڑ دیا کہ وہ سب اپنے خون میں لتھڑے ہوئے پڑے رہے۔ پھر ان کے لباس بھی لٹوائے اور ان کی برہنہ لاشیں اسی طرح چٹیل میدان میں چھڑوا دیں ہائے وہ حضرات پیاسے ہی مار ڈالے گئے اور پھر نہ ان کو کفن دیا گیا نہ دفن کیا گیا۔ میدان گرم کی ہوائیں انکے

بدن کو جھلساتی رہیں اور تپھریلی زمین کے موذان پر گرد و غبار کے جھونکے چلاتے رہے یہاں تک کہ خدا نے ایک ایسی قوم کو مقرر کر دیا جو ان حضرات کی خوں ریزی میں شریک نہیں ہوئی تھی انھوں نے ان کو کفن پہنا کر دفن کر دیا۔ میں اپنی اور ان بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے اور کسی طرح تیرے تخت پر بیٹھنے کا موقع مجھ کو مل جائے تو دنیا کی اور باتوں کو چاہے میں بھول بھی جاؤں مگر تیرے اس ظلم کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ تو نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت رسول خدا ص کے روضہ سے آوارہ وطن کیا اور وہاں سے نکال کر خانہ کعبہ میں پہنچایا۔ پھر برابر تو اپنے سواروں کو ان کی طرف بھیجتا گیا اور ان کے پیچھے پڑا رہا۔ یہاں تک کہ ان کو مکہ معظمہ سے بھی چھڑا کر عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت خانہ کعبہ سے ڈرتے ڈرتے جدا ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیرے دل میں خدا و رسول اور حضرتؑ کے اُن اہل بیت کی جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھا ہے اور جن کو اس طرح پاک و پاکیزہ کیا ہے جس سے زیادہ پاکیزگی ہو نہیں سکتی۔ جو دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اُسکی وجہ سے حضرت پر تیری فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اب بھی حضرت تم لوگوں سے صلح و آشتی ہی سے پیش آتے رہے اور اپنے امکان بھر تم لوگوں کو جنگ و خوں ریزی سے بچانا ہی چاہا مگر تم لوگوں نے حضرت کے انصار کی تعداد کی کمی سے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور حضرت کو آپ کے اہل بیت و انصار سب کے ساتھ مٹا کر ہی چھوڑا اور اس طرح اُن حضرات کے درپے ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا تم لوگوں نے اُن حضرات کو ترک اور دیگر کافر قومیں سمجھ لی تھیں۔ ایسی حالت میں میرے لئے اس سے زیادہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہو سکتی کہ یہ سب کرنے کے بعد بھی تو میری دوستی کا خواہاں ہے۔ درصورتیکہ تو نے ہی میرے خاندان والوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور ابھی تک تیری تلواروں سے ہم لوگوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ یاد رکھ میں تو اس فکر میں ہوں کہ موقع ملے تو تیرا خون بھی پی ڈالوں۔ یہ بھی سمجھ رکھ کہ اگر تو ہم لوگوں پر غالب آگیا تو اس پر مغرور نہ ہو کیونکہ انشاءاللہ دوسرے روز (قیامت میں) ہم لوگ ہی تجھ پر غالب آئیں گے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۰) اس زمانہ میں یزید کے جو بعض طرفدار کہنے لگے ہیں کہ یزید نے امام حسین کو قتل نہیں کیا بلکہ ابن زیاد نے اپنی خود رائی سے قتل کیا وہ حضرات آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ یزید کا امام حسین ع کو قتل کرانا ایسا ہی واقعہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایسے محترم صحابی نے ابن زیاد کا نام تک نہیں لیا اور پورا الزام یزید کو دیا کہ تم ہی نے امام حسین ع کو مدینہ سے نکالا۔ مکہ معظمہ سے ہٹایا اور اپنی فوجیں بھیجکر حضرت کو قتل کیا۔ اور اس کی وجہ بھی ظاہر کر دی کہ یزید کے دل میں خدا و رسول اور اہلبیت طاہرین کی جو عداوت مدت دراز سے بھری تھی اسی سبب سے اُس نے ایسا کیا۔ (۱۲)

خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے بھی یزید ہی کو قاتل کہا ہے۔ چنانچہ لکھا پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم یہ کیا کہ حضرت رسول خداؐ کے فرزند اور حضرت فاطمہؑ کے جگر پارہ امام حسین کو شہید کیا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کافروں کو قتل کر رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸)

(۱۱) کیا یزید کو امام حسینؑ کی اتنی محبت تھی کہ خبر شہادت سنکر رونے لگا اور ابن زیاد پر لعنت کی؟

ہر عقل والا بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یزید امام حسینؑ کی محبت کی وجہ سے نہیں رویا بلکہ اپنے پیدا کئے ہوئے فتنہ کے نتائج سے ڈر کر اپنے قائم ہونے فساد کی دنیوی سزا سے سہم کر۔ اپنی فرعونیت کے عواقب سے تھرّا گیا اور اپنا نیز اپنے خاندان کا انجام سوچ کر رو دیا کہ اب امام حسینؑ کے ماننے والے ان سب کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور تمام دنیائے اسلام اس کی دشمن ہو جائے گی چنانچہ آج تک دنیا بھر کے مسلمان اس پر لعنت کرتے۔ اسکے نام پر تھوکتے اور اسکو شیطان سے بھی زیادہ قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ یزید کس کا بیٹا تھا؟ جسکے جعل و فریب کے واقعات کس کو معلوم نہیں؟ پھر وہ بھی لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کیوں نہ کرتا؟ جب امام حسین قتل ہو گئے۔ تو دوسروں کا غیظ و غضب ہٹانے کے لئے رُونے بھی لگا اور کہنے بھی لگا کہ میں نے نہیں قتل کرایا۔ ابن زیاد نے قتل کیا۔ خدا اس پر لعنت کرے۔ یہ سب سیاست کے تماشے ہیں۔ معاویہ کے صرف ایک ہی فریب کا واقعہ اونٹ اور دمشقی کا قصہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں ناظرین پھر پڑھ لیں۔ ساتھ ہی خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ مامون کو بھی یاد کر لیں کہ اپنے بڑے بھائی امین کو شکست دیکر اس کو قتل بھی کر دیا پھر اُس کے قاتل کو پوری سزا بھی دے دی اور اسکی ماں (یعنی اپنی سوتیلی اور امین کی حقیقی ماں زبیدہ) سے مل کر خوب رویا بھی اور امین کے بیٹوں کو متبنیٰ کر کے ان سے اپنی لڑکیاں بھی بیاہ دیں (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۱)۔ اسی خلیفہ مامون نے حضرت امام علی رضاؑ کو زہر سے شہید بھی کیا اور جب حضرت وفات پاگئے۔ تو خوب رُویا بھی۔ ماتم بھی کیا حضرت کو بڑی عزت سے دفن بھی کیا۔ حضرت کا مقبرہ بھی بنوایا اور حضرت کے صاحبزادے امام محمد تقیؑ سے اپنی بیٹی ام الفضل بھی بیاہ دی (دیکھو تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۱۹) مروج الذہب جلد ۹ صفحہ ۳۳ روائح المصطفیٰ صفحہ ۲۴۲ کتاب الفخری صفحہ ۱۱۹ نورالابصار صفحہ ۱۴۴ (وغیرہ)۔ یزید نے جو گفتگو حضرت زینب سے کی اُس سے بھی سمجھ جائیے کہ اُس کا ردّ کیسا تھا اور وہ کس درجہ فرعون بنا ہوا تھا۔

(۱۲) کیا ابن زیاد نے اہلبیت پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ نہ ان کی کوئی ذلت کی؟

اس کی حقیقت بھی اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۲ کو

واضح ہو جاتی ہے۔ کچھ اور شواہد بھی سُن لیجئے (۱) مورخ اعظم علامہ طبری نے لکھا ہے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے بدن پر جو کچھ تھا سب لوٹ لیا گیا۔ کوئی حضرت کا پائجامہ اتار لے گیا۔ کوئی جوتے لے گیا۔ اور بہت سے لوگ وہیں زیوروں۔ اور اونٹوں پر ٹوٹ پڑے اور سب لوٹ لیا۔ اور بہت سے لوگ حضرت کی بہنوں بیٹیوں، حضرت کے ال، اسباب وغیرہ پر جھپٹے۔ ان کے بدنوں پر سے ان کے لباس تک اتارنے لگے۔ وہ بے چاریاں اپنے کپڑوں کو بچانے کی کوشش کرتی ہی رہیں مگر ان ظالموں کا مقابلہ کیسے کرتیں۔ وہ سب لوٹ لے گئے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۰) جب مشہور صحابی رسول زید بن ارقم نے یہ دیکھا... اور وہ کہتے تھے ایک غلام نے دوسرے غلام کو لوگوں کا حاکم بنا دیا تو اس نے لوگوں کو اس درجہ ذلیل کر دیا کہ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ اُس کے پُرانے لونڈی غلام ہیں۔ اے عرب والو! اب آج سے تم سب لوگ واقعتاً غلام بن گئے۔ تم لوگوں نے فرزند رسولؐ کو قتل کر دیا۔ اور ابن مرجانہ (ابن زیاد) کی حکومت مان لی۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تم میں سے اچھے لوگوں کو قتل کر رہا اور بُرے لوگوں کو غلام بنا رہا ہے اور تم سب لوگ اس ذلت کو خوشی سے دیکھ رہے ہو۔ جو لوگ ایسی ذلت پر راضی ہو رہے ہیں وہ جلد دُنیا سے دُور ہو جائیں (صفحہ ۲۶۲) پھر ابن زیاد نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو کسی اونچی چیز پر نصب کرا کے تمام کوفہ میں گھماتے رہنے کا انتظام کیا (صفحہ ۲۶۴) پھر ابن زیاد نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو یزید کی طرف رخصت کر دیا جائے اور امام زین العابدینؑ کو آپکی گردن تک ایک زنجیر سے جکڑ دیا۔ پھر سب کو شام روانہ کر دیا (صفحہ ۲۶۴)۔ اسیطرح بہت سی ذلت کی باتیں اس کتاب میں ہیں۔ (۲) اور علامہ شبلنجی نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے زحر بن قیس کی نگرانی اور ماتحتی میں امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے سر یزید کے پاس بھیجدیئے۔ اس طرح کہ اس نے عورتوں اور بچوں کو ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر ننگے۔ بے پردہ۔ کجاووں پر بٹھا کر روانہ کیا تھا۔ ان سب کے ساتھ امام زین العابدینؑ بھی تھے۔ ابن زیاد نے حضرت کے ہاتھوں اور گلے کو طوق و زنجیر سے جکڑ دیا۔ اسی حال سے وہ حضرات شام میں لائے گئے (نور الابصار صفحہ ۱۳۱ کی عبارت کا ترجمہ) (۳) ور علامہ شبراوی نے لکھا ہے امام حسینؑ کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ بچے اور عورتیں بھی تھیں جو ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر کجاووں میں خوب جکڑ دی گئی اور اچھی طرح رسیوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ رسولؐ کی عورتیں بالکل ننگے چہروں اور برہنہ سروں سے بٹھا دی گئی تھیں اور امام زین العابدینؑ کے ہاتھ اور گلے میں طوق و زنجیر پہنا دی گئی تھی۔ (اتحاف صفحہ ۱۷ کی عبارت کا ترجمہ) (۴) پھر لکھا ہے زمانہ کے حیرت خیز حادثوں اور اسکے دردناک و مصیبت خیز واقعات سے یہ بھی ہے کہ حضرت

اور حضرت رسول کی اولاد ننگے کجاووں پر رکھکر اونٹوں پر بٹھادی اور رسیوں سے جکڑ دی گئی تھیں اور حضرت رسول کے خاندان کی عورتیں کھلے چہروں اور ننگے سروں کے ساتھ بالکل بے پردہ عراق سے دربار یزید تک پہنچائی گئیں۔ جب یہ حضرات دمشق میں پہنچے تو جامع مسجد کے چبوترے پر اتارے گئے جہاں عام طور پر قیدی اور لونڈی غلام رکھے جاتے تھے۔ (اتحاف صـ۲۳ کی عبارت کا ترجمہ) (۵) علامہ محمد بن طلحہ و ابن صباغ و شبلنجی وابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ امام حسین ع کی مخدرات اور لڑکے اس طرح ہنکائے جاتے تھے۔ جس طرح قیدی ہنکائے جاتے ہیں (فصول مہمہ صـ۲۰۴ و نور الابصار صفحہ ۱۳۱ و صواعق محرقہ صـ۱۱۹ و مطالب السئول صفحہ ۲۰۹ کی عبارتوں کا ترجمہ) (۶) علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے ابن زیاد نے امام حسین ع کے سر مبارک کو قیدیوں کے ساتھ اس طرح یزید کی طرف بھیجا کہ وہ سب رسیوں میں جکڑ دی گئی تھیں۔ بچے اور عورتیں جو سب دختران رسول تھیں اونٹوں کے کجاووں سے جکڑ کر باندھ دی گئی تھیں اور ان کے سر اور چہرے سب بے پردہ تھے۔ امام زین العابدین ع اور خاندان رسول کی عورتیں رسیوں سے جکڑ کر باندھ دی گئی تھیں۔ دربار یزید میں پہنچکر امام زین العابدین ع نے پوچھا کہ اے یزید تیرا کیا گمان ہے رسول اللہ کی کیا حالت ہوتی ہوگی جب ہملوگ رسیوں میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں اور اونٹوں کے کجاووں پر بالکل ننگے لائے گئے ہیں۔ یہ سنکر سب کے سب رونے لگے (تذکرہ خواص الامہ صـ۱۴۹ کی عبارت کا ترجمہ) (۷) علامہ ابو الفرج نے لکھا ہے۔ کہ امام حسین کے اہلبیت یزید کے پاس قیدی بناکر لائے گئے (مقاتل الطالبین صـ۸۰ کی عبارت کا ترجمہ) (۸) علامہ ابو اسحاق اسفرائینی نے لکھا ہے دشمنوں نے حضرات اہلبیت کو لوگوں کی بھیڑ میں کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ ننگے سر بے پردہ کجاووں اور اونٹوں پر سوار کیا اور اس طرح ہنکا کر لے گئے جس طرح ملک روم کے کافر قیدی بدترین ظلموں اور مصیبتوں کے ساتھ ہنکا کر لائے جاتے ہیں۔ سہل بن سعد ساعدی بیان کرتا تھا کہ دفعتہً کچھ اونٹ دمشق میں داخل ہوئے جن پر امام حسین ع اور شہداء کربلا کی عورتیں اسطرح ڈال دی گئی تھیں کہ نہ ان کے سروں پر کوئی پردہ تھا نہ اونٹوں پر کوئی کپڑا (چارجامہ وغیرہ) تھا۔ بس اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر وہ سوار کردی گئی تھیں۔ اور امام زین العابدین ع تنہا ایک اونٹ پر تھے جو بہت کمزور ہوگئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان سب حضرات کی رانوں سے خون بہہ رہا تھا (نور العین صفحہ ۴۹ کی عبارت کا ترجمہ) (۹) ایک اور بہت قدیم علامہ ابن عبد ربہ نے لکھا ہے امام زین العابدین ع نے جو قیدی بنائے ہوئے تھے یزید سے کہا۔۔۔ یہ حضرات اپنا حال اس طرح بیان کرتے تھے کہ امام حسین ع کی شہادت کے بعد ہملوگ دربار یزید میں لائے گئے۔ ہم سب بارہ لڑکے تھے۔ سب سے بڑے امام زین العابدین ع تھے

ہم سب وہاں اس طرح پہنچے کہ ہم لوگوں کے ہاتھ پشت گردن سے جکڑ کر بندھے تھے اور مخدرات عصمت قیدی بنا کر ننگے کجاووں پر بٹھا کر کوفہ سے شام تک لائی گئیں۔ یہ لوگ یزید کے سامنے آئے تو امام حسین کی بیٹی فاطمہ نے یزید کو دکھا دیا کہ ہم لوگ اس ذلت سے قیدی بنا کر تیرے پاس بھیجے گئے ہیں۔ وہ سب بارہ لڑکے بھی قیدی بنا کر ہی وہاں پہنچائے گئے تھے (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ کی عبارت کا ترجمہ) (۱۰) علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے امام حسین کے شہید کر دیئے جانے پر مخدرات اہل بیت قیدی بنا لی گئیں۔ ان میں امام حسین کی بیٹی فاطمہ۔ امام محمد باقر وغیرہ تھے یہ حضرات فرماتے تھے کہ ہم لوگ دربار یزید میں اس طرح پہنچائے گئے کہ ہم سب گنتی میں بارہ تھے جو لوہے کی زنجیروں سے جکڑ دیئے گئے تھے اور صرف کرتے پہنے ہوئے تھے (کتاب الامامت والسیاست جلد ۲ صفحہ ۲۱ کی عبارت کا ترجمہ) (۱۱) علامہ ابو اسحاق اسفرائنی نے لکھا ہے۔ یزیدی فوج والوں نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا دیکھو حسین کے خیمے وہ سامنے ہیں ان کو لوٹ لو۔ یہ سنکر وہ کم بخت گھس پڑے اور عورتوں اور بچوں کو لوٹنے لگے۔ پھر ان خیموں کو کاٹ ڈالا۔ یہ دیکھ کر حضرت ام کلثوم باہر نکل کر ابن سعد سے کہنے لگیں۔ اے ابن سعد تو نے ہم لوگوں پر کون کون ظلم نہیں کئے۔ رسول کے نواسے کو تو نے قتل کر دیا ان کے بچوں کے اوپر بھی رحم نہیں کیا اور نہ ان کی عورتوں پر تجھ کو ترس آیا۔ مگر ابن سعد کچھ نہ بولا۔ حضرت زینب کہتی تھیں اسوقت ہم سب اپنے خیموں میں بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ کچھ لوگ ہمارے خیموں میں گھس پڑے اور جو کچھ مال و اسباب تھے سب لوٹ لے گئے۔ پھر میرے بھتیجے زین العابدین پر ظالموں کی نظر پڑ گئی جو ایک چمڑے پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کھال کو بھی ظالموں نے کھینچ لیا اور زین العابدین کو زمین پر پھینک دیا۔ پھر میرے سر سے چادر چھین لی۔ اس کے بعد میرے کان کے بندوں کو کھینچنے لگے۔ وہ نہ نکل سکے تو اپنے دانتوں سے میرے کان کاٹ کر بندے اتار لئے جس سے میرے کان زخمی ہو گئے۔ اور میرے کپڑوں پر خون بہنے لگا۔ پھر اس دشمن کی نظر فاطمہ صغریٰ کے پاؤں میں خلخال پر پڑ گئی۔ اسکو بھی وہ کھینچنے لگا۔ اور دونوں کو توڑ کر اتار لیا۔ اس سے فاطمہ صغریٰ نے کہا تو ہمیں لوٹتا اور روتا بھی جاتا ہے؟ اس نے کہا اے اہلبیت! آپ لوگوں پر جو مصیبتیں پڑیں اُن پر رو رہا ہوں۔ حضرت زینب فرماتی تھیں کہ میں نے اپنے کانوں کے درد اور فاطمہ صغریٰ کے تڑپ کر رونے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی (نور العین مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴ کی عبارت کا ترجمہ) (۱۲) اور علامہ شبراوی نے لکھا ہے یزید کی فوج والے حضرت کے خیموں میں گھس گئے۔ سب مال و اسباب اور عورتوں کے کپڑے تک لوٹ لئے (الاتحاف صفحہ ۱۷ کی عبارت کا ترجمہ) (۱۳) علامہ محمد بن

طلحہ نے لکھا ہے یزیدی فوج حضرت کے خیموں میں گھس پڑی اور مخدرات عصمت کے اسباب اور کپڑوں کو لوٹ لیا۔ (مطالب السئول صفحہ ۲۵۹ کی عبارت کا ترجمہ) (۱۴) علامہ ابن واضح کاتب عباسی نے لکھا ہے امام حسین کے خیموں اور عورتوں کو یزیدی فوج نے لوٹ لیا (تاریخ یعقوبی کی عبارت کا ترجمہ) اور (۱۵) مشہور مورخ کبیر علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے یزیدی لشکر حضرت امام حسین پر بار بار حملے کر رہا تھا جس سے حضرت کبھی اٹھ جاتے اور کبھی گر پڑتے تھے۔ یہانتک کہ سنان بن انس نے حضرت کو ذبح اور حضرت کے سر مبارک کو جدا کر کے خولی کے حوالے کر دیا۔ جسکے بعد سردار لشکر عمر بن سعد نے حضرت کے اور آپ کے انصار کے سروں کو اسی دن ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا۔ اسکے بعد حضرت کی فوج والے حضرت کے جسم مبارک پر کے کپڑے وغیرہ لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص حضرت کا پائے جامہ اتارے گیا۔ دوسرا حضرت کی چادر لے گیا۔ تیسرا حضرت کے جوتے اتارے گیا۔ چوتھا حضرت کا عمامہ لے گیا۔ پھر سب لوگ حضرت کے فرشوں، زیوروں اور اونٹوں پر جھک پڑے اور سب کو لوٹ لیا۔ حضرت کے مال واسباب اور استعمال کی باقی چیزوں کو بھی لوٹا۔ یہاں تک کہ عورتیں جو کپڑے پہنے ہوئے تھیں ان سب کو بھی ان کی پشت سے پوری سختی اور مار پیٹ سے اتارے اور لوٹتے جاتے تھے۔ پھر لوگ امام زین العابدین تک پہنچے اور حضرت کو بھی قتل کرنا چاہا مگر چھوڑ دیا کیونکہ حضرت بیمار تھے۔ ان سب کے بعد عمر بن سعد نے اپنی فوج والوں کو پکار کر کہا تم میں سے کون لوگ اپنے گھوڑوں پر چڑھ کر ان کی ٹاپوں سے حسین کی لاش کو روند ڈالنے کا بلاوا قبول کرتے ہیں؟ اس پر دس آدمیوں نے اس کا بلاوا قبول کر لیا۔ وہ سب وہاں پہنچے اور اپنے گھوڑوں پر چڑھ کر حضرت کی لاش کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت کی پشت اور سینے کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔۔۔۔ پھر امام حسین اور حضرت کے ساتھی شہداء کو دو دن کے بعد غاضریہ کے رہنے والے بنی اسد نے دفن بھی کر دیا۔ اور عمر بن سعد نے صرف اپنی طرف کے مقتولین پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کو خود ہی دفن بھی کیا۔۔۔ جب ۱۱ محرم کی صبح ہوئی اور ابن زیاد کے پاس ان حضرات کے سر پہونچ گئے تو اس نے لوگوں کو اجازت دی اور وہ سب اس کے دربار میں حاضر کئے گئے تو وہ دیر تک حضرت کے دانتوں کو اپنی[1]

[1] عربی کا جملہ یہ ہے وھو ینکت بقضیب بین ثنیتیہ ساعۃ۔ ینکت کے بارے میں مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے فجعل فی طست فجعل ینکت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ایک طشت میں رکھا گیا اور ابن زیاد ملعون ایک چھڑی سے اسکو مارنے لگا۔ ارے مردود! تجھ پر خدا کی پھٹکار!! اب برزخ میں کیسی جوتیاں

چھڑی سے مارنے لگا۔ اس کے اس ظلم کو زید ابن ارقم نے دیکھ لیا تو کہنے لگے اے ابن زیاد اپنی چھڑی کو ان دانتوں اور ہونٹوں پر سے ہٹا لے۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم ان ہونٹوں اور دانتوں پر اپنے دانتوں اور ہونٹوں کو رکھتے اور ان کو چوستے رہتے تھے۔ یہ کہا اور رونے بھی لگے۔ اس کے بعد وہاں سے نکل آئے اور کہتے جاتے تھے اے گروہ عرب! تم لوگ اب آج سے بالکل غلام بن گئے۔ تم لوگوں نے فرزند رسول کو قتل کر ڈالا اور ابن زیاد کو اپنا حاکم مان لیا تو وہ تمھارے اچھے لوگوں کو قتل کرنے اور تمھارے بُرے لوگوں کو غلام بنانے لگا۔ اس طرح تم لوگ اپنی انتہا درجہ کی ذلت پر راضی ہوگئے۔ اب جو بھی اس ذلت پر راضی ہو۔ وہ دنیا سے دُور ہی ہو جائے۔ شہداء کربلا کے سروں کو کوفہ روانہ کرنے کے بعد دو روز تک عمر بن سعد وہیں ٹھہرا رہا۔ پھر کوفہ کی طرف چلا اور اپنے ساتھ امام حسین کی بیٹیوں اور بہنوں کو بھی رکھا۔ اس وقت بھی امام زین العابدین ع بیمار ہی تھے۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ قتل گاہ کی طرف سے چلا اور وہاں شہیدوں کے لاشے نظر پڑے تو عورتیں چیخ چیخ کر رونے اور اپنے رخساروں پر طمانچے مارنے لگیں اور حضرت کی بہن جناب زینب چیخ کر کہنے لگیں۔ اے رسول خدا ص۔ آپ پر تو آسمان کے فرشتے صلوات بھیجتے رہتے ہیں۔ دیکھئے یہ آپ کے فرزند حسین چٹیل میدان میں اپنے خون میں لتھڑے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت کی بوٹیاں بوٹیاں کاٹ ڈالی گئیں۔ اور آپ کی نواسیاں قیدی بنا ڈالی گئیں۔ آپ کی ذریت اور اولاد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور جنگل کی ہوا ان پر گرد و غبار کے ڈھیر لگا رہی ہے۔ حضرت کے اس نوحہ و زاری پر دوست اور دشمن دونوں رونے لگے۔ جس وقت یہ قافلہ ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوا حضرت زینب نہایت ہی ذلیل اور خراب لباس پہنے ہوئے تھیں۔ کیونکہ صاف ستھرے کپڑے تو سب یزیدی لشکر والوں نے لوٹ لئے تھے! ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسین کا سر کوفہ میں گھمایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل بھی کی گئی۔ حضرت کا سر سب سے پہلے اسلام میں لکڑی پر نصب کر کے گھمایا گیا... پھر ابن زیاد نے ان حضرات کے سروں کو یزید کے پاس بھیجدیا۔ اُن کے ساتھ حضرت کی بہنیں، بیٹیاں اور بچے بھی تھے۔ انھیں میں امام زین العابدین ع بھی تپ دق کانپتے ہوئے تھے۔ ابن زیاد نے حضرت کو طوق و زنجیر میں جکڑ دیا تھا اور مخدرات اہلبیت کو شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے روانہ کیا۔ جب یہ حضرات یزید کے پاس پہنچے اور اس نے زحر بن قیس سے (جو ان حضرات کی نگرانی کو بھیجا گیا) حالات پوچھے تو اس نے کہا ہم لوگوں نے انلوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اب ان کے سب بدن بالکل برہنہ چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان سب کے لباس خون آلود ہو گئے۔ انکے رخسار خاک آلود

کھاتا ہوگا؟" (انوار اللغۃ پارہ ۵ صفحہ ۱۲۷)

کردیئے گئے۔ آفتاب کی دھوپ اور ہوا کے تیز وتند جھونکوں سے گرد وغبار ان کو جلاتے رہتے ہیں (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۳ کی عبارت کا ترجمہ) یہاں یہ ضروری سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے ان حضرات پر جو اس درجہ خلاف انسانیت مظالم ڈھائے، انکی نظیر اُس وقت یا اُس کے قبل کہیں بھی پائی گئی؟ آپ عرب کی تاریخ پڑھ جائیں۔ ایران کی تاریخ مطالعہ کر جائیں۔ یورپ کی تاریخ دیکھ جائیں۔ افریقا کی تاریخ پر گہری نظر ڈالیں اور بتائیں کہ کربلا کے آس پاس بھی سب ممالک تو تھے؟ اور انصاف سے کہیں کہ کسی نے بھی اپنے دشمن کیساتھ یہ سب ظلم رَوا رکھے؟ اسلام ہی کے ایک اور بادشاہ نے بھی یزید سے پہلے اپنے مخالفین کے ساتھ بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ جن کے پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ مخالفین اولاد رسول نہیں تھے۔ وہ رسول کی نواسیاں نہیں تھیں۔ وہ رسول کے بچے نہیں تھے۔ اور یہاں سب کچھ حضرت رسولخدا صلعم کی اولاد و ذرّیت کے ساتھ کیا گیا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنے دل سے یہ سب کیا یا یزید ہی کی فرمائشیں پوری کیں۔ اگر ذرہ برابر بھی عقل سے کام لیا جائے تو فیصلہ آسان ہو جاتا ہے کہ یزید نے بھی انھیں باتوں کی تاکید کی تھی اور ابن زیاد کا دل بھی انھیں ظلموں کو پسند کرتا تھا اسوجہ سے یزید کی بادشاہت اور ابن زیاد کی گورنری ایک تو کریلا خود کڑوا اُس پر چڑھا نیم کے مصداق ہیں۔ اگر یزید نے ان باتوں کا اشارہ نہیں کیا تھا تو ابن زیاد کو کم از کم اس کا ضرور خوف ہوتا کہ ایسا نہو ان باتوں کو سُنکر یزید مجھ پر خفا ہو۔ یا مجھ سے کیفیت طلب کرے کہ تو نے یہ سب زیادتیاں بھی کیوں کیں۔ مختصر یہ کہ یزید اور ابن زیاد دونوں ہی اپنے کو ابوسفیان کے پوتے کہتے تھے۔ یزید تو معاویہ کا بیٹا اور عبیداللہ زیاد کا بیٹا۔ وہی زیاد جسکے بارے میں معاویہ نے لوگوں سے گواہی دلوائی تھی کہ اسکی ماں کے ساتھ میرے باپ نے زنا کیا تھا جسکے نطفہ سے زیاد پیدا ہوا۔ اسوجہ سے یہ میرا بھائی ہے۔) اور ابوسفیان وہ جسکی بیوی ہند نے حضرت رسول کے چچا جناب حمزہ کو قتل کراکے انکا جگر نکلوا کر چبایا تھا۔ مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تو ہند زوجہ ابوسفیان اور اُس کے ساتھ والی عورتوں نے جناب حمزہ اور دیگر شہدائے اسلام کو مثلہ کیا اور ہند نے شہیدوں کے کان اور ناک بطور زیور پہنکر اپنے بدن کے زیور جناب حمزہ کے قاتل وحشی کو انعام میں دیدیئے نیز حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر کھانا چاہا۔ مگر نگل نہ سکی تو چبا کر اُگل دیا۔ (تاریخ طبری کامل وغیرہ) غرض این خانہ ہمہ آفتاب است۔ اگر یزید نے ان باتوں کا حکم نہیں دیا تھا تو اُس نے یہ واقعات سُن کر کیا کیا؟ کیا ابن زیاد کو گورنری سے معزول کر دیا؟ کیا اُس کی کوئی سزا کی؟ کیا اس کا کچھ درجہ گھٹا دیا؟ کیا اسکو کوئی خط بھی لکھا جس سے ثابت ہوسکے کہ وہ ان سب مظالم پر ابن زیاد کو

ناراض ہوا ؟ تمام تاریخی کتابوں کی اچھی طرح سیر کر جایئے۔ ایک میں بھی کوئی لفظ تک نہیں ملے گا کہ یزید نے ابن زیاد کو خوشی اور اطمینان کے سوائے کچھ لکھا ہو۔ اِن منافقین کی جو شان ہے کہ دل کی بات سب پر ظاہر نہیں ہونے دیتے وہی یزید کا حال بھی رہا کہ اہل بیت کے سامنے کہتا تھا خدا ابن زیاد پر لعنت کرے۔ اُس نے یہ کیوں کیا۔ وہ کیوں کیا۔ اسطرح کیوں کیا۔ اُس طرح کیوں نہ کیا۔ مگر دل سے اس کا شکر گزار رہا۔

ابن زیاد کا ایک ایسا ظلم جس کی مثال دُنیا قیامت تک نہیں پیش کر سکتی

اُف ! کیونکر بیان کریں ؟ اس کے ذکر سے تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے مگر دل پر پتھر رکھ کر نقل کر دیتے ہیں کتاب کے ناظرین اپنے سینوں پر ہاتھ رکھکر ملاحظہ کریں۔ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے "وجعل ابن زیاد الراس فی طست وجعل یضرب ثنایاہ بقضیب ویدخلہ انفہ" یعنی ابن زیاد نے امام حسین کا سر مبارک ایک طست میں رکھوا کر اپنی چھڑی سے حضرت کے دانتوں کو مارنے اور اس چھڑی کو حضرت کی ناک کے اندر بھی داخل کرنے لگا۔ (شرح قصیدہ ہمزیہ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ مصر) اللہ اکبر ناک کا سوراخ کتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے اندر کوئی چھڑی جا سکتی ہے ؟ مگر وہ شقی کس قدر درندگی سے یہ حرکت کر رہا تھا۔ لا یوم کیومک یا ابا عبد اللہ !!!

راستے کے مصائب

اگر یزید نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا تو اس نے حضرات اہلبیت کو کوفہ سے دمشق میں بلایا ہی کیوں ؟ کیوں نہیں ابن زیاد کو تاکید کر دی کہ امام حسین ع کو قتل کر کے انکی عورتوں بچوں کو وہیں سے مدینہ روانہ کر دینا۔ کیونکہ دمشق میں ان حضرات کی ذلت و رسوائی بھی ان حضرات کے دل ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کیلئے کافی تھی۔ ابن زیاد نے اپنے دل سے یا یزید کی تاکید سے ان حضرات کو کوفہ سے شام تک اس طرح بھیجا کہ اذیت اور فضیحتی کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے شہر حلب کے پچھم طرف ایک پہاڑ جوشن نامی ہے۔ جہاں پہلے تانبے کی کان تھی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ جب کوفہ سے شام جاتے وقت حضرات اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ اس جانب سے گزر رہا تھا تو امام حسین ع کی کوئی زوجہ محترمہ تھیں۔ اس جگہ پہنچیں تو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سفر کی مصیبتوں سے ان کو اسقاط ہو گیا تھا۔ ان معظمہ نے وہاں کے لوگوں سے پانی مانگا مگر (غالباً اس خوف سے کہ اسکی خبر یزید کو ضرور ہو جائے گی اور نہ معلوم وہ ہم لوگوں پر بھی کون کون ظلم کرنے لگے) وہاں کے لوگوں نے ان معظمہ کو پانی نہیں دیا۔ جبکے بعد سے اس کان کا تانبا غائب ہو گیا اور وہ بالکل بے کار ہو گئی۔ اسی پہاڑ کے نزدیک اُن

سقط کا مزار ہے جو "شہد سقط" کے نام سے مشہور ہے۔ اس بچے کا نام بھی لوگ محسن بن حسین بیان کرتے تھے
(معجم البلدان مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ و ۳۰۸)

(۱۲) کیا یزید نے بھی اہلبیت کو نہ قید کیا نہ انکی ذلت کی بلکہ بہت محبت اور عزت کی؟

اس کی حقیقت حسب ذیل امور سے واضح ہو جاتی ہے (۱) پہلے ثابت کر دیا گیا کہ یزید ہی نے امام حسین کے قتل کا حکم ابن زیاد کو دیا تھا۔ اگر اسکو اہل بیت حضرات کی محبت اور عزت ہوتی بلکہ اگر وہ ان حضرات کو زندہ چھوڑنا بھی چاہتا تو امام حسین ع کو قتل ہی کیوں کراتا؟ حاکم مدینہ کو لکھ بھیجتا کہ ان کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو (جس طرح بعد کے خلفا نے امام موسیٰ کاظم، امام حسن عسکری ع وغیرہ ہم کو اپنے پاس قید میں رکھا اور مخفی طور پر زہر سے ان کا کام تمام کراتے رہے) اور تاکید کر دیتا کہ خبردار ان لوگوں کو کوئی زخم نہ لگنے پائے۔ یا ابن زیاد ہی کو لکھتا کہ مسلم بن عقیل اور امام حسین ع کو ہزاروں آدمیوں کو گھیر کر قید کر لو اور سب کو بجز اس کے کہ ان سے صرف امام حسین ع کو ہمارے پاس بھیج دو۔ باقی سب کو چھوڑ دینا جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اس نے قتل ہی کا حکم کیوں دیا؟ (۲) اس نے حضرت رسول ص کی نواسیوں کو قیدی بنا کر کوفے سے شام میں بلایا اور ان حضرات کی ذلت و فضیحتی کا پورا سامان کیا (۳) اس نے پورا انتظام کیا کہ جب آل رسول کا یہ لٹا ہوا قافلہ اور امام حسین ع کا سر مبارک اس شہر میں داخل ہوں تو شام والے پوری خوشی کا اظہار کریں۔ وہاں اچھی طرح جشن منایا جائے۔ سب بازار پوری شان اور اہتمام سے سجے جائیں تمام شہر میں آئینہ بندی کیجائے۔ فتح یزید کے باجے بجائے جائیں، ہر طرف چنگ و رباب کی آوازیں بلند کی جائیں۔ لوگ عید کی طرح عمدہ لباسوں سے آراستہ ہو جائیں۔ یہ سب باتیں اس طرح کی گئیں کہ جو مسافر اسوقت وہاں موجود تھے وہ سمجھتے تھے کہ آج واقعاً ان لوگوں کی مخصوص عید ہے۔ یہ سب کیوں کیا گیا؟ متعدد مورخین نے لکھا ہے کہ جب یہ حضرات شام میں پہنچے تو یزید اپنے جیرون کے محل والی چھت پر اس تماشے کا معائنہ کرنے کے لئے موجود تھا۔ اور جیسے ہی امام حسین ع وغیرہ کے سر ہائے بریدہ دکھائی دیئے وہ جھوم جھوم کر یہ اشعار پڑھنے لگا ؎ لما بدت تلک الحمول واشرفت ۞ تلک الرؤس علی ربی جیرون + نعب الغراب فقلت قل او لا تقل ۞ فقد قضیت من الرسول دیونی
جب وہ قیدی حضرات دکھائی دیئے اور وہ سر ہائے شہدا سامنے آگئے۔ تو کوّے کائیں کائیں کرنے لگے اس پر میں نے کہا اے کوّے! تم بولو یا نہ بولو۔ میں تو حضرت رسول سے اپنے سب قرضے وصول کر چکا (تاریخ ابن القفطی) جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۲۳۲) ..... پھر لکھا ہے واضح رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رض کے سامنے اگر

کوئی یزید کو امیر المومنین کہتا تھا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں: نوفل کہتے ہیں میں (بنی امیہ ہی کے آٹھویں خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز کے جو یزید کے ۳۵ سال بعد خلیفہ ہوا دربار میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا اور اسکو امیر المومنین کہا تو عمر بن عبدالعزیز نے اُسے یزید کو امیر المومنین کہنے کے جرم میں بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اُسے بیس کوڑے لگائے گئے۔ اور ایسا ہی صواعق محرقہ میں بھی ہے" (شہادۃ حسین صفحہ ۶۲) (۴) جب امام ؑ کا سر یزید کے سامنے آیا تو رُمِیَ بین یدیہ۔ یزید کے سامنے وہ پھینک دیا گیا۔ (اور یزید خوشی سے دیکھتا رہا گویا وہ چاہتا ہی تھا کہ اس طرح پھینکا جائے۔ اخبار طوال صفحہ ۳۵۷) (۵) جب حضرات شہداء کے سر نیزوں پر نصب ہوکر لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ شام میں آئے تو یزید سروں کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اور اطمینان سے جھوم جھوم کر یہ شعر گانے لگا جو خود بتاتا ہے کہ اسنے ان حضرات کو قتل بھی کرایا اور ان کو گالیاں بھی دیتا جاتا تھا ؎ نفلق ھاما من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق واظلما۔ ہم اپنے معزز رشتہ داروں کے سروں کو کاٹتے رہے اس حال میں کہ یہ ہمارے رشتہ دار بڑے عاق اور سب سے زیادہ ظالم تھے۔ (اخبار طوال صفحہ ۲۵۸ و تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۵) (۶) یزید نے اُن حضرات کے سروں کو دیکھتے ہی نہ کچھ افسوس کیا نہ ابن زیاد پر اعتراض کیا۔ البتہ جب اہلبیت کا سامنا ہوا تو اُن کے منہ پر ابن زیاد کو بُرا کہنے لگا۔ (طبری ۲۶۴) (۷) جب ان حضرات کے سر یزید کے پاس پہنچے تو مروان بن الحکم کے بھائی یحییٰ نے یہ دو شعر پڑھے ؎ لھام بجنب الطف ادنیٰ قرابۃ من ابن زیاد العبد ذی الحسب الوغل + سمیۃ امسیٰ نسلھا عدد الحصیٰ۔ ولیس لآل المصطفیٰ الیوم من نسل۔ یقیناً وہ سر جو کربلا میں کاٹے گئے ابن زیاد گھس آنے والے کی نسل سے زیادہ پہلوگوں کے قریبی تھے۔ (ابوسفیان کی فاحشہ اور ابن زیاد کی ماں) سمیہ کی نسل تو سنگریزوں کی طرح زیادہ ہوگئی۔ مگر آہ! حضرت رسول کی نسل آج بالکل ختم کر دی گئی۔ تو یزید غضب ناک ہوکر یحییٰ کے سینے کو مارنے پیٹنے لگا (کامل جلد ۴ صفحہ ۳۷) (۸) جب یزید اپنے دربار میں بیٹھا تو اس نے شام کے معزز لوگوں کو بلایا۔ اپنے پاس سب کو بٹھایا اس کے بعد امام زین العابدین۔ اور امام حسین کے بچوں اور عورتوں کو وہاں طلب کیا۔ تو یہ لوگ وہاں داخل کیے گئے اور سب لوگ ان کی طرف تکنے لگے (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۵) اگر یزید کو

ذرہ برابر بھی ان حضرات کا لحاظ اور حضرت رسولؐ کا پاس ہوتا تو وہ فوراً سب کے پردے کا انتظام کر کے مخدرات عصمت کو اپنی عورتوں کے پاس بھیجدیتا کہ کم از کم اب تو نامحرموں کی نظریں ان حضرات پر نہ پڑیں۔ بجائے اسکے اس نے کل حضرات کو قیدی ہی کی صورت میں بہت دیر تک باہر کھڑا رکھا۔ شام کے معززاور شریف لوگوں کے ہاں آدمی پر آدمی بھیجتا رہا۔ ان سب کو اپنے دربار میں بلاتا رہا۔ اور جب سب کی بھیڑ لگ گئی تو اس انبوہ میں ان قیدی حضرات کو بلایا تاکہ سب لوگ تماشے دیکھیں۔ رسول زادیوں کی قید کی ذلیل حالت پر نظر کر کے پورا لطف حاصل کریں چنانچہ یہی ہوا۔ کہ وہ سب لوگ وہاں بیٹھکر ان بیویوں کو گھور کر دیکھنے لگے (۹) جب یزید سے ایک شامی نے جناب فاطمہ کو لونڈی بنانے کے لئے طلب کیا تو یزید اٹھکر فوراً اس کو کوڑوں سے پیٹنے لگتا کہ معاذ اللہ کیا بکتا ہے۔ بجائے اس کے وہ (غالباً) سوچنے لگا کہ شامی کی درخواست منظور کرلے یا نہیں۔ اور جب جناب فاطمہ نے اندازہ کرلیا کہ یزید ضرور دے دے گا۔ تب حضرت زینب سے لپٹ گئیں اور فریاد کرنے لگیں۔ اس پر بھی یزید نے یہ نہیں کہا کہ اے فاطمہ کیوں ڈرتی ہو۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ کس کی مجال ہے جو تمکو لونڈی بنا سکے۔ بالآخر جناب زینب ہی کو بولنا پڑا اس پر یزید حضرت زینب پر غضبناک ہوگیا اور گالیاں دے کر کہنے لگا کہ میں لونڈی بنانے کے لئے دے سکتا ہوں (طبری ۲۶۶) کیا اسی کو محبت اور عزت کہتے ہیں؟ (۱۰) بلکہ یزید نے اور زیادہ غضبناک ہوکر حضرت رسولؐ کی نواسی سے کہا اے خدا کی دشمن! تو جھوٹ بکتی ہے!! (طبری ۲۶۵) سبحان اللہ یزید نے امام حسن کے ایک بچے سے کہا کیا میرے بیٹے خالد سے لڑ سکتے ہو۔ تو اُن کا جواب سنکر یزید نے کہا خاندان رسول کے بچے بھی سب کے سب سانپ ہیں (طبری ۲۶۶) یہ جملہ بھی بتاتا ہے کہ وہ خاندان رسول کو سانپ کی طرح دشمن رکھتا اور ان کو قتل کر کے ختم کردینا ضروری سمجھتا تھا۔ (۱۲) یزید نے ان حضرات کو برابر اور مدت دراز تک قیدی ہی بنائے رکھا۔ آخر جناب فاطمہ سے نہ رہا گیا اور کہہ دیا۔ اے یزید! کیا رسول اللہ کی بیٹیاں اسیطرح ہمیشہ قیدی ہی رہیں گی؟ (طبری ۲۶۷) (۱۳) جب ان حضرات شہداء کے سر یزید کے بھرے دربار میں اس کے سامنے لائے گئے اور وہ بھی حضرت زینب، ام کلثوم، فاطمہ و سکینہ کے سامنے رکھے گئے تو یزید بھی ابن زیاد کی طرح حضرت کے دانتوں کو اپنی چھڑی سے مارنے لگا۔ جس پر رسولؐ کے مشہور صحابی ابو برزہ اسلمی چیخ پڑے اور کہا اے یزید تو امام حسین کے دانتوں کو چھڑی سے مارتا ہے؟ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت رسول ان دانتوں کو چوسا کرتے تھے۔ اب قیامت میں تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا۔ اور امام حسینؑ کے شفیع رسولخدا ہوں گے۔ یہ کہکر اٹھے اور دربار سے نکل گئے۔ (طبری ۲۶۸)۔ اس ذلت کو قیصر روم کے سفیر

نے بھی بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ کہنے لگا ہمارے ملک میں گرجا کے اندر ایک سم ہے جسکو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی سواری کے جانور کا ہے۔ صرف اسی وجہ سے سب عیسائی اس گرجا میں جاتے ہیں اور اس سم کی پوری عزت تعظیم و احترام کرتے ہیں پھر تم لوگ کیسے مسلمان ہو کہ اپنے رسول کے نواسے ہی کو قتل کر ڈالا اور اب ان کے سر کے ساتھ بھی یہ ظلم کر رہے ہو۔ وہیں ایک اور عیسائی یزید سے کہنے لگا کہ میرا سلسلہ نسب ستر واسطوں سے حضرت داؤد ؑ تک پہنچتا ہے مگر یہودی قوم اسوقت تک میری پوری عزت کرتی ہے۔ میرے مقابلہ میں تو حسین تمہارے پیغمبر کے بلا واسطہ نواسے ہیں مگر تم نے ان کو قتل کر ڈالا؟ (صواعق محرقہ ۱۱۹) (۱۴) جب سروں کو لیکر محضر یزید کے پاس آیا تو یزید نے اس سے کہا حسین قطع رحم کرنے والے اور ظالم تھے (کامل جلد ۴ صفحہ ۳۵) (۱۵) یزید امام زین العابدین ؑ کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں مدت دراز تک دیکھتا رہا مگر خود نہیں اتروایا۔ بلکہ خود حضرت کو کہنا پڑا۔ اے یزید اگر رسول اللہ ہم لوگوں کو اس طرح ہتھکڑیاں پہنے ہوئے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھ لیں تب؟ اس وقت یزید نے زنجیریں اور ہتھکڑیاں اتروائیں۔ (کامل جلد ۴ صفحہ ۳۵ و نور الابصار صفحہ ۱۳۲ وغیرہ)

امام حسین ؑ کے قتل پر یزید نے ابن زیاد کو انعام دیا اور اس کا درجہ بھی بڑھا دیا

(۱۶) علامہ ابن اثیر جزری اسلام کا بہت بڑا اور نہایت معتبر مورخ گزرا ہے۔ اس نے لکھا ہے جب امام حسین ؑ کا سر یزید کے پاس پہنچا تو اسوجہ سے یزید نے ابن زیاد کو بہت خوش حال کر دیا۔ اس کو پورا انعام دیا۔ اس کا درجہ بڑھا دیا اور اس کے اس احسان سے بہت خوش اور مطمئن ہو گیا (کامل جلد ۴ صفحہ ۳۶)

قتل امام پر مسلمانوں میں یزید کی اتنی دشمنی پیدا ہو گئی کہ وہ گھبرانے اور ڈرنے لگا

چند ہی دن گزرے تھے کہ یزید کو پتہ ملنے لگا امام حسین کے قتل کرنے کی وجہ سے لوگ اس کو دشمن رکھنے لگے اس پر لعنت کرنے لگے اور اسکو گالیاں دینے لگے تو وہ نادم ہوا کہ کیوں امام حسین کو قتل کرا دیا۔ اور کہنے لگا میرا کیا بگڑ جاتا اگر میں ہی برداشت کر لیتا اور حسین کی بیعت نہ کرنے کی پرواہ نہ کرتا۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے۔ اس نے حضرت کو قتل کر کے لوگوں کو میرا دشمن بنا دیا اور مسلمانوں کے دلوں میں میری عداوت بھر دی۔ اب یہ حال ہو رہا ہے کہ ہر اچھا برا مجھے مبغوض رکھنے لگا کیونکہ سب لوگوں نے امام حسین کے قتل کو بہت عظیم الشان سمجھا (کامل صفحہ ۳۶) اسی طرح اس نے دشمنی کی بے حساب حرکتیں کیں۔

(۱۴۲) امام حسین اگر یزید کی بیعت کر لیتے تو کسی کا بھی کچھ نہیں بگڑتا نہ اتنے معزز مومنین کا خون ہوتا۔ نہ یزیدی طرفدار مارے جاتے

مولوی ابو الکلام آزاد صاحب دہلوی نے صاف صاف نہیں لکھا مگر انکی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی رائے میں اگر امام ع یزید کی بیعت کر لیتے تو کسی کا کچھ بھی نہیں بگڑتا مگر اس کتاب کے گزشتہ اوراق میں صاف بتا دیا گیا کہ حضرت کی بیعت کر لینے سے اسلام مٹ جاتا۔ اللہ کا نام محو ہو جاتا۔ رسول کا ذکر بند ہو جاتا

یزید کفر کو واپس لانا اور شرک ہی کو پھیلانا چاہتا تھا

کیونکہ یزید کی غرض ہی یہ تھی کہ اسلام بالکل مٹا دیا جائے جاہلیت کے کفر کو واپس لایا جائے اور دادا پردادا کا مذہب زندہ کر دیا جائے۔ جسطرح ابوسفیان (یزید کا دادا) مکہ میں اسکی کوشش کرتا رہا کہ اسلام کا نام مردہ کر دیا جائے اسی طرح یزید اس فکر میں تھا کہ امام حسین بیعت کر لیں اور پھر اسلام کی حمایت کرنے والا کوئی بھی نہ رہے تو میں کھُل کر وہی کارروائی کروں جو غزوہ بدر میں میرے دادا ابوسفیان نے کی تھی۔ اس کے وہ اشعار جو اوپر نقل کئے گئے۔ فقد قضیت من الرسول دیونی پر اہل اسلام اچھی طرح غور کریں اور ساتھ ہی دوسرے اشعار کو بھی اچھی طرح پڑھیں جن میں اس نے کہا ہے کہ محمد نے ملک گیری کا ڈھنگ نکالا تھا ورنہ درحقیقت ان پر نہ وحی نازل ہوئی نہ کوئی فرشتہ آیا (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۷۹ و ۲۱۳ تا ۲۳۵ و ۲۹۹ تا ۳۰۳ وغیرہ) اور فیصلہ کر کے بتائیں کہ یزید کس مذہب پر تھا۔ یزید کے کافر ہونے کے بارے میں بڑے علمائے اہلسنت فیصلہ کر چکے ہیں جو اس کتاب میں بار بار نقل کئے گئے۔ غرض جب وہ کافر تھا اور یقیناً تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ اپنے دادا ابوسفیان کے دیون کو رسول کے خاندان سے واپس لے لے تو ابوسفیان کا بہت بڑا قرض رسول کے اوپر دین اسلام کا وجود ہی تھا۔ کفر کا کمزور ہو جانا بھی تھا۔ زمانہ جاہلیت کے شرک کا گمنام ہو جانا بھی تھا۔ لات و عزّےٰ اور ہبل کی عبادت کا ختم ہو جانا بھی تھا۔ انھیں سب قرضوں کے واپس لینے کی فکر میں یزید کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ سمجھتا تھا کہ اگر عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی ع ہماری بیعت کر لیں تب ہم سب سے کہیں گے کہ اب تم لوگ اسلام چھوڑ دو۔ محمد کے رسول ہونے کا اعتقاد ترک کر دو۔ اذان موقوف کر دو۔ نمازیں بند کر دو۔ مسجدوں کو بُت خانوں سے بدل دو۔ بتوں کو پوجنے لگو۔ اصنام کعبہ کو واپس لاؤ۔ ان کی عبادت شروع کرو۔ شراب عام طور پر بیچی اور پی جائے۔ ماں بہنوں سے نکاح رائج کیا جائے۔ ورنہ تم سب کو قتل کر دوں گا۔ تمھارے بچوں کو ذبح کر دوں گا۔ تمھاری ماں بہنوں کو لونڈی بنا دوں گا۔ تمھاری بیویوں اور بیٹیوں کو اپنی فوج والوں کے

حوالہ کر دوں گا۔ اور اگر یہ لوگ بیعت نہ کریں تو سب کو قتل کرکے شرک کو پھیلایا اور کفر کو شائع کیا جائے مگر اسلام کو زندہ رہنا تھا۔ دین حق کو باقی رہنا تھا۔ اللہ کی عبادت کو جاری رہنا تھا۔ رسول کا نام روشن رہنا تھا۔ مسجدوں کا وجود قائم رہنے والا تھا۔ اذان کی آوازوں کو بلند ہوتے رہنا تھا ان وجوہ سے وہ اپنی اصلی غرض میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی دلی آرزو پوری نہیں ہو سکی۔ اس کی دیرینہ تمنا بر نہیں آسکی۔ اس کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ کیونکہ امام حسین ؑ کے قتل سے اہل اسلام کے دلوں میں اس کی اتنی نفرت پیدا ہو گئی کہ وہ اسی حالت کو برداشت نہیں کر سکا اور ڈر گیا۔ کہ اب اگر شرک کی محبت اور کفر کی حمایت میں اور کوئی فعل میں فوراً کر گیا یا کوئی بات بول دیا۔ تو معلوم نہیں میری سلطنت رہے بھی یا جاتی رہے۔ اس سبب سے وہ انتظار کرنے لگا کہ ذرا اسلامی دنیا ٹھنڈی ہو جائے اور جعل و فریب کا میدان ہموار ہو جائے تو کفر کے واپس لانے اور شرک کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی صورتیں پیدا کی جائیں مگر ابھی وہ واقعہ حرہ اور عبداللہ بن زبیر سے لڑنے ہی میں مصروف تھا کہ کل تین سال کی مدت میں ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۴ھ کو ۳۹ سال کی عمر میں ۳½ سال حکومت کرکے مرض ذات الجنب میں انتقال کر گیا۔ اور کفر و شرک کا شکریہ لینے سے محروم رہا۔ پھر بھی اس قلیل مدت میں اس نے کفر و شرک کے استقبال کی جو کارروائیاں کر ڈالیں ان سے اسلامی تاریخ کے خون آلود اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

ابرہہ اور یزید

مکہ معظمہ کی تاریخ کا ایک اہم اور مشہور واقعہ ابرہہ کا حملہ ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی پیدائش سے پہلے ابرہۃ الاشرم حاکم یمن ہاتھیوں کا لشکر اور بے شمار فوج لے کر مکہ پر چڑھ آیا کہ کعبہ کو گرا کر بے نام و نشان کر دے۔ یہ ۵۷۰ء عیسوی کا واقعہ ہے۔ محاصرے کے تیسرے روز ابرہہ اپنے ہاتھی اور لشکر پر سوار ہوا اور چاہا کہ اسی روز اس مقدس مکان کو گرا کر خاک سے ملا دے کہ یکایک جدہ کی طرف سے سبز رنگ کی چڑیاں غول کے غول جمع ہو کر ابرہہ کے لشکر کی طرف آئیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس مسور کے دانے کے برابر پتھر کی تین تین کنکریاں تھیں۔ ایک ایک دونوں پنجوں میں ایک چونچ میں۔ اور لشکر کے سر پر وہ کنکریاں مارنی شروع کیں۔ جس کے سر پر وہ کنکری پڑتی مار کر پاخانہ کی راہ سے نکل جاتی۔ بڑا لشکر آدمی اور ہاتھی ان کنکریوں کے صدمہ سے ہلاک ہو گئے (تاریخ اسلام صفحہ ۱۲) جس طرح ابرہہ نے خانہ کعبہ کو بے نام و نشان کرنا چاہا یزید نے بھی کعبہ کے برباد کرنے کی کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھی۔ اس نے بھی اپنے سردار فوج کو اہل مدینہ کی سرکوبی اور پھر مکہ والوں کی سزا کو بھیجا۔ مدینہ والوں سے انتقام لینے کے بعد محرم سنہ ۶۴ھ میں

یزیدی فوج مکہ معظمہ پر چڑھ گئی۔ ۲۶ محرم کو اس کا محاصرہ کر لیا۔ صفر میں لڑائی ہوتی رہی۔ پھر یزید
کے سپہ سالار فوج نے خانۂ کعبہ پر منجنیق کے گولے مارنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ کعبہ کے پردے
اور چھت جل گئی اور اُس دُنبہ کی سینگ بھی جو حضرت اسمٰعیل کا فدیہ بنا کر بھیجا گیا تھا کعبہ پر اس
گولہ اندازی سے بہت سے مکانات مسمار ہوگئے۔ ہلال ربیع الثانی کو یزید کے مرنے کی خبر پہنچی تو
یزیدی فوج ناکامی کے ساتھ دمشق واپس گئی۔ (تاریخ اسلام ص۳۷) اس طرح یزید نے بھی وہی کیا جو
اس سے ۷۱ سال پہلے کافر ابرہہ نے کیا تھا بلکہ جو ابرہہ نہ کر سکا اس کو یزید نے پورا کر دیا۔ اہل انصاف
فیصلہ کر کے بتائیں کہ امام حسین ع کے قتل پر مسلمانوں کا غیظ و غضب دیکھنے کے بعد تو یزید کی کفر نوازی
اور شرک پرستی اس حد پر پہنچی ہوئی تھی۔ اگر امام حسین ع اس کی بیعت کر لیتے تو وہ اسلام کے درخت
کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنے میں کون کوشش اٹھا رکھتا۔؟ پھر کوئی بھی مسلمان دنیا میں باقی رہتا؟
جس طرح اسپین سے اسلام خارج ہوگیا عرب سے بھی ہو چکا ہوتا۔

امام حسین ع کا بنائے لا الٰہ ہونا

اس نکتہ کو بہت بڑے اسلامی پیشوا جناب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ نے نہایت خوبصورتی اور پوری معنویت سے
ادا کیا ہے کہ ؎ شاہ است حسین بادشاہ است حسین ۔ دین است حسین و دین پناہ است حسین ؎
سر داد و نداد دست در دست یزید ۔ حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین ۔ اہل علم و ارباب معرفت
خوب غور کر کے بتائیں کہ جناب خواجہ رضی اللہ عنہ نے امام حسین کو شاہ کیوں کہا۔ بادشاہ کس وجہ
سے بتایا۔ دین کس سبب سے قرار دیا۔ اور دین پناہ کیا سمجھ کر فرمایا۔ پھر آخری مصرعہ بنائے لا الٰہ
کیوں ارشاد کیا؟ جو بات ہم نے اوپر لکھی ہے اس کے سوائے بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ خواجہ
صاحب نے شاہ بود (شاہ تھے) نہیں کہا بلکہ شاہ است (شاہ ہیں) کہا۔ بادشاہ بود (بادشاہ تھے)
نہیں بتایا بلکہ بادشاہ است (بادشاہ ہیں) فرمایا۔ پھر دین بود (دین تھے) نہیں قرار دیا بلکہ دین
است (دین ہیں) کا اعلان کیا۔ پھر دین پناہ بود (دین پناہ تھے) نہیں لکھا بلکہ دین پناہ است
(دین پناہ ہیں) تحریر کیا اور حقا کہ بنائے لا الٰہ بود نہیں ارشاد فرمایا بلکہ بنائے لا الٰہ است کو تسلیم کیا
ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین ع ۶۱ھ میں شہید ہو چکے اور خواجہ صاحب حضرت کے کئی سو سال بعد
پیدا ہوئے جس کی کافی مدت کے بعد یہ رُباعی لکھی اور کسی نے آج تک ممدوح پر اعتراض نہیں کیا
کہ امام حسین تو موجود ہی نہیں ہیں۔ پھر خواجہ صاحب حضرت کو ہر مصرع میں است کیوں لکھتے ہیں
اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح آج بھی اسلام بلند ہے اسی طرح اس کے شاہ امام حسین ع کی شاہی بھی

قائم ہے کہ تمام دنیا حضرت کو انسانیت کا محسن اعظم سمجھتی ہے۔ جس طرح آج بھی دین حق موجود ہے اسیطرح
اس کے بادشاہ امام حسین کو بھی تمام عالم خراج عقیدت پیش کرتا رہتا اور حضرت پر اپنا دل و جان نثار
کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہے۔ جس طرح امام حسینؑ سنہ ۶۱ھ میں مجسم دین تھے اسی طرح آج بھی حضرت
کے اسلام پرور کارنامے مجسم دین ہیں۔ اور جس طرح حضرت نے سنہ ۶۱ھ میں یزید ایسے خونخوار اسلام
کے زبردست حملے سے اسلام کو پناہ دی اسی طرح آج بھی وہ دین الٰہی حضرت ہی کی دی ہوئی پناہ
میں ہے۔ اور آخری مصرعہ حقا کہ بنائے لا الہ است حسین میں تو موصوف نے بلاغت کے
سیکڑوں ذخیرے۔ معرفت کے ہزاروں خزانے اور حقائق کے بے حساب معادن بھر دیئے۔ اس
رباعی کو سونے کے نہیں بلکہ ہیرے کے حروف اور یاقوت کے قلموں سے لکھنا چاہیے۔ ہمارے
اس خیال میں شاید غلو نہ ہو کہ خداوند عالم کی نظر میں امام حسین کے اس کارنامے کی جو عظمت
ہوگی غالباً اسی کو خدا نے خواجہ صاحب کی زبان سے ظاہر کرا دیا ہے۔ اور حضرت رسولخدا
صلعم کے نزدیک حضرت کی شہادت سے جو فائدہ ہوا اسی کا الہام خواجہ صاحب کو ہوگیا
ہے۔ دین الٰہی کو جس طرح حضرت نے مردہ ہونے سے بچالیا اسی کو موصوف نے اسکی زبان
حال سے واضح کر دیا۔ اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو جس طرح حضرت نے زندہ رکھ لیا اسی کی تصویر
ممدوح نے کھینچکر رکھ دی۔ یقیناً اسلام کے شاہ اور دین و دنیائے ایمان کے بادشاہ امام حسین ہی
ہیں۔ جس طرح حضرت امیرالمومنین کے بارے میں غزوہ خندق میں حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا
برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ یقیناً اسوقت پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ میں گیا ہی
بالکل اسی طرح امام حسین بھی سو فی صدی ایمان اور یزید سو فی صدی کفر تھا۔ اور جس طرح کوئی
درندہ کسی بے قصور پر حملہ کرتا ہے اسیطرح یزید نے بھی اسلام پر حملہ کر دیا تھا۔ اور جسطرح کوئی
زبردست طاقت اس بے قصور کا سینہ سپر ہو کر اس کی حفاظت کر لیتی اور اس کو پناہ دے
دیتی ہے بالکل اسی طرح امام حسین نے بھی یزیدی حملے کے مقابلہ میں اسلام کے پشت پناہ
بن کر اس کو محفوظ کر لیا۔ اور اسکو پھولنے پھلنے کا موقعہ دے دیا اور اس کی ترقی کی راہیں کھول
دیں۔ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ تیسرے مصرعہ سے چوتھے مصرعہ کو کیا ربط ہے۔ دونوں
میں چولی اور دامن کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ پھر یزید کی بیعت نہ کرنے سے حضرت امام حسینؑ
لا الہ کی بنا کیوں قرار پاگئے؟ بس یہی کہ اگر حضرت بھی بیعت کر لیتے تو یزید کا فوری حکم یہی
ہوتا کہ اب آپ بک چکے۔ اسلام چھوڑ دیئے۔ بتوں کی پرستش شروع کیجئے اذان بند کیجئے۔ اور

ہر مسلمان کے لئے یہی یزیدی فرمان جاری ہوتا اور اسلام ختم ہو چکا ہوتا۔

(۱۵) کیا ابن زیاد کے انتظام سے فوراً فتنہ رفع اور دنیائے اسلام میں امن قائم ہو گیا؟

تاریخ اسلام کا تو ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بالکل غلط اور یقیناً خلاف واقعہ ہے جضرات اہلسنت کے پیشوائے اعظم جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی کتاب سرالشہادتین اس کتاب میں نقل کر دی گئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد کیسے کیسے فسادات پیدا ہوتے گئے۔ حد ہو گئی کہ ایسی شان دار حکومت اور پُر عظمت بادشاہت بھی یزید کی نسل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔ کیونکہ اس کے بعد اس کا بیٹا معویہ خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی جو خطبہ دیا وہ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۹ میں نقل کر دیا گیا ہے جسکے بعد وہ اپنے گھر سے نکلا ہی نہیں اور بنی امیہ نے اس کو زہر سے شہید کر دیا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال ۱۸ یوم کی تھی۔ اس کی خلافت کا کل زمانہ ۴۰ دن تھا۔ اس کے مرنے کے ساتھ ابوسفیان معویہ اور یزید کی نسل سے سلطنت قیامت تک کے لئے غائب ہو گئی خود ابن زیاد بھی بدترین موت سے مارا گیا۔ جناب مختار علیہ الرحمۃ کے سردار فوج ابراہیم بن اشتر نے اس پر حملہ کیا۔ جب اس کے لشکر والے بھاگے تو ابراہیم نے کہا بھائیو! میں نے ایک شخص کو نہر خازر کے کنارے ایک تنہا جھنڈے کے نیچے قتل کر دیا ہے۔ تم لوگ اس کو ڈھونڈو کیونکہ مجھ کو اس کے جسم سے مشک کی بُو آرہی تھی۔ وہ ایسی بُری طرح مارا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کے دونوں ہاتھ مشرق کی طرف اور دونوں پاؤں مغرب کی طرف چلے گئے ہیں۔ اس پر لوگوں نے اس شخص کو ڈھونڈنا شروع کیا تو دیکھا کہ وہ تو ابن زیاد ہی تھا۔ وہ ابراہیم کی ایک ہی ضرب سے دو ٹکڑے ہو کر پچھم اور پورب کی طرف گر کر پڑا ہوا تھا۔ تو لوگوں نے اس کا سر کاٹ لیا اور اس کے باقی بدن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۰۳)

(۱۶) کیا یزید نے اپنی برات اور امام کی غلطی کا کا ثبوت قرآن مجید ہی سے دیدیا جو بالکل حق تھا اور اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا؟

یزید نے جس آیہ مبارکہ سے استدلال کیا وہ یہ ہے قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر (پارہ ۳ رکوع ۱۱) اس کا ترجمہ مشہور عالم

اہلسنت شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے " اے پیغمبر! تم تو یہ دعا مانگو کہ اے خدا سارے ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے۔ ہر طرح کی خیر وخوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے" (صفحہ ۸۲) اس سے واضح ہوا کہ یزید نے آیۃ مذکورہ کے پڑھنے میں سخت تحریف کی۔ آیۃ کے پہلے لفظ " قل " کو حذف کر کے اس نے اپنے موافق مطلب پیدا کرنا چاہا کیونکہ وہ حضرت رسولؐ سے خطاب ہے۔ خدا نے رسولؐ کو حکم دیا کہ تم اس طرح دعا کیا کرو۔ نہ یہ کہ خدا نے اپنا اصول بیان کیا ہے کہ وہی لوگوں کو حکومت دیتا ہے۔ اور لوگوں سے بادشاہت چھین لیتا ہے۔ اگر یہ مطلب مانا جائے تو دنیا بھر کے ظالم۔ جبار۔ قہار غاصب۔ ڈاکو سلاطین زمانہ اسی آیۃ سے استدلال کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بادشاہت، غلبہ، فتح اور کامرانی کا ذمہ دار خدا ہے۔ ہم نے تو صرف فوج جمع کی۔ ظلم کیا۔ لوگوں کو لوٹا ملکوں کو تاراج کیا۔ عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا۔ لیکن ہمکو کامیاب کرنے والا تو خدا ہی ہے کیونکہ اس نے کہہ دیا ہے کہ وہ جس کو چاہتا حکومت دیتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے جس کو چاہتا فتح دیتا اور جس کو چاہتا شکست دیتا ہے۔

خدا کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دیتا نہ اس کو پسند کرتا ہے!

بلکہ ظالموں کا ساتھ دینے سے دوسروں کو منع کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کی بہت سی آیتیں ہیں مثلاً فلا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون۔ اور اے مسلمانو! جن لوگوں نے ظلم کیا ان کی طرف تم جھکنا بھی نہیں ورنہ دوزخ کی آگ تم کو آ لگے گی اور خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار تو ہے نہیں پھر تمکو مدد نہیں مل سکتی (پارہ ۱۲ ع ۱۰) لا ینال عہدی الظالمین۔ ہمارا کوئی عہد ظالم نہیں پا سکتے (پارہ ۱۹ ع ۱۵) اگر غور کیا جائے تو یہی آیت نمرود۔ فرعون۔ یزید۔ چنگیز خاں، ہلاکو خاں وغیرہ کا پورا جواب ہے کہ خدا کی حکومت۔ بادشاہت۔ سلطنت ان کو نہیں مل سکتی تھی کیونکہ ان لوگوں نے یقیناً ظلم کیا اور ظلم کرنے والوں کو خدا اپنا کوئی عہدہ نہیں دیتا۔ تو وہ لوگ خدا کی طرف سے حاکم۔ بادشاہ بھی نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے۔ خدا تو اس درجہ عدل وانصاف کو ضروری سمجھتا ہے کہ ان باتوں کو اپنی عبادت کیساتھ رکھنا اور سمجھنا ضروری جانتا ہے۔ فرماتا ہے یا قوم اعبدوا اللہ ۔۔۔ ولا تنقصوا المکیال والمیزان ۔۔۔ یا قوم اوفوا المکیال بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم

ولا تعثوا فی الارض مفسدین ۔ بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو ۔۔۔ اور بھائیو! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو ۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرا کرو (پارہ ۱۲ ع ۸) جو خدا ناپ تول تک میں انصاف کی تاکید کرے کیا وہ ظالموں کو بادشاہ بنا سکتا ہے ؟

غرض اگر ظالموں کو خدا ہی حکومت دیتا اور بادشاہ بناتا ہے تو سکندر اعظم کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو بڑی فوج لیکر دنیا کو لوٹتا اور برباد کرتا ہوا ہمارے ملک ہندوستان پر چڑھ آیا اور سب کو تباہ کرکے واپس گیا چنگیز خاں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جس نے ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کردیا خون کے دریا بہا دیئے ۔ حضرت ابراہیم اور نمرود کے بارے میں کیا کہا جائے گا ۔ حضرت موسیٰ و فرعون کے بارے میں کیا بتایا جائے گا اور حضرت عیسیٰ و قوم یہود کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے گا ؟ یہ انبیاء کرام کی شکست کے وہ واقعات ہیں جو قرآن مجید میں بھرے ہوئے ہیں حضرت ابراہیم حوالی کوفہ میں پیدا ہوئے ۔ ۱۶ سال کی عمر میں نمرود بن کوش عراق عرب کے جابر بادشاہ نے منجنیق میں رکھ کر انھیں آگ میں پھینک دیا ۔ ۴۰ روز حضرت ابراہیم آگ ہی میں بیٹھے رہے مگر آتش نمرود بحکم خدا گلزار ہوگئی ۔ جب نمرود نے حضرت ابراہیم کو ناچار ہو کر جلا وطن کر دیا " (تاریخ اسلام صفحہ ۴۳۱) بتائے کیا یہاں بھی خدا ہی نے نمرود کو سلطنت دی اور حضرت ابراہیم کو اس سے محروم کر دیا ؟ حضرت موسیٰ کو فرعون نے کسقدر ستایا ؟ اس قدر تنگ کیا کہ حضرت ملک مصر سے فلسطین (شام) کی طرف جلا وطن ہو جانے پر مجبور ہو گئے ۔ فرعون نے مع لشکر تعاقب کیا (تاریخ اسلام صفحہ ۴۳۳) کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ خدا نے فرعون کو بادشاہت دی اور حضرت موسیٰ سے چھین لی ؟ حضرت یحییٰ سات سال کی عمر میں پیغمبر ہوئے ۔ ہیرودس بادشاہ وقت ایک عورت پر عاشق ہوا حضرت یحییٰ مانع ہوئے کہ خلاف شریعت ہے ۔ آخر اس زانیہ عورت کے کہنے سے بادشاہ نے حضرت یحییٰ کو قتل کرا دیا ۔ (ص ۴۳۵) کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ خدا نے ہیرودس کو بادشاہت دی اور حضرت یحییٰ سے چھین لی ؟ حضرت عیسےٰ پیغمبر کو یہودیوں نے پکڑ کر سولی دینی چاہی ۔ جب وہ لوگ پکڑنے آئے حضرت عیسیٰ کو خدا نے آسمان پر بلا لیا اور یہودا کی صورت حضرت عیسیٰ کی سی ہو گئی اور وہ حضرت عیسیٰ کے بدلہ مصلوب ہوا (صفحہ ۴۳۶) کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ خدا نے یہودیوں کو حکومت دی اور حضرت عیسیٰ سے چھین لی ؟ خاندان بنی عباس نے ۱۳۲ھ میں خاندان بنی امیہ کو تباہ کرکے ان کا گویا نام و نشان پورب سے مٹا دیا ۔ پھر بنی عباس کے آخری خلیفہ مستعصم کو ہلاکو خاں نے تباہ کرکے سلطنت بنی

عباس کا خاتمہ کر دیا۔ کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ خدا نے ہلاکو خاں کو حکومت دی اور خلفائے بنی عباس کو چھین لی۔؟ اورنگ زیب (عالمگیر) نے اپنے باپ شاہ جہاں سے لڑکر اس کو قید کرلیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ خدا نے اورنگ زیب کو سلطنت دی اور شاہجہاں سے چھین لی؟ ترکی کے سلاطین سے یورپ کے بادشاہان وقت رفتہ رفتہ ان کی سلطنت لیتے گئے۔ تو کیا کہا جائے گا کہ خدا ہی نے بادشاہان یورپ کو سلطنت ترکی کے حصے حوالے کر دیئے اور عثمانی خاندان کے مسلمان سلاطین سے چھین لی؟ دہلی کے مسلمان بادشاہوں سے انگریزوں نے سلطنت لے لی۔ یہاں بھی وہی کہا جائے گا؟ اس طرف (۱۹۵۲ء کے کچھ قبل یا بعد) یہودیوں نے فلسطین کے مسلمانوں کو پوری شکست دے کر اپنی بادشاہت قائم کر لی۔ کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ خدا نے یہودیوں کو بادشاہت دی اور مسلمانوں کو چھین لی؟ اسی طرح ایشیا، یورپ وغیرہ میں ہزاروں بادشاہوں نے ظلم اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرکے اپنی بادشاہت قائم کر لی تو کیا کہا جائے گا کہ (معاذ اللہ) خدا ہمیشہ ظالموں کا ساتھ دیتا اور مظلوموں پر وہ خود بھی ظلم کرتا ہے؟ بالکل اسی طرح خدا نے حضرت امیر المومنین کو حضرت رسول خدا کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر کیا مگر دوسروں نے حضرت پر ظلم کر کے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے ان لوگوں بادشاہت دی اور حضرت علی سے چھین لی۔ حضرت کے بعد معاویہ نے امام حسن کو مجبور کرکے اپنی سلطنت قائم کر لی تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا نے اس کو بادشاہت دی اور حضرت امام حسن سے چھین لی۔ اسکے بعد امام حسین کو بھی یزید نے ظلم سے قتل کر دیا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا نے اسکو حکومت دی اور امام حسین سے چھین لی۔ بلکہ جس طرح خدا کے مقابلہ میں شیطان گمراہی پھیلاتا ہے اور خدا اس کو روکتا نہیں۔ اسی طرح برحق حاکموں (ائمہ اثنا عشر) کے مقابلہ میں ظالم خلفاء اپنی حکومت قائم کرتے رہے اور خدا نے ان کو روکا نہیں۔ کیونکہ خدا نے بندوں کو آزاد پیدا کیا ہے۔ جب ان کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور نہیں کرتا تو کسی کی بادشاہت ماننے پر کیوں مجبور کرے گا؟ جس طرح یزید کو اس کے ظلم سے حکومت ملی اور امام حسین سے چھین لی گئی۔ بالکل اسی طرح خدا کی خدائی کا حال بھی ہے کہ کافروں کا ہمیشہ غلبہ ہوتا رہا۔ اور خدا ان سب کے مقابلہ میں ہارتا رہا۔ آج ہی دنیا میں دو ارب سے زیادہ اشخاص ہیں۔ ان میں سے شاید ایک چوتھائی مسلمان بھی نہیں ہیں۔ تو کیا یہی کہئے گا کہ خدا نے کافروں کو فتح دے رکھی اور سچے مذہب والوں سے غلبہ چھین رکھا ہے؟ اسوقت دنیا میں مسلمانوں کی بادشاہت بہت کم اور غیر مسلموں کی سلطنت، حکومت، طاقت بہت زیادہ ہے تو کیا یہی کہا جائے گا کہ خدا ہی نے غیر مسلموں کو حکومت دے رکھی اور مسلمانوں سے چھین لی ہے؟ آج بے حساب بتوں کے آگے لوگوں

کی پیشانیاں جھکتی ہیں اور ان کے مقابلہ میں خدا کے لئے سجدے بہت کم ہوتے ہیں۔ تو کیا مان لیجئے گا کہ خدا نے بتوں کو بادشاہت دے رکھی ہے اور اپنے سے چھین لی ہے؟ ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جن سب کی طرف خدا نے اپنے اس قول سے اشارہ کر دیا ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی الآیہ۔ .... یعنی خدا کسی پر کوئی زور نہیں دیتا۔ ہدایت کا راستہ الگ اور گمراہی کا علیحدہ کھلا ہوا موجود ہے۔ اب جو شخص گمراہوں کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لائے گا وہی نجات کی مضبوط راہ پر جا رہے گا (پارہ ۳ ع ۱)

کیا امام حسینؑ کی تقدیر ہی میں قتل ہونا لکھا تھا؟

بعض لوگ سادہ لوحی سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ نہ یزید کا کوئی جرم تھا نہ امام حسینؑ ہی کی غلطی تھی۔ دونوں بے قصور ہیں۔ البتہ امام حسینؑ اور حضرت کے ۷۲ ساتھیوں کی تقدیر ہی میں بھوکا پیاسا قتل ہونا لکھا تھا اس وجہ سے ان کا قتل ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ تقدیر کا لکھا ہوا تو کسی طرح ٹل سکتا ہی نہیں ہے۔ اس کا روکنا دنیا کے کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر امام حسینؑ پر روئیں کیوں اور یزید یا ابن زیاد یا عمر بن سعد کی شکایت کس سبب سے کریں؟ لیکن یہ محض دھوکا کھانے اور دینے کی تقریر ہے جس کے جواب میں اوپر کی عبارت جو نمبر (۱۶) کے تحت لکھی گئی کافی ہے۔ ظلم اور فتنہ و فساد کے بارے میں تقدیر کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ خدا نے چوری، ڈکیتی، لوٹ، مار، جوا، شراب خواری سے ہمیشہ لوگوں کو منع کیا مگر یہ سب کام ہمیشہ ہوتے رہے اور آج تک ہوتے ہیں۔ تو کیا یہی کہا جائے گا کہ ان چوروں ڈکیتوں جوا کھیلنے والوں شراب پینے والوں کا کوئی جرم نہیں ہے۔ نہ ان پر کوئی اعتراض کیا جائے نہ انھیں برا سمجھا جائے۔ نہ ان کی شکایت کی جائے۔ یہ سب لوگ ایسا کرنے پر مجبور رہیں کیونکہ ان کی تقدیر ہی میں یہ سب کرنا لکھا تھا؟ کوئی شخص کسی کا مال لوٹ لے اور سب انسپکٹر اس کو گرفتار کرے تو کیا وہ اپنا یہ عذر بیان کر سکتا ہے کہ اس شخص کی تقدیر ہی میں لکھا تھا کہ اس کا مال چوری جائے اور میری تقدیر ہی میں لکھا تھا کہ اس کا چور ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی کو مار ڈالے اور پولیس اس کو گرفتار کرے تو کیا وہ یہ بیان دے سکتا ہے کہ اس کی موت آ چکی تھی اور اس کی تقدیر ہی میں لکھا تھا کہ میرے ہاتھ سے مارا جائے اور میری تقدیر ہی میں لکھا تھا کہ اس کا قاتل ہوں؟ اگر تقدیر کا عذر صحیح ہو تو دنیا کی سب حکومتیں بے کار ہو جائیں۔ سب ملکی انتظامات درہم برہم ہو کر رہیں۔ سب پولیس والے نکال دیئے جائیں۔ پولیس کا محکمہ ہی توڑ دیا جائے۔ سب عدالتیں بند کر دی جائیں اور سب کچہریوں میں تالے لگا دیئے جائیں۔ جب کوئی

حادثہ ہو جائے سب کہہ دیا کریں تقدیر ہی میں ایسا ہونا لکھا تھا۔ خود حضرات انبیاء کرام نے بڑے بڑے ظلم جھیلے۔ سب کے بارے میں کیا کہہ دیا جائے گا کہ ان کی تقدیر ہی میں یہ لکھا تھا؟ حضرت سید المرسلین فرمایا کرتے تھے ما اوذی احد کما اوذیت جیسی مجھے اذیت پہنچائی گئی دنیا کے کسی شخص کو بھی نہیں دی گئی۔ (کنز العمال) تو کیا کہہ دیا جائے گا کہ خدا نے حضرت کی تقدیر میں یہ سب اذیتیں لکھ دی تھیں اس وجہ سے اذیت دینے والوں پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا؟ مکہ معظمہ میں اسلام قبول کرنے والوں پر کفار مکہ نے اتنے ظلم کئے جن کے ذکر سے کتابیں بھر گئی ہیں۔ تو کیا ان سب کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے گا۔ کہ ان مسلمانوں کی تقدیر ہی میں یہ سب لکھا ہوا تھا؟ حضرت رسولؐ پر اتنا ظلم کیا کہ حضرت کئی سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے تو کیا کہئے گا کہ اس میں کفار مکہ کا کیا قصور؟ حضرت کی تقدیر ہی میں ایسا لکھا تھا۔

تقدیری امور کی مثال

تقدیری امور کو اس طرح سمجھئے کہ کسی فوٹوگرافر کی دوکان میں دو شخص گئے۔ ایک نہایت خوب صورت بھی ہے اور لباس سے بھی بہت آراستہ ہے۔ دوسرا شخص نہایت بدصورت، بدہیئت۔ میلے، گندے، بوسیدہ کپڑوں میں گیا۔ دونوں نے اپنی تصویریں کھچوائیں اور برابر اجرت بھی دی۔ کوئی فرق نہیں کیا۔ فوٹو گرافر ایک ہی ہے اور فوٹو لینے کا آلہ (کیمرا) بھی ایک ہی ہے لیکن ایک کی تصویر بہت اچھی اتری جس کا تماشا دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور دوسرے کی تصویر ایسی قابل نفرت ہوئی کہ اس سے قے آنے لگے۔ تو کیا کوئی شخص اس فوٹوگرافر کی بہت تعریف بھی کرے گا کہ اس نے پہلی تصویر بہت اچھی اتاری؟ اور اسی کی بہت برائی بھی کرے گا کہ دوسری تصویر بہت خراب بنائی؟ یا کوئی شخص اس کیمرے ہی کی مدح اور مذمت کرے گا کہ اس کے ذریعہ سے ایک فوٹو نہایت عمدہ اور دوسرا بے حد گھناونا نکلا؟ غالباً دنیا میں کوئی شخص ایسا پاگل نہیں ہوگا جو اس فوٹوگرافر یا اس کیمرے کی مدح اور مذمت کرے بلکہ سب کہیں گے اس میں نہ فوٹوگرافر کا اختیار تھا نہ کیمرے کا بلکہ جو شخص خوب صورت تھا اس کی تصویر ویسی ہی حسین اتری۔ اور جو شخص بدصورت تھا اس کی تصویر ویسی ہی خراب آئی۔

بس تقدیر کو بھی اسی کیمرے کی طرح سمجھنا چاہئے کہ جو شخص جیسا کرتا یا کرنے والا ہوتا ہے اس کی تصویر علم خدا میں ویسی ہی پہلے سے موجود رہتی ہے۔ ایک شخص نے رات کو نماز شب پڑھی تو اس کی تصویر قبل ہی سے علم خدا میں کھنچی ہوتی ہے کہ یہ فلاں رات میں نماز شب پڑھے گا اور دوسرے شخص نے اس رات میں

چوری کی تو اس کا فوٹو بھی قبل ہی سے علم خدا میں کھچا ہوا ہے کہ فلاں شخص اس رات میں چوری کرے گا۔ غرض نہ نماز شب پڑھنے والے نے علم خدا کی وجہ سے نماز شب پڑھی اور نہ چوری کرنے والے نے علم خدا کی وجہ سے چوری کی بلکہ دونوں ایسا کرنے والے تھے جن کو خدا اپنے علم غیب سے پہلے ہی جان گیا۔ بس یہی تقدیر ہے۔ اس کی دوسری مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک کالج میں کوئی پروفیسر ۶۰ لڑکوں کو پڑھاتا ہے اور سب کی لیاقت کا اس کو پورا اندازہ ہوتا جاتا ہے۔ امتحان کے قریب اس نے ۴۰ لڑکوں کے بارے میں کہہ دیا کہ یونیورسٹی کے امتحان میں پاس کر جائیں گے اور ۲۰ کے بارے میں کہہ دیا کہ فیل کر جائیں گے۔ امتحان کے بعد نتیجہ بھی ویسا ہی نکلا۔ واقعاً وہ چالیس پاس اور یہ بیس فیل ہو گئے۔ تو کیا کہہ دیا جائے گا کہ چونکہ اس پروفیسر نے پیشین گوئی کر دی تھی۔ اس سبب سے وہ چالیس پاس ہو گئے اور یہ بیس فیل۔ اسی طرح لوگوں کے حالات سے خدا کو پہلے ہی معلوم رہتا ہے کہ یہ اچھا اور وہ برا کام کریں گے۔ یہ اچھا کمائیں گے۔ وہ کم کمائیں گے۔ یہ ابھی ترقی کریں گے۔ وہ کچھ بھی ترقی نہیں کریں گے۔ بس یہی تقدیر ہے۔ یہی بات خدا کو پہلے سے معلوم تھی کہ معاویہ کا بیٹا یزید امام حسین کو قتل کر دے گا اس وجہ سے اس نے وحی کے ذریعہ سے آں حضرت کو اس واقعہ کی خبر ۶۰ سال پہلے کر دی تھی۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ امام حسن ؑ نے معاویہ کی بیعت نہیں	جس طرح امام حسن ؑ نے معویہ سے صلح کر کے اُس کو بادشاہ مان لیا تھا امام حسین ؑ نے بھی یزید سے صلح کر کے اس کو بادشاہ کیوں نہ مان لیا؟

کی تھی صرف صلح کی تھی اور وہ بھی خود نہیں بلکہ معویہ ہی کی درخواست اور نہایت خوشامد پر کی (دیکھو تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۸۲۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۶۲ طبری جلد ۶ صفحہ ۹۲ وغیرہ سب میں) صرف صلح کا ذکر ہے اور بیعت کا کسی نے نام بھی نہیں لیا۔ حدیث کی تمام کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ صحیح بخاری سے زیادہ معتبر کتاب حضرات اہلسنت کے ہاں کوئی نہیں۔ اس کی کتاب الصلح مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۸۱ میں صلح امام حسن ؑ کی پوری تفصیل درج ہے اس میں کہیں بیعت کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خود معاویہ نے امام حسن ؑ کے پاس دو آدمی بھیجے۔ درخواست کی۔ خوشامدیں کیں اور حضرت سے صرف صلح کی کوشش کرتا رہا۔ حضرت امام حسن ؑ حضرت رحمۃ للعالمین کے نواسے تھے۔ ان مسلمانوں پر بھی آپ کو رحم آ گیا اور صلح منظور کر لی۔ برخلاف اس کے یزید نے امام حسین ؑ سے صلح کرنے کا خیال تک نہیں کیا۔ اس کو اس کا وہم تک نہیں ہوا بلکہ

کفر و شرک کے ہتھیاروں سے اس نے بیعت لینے کا ارادہ کیا اور شامیوں کی زبردست فوجوں کی طاقت پر اس نے اپنی اطاعت کے لئے حضرت کو مجبور کرنا چاہا۔ حضرت تو مدینہ میں اپنے گھر کے اندر بیٹھے تھے۔ وہاں آپ پر بیعت کے لئے دباؤ دیا گیا۔ امام حسینؑ سے یزید کے طلب بیعت کا مطلب وہی تھا جو اس کے دادا ابوسفیان کا مکہ معظمہ میں حضرت رسولؐ سے مطالبہ تھا کہ اسلام کا نام د لیجئے۔ کفر کو ناپسند نہ کیجئے۔ شرک کو گمراہی نہ بتائیے۔ بتوں کی پرستش کیجئے۔ خدا کو ایک نہ کہئے۔ ہم لوگ جس دین پر آج تک رہے ہیں اسی پر آپ بھی رہنے کی کوشش کیجئے اور انھیں باتوں کی کوشش معٰویہ بھی بیس سال تک کرتا رہا اور اب یہی سب یزید بھی امام حسینؑ سے کرانا چاہتا تھا بلکہ حضرت امام حسینؑ ۴۱ھ سے (معٰویہ سے صلح امام حسن کے بعد) ملاحظہ فرما رہے تھے کہ جس کفر و شرک کو ابوسفیان طاقت، تشدد اور زبردستی سے باقی رکھنا چاہتا تھا اسی کفر، شرک اور دین جاہلیت کی طرف ابوسفیان کا بیٹا معٰویہ بھی لوگوں کو لانا چاہتا ہے۔ مگر جعل، فریب، مکر اور دھوکے سے۔ چنانچہ اس کا جنگ صفین میں جاتے وقت بدھ ہی کے روز نماز جمعہ شامی لشکر کو پڑھا دینا۔ اس کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ وہ دین اسلام سے مسخراپن کرتا ہے۔ نہ خدا کو مانتا ہے نہ اس کی عبادت کو باقی رکھنی چاہتا ہے اور اس کو اطمینان ہو رہا تھا کہ جب شام والے ہم کو اتنا ماننے لگے کہ ہم نے بدھ کے روز بھی نماز جمعہ پڑھائی اور ان لوگوں نے کوئی عذر نہیں کیا اور ہم نے اپنے کو ان لوگوں سے رسول تک کہلا لیا (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۱۲۰ و ۱۳۱) تو ان کو اسلام کے سمندر سے اس طرح آہستہ آہستہ کفر کی زمین پر لاؤ جس طرح شکاری مچھلی کو پانی سے رفتہ رفتہ باہر لاتا ہے جس کو شاعر نے کہا ہے ؎ ز دریا می کشد صیاد دام آہستہ آہستہ۔ یہ مطلب پیش جو پائے کام آہستہ آہستہ ؎۔ اسی سلسلہ میں اس نے شہداء احد کی قبریں کھدوا دیں (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۱۳۲)۔ حضرت رسولؐ کے بہترین صحابہ حجر بن عدی وغیرہ کو قتل کرا دیا (دیکھو صفحہ ۷۷) علانیہ شراب پینے لگا۔ (دیکھو صفحہ ۱۲۰) کھلم کھلا دُنیا پرستی کرنے لگا (دیکھو ۷۶) حضرت رسول کی بیوی حضرت عائشہ کو کنوئیں میں گرا کر ہلاک کر دیا۔ (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱) اور حضرت امام حسینؑ کو حضرت رسولؐ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ بھی یقین تھا کہ معٰویہ ضرور کافر اور مشرک تھا۔ اور اسی کفر اور شرک پر مرا۔ (دیکھو صفحہ ۷۵) اب اس کے مرنے پر یزید اس سے بھی زیادہ کفر پرست اور شرک پر ور ہو رہا ہے اور ؏ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ کے مطابق چاہتا ہے کہ فوراً کل مسلمانوں کو تلوار کی طاقت اور شامی فوجوں کی مدد سے واضح کافرانہ شرک

اور علانیہ بت پرست بنا دے۔ اس وجہ سے حضرت پہلے ہی سے طے کئے ہوئے بیٹھے تھے کہ جو بھی ہو ہم کافر کی بیعت کر کے کافر نہیں ہو جائیں گے۔ اس کی اطاعت کر کے مشرک نہیں بنجائیں گے۔ اس سے صلح کر کے دین اسلام کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس سے میل کر کے بتوں کی پرستش نہیں کریں گے اور اس کی دوستی سے کلمہ لاالٰہ الا اللہ کو ترک نہیں کریں گے۔ اسی کو خواجہ صاحب نے فرمایا ؎ سرداد نداد دست در دست یزید۔ حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسین۔

امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہیں کرلیا؟

بعض لوگ یہ بھی پوچھ بیٹھتے ہیں کہ امام حسین عؑ نے تقیہ کیوں نہیں کرلیا؟ شیعوں کا دعوٰی ہے کہ جب جان کا ڈر ہو تو ہر شخص کو حکم ہے کہ تقیہ کرے پھر امام حسین عؑ نے اس فرض کو کیوں ترک کر دیا؟ لیکن یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ خدا نے تمام لوگوں کو تقیہ کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا ہے الا ان تتقوا منھم تقیۃ یعنی سوائے اس صورت کے کہ تم لوگ ان دشمنوں سے تقیہ کر کے بچے رہو۔ (پارہ ۳ ۵ ع ۱۱) مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے حضرت ابن عباس اس آیت کے بارے میں کہتے تھے کہ تقیہ صرف زبان سے ہے۔ جو شخص ایسی بات بولنے پر مجبور کیا جائے جو خدا کے نزدیک گناہ ہو اور وہ لوگوں کے ڈر سے وہ بات بول دے مگر اس کے دل میں پورا ایمان ہو تو اس کو زبان سے وہ بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ تقیہ کا حکم صرف زبان سے متعلق ہے (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۱۶ وغیرہ) یہاں پہلی بات یہ ہے کہ امام حسین عؑ پر یہ دباؤ نہیں تھا کہ کوئی بات زبان سے کہہ دیں یعنی یزید کو مثلاً زبان سے بادشاہ یا خلیفہ یا حاکم کہہ دیں بلکہ تمام تر زور صرف بیعت پر تھا کہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر غلامی کا پختہ اقرار اور نہ توڑنے والا عہد کرلیں۔ تو یہاں تقیہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اس کا محل ہی نہیں تھا۔ دوسری بہت اہم اور اچھی طرح یاد رکھنے کے قابل بات یہ کہ حضرات انبیاء وائمہ طاہرین علیہم السلام اسلام کے زندہ کرنے اور ایمان کے محفوظ رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اگر امام حسین عؑ بھی تقیہ کر لیتے تو یہ مقصود حاصل ہی نہیں ہوتا بلکہ اسلام پامال ہو جاتا۔ دین حق مٹ جاتا۔ کفر پھیل جاتا۔ لوگ خدا کی سیدھی راہ چھوڑ دیتے۔ یزید کو پورا موقع مل جاتا کہ شرک کی اشاعت کرے۔ بت پرستی کو رواج دے اور زمانہ جاہلیت کی گمراہیوں کو پلٹانے جس فکر اور کوشش میں اس کا دادا باپ اور خود وہ غرض اس کی تین پشتیں مشغول رہیں۔ اس طرح خدا نے حضرت کے ذمہ جو فرض کیا تھا اور حضرت رسول عؐ نے آپ سے جس حفاظت اسلام کی امید کی

تھی وہ سب ضائع و برباد جاتی حضرت تقیہ کر کے یہی تو کرتے کہ یزید کی بیعت کریں۔ اس کا ہر حکم مانیں۔ اُس کے ہر کام کو صحیح سمجھیں اور جو جو وہ کہتا اور کرتا جائے اس کو پسند کریں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ یزید کل امور خلاف مرضی خدا و رسول اور مخالف دین و ایمان کرتا تھا۔ تو حضرت کے تقیہ کا نتیجہ یہی ہوتا کہ اسلام بالکل رخصت ہو جائے۔ کفر واپس آئے۔ دین داری کا جنازہ نکل جائے اور بنی امیہ کے بڑے بتوں لات و عزیٰ و ہبل وغیرہ کی پرستش ہونے لگے۔ حضرت اس کو کیونکر پسند فرماتے؟ عوام کا حکم دوسرا ہے اور رہبران دین و پیشوایان مذہب کے فرائض جدا ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ آگ میں ڈالے گئے، مگر نمرود کی سختیوں کے مقابلہ میں تقیہ کر کے اس کو معبود نہیں تسلیم کیا۔ حضرت یحییٰ نے قتل ہونا گوارا کیا مگر تقیہ کرنا پسند نہیں کیا۔ حضرت موسیٰؑ دریا کے اندر داخل ہو گئے۔ مگر تقیہ کر کے فرعون کی اطاعت نہیں کر لی۔ کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ انبیاء و اوصیاء مرسلین و ائمہ طاہرین کا منصب دوسرا ہے۔ اور ان کی امت کا درجہ الگ ہے۔ اس کو آسانی سے اس طرح سمجھ لینا مناسب ہے کہ جب کفار مکہ نے حضرت عمار صحابی پر ظلم کیا تو انھوں نے تقیہ کر کے صرف زبان سے رسولؐ کو گالیاں دے دیں۔ اور لات و عزیٰ وغیرہ بتوں کی تعریف کر دی۔ مسلمانوں نے حضرت رسولؐ سے یہ واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت نے جناب عمار سے پوچھا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ انھوں نے عرض کی میں دل میں تو ایمان کو پورا پاتا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا پھر کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اگر وہ لوگ دوبارہ تم کو مجبور کر کے ایمان کے خلاف باتیں کہلائیں تو پھر اسی طرح کہہ دینا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۴)۔ حضرت رسولؐ نے جناب عمار کو تو اجازت دے دی اور تقیہ کرنے کو فرما دیا۔ بلکہ خود خدا نے بھی ارشاد فرما دیا۔ فرماتا ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان (پارہ ۱۴ ع ۲۰) اس کا ترجمہ شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے "جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے۔ مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں" (حمائل موصوف صفحہ ۴۴۴)۔ مگر خود حضرت رسولؐ نے کیا کیا؟ کیا حضرت نے اپنے لئے بھی کبھی تقیہ کو جائز سمجھا؟ اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ مسلمانوں اور امت کا حکم دوسرا ہے اور رسول و ائمہ طاہرینؑ کے فرائض جدا ہیں۔ رسولؐ مکہ معظمہ میں ۱۳ سال تک اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ وہاں کے تقریباً سب باشندے حضرت کے دشمن ہو گئے اور خون پینے کی فکر ہی میں رہتے تھے مگر حضرت نے

اپنے لئے ایک منٹ کو بھی تقیہ پسند نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ پھر اسلام کی خدمت کیونکر ہوتی؟ بالکل اسی طرح عام مومنین کے لئے تقیہ کا حکم تھا اور ہے مگر امام حسینؑ کے لئے نہیں۔ ہرگز نہیں تھا اور نہ ہوسکتا تھا کیونکہ پھر اسلام کو پناہ کون دیتا؟ اسلام کی جڑ اکھاڑی جارہی تھی اس کو کون روکتا؟ دین الٰہی پر درندے حملے کر رہے تھے کون اس کی حفاظت کرتا؟ تین پشتوں کا دشمن اس کو ذبح کرنے پر ہاتھ میں چھرا لئے آستین اُلٹ چکا تھا۔ کون اس کو اُس کے ہاتھ سے نجات دیتا؟ مختصر یہ کہ حضرت رسول جس طرح مکہ معظمہ میں دشمنان اسلام کے سب مصائب برداشت کرتے رہے مگر تقیہ نہیں کیا بالکل اسی طرح حضرت کے حقیقی قائمقام۔ برحق جانشین اور اصلی خلیفہ امام حسینؑ بھی اپنا سینہ آگے بڑھائے ہوئے سب مظالم کو قبول کرتے جاتے تھے مگر تقیہ کو اپنے لئے جائز نہیں سمجھا بلکہ مصائب کے نشانہ بنے رہے۔

حضرت رسولؐ نے غزوہ احد میں جو کیا وہی امام حسینؑ نے بھی کربلا میں کرکے دکھا دیا۔

ناظرین کتاب! ذرا یہاں غزوہ احد کا بھی خیال کرلیں۔ جس کا بہت مختصر الفاظ میں بیان یہ ہے: "غزوہ احد شوال ۳ھ میں جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے (یزید کے دادا معاویہ کے باپ) ابوسفیان نے ۳ ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ حضرت رسولؐ کے ساتھ پورے ایک ہزار آدمی بھی نہ تھے۔ احد پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے ۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی کہ وہ خلاف حکم رسولؐ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ فتح کی شکست ہوگئی۔ حضرت رسولؐ کے بڑے عزیز حقیقی چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوگئے۔ سب مسلمان حضرت کو کافروں کے درمیان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ تک پائے ثبات کو قائم نہ رکھ سکے۔ اسی اثناء میں ایک گوپیے کے پتھر سے آنحضرت کے دو دندان مبارک شہید ہوگئے۔ اور ایک پتھر سے حضرت کی پیشانی بھی مجروح ہوگئی۔ تلواروں کے زخم بھی آئے۔ اور آپ گڑھے میں جا پڑے اس وقت حضرت علی جہاد میں مصروف تھے اور کبھی کبھی حضرت کو دیکھ بھی جایا کرتے تھے۔ آخر مرتبہ کفار کو ہٹا کر آپ کو پہاڑی پر لے گئے۔ ۔ ۔ ۔ اس لڑائی میں ستر مسلمان مارے گئے۔ اور ستر زخمی ہوئے کفار میں صرف ۲۰ یا ۲۲ کام آئے جن میں سے ۱۲ صرف حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے" (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۱۶) اس قدر نقصانوں کے بعد بھی حضرت رسولؐ نے نہ ابوسفیان کی بیعت قبول کی۔ نہ دین اسلام سے علیحدگی اختیار کی۔ نہ کافروں کی اطاعت کی۔ نہ کفار مکہ سے صلح کی۔ نہ سرداران قریش سے تقیہ کیا۔ پھر امام حسینؑ کیوں ان باتوں کو قبول کرتے؟ خوب غور کیجئے تو آپ کو صاف

معلوم ہوگا کہ شوال ۳ھ میں جو ہوا وہی سیکڑوں درجہ بہیمیت کے ساتھ ۱۰ محرم ۶۱ھ میں بھی ہوا۔ غزوہ احد میں ابوسفیان نے جس طرح حضرت رسول کو اپنا مطیع بنانا چاہا۔ کربلا میں اس کے پوتے یزید نے بھی حضرت رسولؐ کے نواسے امام حسینؑ کو اپنا تابع بلکہ غلام بنانے کی کوشش کی جس طرح احد میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے۔ اس سے بہت زیادہ سختی اور درندگی کے ساتھ کربلا میں بھی ۷۲ نور خدا کے جسموں کو ذبح کرکے ان کا نور بجھا دیا گیا۔ جس طرح سب مصائب پر حضرت رسولؐ نے دین اسلام کو نہیں چھوڑا بالکل اسی طرح ہر قسم کے ظلم پر حضرت امام حسینؑ نے بھی دین اسلام کو ترک نہیں کیا کیونکہ خدا نے فرمایا ہے ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (یقیناً حضرت رسولؐ کی ذات اور حضرتؐ کے حرکات و سکنات میں تم سب لوگوں کے لئے زندگی بسر کرنے کا بہترین نمونہ موجود ہے۔

شہدائے کربلا کے نام

اوپر ذکر آگیا کہ کربلا میں بھی ۷۲ نور خدا کے جسموں کو ذبح کرکے ان کا نور بجھا دیا گیا۔ ان حضرات کے اسماء مبارکہ بھی سن لیجئے (۱) مسلم بن عوسجہ اسدی (۲) عبداللہ بن عمیر کلبی (۳) حر بن یزید ریاحی (۴) بریر بن خضیر ہمدانی (۵) منجح بن سہم (۶) عمرو بن خالد (۷) سعد مولیٰ عمر بن خالد (۸) مجمع بن عبداللہ (۹) عائذ بن مجمع (۱۰) جنادہ بن حارث سلمان (۱۱) جندب بن حجیر کندی خولانی (۱۲) ادہم بن امیہ عبدی بصری۔ (۱۳) امیہ بن سعد بن زید طائی (۱۴) جابر بن حجاج تیمی (۱۵) جبلہ بن علی شیبانی (۱۶) جنادہ بن کعب بن حارث انصاری خزرجی (۱۷) جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی (۱۸) حارث بن امراء القیس بن عابس کندی (۱۹) حارث ابن نبہان (۲۰) حباب بن حارث (۲۱) حباب بن عامر بن کعب تیمی (۲۲) حبشہ بن قیس نہمی (۲۳) حجاج بن زید سعدی تمیمی (۲۴) حلاس بن عمرو ازدی راسبی (۲۵) حنظلہ بن عمر شیبانی (۲۶) زاہر بن عمرو اسلمی کندی (۲۷) زہیر بن بشر خثعمی (۲۸) زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی (۲۹) سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی (۳۰) امام حسنؑ کے غلام سلیم (۳۱) سوار بن ابی عمیر نہمی (۳۲) سیف بن مالک عبدی (۳۳) شبیب بن عبداللہ (۳۴) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۳۵) ضرغامہ بن مالک تغلبی (۳۶) عامر بن مسلم عبدی البصری (۳۷) عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی (۳۸) عبدالرحمٰن بن عبد رب انصاری خزرجی (۳۹) عبدالرحمان بن عبداللہ بن کدن ارحبی (۴۰) عبدالرحمان بن مسعود (۴۱) عبداللہ بن بشر خثعمی (۴۲) عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی (۴۳) عبیداللہ

بن یزید بن شبیط قیسی (۴۴) عقبہ بن صلت جہنی (۴۵) عمار بن ابی سلامہ دالانی (۴۶) عمار بن حسان طائی (۴۷) عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی (۴۸) عمران بن کعب بن حارث اشجعی (۴۹) قارب ابن عبداللہ بن اریقط (۵۰) قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی (۵۱) قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی (۵۲) کردوس بن زہیر بن حارث تغلبی (۵۳) کنانہ بن عتیق تغلبی (۵۴) مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی (۵۵) مسعود بن حجاج تیمی (۵۶) مسلم بن کثیر صدفی ازدی (۵۷) مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی (۵۸) منیع بن زیاد (۵۹) نصر بن ابی نیرزہ (۶۰) نعمان بن عمرو ازدی (۶۱) نعیم بن عجلان انصاری (۶۲) بکر بن حی تیمی (۶۳) عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی (۶۴) حبیب بن مظاہر اسدی (۶۵) ابوثمامہ صائدی (۶۶) سعید بن عبداللہ حنفی (۶۷) زہیر بن قین بن قیس بجلی (۶۸) سلمان بن مضارب بن قیس البجلی (۶۹) عمرو بن قرظہ بن کعب الغفاری (۷۰) نافع بن ہلال جملی (۷۱) شوذب بن عبداللہ (۷۲) عابس بن ابی شبیب شاکری (۷۳) عبداللہ بن عروہ بن حراق غفاری (۷۴) مذکورۂ بالا عبداللہ کے بھائی عبدالرحمان (۷۵) حنظلہ بن اسعد شبامی (۷۶) سیف بن حارث بن سریع (۷۷) مالک بن عبد بن سریع (۷۸) جناب ابوذر غفاری علیہ الرحمہ کے غلام جون (۷۹) امام زین العابدین ؑ کے ترکی غلام (۸۰) انس بن حارث اسدی (۸۱) حجاج بن مسروق جعفی (۸۲) زیاد بن عریب ہمدانی (۸۳) سالم بن عمرو بن عبداللہ مولیٰ بنی المدینۃ الکلبی (۸۴) حضرت امیرالمومنین ؑ کے غلام سعد بن حارث (۸۵) عمر بن جندب حضرمی (۸۶) قعنب بن عمرو النمری (۸۷) یزید بن شبیط العبدی (۸۸) یزید بن زیاد بن مہاصر (۸۹) یزید بن مغفل جعفی (۹۰) رافع بن عبداللہ مولیٰ مسلم الازدی (۹۱) بشر بن عمرو بن الاحدات الحضرمی (۹۲) سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی۔

خاندان بنی ہاشم کے شہداء (۱) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۲) محمد بن مسلم بن عقیل (۳) جعفر بن عقیل (۵) محمد ابن ابی سعید بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۷) عونؑ[ا] بن عبداللہ (۸) جناب قاسم (امام حسن ؑ کے صاحبزادے (۹) ابوبکر بن امام حسن ؑ (۱۰) جناب امیر ؑ کے فرزند محمد (جو امامہ بنت زینب) کے بطن سے تھے (۱۱) حضرت عباس کے بھائی عبداللہ (۱۲) حضرت عباس کے بھائی عثمان (۱۳) حضرت عباس کے بھائی جعفر (۱۴) قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس (۱۵) حضرت علی اکبر (۱۶)

ا؎ حضرت زینب کے جو دو صاحبزادے عون و محمد مشہور ہیں وہ یہی دونوں حضرات ہیں (بقیہ صفحہ ۳۹۳ پر دیکھیے)

حضرت علی اصغر (۱۷) امام حسن ع کے صاحب زادے عبداللہ۔

واضح رہے کہ عراق کے ایک عالم جلیل اور مصنف نبیل جناب مولانا آقا شیخ محمد سماوی نے شہدار کربلا کے حالات میں ایک بہت قابل قدر کتاب ابصار العین فی انصار الحسین لکھ کر شائع کر دی ہے۔ اس میں ممدوح نے ہر شہید کے تاریخی واقعات اور سوانح زندگی بھی جمع کر دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے صرف شہدار کے ناموں کی فہرست نقل کر دی ہے۔ اگر دوسرے حالات کا ترجمہ بھی کیا جاتا تو اس میں سو صفحے سے زیادہ بڑھ جاتے۔

کربلا میں یزیدی فوج کی خلاف اصول جنگ باتیں ۶۱ھ سے پہلے عرب میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور وہ سب کچھ اصول کی پابندی میں واقع ہوئیں مگر کربلا میں یزیدی فوج نے کل اصول جنگ کی خلاف ورزی بھی کی جس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن زیاد اور یزید دونوں نہ کسی مذہب کے پابند تھے، نہ کسی دنیوی اصول کو مانتے تھے۔ بس جو کچھ دل میں آتا تھا کرتے تھے۔ عرب میں جنگ کا اصول یہ تھا کہ پہلے ایک ایک بہادر آگے بڑھ کر مبارز طلبی کرتا تھا۔ اس کے بعد جنگ مغلوبہ ہوتی تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے غزدہ بدر کے حالات میں لکھا ہے "دونوں فوجیں سامنے آئیں"۔ ۔ لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی ۔ ۔ ۔ آگے بڑھا۔ مہجع۔ ۔ ۔ اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔ عتبہ۔ بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی ۔ ۔ ۔ ۔ عوف، معاذ، عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ حضرت حمزہ سے اور ولید حضرت علی سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت حمزہ کو زخمی کیا، حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ کی خدمت میں لائے ۔ ۔ سعید بن العاص کا بیٹا ۔ ۔ صف سے نکلا ۔ ۔ حضرت زبیر اس کے مقابلہ کو نکلے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۳۶)

مگر کربلا میں اس اصول کے بالکل خلاف کیا گیا خود کربلا میں تیر بارانی کر کے لڑائی شروع کی گئی تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۲ ۔ جناب عون حضرت زینب کے بطن سے تھے اور جناب محمد کی ماں کا نام خوصار تھا۔ یہ جناب عون کے سوتیلے بھائی تھے۔ مگر چونکہ جناب زینب ان کو بھی بہت ۔ انتہا اور دل سے پیار کرتی تھیں دونوں بھائی حضرت زینب ہی کے بیٹے مشہور ہو گئے مگر کمسن نہیں تھے۔ بلکہ کافی عمر کے ہو گئے تھے ۱۲

مولوی ابوالکلام صاحب نے لکھا ہے "جنگ کا آغاز اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا گواہ رہو سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے، پھر تیر بازی شروع ہو گئی (شہادۃ عظمیٰ صفحہ ۲۴۷) اصول جنگ کے بالکل خلاف اس تیر بازی کا کیا اثر ہوا؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قریب کے ۷۲ آدمیوں پر ۲۲ ہزار یا ۱۲ ہزار یا ۴ ہزار آدمی دفعتہً تیر باری کر بیٹھیں تو سب ہی زخمی ہو کر لوٹنے لگیں گے۔ پھر نیزہ اور تلوار سے لڑے گا کون؟ مورخین نے لکھا ہے فرشقوھم بالنبل فصرعوا منھم رجالا وجرح اخرین لوگوں نے شروع ہی میں ایسی تیر باری کی کہ بہت سے حضرات تڑپنے لگے اور دوسرے لوگ زخمی ہو گئے (تاریخ کامل جلد ۳ صـ<u>۶۷</u>) اگر جنگ سے پہلے تیر باری نہ ہوتی تو آج کربلا کی تاریخ دوسرے عنوان سے لکھی جاتی۔

پانی بند کر دینا دوسری بے اصولی یہ ہوئی کہ شہدائے کربلا پر پانی بند کر دیا گیا مورخین نے لکھا ہے فارسل عمرو بن سعد عمرو بن الحجاج علی خمس مائة فارس فنزلوا علی الشریعة وحالوا بین الحسین وبین الماء وذالک قبل قتل الحسین بثلاثة ایام ونادیٰ عبد اللہ.... یاحسین اما تنظر الی الماء لا تذوق منه قطرة حتیٰ تموت عطشا.... فلما اشتد العطش علی الحسین واصحابہ امر اخاہ العباس بن علی فسار فی عشرین راجلا یحملون القرب وثلاثین فارسا فدنوا من الماء فقاتلوا علیہ یعنی سردار لشکر عمر بن سعد نے پانچسو سواروں کو عمرو بن الحجاج کے ماتحت کر کے گھاٹ پر معین کر دیا جن سب نے امام حسین پر پانی بند کر دیا۔ یہ واقعہ عاشورا سے تین دن پہلے ۷ محرم کا ہے اور عبد اللہ نے چیخ کر کہا اے حسین پانی کی طرف نہیں دیکھتے؟ خوب یاد رکھو تم کو ایک قطرہ بھی پینے کو نہیں ملے گا یہاں تک کہ پیاسے ہی مر جاؤ گے (تاریخ کامل جلد ۳ صـ<u>۶۳</u>) اور علامہ طبری نے لکھا ہے۔ جاء من عبید اللہ بن زیاد کتاب الی عمر بن سعد اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا منه قطرة.. فبعث عمر بن سعد عمرو بن الحجاج علی خمس مائة فارس فنزلوا علی الشریعة وحالوا بین حسین واصحابہ وبین الماء ان یسقوا منه قطرة وذالک قبل قتل الحسین بثلاث... ونازلہ عبد اللہ... فقال یاحسین الا تنظر الی

الماء کانہ کبد السماء واللّٰہ لا تذوق منہ قطرۃ حتی تموت عطشا . . . ولما اشتد علی الحسین واصحابہ العطش دعا العباس . . . اخاہ . . . وبعث معہم بعشرین قربۃ . . . فقال عمرو بن الحجاج فاشرب ھنیئا قال لا واللّٰہ لا اشرب منہ قطرۃ وحسین عطشان ومن تری من اصحابہ فطلعوا علیہ فقال لا سبیل الی سقی ھولاء یعنی ابن زیاد نے عمر بن سعد کو لکھا کہ امام حسین پر پانی بھی بند کردو اور ایک قطرہ بھی ان لوگوں کو پینے نہ دو تو اس نے پانسو سواروں کے ساتھ عمرو بن الحجاج کو نہر فرات پر متعین کر دیا ان سب پانی روک دیا۔ یہ واقعہ امام حسین کے قتل سے تین دن پہلے (یعنی ۷ محرم کا ہے۔ اور عبداللہ نے کہا اے حسین! دیکھتے نہیں پانی کیسا چمک رہا ہے خدا کی قسم تم اس سے ایک قطرہ بھی پینے نہیں پاؤ گے یہاں تک کہ پیاسے ہی مرجاؤ۔ اس طرح جب امام حسین پر پیاس کا زور ہوا تو حضرت نے اپنے بھائی جناب عباس کو پانی کی کوشش کرنے کیلئے بھیجا۔ عمرو بن الحجاج نے حضرت عباس سے کہا تم خوشی سے خود پی لو۔ حضرت عباس نے جواب دیا خدا کی قسم میں تو ایک قطرہ بھی نہ پیوں گا کیونکہ امام حسین اور حضرت کے ساتھی سب پیاسے ہیں۔ اس پر پورا لشکر امنڈ آیا اور کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم لوگ امام حسین وغیرہ کے لئے پانی نہیں جانے دیں گے (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۵) یہ تو ۷ محرم کا واقعہ تھا اور روز عاشورہ کے واقعات میں لکھا ہے عطش الحسین حتی اشتد علیہ العطش امام حسین پر پیاس نے غلبہ کیا یہاں تک کہ حضرت پر سخت پیاس کی حالت طاری ہوگئی (صفحہ ۲۵۸) یہی مضمون علامہ دینوری نے بھی اخبار طوال مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۲ میں لکھا ہے اسمیں یہ جملہ بھی ہے فمکث اصحاب الحسین عطاشی یعنی ۷ محرم سے ۱۰ محرم تک امام حسین ؑ کا پورا لشکر پیاسا ہی رہا (صفحہ ۲۵۳) حضرت کی پیاس دیکھکر جناب حر تڑپ گئے اور دشمنوں کو پکار کر کہا اے کوفہ والو تم لوگوں نے خود امام حسین کو بلایا اور جب وہ آئے تو تم نے ان کو دشمن کے حوالے کر دیا اب وہ تم میں قید ہو کر پھنس گئے ہیں جو نہ اپنی بھلائی کا کوئی کام کر سکتے ہیں نہ کسی نقصان کو ہٹا سکتے ہیں۔ اور تم لوگوں نے ان کو ان کی عورتوں، بچوں اور ساتھیوں کو پانی سے محروم کر دیا ہے۔ نہر فرات کے اس پانی سے جس کو یہودی مجوسی اور نصرانی بھی پیتے ہیں اور جس میں دنیا کے سور اور کتے بھی لوٹ رہے ہیں اور امام حسین اور حضرت کے ساتھیوں کی یہ حالت ہے کہ پیاس نے ان سب کو مردہ حال کر دیا ہے۔ سبحان اللہ تم لوگوں نے حضرت رسول کی ذریت کے ساتھ کیسا غضبناک سلوک کیا ہے۔ خدا تم لوگوں کو پیاس کے دن (قیامت میں) ایک قطرہ بھی پینے کو نہ دے اس پر دشمنوں نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تو وہ وہاں سے ہٹ کر امام حسین کے سامنے آکھڑے ہوئے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۵) اور علامہ ابن کثیر شامی نے لکھا ہے کہ حر نے دشمنوں سے خطاب کرکے کہا تم لوگوں پر کس قدر افسوس ہے کہ امام حسین اور ان کی عورتوں اور بیٹیوں پر نہر فرات کے اس پانی کو بند کر رکھا ہے جس سے یہودی اور نصاری بھی پیتے رہتے ہیں اور جس میں دنیا کے کتے اور سور لوٹتے رہتے ہیں۔ امام حسین اور نہر فرات کے درمیان تم لوگ حائل ہوگئے ہو وہ نہر

فرات جس میں کتے اور سور بھی پیتے ہیں اور امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو پیاس نے مُردہ حال کر رکھا ہے۔ تم نے حضرت رسولؐ کی ذریت کے ساتھ کیسا بُرا برتاؤ کر رکھا ہے۔ خدا تم کو بڑی پیاس کے دن (قیامت میں) کچھ بھی نہ پلائے۔ (کتاب البدایۃ والنہایۃ مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۱۸۱) اور علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ مصر اور علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۴ میں) اور دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے کہ دشمنوں نے امام حسین اور شہداء کربلا کو پورے تین دن تک بدحال کر دیا تب قتل کیا۔ اگر پانی بند نہ ہوتا تو یقیناً جنگ کربلا کا نتیجہ دوسرا ہوتا۔

اگر پانی بند نہیں کرتے تو یزید والے کبھی امام کو قتل نہیں کر سکتے تھے

علماء محققین اہلسنت نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ اگرچہ یزیدی فوج ہزاروں ہزار تھی اور امام حسین چھوٹے بڑے بچے تک ملا کر صرف ۷۲ تھے پھر بھی اگر ابن زیاد ظلم نہیں کرتا جو جانوروں تک پر نہیں کیا جاتا اور لوگ سانپ بچھو کے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ یعنی ان حضرات پر پانی نہیں بند کر دیتا تو کبھی یہ لوگ ان حضرات کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ اور پانی بند کرنا بھی ایک دن کے لئے نہیں تھا۔ دو دن کے لئے نہیں تھا۔ مسلسل تین دن تک تھا۔ وہ بھی کربلا کی ریتلی زمین پر اور اکتوبر کی شروع تاریخوں میں جب آفتاب کی گرمی سے کسی جاندار سے دھوپ میں ٹھہرا نہیں جاتا اور جب گرمی کی وجہ سے ہر شخص پانی پینے پر بھی پریشان اور بدحواس رہتا ہے۔ ہندوستان میں تو بارش کی وجہ سے اس وقت اتنی گرمی محسوس اور دھوپ اس درجہ تیز نہیں معلوم ہوتی مگر عرب میں اور خاص کر جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ وہاں تو اکتوبر کے شروع میں اس درجہ گرمی ہوتی ہے جس کا اندازہ ہندوستان کے لوگ کسی طرح کر ہی نہیں سکتے ہیں اور نہ اس کی تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ یزیدی فوج گھنٹہ گھنٹہ پر پانی پی کر لڑتی اور شہداء کربلا ۷۲ گھنٹے کی پیاس میں جہاد کرتے رہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اسی وجہ سے یہ حضرات شہید ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ حضرات تلواروں نیزوں اور تیروں سے نہیں بلکہ درحقیقت بھوک پیاس ہی سے قتل کئے گئے۔ اگر یہ ہتھیار نہ ہوتے تو ان کا قتل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے ولولا ما کادوہ بہ من انہم حالوا بینہ وبین الماء لم یقدروا علیہ اذ ہو الشجاع القرم الذی لا یزول ولا یتحول ولما منعوہ واصحابہ الماء ثلاثا قال لہ بعضہم انظر الیہ کانہ کبد السماء لا تذوق منہ قطرۃ حتی تموت عطشا اگر یزیدی فوج امام حسین کے ساتھ یہ کید و مکر نہ کرتی کہ سب لوگوں پر تین دن تک پانی بند رکھا تو کبھی حضرت پر غالب نہیں آ سکتی تھی کیونکہ حضرت وہ بہادر اور بلند ہمت تھے کہ نہ اپنی جگہ چھوڑتے اور نہ وہاں سے ہٹتے اور جب یہ لوگ تین روز تک حضرت پر

پانی بند رکھو چکیے تو ایک شقی نے حضرت سے کہا آپ دیکھتے نہیں پانی کیسا آسمان کے جگر کی طرح چمک رہا ہے مگر آپ مرتے وقت تک اس سے ایک قطرہ بھی چکھنے نہیں پائیں گے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۸ و شرح قصیدہ ہمزیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۹)

اہل قرآن کا مطالبہ کہ قرآن سے واقعہ کربلا کو ثابت کیا جائے

ایک نیا فرقہ اہل قرآن بھی پنجاب میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ قرآن مجید سے واقعہ کربلا اور امام حسین کے برحق ہونے کا ثبوت دیا جائے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کا نزول ۲۸ صفر سنہ ۱۱ ھ کے بعد بالکل موقوف ہوگیا اور واقعہ کربلا سنہ ۶۱ھ میں ہوا۔ تو پچاس سال پہلے کیونکر اس کی خبر دی جاتی پھر بھی دونوں باتوں کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے۔ خدا نے فرمایا ہے وفدینٰہ بذبح عظیم اور ہم نے حضرت اسمٰعیل پیغمبر کا فدیہ ایک ذبح عظیم کو قرار دیا۔ (پارہ ۲۳ رکوع ۷ سورۂ والصافات آیۃ نمبر ۱۰۷) انصاف پسند علماء اہل سنت نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے امام حسینؑ کے درجات کو عالم باطن میں دیکھکر خدا سے پوچھا کہ یہ کس درجہ کا ہے۔ فرمایا پیغمبر آخرالزماں کے فرزند امام حسین کا ہے۔ میں نے انھیں کو اسماعیل کا فدیہ قرار دیا ہے (معارج النبوت صفحہ ۳۵) یہ تفسیر علماء اسلام میں اس درجہ مشہور اور مسلم الثبوت ہے کہ لاہور کے مشہور شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم اے۔ پی۔ ایچ ڈی بیرسٹر نے اپنی مشہور مثنوی "رموز بے خودی" میں لکھا ہے:

عشق را آرام جاں حریت است	ناقہ اش را ساربان حریت است
آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد	عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آں امامِ عاشقاں پور بتول	سرو آزادے زبستان رسول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر	معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادہ خیر الملل	دوش ختم المرسلیں نعم الجمل
درمیان امت آں کیواں جناب	ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون شبیر و یزید	ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیری است	باطل آخر داغ حسرت میری است
تا قیامت قطع استبداد کرد	موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است	پس بنائے لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر	خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد	دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرِ ابراہیم و اسماعیل بود　　یعنی آں اجمال را تفصیل بود!

یعنی عاشقانِ حق کے اس امام کو دیکھئے جو سیدہ کے لال اور رسولؐ کے باغ کے سرو آزاد تھے۔ اللہ اللہ باپ تو بسم اللہ کی ب قرار پائے اور بیٹے (امام حسین) ذبح عظیم کی تفسیر ہوئے۔ اس خاندان کے لئے جو بہترین است تھا حضرت رسول کا کاندھا بہترین اونٹ بنایا گیا۔ اسلام میں امام حسین کا وہی درجہ ہے جو قرآن مجید میں سورۂ قل ہو اللہ احد کا ہے۔ حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون اور امام حسین کے مقابلہ میں یزید ہوا۔ یہ دو قوتیں حیات سے ظاہر ہوئیں۔ امام حسین کی قوت سے حق زندہ ہے اور امیر معاویہ کی آخری حسرت کا داغ باطل ہے۔ امام حسین نے قیامت کے لئے فرعونیت کی رگیں کاٹ دیں۔ حضرت کے خون کی موج نے حقیقی اسلام کا ایک شاداب باغ لگا دیا ہے۔ امام حسین حق کے لئے اپنی خاک و خون میں لوٹے اسو جہ سے حضرت ہی بنا رکلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو گئے۔ امام حسین کی غرض اگر سلطنت ہوتی تو اس مختصر سامان سے آپ سفر نہیں کرتے کہ دشمن کا لشکر تو ریگ صحرا کی طرح بے حساب تھا اور امام حسین کے اصحاب یزداں کے عدد کی طرح صرف ۷۲ تھے۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے واقعہ کے راز اور بھید امام حسین ہی تھے۔ حضرت اسمٰعیل کا واقعہ اجمال تھا اور امام حسین کا واقعہ اس کی تفصیل ہوا (رموز بیخودی مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۲۶) اور دوسرا مطالبہ کہ امام حسینؑ کے برحق ہونے کی دلیل دی جائے۔ تو خدا نے قرآن مجید میں بے حساب جگہ فرمایا ہے۔ ظالموں کا ساتھ نہ دو۔ ظالموں کی مدافعت نہ کرو۔ ظالموں کی مدد نہ کرو۔ ظالموں کی طرف جھکو تک نہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الآیہ۔ اے مسلمانو! جو لوگ ظلم کرتے ہیں خبردار تم لوگ ان کی طرف جھکنا بھی نہیں (پارہ ۱۲ ع ۱۰)

مولانا سید محمد باقر صاحب کے حکم سے مطبع اصلاح کھجوا میں چھپ کر شائع ہوا

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم الشان سوانح عمری

رسالہ اصلاح کھجوا (بہار) جنوری ۱۹۵۱ء سے حضرت امیر المومنینؑ کی عظیم الشان سوانحعمری پیش کر رہا ہے
رسالہ اصلاح کے ساتھ ہر سال ایک جلد شائع ہو رہی ہے چنانچہ ابتک ۳ جلدیں شائع ہو کر
ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں

اعجاز الولی (پہلی جلد)

جس میں دکھایا گیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید پیغمبر کا زندہ معجزہ ہے کہ مخالفین آج تک کوئی جواب نہ لا سکے اسی طرح پیغمبر کے اہلبیت خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ کی ذات نبی اسلام کا عظیم الشان اور بے مثل معجزہ ہے کیونکہ حضرت کے مخالفین بھی گردون مخالفین حضرت کے فضائل و کمالات، دینی خدمات چھپانے بلکہ مٹانے کی انتھک کوشش کرتے رہے مگر وہ لوگ کسی طرح آفتاب پر خاک نہ ڈال سکے۔

حجم ۵۰۰ صفحے۔ قیمت ساتھ روپے۔

قرآن ناطق

دوسری جلد

جس میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر فضائل و مناقب امیر المومنینؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے بھرے ہوئے ہیں ان کا عشر عشیر بھی کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ تقریباً ۳۵۰ آیتیں علمائے اہلسنت کی معتبر ترین کتب تفسیر و حدیث کے حوالوں سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج کی گئی ہیں جو حضرت امیر المومنینؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے متعلق نازل ہوئیں۔

قیمت چھ روپے

جنوری ۱۹۵۴ء

سے
چوتھی جلد
شائع ہو گی
اسی جلد سے
اصل سوانح حیات امیر المومنین
کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔
خدا نے یہ چاہا تو یہ جلد
امیر المومنینؑ کا مکمل مرقع زندگی اور
سابقہ جلدوں کی طرح ہر شیعہ علی
کے لئے بے مثل و بے نظیر علمی اور دینی
نعمت ثابت ہو گی۔

ثقل اکبر

تیسری جلد

جس میں صحاح ستہ اور دیگر مسلم الثبوت کتب احادیث اہلسنت کی وہ تمام حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں جو پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ کے متعلق ارشاد فرمائیں اس جلد کی ترتیب و تالیف میں حسن انتظام سے کام لیا گیا ہے کہ مطالعہ کرنے والا خود فیصلہ کرے کہ حضرت واقعاً نفس رسول تھے اور پیغمبر کے بعد اسلام کا سرپرست و محافظ ایسا ہی ولی خدا ہونا چاہیے جس کا درجہ حضرت پیغمبر سے اتنا ملتا جلتا ہو کہ دونوں میں بہت کم فرق معلوم ہو سکے

قیمت [illegible] پانچ روپے

دفتر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)
P.O. KUJHWA (BIHAR)

پاکستان میں دفتر اصلاح کی مطبوعات ملنے کا پتہ: سید محمد حسین صاحب بی اے ۲۸۷ جی آر ڈبلیو لارنس روڈ کراچی

محمد باقر [illegible] صاحب کے حکم سے مطبع اصلاح کھجوا [illegible] چھپ کر شائع ہوا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم الشان سوانح عمری

شیعیان ہند و پاکستان کا محبوب ہر دلعزیز ماہنامہ اصلاح کھجوا (بہار) جو جنوری ۱۸۹۶ء (تقریباً ۵۹ سال)
سے دین حق کی حمایت و ترقی میں مشغول ہے اور مذہب شیعہ کے حق ثابت کرنے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دے چکا ہے
خداوند عالم کی تائید پر بھروسہ کر کے جنوری ۱۹۵۵ء سے حضرت امیر المومنینؑ کی عظیم الشان سوانح عمری پیش کر رہا ہے
خدا نے چاہا تو یہ سوانح عمری مذہب شیعہ کے حق ثابت کرنے کا بہترین خزانہ ہوگی۔ یہ سوانح عمری کئی جلدوں میں ہوگی اور
رسالہ اصلاح کے ساتھ ہر سال ایک جلد شائع ہوگی۔ چنانچہ اب تک ۳ جلدیں شائع ہو کر ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

اعجاز الولی (پہلی جلد)

جس میں دکھایا گیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید پیغمبر کا زندہ معجزہ ہے کہ شروع سے آج تک اس کے کروڑوں مخالفین گزر گئے
مگر کوئی اس کا جواب نہیں لا سکا بالکل اسی طرح حضرت رسولؐ کے اہلبیتؑ اور خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ کی ذات بھی
اسلام کا عظیم الشان اور بے مثل معجزہ ہے کیونکہ حضرت کے مخالفین بھی کروڑوں گزر گئے جو حضرت کے فضائل و کمالات،
دینی خدمات و اسلامی احسانات چھپانے بلکہ مٹانے کی انتھک کوشش کرتے رہے مگر وہ لوگ کسی طرح آفتاب پر خاک ڈال سکے
اور اب بھی حضرت کے علمی و دینی اور دنیوی کارنامے کتابوں میں اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں کہ حضرت رسول خدا کے
سوا کسی کے بھی نہیں مل سکتے۔ لکھائی چھپائی بہترین۔ حجم ۵۰۰ صفحے۔ قیمت صرف سات روپے (معہ)

قرآن ناطق (دوسری جلد)

جس میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں خدا اور حضرت رسولؐ کے بعد جس قدر فضائل، مناقب، شرف، عزت، عظمت و جلالت
اور کمالات، احسانات حضرت امیر المومنینؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے بھرے ہوئے ہیں ان کا دسواں بلکہ سواں حصہ بھی کسی اور
صحابی یا کسی زوجہ رسولؐ کا نہیں مل سکتا۔ لکھائی و چھپائی بہترین۔ حجم ۳۰۰ صفحے۔ قیمت صرف چھ روپے (دس آنے)

ثقل اکبر (تیسری جلد)

جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ باوجودیکہ دنیا علیؑ کی دشمن تھی، پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد علیؑ کے خلاف
بغض و عناد کی آندھیاں چلنے لگیں۔ دشمنان اہلبیتؑ اپنے کینہ و حسد دیرینہ سے حق کی پردہ پوشی اور باطل کو فروغ دے
رہے تھے اسلام کی دولت مسلمانوں کے ذہنوں کے لیے غم بنا دی گئی۔ علیؑ کے فضائل چھپانے کے لیے سلطنت اسلام کے
خزانوں کے منہ کھول دیے گئے مگر جس طرح ان کی ساری اجتماعی طاقتیں کلام مجید کی آیات میں رد و بدل نہ کر سکیں اسلامی
لٹریچر سیکڑوں آیتوں کی تفسیر سے بھرا پڑا ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ حضرت امیر المومنینؑ ہی کی شان میں نازل ہوئیں دوسرا
کوئی شخص ان آیات کا مصداق نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انکی صحیح ترین کتابوں میں علیؑ کے فضائل و مناقب مدح و ثنائی تیں بارہ نبی کی
موجود ہیں جنکی صحت کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ ان حدیثوں کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص ذرہ برابر بھی لائق توجہ ہو سکتا ہے اس
جلد کی ترتیب و تالیف بھی اس حسن و انتظام سے کی گئی ہے کہ مطالعہ کر نیوالا خود فیصلہ کر لے کہ حقیقتاً افضل رسول تھا اور رسولؐ کے بعد اسلام کا سرپرست و محافظ
ایسا ہی ولی خدا ہونا چاہیے جس کا درجہ حضرت رسولؐ سے اتنا ملتا جلتا ہو کہ دونوں میں بہت کم فرق معلوم ہو سکے۔

دفتر اصلاح کھجوا صوبہ (بہار)

پاکستان میں دفتر اصلاح کی مطبوعات ملنے کا پتہ:۔ سید محمد حسین صاحب بی اے ۱۸۷ جی آر ڈبلیو لارنس روڈ کراچی

باہتمام مطبع اصلاح کھجوا سے چھپ کر شائع ہوئی